کمپنی کی حکومت
باری علیگ
PDFBOOKSFREE.PK

باری علیگ

طیب پبلشرز
۵ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ ○ اُردو بازار لاہور
فون : ۷۲۳۱۷۷۸

کتاب ——— کمپنی کی حکومت
مصنف ——— باری علیگ
اشاعت ——— اگست 2001ء
مطبع ——— حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور
اہتمام ——— محبوب الرحمٰن انور
برائے ——— طیب پبلشرز فون:7241778
قیمت ——— =/250 روپے

فہرست

پیش لفظ

"کمپنی کی حکومت" کے پہلے ایڈیشن کا انداز تحریر یک طرفہ اور طریق تنقید منتقمانہ تھا۔ منطق کم اور لفاظی زیادہ' اس پر بھی کتاب کی مقبولیت کا راز اجنبی راج سے نفرت کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟ دوسرے ایڈیشن میں کتاب کو اگرچہ دہرایا اور بڑھایا گیا پھر بھی فرصت کم ہونے کی وجہ سے اپنے کام سے تسلی نہ ہو سکی۔ تیسرے ایڈیشن کی تیاری تک مصنف تاریخ نگاری کے جدید ترین نظریوں کا مطالعہ کر چکا تھا۔ چنانچہ نئے ایڈیشن میں ہندوستان کی تاریخ کے اس دور کو عالمگیر تاریخ کے تسلسل کی ایک کڑی بنا کر پیش کیا گیا۔ نیز ان معاشی عناصر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی جو اس دور میں ہندوستان کی تاریخ پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ "کمپنی کی حکومت" کے چوتھے ایڈیشن میں تیسرے ایڈیشن کے اصولوں کے ماتحت چند ایک نئے باب بڑھا دیئے گئے ہیں۔

باری

لاہور' نومبر 1945ء

دیباچہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ قریباً اڑھائی سو سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس مدت کو تین دوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور میں جو سترھویں صدی میں شروع ہو کر پلاسی کی لڑائی پر ختم ہوتا ہے "کمپنی" ہندوستان میں اپنے تمام یورپی رقیبوں پر غلبہ پانے کے ساتھ ہی ہندوستان کے مختلف صوبوں کے سیاسی معاملوں میں دخل دیتی ہے۔ اس مدت میں کمپنی کے ملازموں نے ہندوستان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ کرناٹک کے ایک نواب نے کمپنی کی مجلس نظامت کے ممبروں کو لکھا تھا کہ "آپ کے ملازموں کا اس ملک میں کوئی خاص کاروبار نہیں ہے۔ کمپنی کی طرف سے انہیں بہت تھوڑی تنخواہ دی جاتی ہے لیکن اس پر چند ایک سال میں کمپنی کے ملازم لاکھوں روپیہ لے کر واپس جاتے ہیں۔ اس کمائی کے اسباب آپ بھی جانتے ہیں اور مجھ سے بھی چھپے ہوئے نہیں۔" پلاسی کی لڑائی کے بعد کمپنی کے ہاتھ میں تجارت کے ساتھ حکومت بھی آجاتی ہے، حصے داروں کا منافع بڑھنے لگا، ملازموں نے لوٹ کھسوٹ بڑھا دی، برطانوی حکومت کی آمدنی میں لاکھوں کا اضافہ ہوا۔ ہندوستان سے حاصل کی ہوئی یا چھینی ہوئی دولت نے انگلستان میں مشینی اور صنعتی انقلاب پیدا کئے۔ ان انقلابوں نے جہاں ہندوستان کی عمومی معیشت کو نقصان پہنچایا وہاں انہوں نے برطانوی ہندوستان میں دیسی گماشتوں (بنیوں اور ساہوکاروں) کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا جو بہت سی پابندیوں سے آزاد تھا۔ پلاسی کی لڑائی کے بعد پچھتر سال تک کمپنی کا دوسرا دور رہا۔ اس دور میں کمپنی تجارت اور حکومت دونوں پر قابض رہی۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ کے ایک قانون نے کمپنی سے تجارت کرنے کا حق چھین لیا۔ کمپنی کا تیسرا دور آئندہ پچیس سال پر مشتمل تھا۔ اس دور میں کمپنی نے اپنے مقبوضات بڑھانے کی پالیسی اختیار کی۔ 1857ء کے ہنگامے کے بعد برٹش پارلیمنٹ نے کمپنی کے اختیار حکومت کو بھی ختم کر دیا۔

باری

باب ۱

ہندوستان کا مغربی ساحل

جنوبی ہندوستان کا وہ ساحلی علاقہ جو ڈیلی پربت سے شروع ہو کر راس کماری تک چلا جاتا ہے مالا بار کہلاتا ہے۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کا یہ علاقہ مغربی گھاٹ کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کے مشرقی ساحل کے باشندوں سے الگ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سیاسی لحاظ سے مالابار اگرچہ مختلف ریاستوں اور ضلعوں میں بٹا ہوا ہے لیکن اس کی جغرافیائی اور نسلی وحدت صاف نمایاں ہے۔ جب جنوبی ہند کے اندرونی علاقوں کے لوگ چین اور یورپ کے شہروں کے نام تک نہیں جانتے تھے تب مالاباری مشرق اور مغرب کے دور دراز شہروں سے تجارت کرتے تھے۔ مالاباریوں اور فونیقیوں کے تعلقات پر بھی حال ہی میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ بابل اور نینوا کے ساتھ بھی مالابار کے تعلقات کا پتا چلتا ہے۔ یہودی اپنے سیاسی عروج کے زمانے میں مالابار سے واقف تھے۔ ایک ہزار ق۔ م میں مور کے لیے عبرانی زبان میں تامل زبان کا لفظ توکائی' توکی کی شکل میں رائج ہوچکا ہے۔ صدیوں تک بحر احمر' بحر عرب اور بحر ہند کی تجارت پر مصری اور مشرقی یونانی قابض رہے اس مدت میں مالابار کی تجارت نے بہت ترقی کی۔ پہلی صدی میں جب ایک یونانی نے موسمی ہواؤں کو دریافت کرلیا' تو اس سے ایک طرف سمندری سفر میں آسانی پیدا ہوگئی اور دوسری طرف مالابار اور مغربی بندرگاہوں میں گہرا تجارتی تعلق قائم ہوگیا۔ رومیوں کے عروج میں بھی مالابار کی تجارتی حیثیت برقرار رہی۔ روم کے بہت سے سکے مالابار کی زمین سے نکالے جاچکے ہیں۔ اس زمانے میں مالابار کی سب سے مشہور بندرگاہ موچیری (یونانیوں اور رومیوں نے اسے موزیرس لکھا ہے) تھی۔ اس بندرگاہ میں یہودی اور عیسائی بھی آباد تھے۔ عرب تاجر بھی مالابار کی بندرگاہوں میں

آتے جاتے تھے۔ آٹھویں صدی کے شروع میں مالابار کی تجارت پر عربوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ مالابار کی بندرگاہوں کا قاہرہ، تونس، بصرہ اور دوسرے عرب شہروں کے ساتھ تعلق قائم ہوگیا۔ عربوں کی تاجرانہ سرگرمیوں نے مغربی ملکوں میں مالابار کی پیداوار کی مانگ کو بڑھادیا۔

ازمنہ وسطیٰ اور اس سے پہلے ہندستان کا تجارتی مال خشکی کی راہ سے ایران سے ہوتا ہوا حلب تک پہنچتا تھا۔ حلب سے یہ مال اٹلی کی بندرگاہوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ ان بندرگاہوں سے یہ مال ان قوموں اور ملکوں تک پہنچا دیا جاتا جنہیں اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ صدیوں بعد خلیج فارس کی راہ سے ہندوستان کا تجارتی مال حلب تک پہنچایا جانے لگا۔ بحر احمر کی راہ سے بھی یورپ کے ملکوں تک ہندوستان کا تجارتی مال پہنچنے لگا۔ سویز سے یہ تجارتی مال قاہرہ پہنچایا جاتا اور وہاں سے تجارتی قافلے اسے اسکندریہ تک پہنچا دیتے۔ اس تمام کاروبار میں جہاں مشرق کے کئی ایک شہر فائدہ اٹھاتے تھے وہاں اٹلی کی بندرگاہ وینس اس لین دین سے مالا مال ہوگئی۔ تحریک احیا کے دنوں میں وینس یورپ کا سب سے بڑا مال دار شہر بن چکا تھا۔ اٹلی کے سوداگر ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں کا مال مہنگے داموں پر فروخت کرتے تھے۔ اس اثنا میں یورپی ملک صدیوں کی بربریت سے رہائی حاصل کرکے تہذیب کے دائرے میں داخل ہورہے تھے۔ تہذیب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یورپی ملکوں کو ایشیائی مصنوعات خریدنی پڑتی تھیں۔ یورپ کے تمام سیانے بادشاہ اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سے ان کی رعایا کو مشرق کے ساتھ تجارت کرنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ پرتگال کے شہزادے ہنری نے اپنی ساری زندگی پرتگال سے براہ راست ہندوستان تک سمندری راستہ تلاش کرنے میں گزاردی۔ پرنس چند معمولی قسم کے جہازوں کا ایک بیڑہ لے کر شمالی افریقہ کے ساحل کی طرف چل نکلا۔ پرتگیزوں نے نہایت آسانی سے قیوطہ پر قبضہ کرلیا۔ پرنس ہنری نہ صرف ایک بہادر سپاہی تھا بلکہ ایک طالب علم بھی تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو سانیسرو، سینی کا اور پلینی کے مطالعہ سے روشن کر رکھا تھا۔ عرب جغرافیہ نگاروں کی کتابوں نے اس کے دل میں جہاں بینی کا شوق پیدا کردیا تھا۔

پرنس ہنری کا قدم اب اس براعظم پر تھا جس کی معدنی دولت اور جس کی

صحرائی زندگی کے محبت بھرے افسانے وہ بچپن سے سنتا چلا آرہا تھا۔ اس نے جنگی قیدیوں سے ملک کے اندرونی حصوں کے حالات پوچھے۔ شہزادے کو بتایا گیا کہ "مراکش کے شہروں میں دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ وہاں علم و فضل کے بڑے چرچے ہیں۔ صحرائے اعظم کے جنوب میں ایک بہت بڑا ملک ہے جس میں حبشی رہتے ہیں جس میں بڑے بڑے دربار ہیں اور جو مراکش سے خشکی کے ذریعہ سات دن کا سفر ہے اور اگر اس ملک تک سمندر کے ذریعہ پہنچنا ہو تو صحرائی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف سفر کرنے سے اس ملک کے دریاؤں کے دہانوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

قیدیوں کی اس بات چیت کے بعد پرنس ہنری نے صحرا کے جنوب میں واقع ممالک کی تلاش کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ اس نے ایک رصدخانہ تیار کیا۔ ایک بحری اسکول جاری کیا گیا۔ اس کے دربار کی رونق طوفانی تباہ کاریوں سے بچے ہوئے ملاحوں اور جہازیوں سے تھی۔ مارکوپولو کا سفرنامہ اس کی بائبل تھا۔ اپنے عرب دوستوں کی مدد سے اس نے دنیا کا نقشہ سنگ مرمر پر کندہ کرا رکھا تھا۔ پرنس کے قبضے میں بہت دولت تھی۔ دولت کی اس فراوانی نے ذوق سفر اور شوق جستجو کو آسان کردیا۔

جب سارا سامان سفر تیار ہوگیا تو شہزادے نے حکم سفر دیا۔ مہم پردازوں کے یہ جہاز افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے دائیں طرف اوقیانوس کی تاریکیاں اور بائیں جانب صحرائی شعلے تھے۔ شہزادے کے ساتھیوں کو اس امر کا بہت کم یقین تھا کہ ریت کے اس سمندر کے جنوب میں روئیدگی کے کوئی آثار دکھائی دے سکتے ہیں' چنانچہ تیزی سے آگے بڑھنے کی جگہ یہ بحری قافلہ ساحل پر جہاں کہیں دیسی باشندوں کو دیکھ لیتا وہیں رک جاتا۔ "پرتگال! پرتگال" کہتے ہوئے باشندے اس قافلے پر حملہ کرتے لیکن پرتگیزی ان میں سے چند ایک کو قید کرکے لے جاتے۔

پرنس ہنری اپنے قلعہ میں بیٹھا اس مہم کے نتائج پر غور کرتا۔ بحیرہ اوقیانوس کے کنارے پر کھڑا ہوکر وہ گھنٹوں موجوں کا رقص و سرود دیکھتا۔ ساحل اوقیانوس کا یہ محل بین الاقوامی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے لیکن اس زمانے کے عوام

اس قلعے کو کسی جادوگر کا غار خیال کرتے ہوں گے۔ جب مسافر ایک دراز قامت شخص کو کمبل میں لپٹا ہوا اور ٹوپی پہنے ہوئے دیکھتے تو مارے خوف کے بھاگ جاتے۔ چاندنی راتوں میں یہی شخص اپنی رصدگاہ میں ایک عجیب و غریب آلہ ہاتھ میں لیے آسمان پر نظر دوڑاتا ہوا دکھائی دیتا۔ پرنس ہنری کئی جہاز روانہ کرچکا تھا۔ لیکن اسی اثنا میں لزبن میں شہزادے کے خلاف یہ جذبہ پیدا ہوگیا کہ وہ مقدس کلیسا کی دولت کو محض تسکین جنون کے لیے خرچ کر رہا ہے۔ اس زمانے میں یورپی لوگوں کا یہ خیال تھا کہ صحرائے اعظم کے جنوب میں جہنم ہے اور پرنس پرتگیزوں کو دوزخ میں بھیج رہا ہے۔ لوگوں کے اس جغرافیائی عقیدے پر شہزادے اپنے اوقیانوسی قلعے میں بیٹھا مسکراتا ہوگا۔

ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے پرتگال میں پرنس ہنری کے متعلق رائے عامہ کو بدل دیا۔ صحرائی ساحل پر جن لوگوں کو قید کیا گیا تھا انہوں نے سونے اور حبشی غلاموں کے بدلے اپنی رہائی حاصل کرنا چاہی۔ لزبن کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ "جہنم" میں سونے کی کثرت ہے تو انہوں نے پرنس ہنری کی مخالفت ترک کردی۔ لزبن میں "جہنم" سے تجارت کرنے کے لیے تجارتی کمپنیاں قائم کی گئیں۔ شہزادہ کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنے سے انسان ہندوستان کے ساحل تک پہنچ سکتا ہے۔ وینسی دوستوں نے شہزادے کو جو مکتوب اور نقشے بھیجے ان سے شہزادے کا یقین مزید مستحکم ہوگیا۔ چنانچہ اس نے پوپ سے اس امر کا اجازت نامہ حاصل کرلیا کہ ہندوستان تک پرتگیزی جن علاقوں کو دریافت کریں وہ پرتگال کے ماتحت ہوں گے۔

پرتگیزوں نے گولڈ کوسٹ دریات کرلیا تھا۔ ایلمینہ میں ایک قلعہ اور ایک گرجا بنایا گیا۔ پرنس ہنری کے بعد شاہ جون ثانی نے ان مہموں کو جاری رکھا۔ لزبن میں ملاحوں، جہازیوں، تقدیر آزماؤں اور مہم پردازوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ مختلف مقامات کے تقدیر آزما اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ ان تقدیر آزماؤں میں کولمبس بھی تھا۔ افریقی ساحل کی مہموں کی کامیابی کے پیش نظر شاہ پرتگال نے فیصلہ کرلیا کہ سمندر کے ذریعہ ہندوستان پہنچنے کی مہم کو بہت جلد روانہ کرنا چاہیے۔ لزبن میں جشن منایا جارہا ہے۔ ہر مینار پر پھریرے لہرا رہے ہیں۔ دروازوں پر قیمتی کپڑے لٹک

رہے ہیں۔ گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ گولے چلائے جا رہے ہیں۔ چھتوں پر پرتگیزی لڑکیاں نیم مشرقی انداز میں جلوس کی منتظر ہیں۔ جلوس کے آگے ایک شخص قیمتی لباس پہنے ہوئے جا رہا ہے اور اس کے پیچھے چند لوگ ملاحوں کا لباس پہنے ہوئے ننگے پاؤں جا رہے ہیں۔ واسکو دے گاما اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکل چکے ہیں۔ دو سال آٹھ مہینے گزر گئے۔ لزبن میں پھر وہی رونق تھی۔ شہر میں چراغاں کیا گیا۔ ملاحوں نے ایک عام جلسہ میں لزبن سے کالی کٹ تک کے سمندری سفر کے واقعات بیان کیے۔ اسی دن وینس کے سفیر نے اپنی حکومت کو لکھا کہ اس نے لزبن میں ہندوستانی مال سے لدے ہوئے جہازوں کو دیکھا ہے۔ اس نے اپنے دوسرے خط میں لکھا کہ ایک بہت بڑا جنگی بیڑا تیار کیا جا رہا ہے کیونکہ واسکو دے گاما ہندوستان فتح کرنا چاہتا ہے۔ جب وینس والوں نے دیکھا کہ ان کی تجارت تباہ ہونے والی ہے تو انہوں نے سلطان مصر کو مداخلت کے لیے لکھا۔ حکومت وینس نے سلطان مصر کو توپیں بھیجیں تاکہ وہ انہیں ہندوستان کے شہزادوں تک پہنچا دے۔ انہوں نے سلطان سے درخواست کی کہ انہیں نہر سویز کھودنے کی اجازت دی جائے تاکہ ان کے تجارتی جہاز پرتگیزوں سے پہلے ہندوستان پہنچ سکیں۔ جب پرتگال کو وینس کے ان ارادوں کا پتا چلا تو البوکریک نے سلطان مصر کو ایک توہین آمیز خط لکھا۔ سلطان کمزور تھا۔ وہ وینس کی مدد نہ کر سکا۔ بحر ہند نے ایک پرتگیزی جھیل کی صورت اختیار کر لی۔ بحر ہند کے ساحل پر شاید ہی کوئی ایسا مقام تھا جہاں پرتگیزوں نے بم باری نہ کی ہو۔ بحر ہند کے پانیوں میں کوئی جہاز حرکت نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ اس کے پاس پرتگیزی پاسپورٹ نہ ہوتا۔ وینس والوں نے شاہ پرتگال سے درخواست کی کہ انہیں ایک بڑی رقم کے عوض ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے، لیکن شاہ پرتگال نے وینس کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ اس استرداد کے بعد ہندوستان کی مصنوعات کی منڈی وینس کی جگہ لزبن بن گئی۔ دجلہ، فرات اور نیل کے شہروں پر تجارتی زوال شروع ہو گیا۔ وسط ایشیا کی کاروائی تجارت کو بہت نقصان پہنچا۔ بین الاقوامی تجارت کی مرکزیت بحیرہ روم کے ساحل سے ہٹ کر اوقیانوس کے ساحل پر چلی گئی۔

پرتگال کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ افریقہ کے مغربی ساحل، مشرقی ساحل (بحر

احمر کے ساحل تک) خلیج فارس سے ساحل مالابار تک، کورو منڈل، مجمع الجزائر، سیام اور برما سے کیسٹن اور شنگھائی تک قلعوں کی ایک زنجیر قائم ہو گئی۔ پرتگیزوں نے مٹھی بھر سپاہیوں سے بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی۔ چھوٹے چھوٹے قلعوں کے ذریعے بڑی بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کیا لیکن شروع سے آخر تک پرتگیزی وحشی، قاتل اور ڈاکو تھے۔ پرتگال کی حیرت انگیز کامیابی ہماری آنکھیں بند کر دیتی ہے۔ ہم اندھے ہو کر پرتگیزوں کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کو نہیں دیکھ سکتے لیکن آہستہ آہستہ جب ہم آنکھیں کھولتے ہیں تو ہمارے سامنے پرتگیزی مظالم کی ایک لرزہ خیز تصویر ہوتی ہے۔

پرتگال اور ہسپانیہ کے وسیع مقبوضات کا الحاق فلپ دوم کے دور حکومت میں ہوا۔ اس نے لزبن کی بندرگاہ کو ہالینڈ کے "بے دین اور باغی" ولندیزوں پر بند کر دیا۔ ولندیز محض تسکین ذوق کے لیے طویل بحری سفروں کے حامی نہیں تھے۔ لیکن جب انہیں اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے جہاز بھی تلاش اور دریافت میں چل نکلے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے بھی ان کا تتبع کیا چنانچہ یہ قومیں منطقہ حارہ میں ایک دوسرے سے لڑنے لگیں۔

پندرہویں صدی کے آخری برسوں تک تقریباً" ایک سو برس کی سمندری مہموں کے بعد پرتگالیوں نے افریقہ کے مغربی ساحل، راس آمید اور کسی حد تک افریقہ کا جنوب مشرقی ساحل دریافت کر لیا تھا۔ افریقہ کے مشرقی ساحل کی بندرگاہوں پر پرتگالی جہازیوں نے عرب تاجروں اور جہازیوں سے بحر ہند کے تجارتی راستوں اور بندرگاہوں کے متعلق معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اب پرتگیزی اس قابل ہو گئے تھے کہ وہ ہندوستان کا سمندری راستہ دریافت کرنے کے لیے آخری کوشش کرتے۔

ہندوستان دریافت کرنے کی یہ مہم ۳۷ برس کے ایک پرتگیزی جہازی واسکوڈے گاما کے سپرد کی گئی۔ واسکوڈے گاما تین جہازوں کے ایک چھوٹے سے بیڑے کو لے کر ۸۔ جولائی ۱۴۹۷ء کو پرتگال سے چل پڑا۔ ان میں سب سے بڑے جہاز کا وزن ایک سو پچاس ٹن تھا۔ راس آمید کا چکر کاٹنے کے بعد یہ بیڑہ افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل تک جا پہنچا۔ واسکوڈے گاما کو موزنبیق کے حکمران کی مخالفت کا

سامنا کرنا پڑا۔ اپریل ۱۴۹۸ء میں وہ زنجبار سے دو سو میل شمال میں واقع ملندہ کی بندرگاہ میں پہنچا۔ ملندہ کے سردار نے گاما کی آؤ بھگت کی۔ جنوب مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں کے عرب جہازی اس سمندری راستے سے واقف تھے جو ہندوستان تک لے جاتا تھا۔ ہندوستان (مالا بار) اور جنوب مشرقی افریقہ میں اسی راستے سے تجارت ہوتی تھی۔ چونکہ پرتگیزی جہازیوں کے لیے بحر ہند میں جہاز چلانا بہت مشکل تھا اس لیے واسکوڈے گاما نے عرب جہاز ران احمد بن ماجد کی خدمات حاصل کرلیں۔ جون ۱۴۹۸ء میں واسکوڈے گاما نے کالی کٹ (مالا بار) سے آٹھ میل شمال میں واقع ایک چھوٹی سی بستی کے قریب لنگر ڈال دیئے۔

پرتگیزی آخر اس ملک کے ساحل پر پہنچ گئے جس کی دولت کے افسانے سکندر کے زمانے سے یورپ میں سنے جارہے تھے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہ ملک اتنا بڑا ہے کہ اسے چھوٹا براعظم کہا جاتا ہے۔ اس کا ساحل پانچ ہزار میل ہے۔ خشکی کی سرحد کوئی چھ ہزار میل ہوگی۔ شمال میں ہمالیہ پندرہ سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ بندھیا چل نے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہندوستان اپنی زرخیزی کی وجہ سے قوموں کو اپنی طرف مائل کرتا رہا۔ صدیوں تک جنوبی قوموں کے تمدن نے شمالی ہندوستان کو متاثر کیا۔ حملہ آور قوموں کی نسلیں آج بھی بندھیاچل کے اس پار شمالی ہندوستان کی نسبت بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ مختلف قوموں کے یہاں آنے سے ہندوستان میں مختلف تمدنوں کا ایک آمیزہ تیار ہوگیا۔ ہر تمدن ہندوستان کو متاثر کرنے کے بعد خود کسی دوسرے تمدن سے متاثر ہوتا رہا۔ نو حجری عہد میں ہندوستان میں وہ قوم بستی تھی جس کی یادگار آج تک نیل گری کی پہاڑیوں میں باقی ہے۔ اس کے بعد کول اور بھل اقوام نے ہندوستان کو اپنا گھر بنایا۔ صدیوں بعد دراوڑوں نے ان قوموں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ دراوڑ ابتدا میں شمالی ہندوستان میں آباد ہوئے۔ لیکن آریوں نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو وہ کولوں اور بھیلوں سے کرچکے تھے۔ آریوں نے دراوڑوں کو شمالی ہندوستان سے نکال دیا۔ وہ جنوبی ہندوستان میں چلے گئے۔ آج جنوبی ہندوستان میں دراوڑوں کی اکثریت ہے۔ ان کی زبانیں ہندی آریائی زبانوں سے مختلف ہیں۔ شمالی ہندوستان میں دراوڑ شہری تمدن کے مدارج تک پہنچ چکے تھے۔ ان کا تمدن سومیری تمدن سے

ملتا جلتا تھا۔ ہڑپا اور موئن جوداڑو کی کھدائیوں نے ان کے تمدن کی عظمت کو ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ ان شہروں کا تمدن صدیوں کی آغوش میں پلا ہو گا۔ مصر، عراق اور ایران کی تہذیبوں کے پہلو بہ پہلو دراوڑی تہذیب بھی اپنی قدامت اور عظمت کا پھریرا لہراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ موئن جوداڑو اور ہڑپا آریوں کے آنے سے صدیوں پہلے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ سندھ اور پنجاب کا تمدن مصر اور عراق کے ہم عصر تمدن سے کسی طرح پیچھے نہیں تھا۔ ان شہروں کے لوگ سوتی کپڑا بننا جانتے تھے۔ گھروں میں غسل خانے تھے۔ شہریوں کے مکان اونچے اور صاف ہوتے تھے۔ ان کا مذہب مصریوں اور سومیریوں سے ملتا جلتا تھا۔ شمال کی راہ سے آریوں کی آمد کے ساتھ ساتھ یا ان سے پہلے شمال مشرقی ہندوستان کے دروں سے منگولی قومیں بھی ہندوستان میں داخل ہوتی رہیں۔

آریہ شمال مغربی ہندوستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے، شمالی ہندوستان میں وہ صدیوں تک دراوڑوں سے لڑنے کے بعد پنجاب پر قابض ہوئے۔ پنجاب سے وہ گنگا کی وادی میں پہنچے جہاں آریوں کی سیاست اور تہذیب اپنے عروج پر پہنچی۔ مگدھ میں ایک عظیم الشان آریہ سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مگدھ کی سلطنت کے زمانے میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا۔ بدھ نے اپنے زمانے کی تمام مجلسی برائیوں کے خلاف بغاوت کی۔ اس کا مذہب عوام کی زبان میں عوام کے لیے تھا۔ ایران نے سندھ اور پنجاب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ سکندر نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ پورس نے اس کا مقابلہ کیا۔ یونانی فوجیں بیاس کے کناروں سے واپس ہوئیں۔ پاٹلی پترا فتح کرنے کی ہوس لے کر سکندر کو واپس جانا پڑا۔ یونانی تہذیب نے شمالی ہندوستان کو متاثر کیا۔ سکندر کے جانے کے بعد پنجاب سے چندر گپت موریا اٹھا۔ اس کے وزیر چانکیہ نے اسے آئین جہاں بانی بتائے۔ چانکیہ کی ارتھ شاستر سیاسیات پر غالباً" پہلی کتاب ہے۔ موریا خاندان کے شہنشاہ اشوک کا عہد حکومت رفاہ عامہ کے کاموں سے بھرا پڑا ہے۔ موریا سلطنت کی تباہی کے بعد پانچ سو سال تک ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت دکھائی نہیں دیتی۔ اس زمانہ میں ساکا اور یوچی قوموں نے ہندوستان پر دھاوا بولا۔ ساکا قوم کا سب سے مشہور بادشاہ کنشک تھا۔ اسی زمانہ میں بودھ مت اور برہمن مت میں کشمکش ہوئی۔ پران بھی اسی زمانہ

کی یادگار ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں گپت سلطنت قائم ہوئی۔ اب پاٹلی پترا کی جگہ اجین کو ہندوستان کی مرکزیت حاصل ہوئی۔ یہ زمانہ برہمن مت کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ بکرماجیت اسی خاندان کا ایک حکمران تھا۔ گپت خاندان کے عہد حکومت میں ہندوستانی علوم و فنون اور صنعت و حرفت نے خوب ترقی کی۔ ہندوستان اور روم میں تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ جنوبی ہندوستان کے لوگوں نے جاوا اور ساٹرا میں اپنی نو آبادیاں قائم کیں۔ گپت خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان پھر بیرونی حملہ آوروں کا شکار ہوا۔ اب کے ہن قوم نے شمالی ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا۔ راجپوت اور گوجر (گرجر) اسی قوم کے مشہور قبائل تھے۔ مہرگل ہن قوم کا مشہور بادشاہ تھا۔ وہ ہاتھیوں کو پہاڑوں سے گرا کر ان کے مرنے کا تماشا کرتا اور خوش ہوتا۔ ساتویں صدی میں ہرشہ نے ہندوستان کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نظم و نسق کو ہیون سانگ ہم تک پہنچاتا ہے۔ ہرشہ اگرچہ بدھ مت کا پیرو تھا لیکن اس کے عہد میں شمالی ہندوستان میں برہمن مت نے زور پکڑ لیا تھا۔ ہرشہ کی موت کے بعد ہندوستان کی سیاسی مرکزیت ختم ہو گئی۔

اسی زمانہ میں عرب میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوا۔ ایسا انقلاب جس نے انسانی تہذیب کو بدل دیا۔ عرب صدیوں سے آزاد چلے آتے تھے۔ یمن' شام اور عراق بیرونی حکمرانوں کے ماتحت رہ چکے تھے لیکن اندرون عرب ان سے بچا رہا۔ اسلام کا ظہور حجاز میں ہوا۔ اسلام صرف بت پرستی اور شرک کے خلاف توحید و وحدت کا ایک عقیدہ ہی نہیں تھا بلکہ وہ ایک معاشی اور اجتماعی تحریک تھی۔ مکہ میں جہاں دولت مند تاجروں کا ایک طبقہ تھا' وہاں حبشی غلاموں کی تعداد بھی کافی تھی۔ مکہ کا تاجر سود خوری میں کسی یہودی سے کم نہیں تھا۔ دولت کی کثرت نے ان تاجروں کو عشرت پسند بنادیا تھا لیکن مکہ کی غالب آبادی افلاس اور بدحالی کا شکار تھی۔ اسلام نے اس عشرت پسندی' بدکاری' سود خوری اور لوٹ کھسوٹ کے ختم کردینے کا حکم دیا۔ اسلام کی مخالفت میں مکہ کے تاجر متحد ہو گئے لیکن ان کا اتحاد بے کار ثابت ہوا۔ مدینہ میں اسلام قبول ہو چکا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں عربی فتوحات کا دور شروع ہوا۔ بازنطین اور ایران کی سلطنتوں اور فوجوں کا تازہ دم عرب مجاہدوں سے مقابلہ کرنا محال تھا۔ ان کے پاس ساز و

سامان تو تھا لیکن ان کی روح مردہ ہو چکی تھی۔ عربوں نے آس پاس کے مفتوحہ ملکوں کی گری ہوئی آبادی کو سنبھالا۔ انہیں ذلت اور خواری سے نکال کر انسانیت کے دائرہ میں شامل کیا۔ ان کی روحانی اصلاح کی۔ ان کی معاشی حالت کو بہتر بنایا۔ عربوں کی یہ انقلاب آفریں فوجیں بہت جلد بنو امیہ کے اشرافیہ کے زیر نگیں ہو گئیں۔ بنو امیہ کے عہد میں عرب فتوحات معراج کمال تک پہنچ گئیں۔ لیکن اسلامی روح بدل چکی تھی۔ بنو امیہ کے عہد میں بعض ایسے قبائل کو اسلام قبول کرنے سے صرف اس لیے روک دیا گیا تھا کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے شاہی خزانہ میں کمی ہو جائے گی۔ اس عہد میں کئی ایک ایرانی قبائل کو مسلمان ہوتے ہوئے بھی جزیہ دینا پڑتا تھا۔ بنو امیہ کے عہد میں غیر عرب مسلمانوں کو اعلی عہدوں سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسی عہد میں اندرونی کشمکش اور طبقاتی بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔ بنو عباس نے اسی بے چینی اور نچلے طبقہ کی مدد سے امویوں کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔ امویوں کا دمشق خالص عربی شہر تھا۔ عباسیوں کا بغداد عربوں اور ایرانیوں دونوں کا شہر تھا۔ عباسیوں کے عہد میں معاشی بے چینی عام رہی۔ بابک خرمی کی تحریک کو عباسیوں نے بڑی مشکل سے دبایا۔ اس تحریک کے دب جانے کے بعد اسماعیلی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کو ہر اس اسلامی ملک میں کامیابی ہوئی جہاں کے عوام زبوں حال تھے۔ یہ تحریک معاشی اسباب کا نتیجہ تھی۔ یہ نئی تحریک پرانے جاگیردارانہ نظام کے خلاف بغاوت تھی۔ اسماعیلی زمین کو صرف کسانوں میں تقسیم کرنے کے مدعی تھے۔ یہ تحریک خواص کے خلاف عوام کی تحریک تھی۔ عباسیوں نے ترکوں کی مدد سے اس تحریک کو کچل دیا۔ اسماعیلیوں کی ایک جماعت قرامطہ نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ بغداد کا شاہی جاہ و حشم ان کے نام سے لرزتا تھا۔ دسویں صدی میں ملتان قرامطہ کا بہت بڑا مرکز تھا۔ محمود چونکہ ترک تھا اور اس زمانہ میں ترک عباسیوں کے محافظ تھے اس لیے اس نے ملتان پر حملہ کر کے قرامطہ کی قوت کو ختم کیا۔ موجودہ زمانہ کی اصطلاح میں ہم قرامطہ کو اشتراکی جمہوریت کے حامی کہہ سکتے ہیں۔ معاشی بے چینی اور طبقاتی کشمکش نے عباسیوں کی وسیع سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مرکز کے کمزور ہوتے ہی سلطنت میں کئی ایک آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے غزنی بھی ایک ریاست تھی۔ اس ریاست

کے حکمران سبکتگین کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے محمود کے عہد میں شمال کی طرف سے ہندوستان پر پھر حملہ ہوا۔ پرانے حملہ آوروں کی طرح انہیں بھی کامیابی ہوئی۔ یہ حملہ آور بھی ہنوں' ساکوں اور یوچیوں کی طرح ہندوستان میں آباد ہو گئے لیکن اب کے یہ حملہ آور اپنے ساتھ ایسی خصوصیات اور ایسا تمدن لائے تھے کہ وہ ہندومت میں جذب نہ ہو سکے۔ محمود کے حملوں سے تین سو سال پہلے عرب سندھ پر قبضہ کر چکے تھے۔

ہرشہ کی موت کے بعد ہندوستان بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ محمود کے سپاہیوں کے لیے ان ریاستوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ محمود غزنوی کے ڈیڑھ سو سال بعد محمد غوری نے ہندوستان پر حملے کئے۔ ایبک نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔ غلام بادشاہوں نے چنگیزی حملوں سے ہندوستان کو بچایا۔ خلجیوں نے بندھیا چل کے اس پار فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ تغلقوں نے رفاہ عام کی طرف توجہ کی تیموری حملے نے تغلقوں کو ختم کردیا۔ ہندوستان کی سیاسی مرکزیت ختم ہوگئی۔ جابجا آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان آزاد ریاستوں میں نیا ہندوستان تمدن پھیلا پھولا۔

قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے اس خاندان کا آغاز ہوتا ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں غلاموں کے نام سے مشہور ہے۔ اسی خاندان کے ایک حکمران بلبن نے ہندوستان کو منگولوں کے حملوں سے بچائے رکھا۔ اس خاندان کی دہلی میں دو یادگاریں ہیں۔ قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام۔ منگولوں نے عراق اور ایران کو تباہ کردیا تھا۔ ان ملکوں کے عالموں نے دہلی کا رخ کیا۔ ان کے آنے سے دہلی میں علم و حکمت کا چراغ روشن ہوا۔ امیر خسرو نے ہندی دوہے لکھ کر ایک نئی زبان کی بنیاد رکھی۔ خلجیوں نے سلطنت دہلی کو وسیع کیا۔ محمد تغلق کی اصلاحات اس کے زمانہ کے لیے ناموزوں تھیں۔ فیروز تغلق نے اپنی سلطنت میں ایسے شفاخانے کھولے جن میں مریضوں کو مفت دوا ملتی تھی۔ اس نے بہت سے نئے شہر آباد کئے۔ اس کے عہد میں سنسکرت کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ فقہ فیروز شاہی اسی عہد کی ایک مشہور کتاب ہے۔ ضیاالدین برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" لکھی۔ فیروز شاہ نے اپنے زمانہ کے حالات کو "فتوحات فیروز شاہی" میں پیش کیا۔ تیمور کے حملے نے سلطنت

دہلی کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس حملے کے بعد ہندوستان میں بہت سی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ریاستوں میں علم و حکمت نے خوب ترقی کی۔ بنگال کے مسلمان حکمرانوں نے بنگالی کو اس وقت فروغ دیا جب کہ سنسکرت کے حامی ہندو بنگالی زبان کی مخالفت کرتے تھے۔ ودیاپتی نے اپنی بہت سی کتابیں نصرت شاہ کے نام معنون کیں۔ بنگال کے ان آزاد حکمرانوں نے فن تعمیر کی طرف بھی خاصی توجہ کی۔ بنگال کی طرح جونپور، مالوہ، گجرات اور گلبرگہ نے بھی ادب اور آرٹ میں نمایاں ترقی کی۔ لودھیوں کے عہد حکومت میں ایک ایسی تحریک چلی جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کو مشترکہ عقاید کی بنا پر خوشگوار بنانا تھا۔ بھگت کبیر، شیخ بھیکا اور بابا نانک اس تحریک کے علمبردار تھے۔

پرتگالی پہلے لوگ نہیں تھے جو سمندروں کے سینوں کو چیر کر ہندوستان کی تجارت کے لیے پہنچے تھے۔ پرتگالیوں سے صدیوں پہلے عرب ہندوستان کے ساحلوں سے ہوتے ہوئے چین کی بندرگاہوں تک آتے جاتے تھے۔ مصر اور شام کے شہروں سے تجارتی مال لے کر عربوں کے اونٹوں کی قطار حجاز کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوئی یمن تک پہنچ جاتی۔ یمن کی بندرگاہوں پر عرب سوداگر کشتیوں میں سوار ہو کر افریقہ کے مشرقی ساحل کی طرف چل دیتے۔ اور کچھ سوداگر ہندوستان کے مغربی ساحلوں سے ہوتے ہوئے برما اور چین تک چلے جاتے۔ جب یونانیوں نے مصر پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس تجارتی شاہراہ کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان سے اسکندریہ تک کی تجارت پر یونانی قابض ہو گئے لیکن اس کے باوجود عربوں کی جہاز رانی کسی نہ کسی صورت میں باقی رہی۔ جب یونانیوں کی جہاز رانی کا بڑا زور تھا تب بھی خلیج فارس کی راہ سے عرب تاجر اپنے پرانے راستے سے چین تک پہنچ جاتے تھے۔

اسلام نے جہاں عربوں کی زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب پیدا کر دیا تھا وہاں اس نے عربوں کی جہاز رانی میں ایک نئی روح پھونک دی۔ خلیفہ دوم کے عہد میں نیل اور قلزم کو ایک نہر کے ذریعہ ملا دیا گیا۔ اس عہد میں مصر کے حاکم عمرو بن العاص نے چاہا کہ خاکنائے سویز میں سے ایک نہر کاٹ کر بحر قلزم کو بحر روم سے ملا دیا جائے لیکن اسے یہ نہر کھودنے کی اجازت نہ ملی۔ بہرحال بہت جلد عربوں کی جہاز

رانی اپنے کمال تک پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ہی عربوں کا سمندری بیڑا دنیا بھر کے ملکوں کے متحدہ بیڑے سے طاقتور بن گیا۔

عرب جہاز ران ہندوستان کے ساحلوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ عربی میں ہندوستان کی ساحلی زبانوں کے بہت سے الفاظ ان تعلقات کا کافی ثبوت ہیں۔ صندل' مشک' تنبول' کافور' قلفل' نیلوفر' اطر-لفل' شیت' نیلج' نارجیل اور کئی دوسرے عربی الفاظ اپنے ہندی ہونے کی خود بخود گواہی دے رہے ہیں۔ سندھ' گجرات' ملیار اور کارومنڈل کی بندرگاہوں کی رونق ان عرب جہاز رانوں اور سوداگروں کے دم سے تھی۔ ہندوستان کے کئی ساحلی شہروں میں عربوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئی تھیں۔ ہندوستان کی ساحلی ریاستوں کے حکمرانوں کو چونکہ عرب سوداگروں اور جہاز رانوں کے آنے جانے سے بہت سا مالی فائدہ پہنچتا تھا اس لیے وہ عربوں کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے۔

سراندیپ اور مالدیپ کے بعد ہندوستان میں عربوں کا تیسرا تجارتی مرکز مالابار تھا۔ مالابار کا ساحل گجرات اور کولم کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ "تحفۃ المجاہدین" کے الفاظ میں "ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہوں میں عرب تاجر بہت بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ ان عرب تاجروں کی آمد و رفت سے کئی ایک ساحلی شہر آباد ہو گئے ہیں جن میں عربوں کی کافی تعداد ہے۔ ان ریاستوں کے حکمران ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کرتے۔ انہیں پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ مالا بار کے راجاؤں کا عربوں اور مقامی مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ ہے۔" ابن بطوطہ کہتا ہے کہ "مالابار کا ساحلی سفر دو مہینوں میں کٹتا ہے۔ اس ملک میں بارہ راجے ہیں۔ ہندوؤں کی حکومتیں ہونے کے باوجود ان ریاستوں میں مسلمانوں کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ اس پورے سفر میں جگہ جگہ مسلمانوں کی بستیاں دکھائی دیتی ہیں۔" کالی کٹ کے بارے میں ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ مالابار کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جہاں دنیا بھر کے ملکوں کے سوداگر جمع ہوتے ہیں۔ یہاں کا ہندو راجہ زیمور کہلاتا ہے۔ ابراہیم شاہ بندر یہاں کے سوداگروں کا سردار ہے۔" یہی سیاح اپنے سفرنامہ میں کالی کٹ کے ایک ایسے عرب سوداگر کا ذکر کرتا ہے "جس کے اپنے جہاز ہیں جو ہندوستان' یمن' چین اور فارس (ایران) سے تجارت کرتے ہیں۔" ابن بطوطہ سے بھی

صدیوں پہلے کئی ایک عرب جغرافیہ نگاروں نے اپنی کتابوں اور عرب سیاحوں نے اپنے سفرناموں میں ہندوستان کے مغربی ساحلوں کی بندرگاہوں اور وہاں کے باشندوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تجارت کی سب سے بڑی سمندری سڑک پر صدیوں عربوں نے قبضہ کیے رکھا۔ عرب سوداگر ایک طرف اسکندریہ کی بندرگاہ تک اپنا مال پہنچا دیتے تھے اور دوسری طرف شام کی بندرگاہوں تک۔ ان بندرگاہوں سے وینس کے سوداگر مال خرید کر یورپی منڈیوں میں فروخت کرتے۔ جب اسپینیوں نے عربوں کو سپین سے نکال دیا تو اس وقت ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بحیرہ روم میں عربوں کے تجارتی تسلط کو ختم کردیا جائے۔ چنانچہ سپین اور پرتگال اس کوشش میں تھے کہ ترکوں نے بحیرہ روم کو "ترکی جھیل" بنالیا۔ اب سپین اور پرتگال نے اس راستے سے ہندوستان پہنچنا چاہا جس سے اس زمانے کے عرب جہازران واقف ہوچکے تھے۔ عرب جہازران طنجہ تک پہنچ کر افریقہ کے مغربی ساحل سے ہوتے ہوئے جنوبی افریقہ چلے جاتے اور یہاں مشرقی افریقہ کی بندرگاہوں سے ہندوستان کے مغربی ساحل پر پہنچ جاتے تھے۔ دسویں صدی کا ایک عرب تاجر سلیمان لکھتا ہے کہ "ہمارے زمانے میں ایک ایسا حادثہ ہوا ہے جس کا پہلوں کو علم نہیں تھا اور وہ یہ ہے کہ بحرہند اور بحرروم آپس میں ملے ہوئے ہیں۔" ایک عرب جغرافیہ نگار کے الفاظ میں "طنجہ اور اسپین کے ساحلوں پر جو بحرمحیط ہے اسے یونانی اوقیانوس کہتے ہیں۔" گیارھویں صدی کا ایک عرب سیاح ابو حامد اوقیانوس کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس سمندر میں زمین ایسی ہے جیسے تالاب میں گیند۔ تقریباً" دو سال بعد ایک دوسرا عرب جغرافیہ نگار ابوالفدا لکھتا ہے کہ "اوقیانوس مراکش کے ساحلوں کو چھوتا ہوا جنوب میں چلا جاتا ہے اور پھر مشرق کی طرف گھوم کر افریقہ کی سمت ویران علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر پھیلتا ہوا بحرہند سے جاملتا ہے۔" پرتگالیوں نے بھی اسی راستے سے ہندوستان پہنچنے کی کوشش کی۔

واسکوڈے گاما ابھی ملندہ ہی میں تھا کہ عرب جہازیوں نے مالابار کے موپلا (عرب نسل کے مالاباری مسلمان) تاجروں کو پرتگیزوں کے ارادوں سے باخبر کردیا۔ چونکہ ان تاجروں کو یورپی ملکوں کے ساتھ تجارت کرنے میں بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ پرتگیزی مغربی افریقہ کے ساحل کا چکر

کاٹ کر ہندوستان کے تجارتی مال کو پرتگال کی بندرگاہوں تک لے جائیں۔ چنانچہ موپلا تاجروں نے کالی کٹ کے راجے کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ پرتگیزوں کو اپنے ملک سے تجارت کرنے کی اجازت نہ دے۔

جب کالی کٹ کے راجہ زیمورن (سموری) کو پرتگیزوں کے آنے کا پتا چلا تو اس نے ان کے سردار کو اپنے ہاں بلا بھیجا۔ چنانچہ واسکودے گاما اپنے تیرہ ساتھیوں سمیت خشکی کے راستے سے کالی کٹ کی طرف چل پڑا۔ واسکودے گاما نے نہ معلوم کس بنا پر یہ فرض کرلیا تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان میں سب لوگ عیسائی ہیں چنانچہ واسکودے گاما اور اس کے ساتھیوں نے ایک مندر کو گرجا خیال کرتے ہوئے وہاں عبادت کی۔ واسکودے گاما کے پاس زیمورن کو پیش کرنے کے لیے کوئی تحائف نہیں تھے۔ اس پر زیمورن نے حیران ہوکر واسکو سے پوچھا۔ "کیا تم یہاں پتھر تلاش کرنے آئے ہو یا انسان؟" واسکو نے کالی کٹ سے تجارت کرنے کی اجازت مانگی۔ زیمورن نے مسکراتے ہوئے پرتگیزوں کو اپنے ملک کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔

اس زمانے میں کالی کٹ ہندوستان کے مغربی ساحل کا ایک مشہور تجارت مرکز تھا۔ واسکودے گاما سے تقریباً" ساٹھ سال پہلے عبدالرزاق کالی کٹ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس شہر میں بہت سے مسلمان بھی بستے ہیں۔ شہر کی دو مسجدوں میں مسلمان نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ کالی کٹ کے امن و انصاف کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں کے تاجر سمندر پار کے دور و دراز ملکوں سے تجارتی مال لاتے ہیں۔ چونگی کے افسر تجارتی مال کی دن رات حفاظت کرتے ہیں۔ کالی کٹ پہنچ کر ہر ملک کے تجارتی جہاز کو پناہ مل جاتی ہے۔" سولھوی صدی کے شروع میں ایک فرانسیسی سیاح پیرے دی لاوال لکھتا ہے کہ "ہندوستان بھر میں کالی کٹ سے بہتر کوئی دوسرا مقام نہیں جہاں انسانوں کو اتنا اطمینان نصیب ہے۔ . . . . یہاں ہر مذہب اور قوم کے سوداگروں کو پوری پوری شہری اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔" سمرقندی، اطالوی اور فرانسیسی سیاحوں کے ملتے جلتے بیانوں کی سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کالی کٹ بلاشبہ ہندوستان کے مغربی ساحل کا ایک بہت بڑا تجارتی شہر تھا جس میں دولت مند تاجروں کی کمی نہیں لیکن اس میں چند ایسے

بھوکے انسان بھی بستے تھے جو پرتگیزی ملاحوں کو بسکٹ کھاتا دیکھ کر ان سے ایک آدھ بسکٹ کی بھیک بھی مانگ لیتے تھے۔

اسی اثنا میں کالی کٹ کے جہازی پرتگیزی جہازوں کو کالی کٹ کی بندرگاہ میں لے آئے تھے۔ واسکودے گاما نے اپنے بیڑے پر پہنچ کر پانچ چھ دن تک موپلا سوداگروں کا انتظار کیا تاکہ وہ اس مال کو خرید لیں جسے وہ پرتگال سے لایا تھا۔ جب سوداگروں نے پرتگیزی مال خریدنے سے انکار کردیا تو واسکودے گاما نے زیمورن سے شکایت کی۔ زیمورن نے اس مال کو خرید کر اسے کالی کٹ کی منڈی میں بھیج دیا۔ واسکودے گاما پرتگال سے ایسا مال لے کر آیا تھا جس کی کالی کٹ میں مانگ نہیں تھی۔ اس نے ایک تونسی عرب کی مدد سے جو ہسپانوی زبان جانتا تھا کالی کٹ کی منڈی کی مانگ کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں اور اس کے ساتھ ہی وہ کالی کٹ کی بندرگاہ سے ایسی اشیا کے نمونے لے گیا جو وہاں کثرت سے بیچی جاتی تھیں۔ اس تونسی عرب کو پرتگیزوں نے "مون شیدی" نام دے رکھا ہے۔ واسکودے گاما واپس جانا چاہتا تھا کہ زیمورن کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوگیا۔ واسکودے گاما پانچ مالاباریوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔

دو سال کے بعد واسکودے گاما پرتگال پہنچا۔ اس کے تین جہازوں میں سے ایک تباہ ہوچکا تھا۔ اس کے ایک سو ستر ساتھیوں میں سے صرف پچپن زندہ تھے۔ اگر شاعروں اور مورخوں کی ان مبالغہ سے بھری ہوئی کہانیوں کو جو واسکو کے اس سفر کے ساتھ چمٹی ہوئی ہیں' نکال دیا جائے تب بھی واسکودے گاما کے اس سفر کی دلچسپیوں میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ واسکودے گاما کا یہ سفر دنیا کی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ ایک ایسا واقعہ جس سے نہ صرف ایک نیا سمندری راستہ دریافت ہوا بلکہ جس نے آگے چل کر قوموں کی معاشی اور سیاسی تاریخ کو بدل دیا۔

واسکودے گاما نے جس سمندری راستے کو تلاش کرلیا تھا اسے جاری رکھنے کے لیے تیرہ جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا گیا۔ ۹۔ مارچ ۱۵۰۰ء کو الوریز کبرال کی کمان میں یہ بیڑہ ہندوستان کی طرف چل دیا۔ اسی اثنا میں جنوبی افریقہ کی سونے کی کانوں کی اطلاع پرتگال میں پہنچ چکی تھی۔ سونے کی ان کانوں کو دریافت کرنا بھی اس

بیڑے کے ذمے تھا۔ راس وردے سے ہٹ کر ایک جہاز بیڑے سے الگ ہو گیا۔ ہوا کے رخ سے فائدہ اٹھانے کے لیے باقی جہاز اوقیانوس پر پھیل گئے۔ اس طرح پرتگیزوں نے برازیل دریافت کرلیا۔ ایک جہاز کو اس نئی دریافت کی اطلاع دینے کے لیے پرتگال جانا پڑا۔ باقی کے گیارہ جہاز برازیل کے ساحل سے راس امید کی طرف چل دیے۔ راس امید کے قریب چار جہاز ڈوب گئے۔ سات جہاز راس امید کا چکر کاٹنے میں کامیاب ہوسکے۔ ان میں سے ایک جہاز مدغاسکر کے ساحل کی طرف نکل گیا۔ اس جہاز کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑی مشکل سے یہ جہاز پرتگال پہنچ سکا۔ ۷۔ اگست ۱۵۰۰ء کو الوریز کبرال افریقی ساحل سے ہندوستان کی طرف چل پڑا۔ اب اس کے بیڑے میں صرف چھ جہاز تھے۔ ۱۳۔ ستمبر کو پرتگیزی بیڑہ کالی کٹ پہنچ گیا۔ الوریز اور زیمورن میں کئی ہفتوں تک جھگڑا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ پرتگال اور مالابار میں سمجھوتہ ہوگیا۔ اس سمجھوتے کے سبب پرتگیزوں کو کالی کٹ میں ایک فیکٹری کھولنے اور اپنا پھریرا لہرانے کی اجازت مل گئی۔ تین مہینوں کی مدت میں پرتگیزی صرف دو جہازوں میں تجارتی مال لاد سکے۔ پرتگیزوں نے زیمورن سے کالی مرچ خریدنے کا اجارہ لے لیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عرب سوداگر اس جنس کو خرید رہے ہیں تو انہوں نے زیمورن سے شکایت کی۔ زیمورن کا جواب آنے سے پہلے ہی پرتگیزوں نے عربوں کے ایک جہاز کو جو لنگر ڈالے ہوئے تھا پکڑ لیا۔ پرتگیزوں کی اس حرکت کی خبر شہر میں پہنچ گئی۔ مالاباریوں کے ایک ہجوم نے پرتگیزی فیکٹری کو لوٹ لیا۔ ستر پرتگیزوں میں آدھے کے قریب مارے گئے اور باقی بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے جہازوں تک پہنچے۔ کئی ایک زخمی پرتگیزوں کو کالی کٹ کے لوگوں نے اپنے ہاں پناہ دی۔ اس وقت تک الوریز کبرال اس ہنگامے کو فیکٹری کا معمولی جھگڑا سمجھ رہا تھا لیکن اگلے دن اس نے غیر ملکی جہازوں کے چھ سو کے قریب کشتی چلانے والوں کو پکڑ کر قتل کروادیا۔ کئی ایک ملاحوں کو ان کشتیوں میں زندہ جلادیا گیا۔ الوریز کبرال دو دن تک کالی کٹ پر گولے برساتا رہا۔ اب پرتگیزوں کی پوزیشن بہت خراب ہوچکی تھی۔ مون سون شروع ہونے والی تھی۔ پرتگیزوں کو ہندوستان کی کسی دوسری بندرگاہ کا پتا نہیں تھا۔ جب ان کو کوچین کی بندرگاہ کا علم ہوا تو وہ ۲۴۔ دسمبر کو کالی کٹ سے بھاگ

نکلے۔ چودہ دنوں میں پرتگیزوں نے اپنے سارے جہاز تجارتی مال سے بھر لیے۔

پرتگیزی بیڑہ پرتگال کو روانہ ہونے والا تھا کہ الوریز کبرال کو پتا چلا کہ کالی کٹ کا ایک بیڑہ اس پر حملہ کرنے کے لیے چلا آ رہا ہے۔ کوچین کی پرتگیزی فیکٹری میں تیس پرتگیزوں کو چھوڑ کر الوریز رات کے اندھیرے میں کوچین سے کھسک گیا۔ پیچھے رہنے والے پرتگیزوں میں سے "دو آرتے باربروسا" بھی تھا جس نے آگے چل کر افریقہ اور مالابار کے ساحلوں پر ایک کتاب لکھی۔ کنانور سے ہوتے ہوئے پانچ جہازوں کو صحیح سلامت لے کر پرتگال تک جا پہنچا۔ اسی اثنا میں پرتگیزوں کا ایک تجارتی بیڑہ ہندوستان کی طرف چل پڑا تھا جب یہ بیڑہ موزنبیق پہنچا تو اسے الوریز کے حالات کا پتا چلا۔ چنانچہ اس بیڑے نے کالی کٹ جانے سے گریز کیا۔ واپسی پر اس بیڑے نے سینٹ ہلینا کو دریافت کر لیا۔

الوریز کبرال کا یہ سمندری سفر اس لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ پرتگیزوں نے کوچین کی بندرگاہ کو دریافت کر لیا تھا۔ پرتگیزوں کے لیے یہ بندرگاہ کالی کٹ سے زیادہ مفید تھی۔

پرتگال کے بادشاہ نے مشرق میں پرتگیزی سلطنت قائم کرنے کے لیے بیس جہازوں کے ایک بیڑے کو واسکو دے گاما کی کمان میں فروری ۱۵۰۲ء کو ہندوستان روانہ کیا۔ جب یہ بیڑہ ہندوستان کے ساحل کے قریب پہنچا تو واسکو دے گاما کو معلوم ہوا کہ بحیرہ احمر سے ایک بہت بڑا تجارتی جہاز آ رہا ہے۔ واسکو دے گاما نے اس تجارتی جہاز پر ہلہ بول دیا۔ جہاز کے کپتان جوہر آفندی نے پرتگیزوں کی بہت منت سماجت کی لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ سات دن تک جوہر آفندی پرتگیزی بیڑے سے لڑتا رہا۔ پرتگیزوں نے اس جہاز کے تمام سواروں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں قتل کر دیا۔

واسکو دے گاما نے کالی کٹ پہنچ کر (۲۹۔ اکتوبر ۱۵۰۲ء) زیمورن سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام موپلوں اور عربوں کو اپنی ریاست سے نکال دے۔ زیمورن نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ کالی کٹ ایک مدت سے آزاد بندرگاہ چلی آ رہی تھی۔ زیمورن نے واسکو دے گاما سے کہہ دیا کہ اگر انہیں یہ شرط منظور نہیں تو وہ کالی کٹ سے چلے جائیں۔ واسکو دے گاما نے چاول لے جانے والے جہازوں کے آٹھ

سو ملاحوں کو پکڑ کران سب کو قتل کروادیا۔ ملاحوں کو قتل کرنے کے بعد اس نے دو دن تک کالی کٹ پر گولے برسائے۔ مالا باری فوج کے پاس دو توپیں تھیں لیکن وہ ٹھیک نشانہ نہیں باندھ سکتے تھے۔ تیسرے دن واسکودے گاما کوچین کی طرف چل دیا۔ واسکو نے کوچین اور کنانور کی پرتگیزی فیکٹریوں کو مستحکم کرنے کے بعد یکم ستمبر ۱۵۰۳ء کو پرتگال کی راہ لی۔ مالابار کے ساحل میں پرتگیزوں کے تجارتی مفاد کی نگرانی کے لیے سودرے کی کمان میں ایک بیڑے کو پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ واسکودے گاما کی واپسی کے بعد زیمورن نے کوچین کے راجے سے کہا وہ پرتگیزوں کو نکال دے لیکن کوچین نے کالی کٹ کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ زیمورن نے کوچین پر حملہ کردیا۔ ایڈاپلی کی لڑائی میں زیمورن نے کوچین کی فوج کو شکست دی۔ اس لڑائی میں کوچین کا راجکمار نارائن مارا گیا۔ اسی اثنا میں البوکریک پرتگال سے کمک لے کر پہنچ گیا۔ اس نے کوچین کے راجے اور پرتگیزوں کو ایک جزیرے کے مندر میں پناہ گزیں پایا۔ البوکریک نے زیمورن کو شکست دے کر اسے کوچین کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کردیا۔ البوکریک تجارتی جہازوں کو لاد کر پرتگال چلا گیا۔ لیکن بہت جلد کوچین اور کالی کٹ کے تعلقات خراب ہوگئے۔ زیمورن کے بیڑے کے کمانڈر علی خواجہ نے کوچین پر حملہ کیا لیکن اس نے شکست کھائی۔ اب پرتگیزی بیڑہ کالی کٹ کی طرف بڑھا۔ پرتگیزوں نے کالی کٹ پر پھر گولے برسائے۔

مشرق میں پرتگال کا مفاد اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اب ہر سال نئے بیڑے کی روانگی ناکافی محسوس کی جانے لگی۔ چنانچہ تین سال کے لیے ایک وائسرائے مقررہ کیے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ فرانسکو داالمیدہ ہندوستان میں پرتگالیوں کا پہلا وائسرائے تھا۔ المیدہ ایک بہت بڑے بیڑے اور پندرہ سو سپاہیوں کو لے کر ہندوستان کی طرف چل دیا۔ چونکہ وہ کلوا' انجادیو' کنانور اور کوچین میں پرتگالی قلعے بنانا چاہتا تھا اس لیے وہ بہت سے معماروں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ کلوا میں ایک قلعہ بنانے اور مشرقی افریقہ کے بہت سے ساحلی شہروں کو لوٹنے کے بعد وہ ۱۴۔ ستمبر ۱۵۰۵ء کو انجادیوں پہنچا۔ یہاں بھی ایک قلعہ کھڑا کرنے کے بعد المیدہ نے کنانور میں بھی ایک قلعہ بنوایا۔ اسی قلعہ میں المیدہ کے بیٹے لوریشو کو ایک اطالوی نے بتایا کہ پرتگالیوں کی سمندری سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے زیمورن ایک بہت بڑا جنگی بیڑہ تیار کر

رہا ہے۔ مارچ ۱۵۰۶ء کو زیمورن کا یہ بیڑہ عبدالرحمن کی کمان میں مالابار کے ساحل سے روانہ ہوا۔ پرتگالیوں سے معمولی لڑائی کے بعد یہ بیڑہ کالی کٹ چلا گیا۔

پرتگالیوں کی ان سمندری سرگرمیوں اور پرتگال کے سمندری لٹیروں کی لوٹ مار نے مصری بندرگاہوں کی چنگی میں نمایاں کمی کردی تھی۔ مصر کے ملوک سلطان قانصو نے پرتگالیوں سے لڑنے کے لیے ایک جنگی بیڑہ تیار کیا۔ یہ بیڑہ میرہاشم کی کمان میں ۲۰۔ ستمبر ۱۵۰۷ء کو دیو پہنچا۔ دیو کے گورنر ملک ایاز نے میرہاشم کی پوری امداد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ میرہاشم اور ملک ایاز نے پرتگالیوں کے بیڑے کو شکست دی اس سمندری لڑائی میں پرتگال کے وائسرائے کا بہادر بیٹا لوریشو مارا گیا۔ المیدہ اپنے بیٹے کا انتقام لینے کے لیے کوچین سے چل دیا۔ اس اثنا میں البوکریک سقوطرہ اور ہرمز سے ہوتا ہوا بحر ہند میں داخل ہوچکا تھا۔ ساحلی شہروں کو لوٹتا ہوا المیدہ دیو (گجرات کے جنوب میں ایک چھوٹا سا جزیرہ) کی طرف بڑھا۔ دیو کے پانیوں میں پرتگالیوں اور اتحادیوں میں ۳۔ فروری ۱۵۰۹ء کو لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں اتحادیوں کو شکست ہوئی۔ پرتگالی بیڑہ جس طرح لوٹ مار کرتا ہوا آیا تھا اسی طرح لوٹ مار کرتا ہوا کوچین پہنچ گیا۔ یکم دسمبر ۱۵۰۹ء کو المیدہ (۱۵۰۵ء۔ ۱۵۰۹ء) کوچین سے پرتگال روانہ ہوا۔

البوکریک (۱۵۰۹ء۔ ۱۵۱۵ء) کو پرتگال کے بادشاہ نے گجرات کے ساحل سے راس کماری کے ساحل تک کا گورنر مقرر کیا تھا۔ شاہ پرتگال نے وائسرائے کا عہدہ اڑا دیا تھا۔ البوکریک نے مشرق میں پرتگالی سلطنت قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے کالی کٹ پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس لڑائی میں مالاباریوں نے پرتگالیوں کے سامان جنگ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس شکست کے بعد البوکریک نے اپنی قوت کو منظم کرنے کے لیے پرتگال سے فوجی افسروں کو بلا بھیجا۔ اس نے اپنی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے موپلا جہازوں کو تجارت کی اجازت دے دی۔ اگلے سال البوکریک نے گوا پر قبضہ کرلیا۔ پرتگالی ابھی گوا کی دولت کو لوٹنے میں مصروف تھے کہ اسمٰعیل عادل شاہ نے گوا کر پرتگالیوں سے چھین لیا۔ جب پرتگال سے کمک پہنچ گئی تو البوکریک گوا پر پھر حملہ کرنے کے لیے کنانور سے نکلا۔ کپتان رسول خان نے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ پرتگالیوں نے گوا پر قابض ہوتے ہی

ایک قلعہ' ایک ہسپتال اور ایک گرجا بنا ڈالا۔ اب اس نے ملاکا پر ہلہ بول کر اس پر قبضہ کرلیا۔ فروری ۱۵۱۲ء میں وہ کوچین میں تھا۔ اس سال البوکریک کو پرتگال سے جو کمک آئی تھی' اس میں پہلی مرتبہ بندوق بھی آئی تھی۔ اب البوکریک نے گوا کو اپنی "راجدھانی" بنالیا۔ پرتگالیوں کو بہت جلد گوا کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا۔ البوکریک کے دربار میں ہرمز' سیام' پیگو' گجرات اور حبشہ کے سفیر دکھائی دینے لگے۔ ۱۵۱۵ء میں پرتگالیوں نے ہرمز پر بھی قبضہ کرلیا۔ ایک سال پہلے انہوں نے ملاکا پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ ہرمز سے واپسی پر البوکریک ۱۶۔ دسمبر ۱۵۱۵ء کو اس جہاز ہی میں مرگیا جو گوا کے سامنے لنگر ڈالے ہوئے تھا۔ اگلے دن اسے گوا کے گرجا میں دفن کردیا گیا۔ البوکریک اور شاہ پرتگال کے اختلافات کی وجہ سے البوکریک اپنی سرگرمیوں کو تیز نہیں کرسکتا تھا۔ شاہ پرتگال نے البوکریک کی پالیسی کا اس وقت اندازہ لگایا جب وہ اس دنیا سے جاچکا تھا۔ جب شاہ پرتگال کو البوکریک کی موت کی خبر سنائی گئی تو اس نے کہا کہ "جب تک اس کی ہڈیاں وہاں ہیں ہندوستان محفوظ ہے۔" پچاس سال بعد البوکریک کی نعش لزبن پہنچائی گئی۔ البوکریک نے گوا کو پرتگالیوں کا صدر مقام بنا کر ہندوستان کے ایک قلعہ پر قبضہ کرلیا ہے۔ المیدہ کا مقصد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ مشرق و مغرب کی تجارت پرتگالیوں کے ہاتھ میں چلی جائے لیکن البوکریک مشرق میں ایک پرتگالی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ اس سلطنت سے پرتگالیوں کے ہاتھ میں ساری دنیا کی تجارت آجائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے کئی ایک بندرگاہوں پر قبضہ کرکے وہاں پرتگالی قلعے کھڑے کیے اور ان کی دیواروں پر پرتگالی پھریرے لہرائے۔ جب پرتگال کے بادشاہ نے البوکریک سے یہ کہا کہ وہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ پالیسی اختیار کرے تو اس نے اپنے بادشاہ کو یہ جواب دیا تھا کہ "ہندوستان میں مختلف مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہیں کہ انہیں الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔" چھ سال کی مدت میں البوکریک نے ہندوستان کی سرزمین پر پرتگالیوں کے قدم مضبوط کردیے۔ بحرہند میں ان کی قوت بہت مضبوط ہوگئی۔ البوکریک نے گوا کی دیسی آبادی کے لیے مدارس کھولے۔ اس نے ستی کو "قانوناً" بند کردیا۔ البوکریک نے ہندوستان میں پرتگالیوں کی نو آبادیاں قائم کرنے کے لیے پرتگالیوں کو دیسی عورتوں کے ساتھ

شادی کرنے کی ترغیب دی۔

البوکریک کے بعد بادشاہ پرتگال نے لوپوسوریز (۱۵۱۵ء۔ ۱۵۱۸ء) کو گورنر مقرر کیا۔ سوریز اپنے پیش رو کی خوبیوں سے خالی تھا۔ وہ بہت کمزور' بے ہمت اور بے کار سا انسان تھا۔ جنوری ۱۵۱۶ء میں پرتگال سے یہ اطلاع آئی کہ مصریوں کا ایک بہت بڑا جنگی بیڑہ پچھلی لڑائی کا بدلہ لینے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک سال تک تیاری کرنے کے بعد سوریز اپنے بیڑے سمیت بحر احمر کی طرف چل دیا۔ یہ بیڑہ گیارہ دن تک جدہ کی بندرگاہ کے قریب لنگر ڈالنے کے بعد واپس ہوا۔ کاران پہنچ کر پرتگالیوں کے پاس بہت کم خوراک رہ گئی۔ کئی پرتگالی بھوکے مرنے لگے۔ زندوں میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ مردوں کو دفن کرسکتے۔ یہ تباہ حال بیڑہ بڑی مشکل سے ہرمز پہنچا۔ ہرمز سے پرتگالی گورنر نے ہندوستان کی راہ لی۔ ۱۵۱۸ء میں پرتگالیوں نے سلون میں بھی ایک قلعہ بنایا۔

ڈیگولو پینر (۱۵۱۸ء سے ۱۵۲۱ء) نے ہرمز سے واپسی پر دیو کے گورنر ملک ایاز سے ملاقات کی۔ ڈیگولو پینر دیو پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن دیو کی حفاظتی تیاریوں نے اسے اپنے ارادوں سے باز رکھا۔ ڈیگولو پینر کے عہد میں گوا میونسپلٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ میونسپل دستور وہی تھا جو لزبن میں رائج تھا۔ میونسپلٹی کے ممبروں کا ہر سال چناؤ ہوتا تھا۔ خاص خاص پیشوں کی نمائندگی کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔ لو پینر کے جانشین دوریت (۱۵۲۱ء۔ ۱۵۲۴ء) کے عہد میں پرتگالیوں کی حالت ابتر ہوتی چلی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ پہلے پرتگالی وائسرائے واسکودے گاما کو حالات پر قابو پانے کے لیے ہندوستان بھیجا گیا۔ وہ ستمبر ۱۵۲۴ء میں ہندوستان پہنچا لیکن تین مہینوں کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ واسکودے گاما نے ہلکے جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کرانا شروع کردیا تھا۔ ۱۵۳۸ء میں اس کی ہڈیوں کو کوچین سے پرتگال پہنچا دیا گیا۔

اب گوی بیڑے کا کپتان ہنریک (۱۵۲۴ء سے ۱۵۲۶ء) پرتگیزی مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں مالابار کے ساحلوں پر لڑائیاں ہوتی رہیں اور کالی کٹ کے پرتگالی قلعہ کو زیمورن کے سپاہیوں نے مسمار کردیا تھا۔ لوپوداز نے بھی گجرات کی بندرگاہ دیو پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ بہرحال لوپوداز نے اپنے جانشین نونو (۱۵۲۹ء۔ ۱۵۳۸ء) کے لیے ایک مضبوط بیڑہ چھوڑا۔

نونو کے عہد میں دیو پرتگالیوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا چنانچہ اس مرکز سے قریب ہونے کے لیے کوچین کی جگہ گوا کو ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ اب گوا پرتگالی ہندوستان کی راجدھانی تھا۔

جب پرتگالی پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچے تھے تو اس وقت سلطان محمود گجرات کا حکمران تھا۔ اب اس کا پوتا سلطان بہادر شاہ گجرات کا حکمران تھا۔ دیو اس کی مملکت کا ایک حصہ تھا۔ بہادر شاہ کی طرف سے ملک توغان' دیو کا حاکم تھا۔ جونہی نونو کا بیڑہ دیو کی طرف بڑھا' بحر روم کا مشہور جہازی' مصطفیٰ اپنے بیڑے سمیت دیو میں لنگر انداز ہوچکا تھا۔ مصطفیٰ کے جنگی جہازوں نے پرتگالیوں پر گولے برسائے۔ پرتگالی بیڑہ شکست کھاکر دیو سے بھاگ نکلا۔ سلطان بہادر شاہ نے مصطفیٰ کو رومی خان کا خطاب دے کر اپنے بیڑے کا کپتان مقرر کرلیا۔ نونو نے لڑائی میں شکست کھانے کے بعد ڈپلومیسی سے دیو پر قبضہ کرنا چاہا۔ شمال سے ہمایوں بڑھ رہا تھا اور جنوب میں پرتگالیوں نے دباؤ ڈال رکھا تھا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے بہادر شاہ نے پرتگالیوں سے پرامن رہنے کا وعدہ لے لیا۔ سلطان نے بسین کو پرتگالیوں کے سپرد کردیا۔ ہمایوں سے شکست کھانے کے بعد بہادر شاہ نے دیو میں نونو سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں بہادر شاہ نے پرتگالیوں کو دیو میں قلعہ بنانے کی اجازت دے دی۔ جب شمالی ہندوستان کے حالات نے ہمایوں کو واپس جانے پر مجبور کردیا' تب پرتگالیوں اور بہادر شاہ میں ایک لڑائی ہوئی جس میں بہادر شاہ مارا گیا۔ اس لڑائی کے بعد پرتگالیوں نے دیو پر قبضہ کرلیا۔ سلطان بہادر شاہ نے عثمانی سلطان سے امداد لینے کے لیے جو ایلچی بھیجا تھا اس کے قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے سلطان بہادر شاہ کی موت کی خبر وہاں پہنچ چکی تھی۔ ترکی بیڑہ ۲۲۔ جون ۱۵۳۸ء کو سویز سے روانہ ہوا۔ اس بیڑے میں بہتر جہاز اور ساڑھے چھ ہزار سپاہی تھے۔ سلیمان پاشا اس بیڑے کا کمانڈر تھا۔ عدن پر قبضہ کرنے کے بعد ۴۔ ستمبر کو یہ بیڑہ دیو پہنچا۔ پرتگالیوں کو اس بیڑے کے آنے کی خبر مل چکی تھی چنانچہ انہوں نے بھی اپنی ساری سمندری طاقت کو جمع کرنا شروع کردیا تھا۔ سلیمان پاشا نے دیو کا محاصرہ کرلیا۔

اسی اثنا میں نونو کی جگہ گارشیا ہندوستان کے پرتگالی مقبوضات کا وائسرائے مقرر ہوچکا تھا۔ جب وہ گوا پہنچا تو پرتگالی بیڑہ دیو جانے کے لیے تیار ہوچکا تھا۔ ترکی

اور پرتگالی بیڑوں میں لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے۔ پرتگالیوں کے حفاظتی دستے نے کئی ہفتوں تک محاصرین کا مقابلہ کیا جس سے گجراتیوں اور ترکوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ۶۔ نومبر کی صبح کو سلیمان پاشا نے بحر روم کی راہ لی۔ ترکوں کے چلے جانے کے بعد گجراتی فوجیں دیو کے گرد و نواح سے ہٹ گئیں۔ ۲۰۔ نومبر کو گارشیا نوے جہازوں کا بیڑہ لے کر دیو کی طرف چل دیا۔ آدھا بیڑہ طوفان کی نذر کرنے کے بعد جنوری ۱۵۳۹ء میں گارشیا دیو پہنچا۔ ترکی توپوں کی گولا باری سے دیو کا قلعہ تباہ ہوچکا تھا۔ پرتگالی وائسرائے نے سب سے پہلے قلعے کی مرمت کروا کر اسے پہلے سے زیادہ مضبوط بنا دیا۔ گارشیا نے گجرات کے سلطان کے ساتھ صلح کی بات چیت شروع کی۔ چنانچہ ۱۱۔ مارچ ۱۵۳۹ء کو گجراتیوں اور پرتگالیوں میں معاہدہ ہوگیا۔ پرتگالیوں کا پلہ بھاری دیکھ کر کالی کٹ کے راجہ نے بھی پرتگالیوں کی تمام شرطیں مان کر ان سے صلح کرلی۔

گارشیا کی موت کے بعد واسکوڈے گاما کا بیٹا استاواوڈے گاما (۱۵۴۰ء ۔ ۱۵۴۲ء) پرتگالی مقبوضات کا گورنر مقرر کیا گیا۔ استاواو نے آتے ہی سویز پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ پہلی جنوری ۱۵۴۱ء کو پرتگالی بیڑہ بحر احمر کی طرف چل دیا۔ ۲۲۔ اپریل کو پرتگالی جہاز سویز کے سامنے تھے۔ ہندوستان میں پرتگالیوں کے پہنچ جانے کے بعد سویز کی تجارتی حیثیت مٹتی چلی جارہی تھی۔ سویز تیس یا چالیس جھونپڑیوں کی ایک بستی رہ گئی تھی۔ سویز میں چونکہ ترکوں کا ایک جنگی بیڑہ موجود تھا۔ پرتگالیوں نے ترکوں سے لڑے بغیر اپنا رخ بدل لیا۔ پرتگالی بیڑہ ۸۔ اگست کو گوا پہنچ گیا۔ استاواو کے جانشین مارتیم اانسو (۱۵۴۲ء۔ ۱۵۴۵ء) نے جیانگر کے ایک شہر کو لوٹ کر اپنے دوست کو دشمن بنالیا۔ مارتیم نے پرتگالیوں کو لوٹ مار کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے جانشینوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

مارتیم اانسو کے بعد ژاوڈے کاسترو (۱۵۴۵ء۔ ۱۵۴۸ء) کا عہد حکومت قابل ذکر ہے۔ ژاو نے اپنے آپ کو دو مشکلوں میں گھرا ہوا پایا۔ بیجاپور کا سلطان ابراہیم عادل شاہ گوا پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور گجرات کا سلطان دیو کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ مغربی ہندوستان کے تمام حکمران پرتگالیوں

کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے متحدہ محاذ بنا رہے تھے۔ ان حالات کے باوجود ڈاؤ نے میر علی خاں کو سلطان بیجاپور کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر بیجاپور کی فوج سالسٹ پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھی لیکن پرتگالیوں نے اسے شکست دی۔

خواجہ ظفر (پرتگالیوں کا کوجی مسافر) نے دیو کے پرتگالی قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ پرتگالی سپاہیوں نے اپنے قلعے کی حفاظت میں ایک مرتبہ پھر غیر معمولی بہادری کا ثبوت دیا۔ خواجہ ظفر لڑائی ہی میں مارا گیا۔ اس کے مرنے پر رومی خاں نے پرتگالی قلعے کے محاصرے کو جاری رکھا۔ ڈاؤ دے کاسترو نے گجراتیوں کو شکست دی۔ اب پرتگالیوں نے کھمبے اور سورت کو لوٹا۔ ڈاؤ نے بیجاپور کو بھی شکست دی۔

اس زمانے میں حکومت کے پرتگالی ملازموں نے ذاتی کاروبار سے روپیہ پیدا کرنا شروع کردیا تھا۔ ڈاؤ نے افسروں کی تنخواہیں مقرر کرکے انہیں ذاتی کاروبار کرنے سے روک دیا۔ مشہور ہے کہ جب دیو کے قلعے کی حفاظت کے لیے اسے روپے کی ضرورت پڑی تو اس نے اپنی داڑھی کے بال گرو رکھ کر گوا میونسپلٹی سے قرض لیا تھا۔

ڈاؤ دے کاسترو کی موت کی تقریباً" پینتیس برس بعد پرتگال کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ ہسپانیہ کے فلپ دوم نے پرتگال پر قبضہ کرلیا تھا۔ پرتگال کی سیاسی آزادی کے ختم ہوجانے پر بھی پرتگالی اپنی تجارتی فتوحات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ ۱۵۹۵ء۔ تک مشرق کی تجارت پر پرتگالیوں ہی کا قبضہ رہا۔ یورپ کی مختلف قومیں ایشیائی اجناس کو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لزبن ہی سے خریدتی تھیں لیکن بہت جلد ولندیزی اور انگریز مشرق کی تجارت سے مالا مال ہونے کے لیے میدان میں نکل آئے۔

ڈاؤ دے کاسترو کے بعد پرتگالی صرف دمن پر قبضہ کرسکے۔ سترھویں صدی کے شروع ہی میں ولندیزوں اور انگریزوں نے پرتگالیوں کو ہندوستان کی کئی بندرگاہوں سے نکال دیا تھا۔ سترھویں صدی کے وسط تک ایشیائی تجارت پرتگالیوں کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

پرتگالی جتنی جلدی ابھرے تھے اتنی جلدی گرے۔ پرتگالیوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہسپانیہ کے فلپ دوم کے عہد میں پرتگال اور ہسپانیہ کا الحاق ہے۔

جب ہسپانیہ ولندیزوں اور انگریزوں سے لڑ رہا تھا تو اس وقت پرتگال کو بھی ان لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ پرتگال ایسے چھوٹے ملک کے لیے اپنے بیڑوں کے لیے سپاہی مہیا کرنا دشوار ہوگیا چنانچہ جب ولندیزی اور انگریزی بیڑوں نے ہندوستان کا رخ کیا تو پرتگالی ان کا مقابلہ نہ کرسکے۔ ولندیزوں اور انگریزوں کے علاوہ مغل اعظم نے ۱۶۲۹ء میں ہگلی پر قبضہ کرکے ہندوستان میں پرتگالیوں کی بحری قوت پر بہت بڑی ضرب لگائی۔ سترھویں صدی کے شروع میں پرتگالیوں کا بحری اور تجارتی اقتدار مٹنا شروع ہوا۔ آج گوا، دمن اور دیو پرتگالیوں کی ان سرگرمیوں کی یاد ہیں جنہیں واسکوڈے گاما، البوکریک اور ژاوَدے کاسترو نے جاری کیا تھا۔

ہندوستان کی سمندری تجارت پر پرتگالیوں کا ایک سو سال تک قبضہ رہا لیکن یہ کہنا کہ اس مدت میں پرتگالیوں نے ہندوستان میں کوئی سلطنت قائم کرلی تھی، سراسر غلط ہے۔ ہندوستان میں نہ تو ان کی کوئی سلطنت تھی اور نہ انہیں ہندوستان کے مغربی ساحلوں کی حکومتوں کی سیاست میں زیادہ دخل ہوسکا۔ انہوں نے چند ایک ساحلی بستیوں پر قبضہ کرلیا تھا لیکن ان کا اقتدار ان کے ساحلی بیڑوں سے چند میل آگے نہ بڑھ سکا۔ ان کے قبضے میں صرف گوا کا اہم علاقہ تھا۔ پرتگالی بڑی مشکل سے سو سال میں زیمورن کی سمندری طاقت کو کمزور کرسکے لیکن ٹھیک اس وقت ولندیزوں نے انہیں بحرہ ہند کے پانیوں سے نکال دیا۔ادھر ادھر واقع چند پرتگالی قلعوں کو پرتگال کی سلطنت نہیں کہا جاسکتا۔

پرتگالیوں نے اتنی مدت تک بحرہند کی تجارت پر اس لیے قبضہ جمائے رکھا کہ عثمانی ترکوں نے مصر کو فتح کرنے کے بعد اپنی سمندری سرگرمیوں کو بحرہند کی جگہ مغربی بحرروم میں جاری رکھا۔ اس اقدام کا یہ نتیجہ نکلا کہ ٹھیک اس وقت جب عثمانیوں کا امیرالبحر بحرہ روم کو ترکی جھیل بنائے ہوئے تھا پرتگالیوں نے بحرہند میں اپنی قوت کو مضبوط کرلیا تھا۔ ایک دو مرتبہ عثمانی سلاطین نے بحرہند کی طرف توجہ کی لیکن وہ یورپ کو فتح کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ پرتگالیوں سے کئی گنا زیادہ اور طاقت ور بیڑہ رکھنے کے باوجود انہوں نے بحرہند کی طرف توجہ نہ کی۔ عثمانی ترکوں کی اس غفلت نے پرتگالیوں کو سمندری اقتدار کا موقعہ دے دیا۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ساحلی ریاستوں کے مقابلے پر تو پورے اترتے تھے لیکن جب انہیں

ولندیزوں اور انگریزوں کا مقابلہ کرنا پڑا تو ان کی سمندری قوت کا طلسم ٹوٹ گیا۔

پرتگالیوں کو مشرق کی تجارت سے نکال دیا گیا اور یہی وہ واقعہ ہے جس پر تگال کے بعض مورخ "ہندوستان میں پرتگالی سلطنت کا خاتمہ" قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان میں پرتگال کی نہ کوئی سلطنت تھی اور نہ کبھی کسی نے اس سلطنت کو مٹایا۔ پرتگالیوں اور مالابار میں ایک سو پچاس سال تک تعلقات رہے۔ پرتگالیوں کے ان تعلقات نے مالابار کی سیاسی' معاشی اور سماجی زندگی پر یقیناً" اثر کیا۔

جب پرتگالی مالابار کے ساحل پر پہنچے تھے تو اس وقت مالابار کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ مالابار کے حکمرانوں میں جو کنانور سے راس کماری تک پھیلے ہوئے تھے کالی کٹ' کنانور اور وناد کے راجے بہت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتے تھے۔ ان تینوں میں سے کالی کٹ کے زیمورن (راجہ) کی ریاست سب سے بڑی تھی۔ زیمورن کی یہ کوشش تھی کہ وہ سارے مالابار کو متحد کر کے ایک مرکزی بادشاہت قائم کرے لیکن پرتگالیوں کے آنے سے زیمورن اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ پرتگالیوں نے مالابار کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی مدد کرکے زیمورن کے سیاسی اقتدار کو بڑھنے سے روک دیا۔ پرتگالیوں نے چھوٹے چھوٹے ساحلی سرداروں کے اقتدار کو اس لیے بڑھایا کہ اس سے بڑے بڑے حکمرانوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان چھوٹے چھوٹے سرداروں نے پرتگالیوں کی مدد کے بھروسے پر بڑے بڑے حکمرانوں سے لڑائیاں مول لیں۔ چنانچہ پرتگالیوں نے ڈیڑھ سو سال کی مدت میں ساحلی سرداروں کو ساحلی راجاؤں میں بدل دیا۔ پرتگالیوں کے بنائے ہوئے یہ نئے حکمران پرتگالیوں کے تجارتی مفاد کے رکھوالے تھے۔ راجاؤں کے اس نئے طبقے نے زیمورن کی شاہی قوت کو کمزور کردیا اور مالابار ایک مرتبہ پھر چھوٹے چھوٹے راجاؤں میں بٹ گیا۔

پرتگالیوں نے جہاں زیمورن کے سیاسی اقتدار کو بڑھنے سے روک دیا' وہاں ان کی تجارتی سرگرمیوں نے مالابار کی معاشیات پر خوش گوار اثر ڈالا۔ ہندوستان میں پرتگالیوں کے آنے سے پہلے عربوں اور موپلوں کے ذریعے مالابار کی خام پیداوار یورپی ملکوں تک پہنچائی جاتی تھی۔ تاجروں کو چونکہ بہت لمبا سفر کرنا پڑتا تھا اس لیے یہ اجناس یورپ کی منڈیوں میں سستے داموں فروخت نہیں ہوسکتی تھیں لیکن جب

پرتگالیوں نے ان اجناس کو براہ راست یورپ کی منڈیوں تک پہنچانا شروع کردیا تو ان اجناس کی قیمتوں میں کمی آنے سے ان کی مانگ زیادہ ہوتی چلی گئی جہاں عربوں کو ان اجناس کی کاشت میں رسائی نہیں ہوتی تھی' وہاں پرتگالیوں نے اپنے قلعوں کی بدولت مقامی لوگوں کو ان اجناس کی زیادہ سے زیادہ کاشت پر زور دیا۔ زمین کے ہر اس ٹکڑے میں جہاں کھیتی باڑی ہوسکتی تھی کالی مرچ اور ادرک کی کاشت ہونے لگی۔ ان دو اجناس کی بڑھتی ہوئی تجارت سے کاشتکاروں کو بھی فائدہ ہونے لگا۔

پرتگالیوں نے مالابار میں جس نئے درخت کی کاشت کی تھی وہ آج بھی وہاں "فرنگی درخت" کہلاتا ہے۔ وہ مالابار میں تمباکو لائے اور وہاں اس کی کاشت کروائی۔ انہوں نے ناریل کی کاشت میں بہت سی مفید تبدیلیاں کیں۔ پرتگالیوں کی کوششوں سے مالابار میں ناریل کی کاشت بہت بڑھ گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب سولھویں صدی کے شروع ہی میں انہیں پتا چلا کہ جہاز کے رسوں کے لیے نارا بہت مفید ہے تو اس سے مالابار میں ناریل کی کاشت دساور کے لیے ہونے لگی۔ پرتگالیوں کے علاوہ دوسری یورپی قوموں کے جہاز بھی نارا کے رسے استعمال کرنے لگے۔ آج بھی مالابار سے نارا کی بہت بڑی مقدار دساور کو جاتی ہے۔ مالابار میں ناریل کی کاشت کو بہتر بنانے کے لیے پرتگالیوں نے افریقی ناریل کے بیجوں کو مالابار کی زمین میں بونا۔ نارا کی بڑھتی ہوئی مانگ نے مالابار کے ساحلی علاقوں میں ناریل کے درختوں کو قطار اندر قطار کھڑا کردیا۔

پرتگالیوں کی تجارتی سرگرمیوں نے جہاں مالابار کی سیاست اور معاشیات کو متاثر کیا وہاں انہوں نے مالاباریوں کی مجلسی زندگی پر بھی اثر کیا۔ کوچین' کالی کٹ اور دوسرے شہروں میں یورپی طرز کے مکان بننے لگے۔ مالابار کے راجاؤں نے یورپی طرز کے توپ خانے قائم کیے۔ کئی ایک نئے شہر آباد ہوگئے۔ کوچین کی ساری رونق پرتگالیوں کے دم سے قائم ہوئی۔ انہوں نے وہاں سکول اور کالج قائم کیے۔ ان کالجوں میں لاطینی اور پرتگالی پڑھائی جاتی تھی۔ کوچین کے راجے پرتگالی میں نہ صرف بات چیت کرسکتے تھے بلکہ وہ اس زبان میں مراسلت بھی کرتے تھے۔ کالی کٹ میں جب انگریزوں نے تجارتی کوٹھی بنائی تو اس وقت زیمورن اور انگریزی فیکٹری کے افسر میں پرتگالی ہی میں مراسلت ہوئی۔ پرتگالیوں نے بھی اپنی سیاسی اور تجارتی

ضرورتوں کے لیے ملیالم سیکھی۔ ملیالم اور پرتگالی دونوں میں ایک دوسرے کے بہت سے لفظ گھل مل گئے۔ کالی کٹ اور کوچین سے بہت دور دلی اور لاہور کے بازاروں میں آج بھی پرتگالی کے چند الفاظ بولے جاتے ہیں۔ الماری' کمرہ' بالٹی' بوتل' پیپا' چابی' گرجا اور گودام کے الفاظ منہ سے نکالتے وقت کس کے ذہن میں آسکتا ہے کہ یہ لفظ پرتگال سے آئے ہوں گے۔ جس زمانہ میں بحرہند کی تجارت پر پرتگالیوں کا قبضہ تھا' اسی زمانہ میں شمالی ہندوستان میں ایک نئی سلطنت قائم ہو رہی تھی۔ پرتگالیوں مالاباریوں اور گجراتیوں سے رخصت ہوکر اب ہم مغلوں کی سلطنت میں داخل ہوتے ہیں۔

باب ۲

مغلوں کا ہندوستان

بہلول لودھی کی وفات کے بعد امیروں نے اس کے بیٹے سکندر لودھی کو بادشاہ منتخب کیا۔ اس کے عہد میں جونپور کے زمینداروں نے بغاوت کی لیکن سکندر لودھی نے اسے آسانی سے فرو کردیا۔ اس نے بہار کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ سکندر لودھی نے نہ صرف اپنی فوجی طاقت کو بڑھایا بلکہ اس نے نظم و نسق کی طرف بھی بہت زیادہ توجہ کی۔ ایک مہم پر جاتے وقت اس کی ملاقات ایک قلندر سے ہوئی۔ قلندر نے سکندر کی فتح کے لیے دعا کی۔ اس پر اس نے کہا کہ وہ "اس شخص کی فتح کی دعا کرے جو اپنی رعایا سے بہتر سلوک کرے۔" اس نے فوجی افسروں کی تعلیم کے لیے سکول جاری کیا اور خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا جس کی بنا پر اسے ہر روز اپنی سلطنت کے شہروں کے حالات کا پتا چل جاتا تھا۔ سکندر لودھی شاعر اور علم دوست تھا۔ اس نے تقریباً" اٹھائیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا۔ اس نے افغان سرداروں کا زور توڑنا چاہا۔ انہوں نے ابراہیم لودھی کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔ ابراہیم کے خلاف تخت دہلی کا ایک دعویدار کھڑا کردیا گیا۔ لودھی نے جلال خاں کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد افغان سرداروں نے ایک اور بغاوت کی۔ اس بغاوت میں بھی شاہ پسندوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اب ابراہیم لودھی نے افغان سرداروں کے ساتھ سختی کی۔ پنجاب کے گورنر دولت خان لودھی نے کابل کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ ابراہیم لودھی کے بھائی علاء الدین نے اس موقعے کو غنیمت جانتے ہوئے دہلی پر دھاوا بول دیا لیکن شاہی فوج نے اسے شکست دے کر پنجاب کی طرف بھگا دیا۔ تھوڑی مدت بعد بابر نے لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت

قائم کی۔ یہ سلطنت کسی نہ کسی صورت میں انیسویں صدی کے وسط تک قائم رہی۔

چنگیز اور تیمور کی نسبت بابر کی شخصیت بہت زیادہ جاذب ہے۔ وہ تیمور اور اکبر کے سلسلے کی درمیانی کڑی ہے۔ اس کی زندگی تقدیر اور تدبیر کی ایک لمبی لڑائی ہے۔ اگر وہ دن کو تخت پر بیٹھتا تو رات کو سر چھپانے کے لیے جگہ نہ ملتی۔ بابر اور اس کے ساتھی ننگے پاؤں پھرتے رہے یہاں تک کے ان کے پاؤں چٹانوں کی درشتی سے بے پروا ہو گئے۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "مصیبت زدہ انسان کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ ایک جلا وطن کا دل مسرتوں سے کبھی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس جلاوطنی میں میرا دل خوش نہیں ہے۔ جلا وطن خواہ وہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو اس سے خوشی چھین لی جاتی ہے۔" زندگی کے مختلف نشیب و فراز دیکھنے کے بعد تخت کابل نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کابل فتح کرنے کے بعد اس نے ہندوستان پر حملے کیے۔ آخری حملے میں اس نے لودھی کو شکست دی۔

لودھی کو شکست دینے کے بعد بابر صرف چار سال زندہ رہا۔ یہ مدت بھی لڑائی جھگڑوں میں صرف ہوئی۔ اس نے آگرہ کو اپنی راجدھانی بنانے کے لیے قسطنطنیہ (استنبول) سے ماہرین فن طلب کیے۔ اس کے ہم عصر عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے اپنے بہت سے معماروں کو ہندوستان بھیج دیا۔

بابر نے اپنے سوانح حیات کو "توزک بابری" میں پیش کیا ہے اس کتاب میں نہ صرف بابر اور اس کے ساتھیوں کی سیرت کا تذکرہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی تکلیف کے عالم میں بھی بابر گلزاروں اور سبزہ زاروں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ اسے پھولوں سے بہت پیار تھا۔ بابر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ "ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہ ملک دنیا کے دوسرے ملکوں سے بہت مختلف ہے۔ اس ملک کے پہاڑ' دریا' جنگل اور میدان سب کے سب مختلف قسم کے ہیں۔ یہاں کے سانپ اور مینڈک بھی دوسری قسم کے ہیں۔ ہندوستان کے مینڈک پانی کی سطح پر چھ سات گز دوڑ سکتے ہیں۔" ہندوستان کے لوگ مجلسی زندگی سے محروم ہیں۔ یہاں کے لوگ خوبصورت نہیں۔ فن تعمیر سے وہ بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان میں انسانی ہمدردی نام کو نہیں۔ ہندوستان میں نہ اچھے گھوڑے ہیں اور نہ اچھے تربوز۔ نہ برف ہے نہ ٹھنڈا پانی۔ ان کے بازاروں میں کھانے کی دکانیں نہیں ہیں۔ نہ حمام

ہیں اور نہ کالج۔" بابر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ دس سال کے بعد شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو ایران کی طرف بھگا دیا۔

شیر شاہ نے پانچ سال حکومت کی۔ وہ علم و فضل کا سرپرست تھا۔ سلطنت کے نظم و نسق کا جو طریقہ اس نے رائج کیا تھا اسے نہ صرف مغلوں نے برقرار رکھا بلکہ اس وقت بھی وہ طریقہ انگریزی نظم و نسق میں کسی نہ کسی طرح رائج ہے۔ ساری مزروعہ زمین کی پیائش کے بعد زمین کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا گیا۔ ان درجوں کے مطابق لگان لگایا گیا۔ شیر شاہ نے بہت سے ایسے ٹیکس اڑا دیے جن کی وجہ سے تجارت پر برا اثر پڑتا تھا۔ اپنی سلطنت کے طول و عرض میں اس نے بہت سی سڑکیں بنوائیں ان سڑکوں کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ مسافروں کے آرام اور قیام کے لیے سرائیں بنوائیں۔ شیر شاہ ایک قلعہ کے محاصرہ میں مارا گیا۔ ہمایوں نے ایران سے ہندوستان پر دھاوا بول دیا۔ پندرہ سال کے بعد ہمایوں پھر دہلی اور آگرہ کے درمیانی رقبہ کا حکمران بن گیا۔

بابر کی موت کے بعد ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ وہ مہذب اور با اخلاق شہزادہ تھا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے بھائی میرزا نے ہمایوں سے پنجاب چھیننا چاہا۔ ہمایوں اپنے بھائی کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا پھر بھی اس نے اپنے بھائی پر تلوار اٹھانے سے گریز کیا۔ اس نے ایک فرمان کے ذریعے میرزا کو پنجاب پشاور اور لمغان کا گورنر بنادیا۔ لودھی شہزادہ محمود کی تلوار ابھی تک نیام میں نہیں ہوئی تھی۔ اس نے جونپور پر قبضہ کرلیا تھا۔ ہمایوں نے اسے جونپور میں شکست دی۔ اسی زمانے میں ہمایوں کو قتل کرنے کی سازش کا انکشاف ہوا۔ ہمایوں نے اس سازش کے بانی زمان میرزا کو معاف کردیا۔ زمان میرزا نے وعدہ کیا کہ وہ ہمایوں کا وفادار رہے گا لیکن موقعہ پا کر وہ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد چھ ہزار افغان اور راجپوت سپاہی بھی اس سے جا ملے ۔ ہمایوں نے بہادر شاہ سے زمان میرزا کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ بہادر شاہ نے انکار کردیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ سے لڑنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ ان دنوں بہادر شاہ نے چتوڑ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہمایوں گوالیار تک بڑھا لیکن بہادر شاہ سے لڑے بغیر واپس ہوا بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کرلیا۔ اس فتح نے اس کے حوصلے اتنے بلند کردیے تھے کہ

اس نے ہمایوں کے خلاف بہلول لودھی کے بیٹے علاء الدین کو تخت کا دعوی دار کھڑا کردیا۔ علاء الدین چالیس ہزار ۔ اہی لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ شاہی فوجوں کے آتے ہی دعوی دار کی فوج بھاگ نکلی۔ جو بچے انہیں مغلوں نے قتل کردیا۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لیے بہادر شاہ بہت بڑا توپ خانہ لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ ہمایوں نے اس شکست دی۔ وہ مانڈو کے قلعے میں پناہ گزیں ہوا۔ تین سو مغل سپاہیوں نے اس قلعے کو فتح کرلیا۔ اب وہ گجرات کی راجدھانی چمپا نیر کی طرف بڑھا۔ ہمایونی فوجیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ بہادر شاہ احمد آباد کی طرف بھاگا۔ ہمایوں نے اس کا تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ بہادر شاہ نے دیو میں پناہ لی۔ چونکہ بہادر شاہ اپنا خزانہ چمپانیر میں چھوڑ آیا تھا اس لیے ہمایوں نے اس کا تعاقب ترک کرتے ہوئے چمپانیر کا محاصرہ کرلیا۔ اس قلعے کی تسخیر میں ہمایوں نے فوجی دانش مندی کا ثبوت دیا۔ قلعے کے حفاظتی دستے کو قتل کردیا گیا۔ قلعے کے حاکم نے چونکہ بہت زیادہ بہادری کا ثبوت دیا تھا اس لیے اسے معاف کردیا گیا۔ چمپانیر کے قلعے کی تسخیر تاریخ شجاعت کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ بہادر شاہی خزانے پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں نے اپنے فوجیوں میں اس دولت کو فراخ دلی سے تقسیم کیا۔ بدبختیوں اور تباہ کاریوں نے بہادر شاہ کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ پچاس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر ہمایوں سے لڑنے کے لیے بڑھ رہا تھا لیکن ہمایوں نے اسے احمد آباد میں پھر شکست دی۔ ہمایوں نے گجرات کے علاقے کو اپنے افسروں میں تقسیم کردیا۔ اب وہ برہان پور کی طرف بڑھا۔ دکن کے شہزادوں نے ہمایوں کی اطاعت قبول کی۔ ہمایوں کو بتایا گیا کہ شمال میں شیر خاں نے بغاوت کردی ہے۔ خاندیس کو اپنی اطاعت میں لینے کے بعد ہمایوں مانڈو کی راہ سے آگرہ روانہ ہوا۔ اس کے جاتے ہی گجرات میں ہمایوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ آگرہ پہنچ کر اس نے مزید تیاری کی اور شیر خاں سے لڑنے کے لیے چل دیا۔

شیر خاں بہار اور بنگال پر قابض ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی فوجی صلاحیت سے ہمایونی فوجوں کو "جنرل باراں" سے شکست دلوائی۔ جب ہمایوں' اتنے بڑے فوجی جرنیل سے لڑ رہا تھا تو اس کے بھائی دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ ہمایوں نے مشترکہ مفاد کے لیے اپنے بھائیوں کو تعاون کی دعوت دی لیکن بے سود۔

وہاں اشتراک کی جگہ اغراض کار فرما تھیں۔ افغان نے مغل کو شکست دی۔ دہلی اور آگرہ میں ہمایوں کا رہنا دشوار ہوگیا۔ ہمایوں اپنے خاندان اور خزانہ سمیت لاہور پہنچا لیکن کامران نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا۔ وہ سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ دو سال تک ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہ امرکوٹ پہنچا۔ امرکوٹ کے قیام میں اکبر پیدا ہوا۔ اس نے قندھار کی راہ لی لیکن اس کے بھائی نے اسے ایران کی طرف بھگا دیا۔ اس کے ساتھ صرف بیس سوار اور ایک ملکہ تھی۔ سیستان میں داخل ہوتے ہی ہمایوں نے اپنے کو شاہ ایران کی حفاظت میں دے دیا۔ شاہ کی طرف سے اسے مالی امداد پہنچائی گئی۔ ہرات میں شاہ ایران کے بیٹے نے ہمایوں کا شاہانہ انداز میں خیر مقدم کیا۔ دوران سفر ہر ایرانی حاکم نے ہمایوں کے شاہانہ احترام کا پورا پورا خیال کیا۔

ہمایوں اس وقت تک ایران ہی میں رہا۔ جب تک کہ حالات اس کے موافق نہ ہوگئے۔ شیر شاہ سوری کے جانشینوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس کی بنائی ہوئی سلطنت کو قائم رکھ سکتا۔ محمد شاہ عادل کے عہد حکومت میں ایک طرف نظم و نسق میں خرابی پیدا ہو رہی تھی اور دوسری طرف خانہ جنگیوں نے ملک کو ویران کر رکھا تھا۔ اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر ہمایوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ سرہند کے قریب بیرم خاں نے سکندر سوری کو شکست دی۔ فتح کے بعد ہمایوں نے بہت جلدی دلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا۔ لیکن ہیموں اپنے آقا ابراہیم خاں عادل کے ساتھ مل کر ہمایوں سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ہمایوں کی موت نے ہیموں کے لیے موقعہ پیدا کردیا کہ وہ اکبر اور اس کے مغل سپاہیوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کرے۔ ہیموں کو اس کوشش میں اپنی جان دینی پڑی۔

اکبر کا شمار دنیا کے بہت بڑے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اکبر نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور مختلف قوموں کو متحد کرنے کی کوشش "دین الٰہی" ایجاد کرنے سے بہت پہلے کی۔ اکبر اگرچہ ہندوستان میں ایک غیر ملکی کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس نے بہت جلد اپنے آپ کو ہندوستانی بنالیا۔ اکبر کے نظم و نسق کی جھلک موجودہ حکومت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اکبر اپنے ہمراہ ایران کا فن تعمیر، ایران کی شاعری اور ایرانی مصوری لایا۔ ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد اس نے اسے متحد کرنے کی

بہت زیادہ کوشش کی۔ وہ وسط ایشیا اور ہندوستان کی علیحدہ علیحدہ دنیاؤں کا ایک آمیزہ ہے۔

موسم سرما کی ایک صبح کو ہمایوں اپنے ساتھیوں سمیت ایک جھیل کے کنارے پر خیمہ زن تھا۔ صحرائی علاقے میں گرد و غبار اڑتی دیکھ کر ہمایوں پریشان ہوا۔ پچھلے دو برس سے وہ سندھ کے ریگستانوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کے بھائی اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ دوست دشمن بن گئے تھے۔ اس کے لیے کسی پر اعتماد کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ گرد و غبار امرکوٹ کی طرف سے اٹھی تھی۔ ہمایوں اپنی بیوی کو امرکوٹ میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ وہ بہت جلد ماں بننے والی تھی۔ قاصد کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ حمیدہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تھا۔ ہمایوں کو اپنا جانشین مل گیا۔ مغل حکمران اس تقریب پر زر و دولت کو پانی کی طرح بہا دیتے تھے لیکن بے سرو سامان ہمایوں کے پاس کیا دھرا تھا؟ اس نے اپنے ساتھیوں میں مشک تقسیم کرتے ہوئے کہا۔ "یہی وہ تحفہ ہے جسے میں اپنے بیٹے کی پیدائش پر تمہیں پیش کرسکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی شہرت اسی طرح ساری دنیا میں پھیلے گی جس طرح اس مشک کی خوشبو اس خیمے میں پھیل گئی ہے۔" بچے کا نام اکبر رکھا گیا۔ اکبر کی پیدائش نے ہمایوں کے استقلال کو جو اس نے کبھی نہیں کھویا تھا مزید مستحکم کردیا ہوگا۔

دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں نے اکبر کو اس کے اتالیق بیرم خاں کے ہمراہ پنجاب بھیج دیا تھا۔ اکبر نے کلانور (ضلع گورداس پور) میں اپنے باپ کی موت کی خبر سنی۔ اکبر کو کلانور کے ایک باغ میں تخت نشین کیا گیا۔ یہ تخت اس وقت موجود ہے۔ اپنے داوا بابر کی طرح اکبر کو چھوٹی عمر میں تخت مل گیا۔ لیکن اسے بابر ہی کی طرح اس تخت کو برقرار رکھنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑا۔ سکندر سور ابھی تک پنجاب میں تھا۔ ہیموں نے بھی بہت سی قوت حاصل کرلی تھی۔ ہیموں ایک قابل جرنیل تھا۔ اس نے دہلی اور آگرہ کو اپنے قبضہ میں کرنے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ حالات بہت نازک ہوچکے تھے۔ بیرم خاں کے رستمی کابل جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن اتالیق اپنے شاگرد کو لے کر ہیموں سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ اکبر نے بابر کی طرح پانی پت میں دہلی کا تخت حاصل کیا۔ دہلی

اور آگرہ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ سکندر سور کا تعاقب کیا گیا۔ ایک سال بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی اثنا میں تخت دہلی کے سب دعوی دار ختم ہو چکے تھے۔ پانچ سال تک بیرم خاں کے ہاتھ میں عنان اقتدار رہی۔ جب اکبر اٹھارہ سال کا ہوا تو درباریوں نے اسے بیرم خاں کے اثر و رسوخ سے آزاد کر دیا۔ اکبر کی دایہ ماہم انگہ نے بھی بیرم خاں کے خلاف سازش میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ بیرم خاں نے اس توہین کا احتجاج بغاوت کی صورت میں کیا۔ شاہی فوجوں نے اتالیق کو شکست دی۔ بیرم قید ہو کر اکبر کے سامنے پیش ہوا۔ اکبر نے اسے معاف کر دیا۔ وہ حج کے لیے سفر کر رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا عبدالرحیم شاہی سایہ میں تربیت پاتا رہا۔

گوالیار اور جونپور پر قابض ہونے سے اکبر نے اپنی سلطنت کی حدود کو وسیع کر دیا تھا اب وہ مالوہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ مالوہ پر حسن و عشق کا متوالا باز بہادر حکمران تھا۔ باز بہادر اور روپ متی کی محبت کے افسانے گیتوں کی صورت میں اب تک موجود ہیں۔

اکبر نے ماہم انگہ کے بیٹے ادھم خاں کو مالوہ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ ادھم خاں نے اس مہم میں بہت زیادہ ظلم کیے۔ اکبر خفا ہو کر مالوہ کی طرف بڑھا۔ ادھم خان نے اکبر سے معافی مانگ لی۔ بیرم خان کے بعد ماہم انگہ اپنے آپ کو وزیر اعظم خیال کرتی تھی۔ اکبر پر اس کا کافی اثر تھا۔ لیکن کابل سے شمس الدین کے آنے کے بعد اکبر نے تمام سیاسی، مالی اور فوجی امور اس کے سپرد کر دیے اس پر ماہم انگہ اور اس کا بیٹا ادھم خاں برافروختہ ہوئے۔ ایک دن جب کہ شمس الدین وزارت عظمی کے کاموں میں معروف تھا ادھم خاں ایوان میں داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ چند لوگ تھے ادھم خاں کے اشارہ کرتے ہی لوگ شمس الدین پر ٹوٹ پڑے۔ شمس الدین کو قتل کرنے کے بعد ادھم خان اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں اکبر موجود تھا۔ اکبر تلوار لے کر باہر نکل آیا۔ ادھم خان نے اکبر کی تلوار کو پکڑنا چاہا لیکن اکبر نے اسے زمین پر گرا دیا۔ جونہی ادھم خان زمین پر گرا اکبر نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اسے چھجہ سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ملازموں نے پس و پیش کی۔ اکبر نے ادھم خان کو جو بے ہوش ہو چکا تھا اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ ادھم خان کی گردن ٹوٹ گئی۔ اکبر حرم میں چلا گیا۔ ماہم انگہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بستر

علالت سے اٹھ کر اکبر کے پاس آئی۔ اکبر نے اس سے کہا "ادھم خاں نے مابدولت کے وزیر اعظم کو قتل کیا اور مابدولت نے اسے سزا دی۔" ماہم انگہ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا بیٹا شاہی عتاب سے ٹکرا کر مرچکا ہے۔ اپنے بیٹے کے غم میں ماہم انگہ چند دنوں بعد چل بسی۔ اب اکبر حکمرانی کرنے میں آزاد تھا۔

ماہم انگہ کے دورِ اقتدار میں رشوتوں اور سازشوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اسے اکبر نے ختم کردیا۔ سازشیوں سے اس نے بہت اچھا سلوک کیا۔ خارجی اثرات سے آزاد ہوتے ہی اس نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی رسم اڑا دی۔ اس نے اب جے پور کی شہزادی سے شادی کی۔ یہ ہندو شہزادی جہانگیر کی ماں بنی۔ تان سین اور بیربل کو اس نے اپنے دربار میں جگہ دی۔

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اکبر کی طبیعت میں بے چینی تھی۔ اسے سکون نصیب نہیں تھا اس نے جس شخص پر اعتماد کیا اسی نے اسے دھوکا دیا۔ ادھم خان نے تو اسے قتل کرنے سے گریز نہ کیا۔ اس نے اب صرف اپنی ذات پر اعتماد کرنا چاہا۔ اکبر اگرچہ ان پڑھ تھا۔ لیکن اس پر صوفی شاعروں کے کلام کا بہت زیادہ اثر تھا۔ وہ صداقت کی تلاش میں تھا۔ شاہی محلوں سے نکل کر وہ فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں جاتا۔ عالموں اور فاضلوں سے بحث کرتا۔ بیس سال کا تاجدار صداقت اور خدا کی تلاش میں تھا۔ اس کے ذہن سے ہندو اور مسلمان کا امتیاز اٹھ گیا۔ اس نے اپنی سلطنت میں اس ٹیکس کو منسوخ کردیا جو ہندو یاتریوں سے یاترا کے وقت لیا جاتا تھا۔ ایک سال بعد اس نے جزیہ معاف کردیا۔ تئیس سال کے تاجدار کے یہ افعال حیران کن ہیں۔

اکبر کے ذہن کی طرح اس کا جسم بھی بے چین تھا۔ اکبر کی رگوں میں تیموری خون تھا۔ ملک گیری اسے ورثہ میں ملی تھی۔ صداقت اور حقیقت کی تلاش کرنے والا شہزادہ تیموری روایات سے کیوں کر منہ موڑ سکتا تھا؟ اصلاح کے ساتھ ساتھ اس نے عمل بھی جاری رکھا۔ اکبر نے اب فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ اس کی موت تک جاری رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں فتوحات اور تلاش صداقت میں کبھی تصادم نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہمسایہ ریاستوں پر حملے کرکے انہیں اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ فتوحات کے بعد اکبر نے اپنی رعایا

سے فیاضیانہ سلوک کیا۔

گونڈوں کی ملکہ درگاوتی کو شکست دینے اور اس کے خزانے پر قبضہ کرنے کے بعد اکبر نے چتوڑ کی طرف توجہ کی۔ جونہی اکبر اپنی فوجیں لے کر چتوڑ کی طرف روانہ ہوا چتوڑ کا رانا اودے سنگھ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس پر جیمل راٹھور نے چتوڑ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اکبر کی تمام توپیں چتوڑ کے قلعے کو فتح کرنے میں ناکام رہیں۔ ایک دن اکبر نے دیکھا کہ ایک پرشکوہ انسان ان شگافوں کی مرمت کر رہا ہے جو گولہ باری کی وجہ سے قلعہ میں پیدا ہوگئے تھے اکبر نے شست لگائی۔ پرشکوہ انسان زمین پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد شہر کے بعض حصوں سے آگ کے شعلے اٹھتے دکھائی دیے۔ راجہ بھگوان داس نے بتایا کہ جوہر کی رسم ادا ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ اکبر نے جس شخص کا نشانہ کیا تھا وہ جیمل راٹھور تھا۔ چتوڑ کے لیے راجپوت سپاہیوں نے بہادری سے لڑنا شروع کیا۔ مرد اور عورتیں ایک ہی صف میں حمہ آوروں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ آٹھ ہزار بہادر راجپوت چتوڑ کی حفاظت میں کام آئے۔ اکبر پر وہی وحشت سوار ہوئی جو کبھی سکندر یونانی کو گھیر لیتی تھی۔ اکبر کے حکم سے چتوڑ میں قتل عام کیا گیا۔ راجپوتوں کی بہادری سے اکبر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے جیمل اور اس کے نوجوان بیٹے کے بت بنوا کر دہلی میں نصب کرائے۔

اکبر اپنی سلطنت کو ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلانا چاہتا تھا۔ اب اس نے مغرب کا رخ کیا۔ سمندر اور اس کی سلطنت کے درمیان گجرات حائل تھا۔ گجرات کی راجدھانی احمد آباد تھی۔ اب اکبر گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ گجرات پر قبضہ کرنے میں اسے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اکبر نے پہلی مرتبہ اس سمندر کو دیکھا جو ہندوستان اور یورپ کو ملاتا ہے۔ اس کے ذہن میں مغل بحریہ بنانے کا خیال نہ آیا۔ اکبر سمندر کی موجوں کو گن رہا تھا کہ ابراہیم حسین میرزا نے سرنال میں بغاوت کردی۔ اس بغاوت کو دبانے اور میرزا کو شکست دینے کے بعد اکبر نے سورت کی بندرگاہ کا محاصرہ کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سورت کی مدد پر پرتگیزی ہیں تو اس نے پرتگیزوں سے صلح کے لیے بات چیت کی۔ پرتگیزی وائسرائے نے انطونیو کو اکبر سے تصفیہ کے لیے بھیجا۔ سورت نے ہتھیار ڈال دیے۔ پرتگیزوں سے اکبر نے اپنا تعلق اس طرح قائم کیا۔ وہ پرتگیزوں سے ان

کے مذہب اور ان کی معاشرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اکبر آگرہ پہنچا، گجرات میں بغاوت ہوگئی۔ اکبر پھر گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری مہم میں اکبر نے فوجی قابلیت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس میل کا سفر کیا۔ آگرہ سے احمد آباد وہ گیارہ دنوں میں پہنچ گیا۔ چھ سو میل! اکبر کے ہمراہ صرف تین ہزار سپاہی تھے۔ محمد حسین میرزا بیس ہزار سپاہیوں سمیت اکبر کے خلاف اٹھا۔ جونہی اسے شاہی فوجوں کی آمد کا پتا چلا تو میرزا چلایا: "ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ اکبر چودہ دن پہلے فتح پور سیکری میں تھا۔" انہیں اکبر کی آمد پر یقین نہیں تھا۔ اکبر نے ایک شدید حملہ کیا۔ میرزا کی فوج کو شکست ہوئی۔ اکبر نے میدان جنگ میں تیموری روایات کے مطابق دو ہزار مقتول سپاہیوں کی کھوپڑیوں سے ایک مینار کھڑا کیا۔ اب گجرات کو کسی مزید سبق کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب کچھ چالیس دنوں میں ہوا۔

بنگال میں شہزادہ داؤد نے بغاوت کردی۔ بہار پر افغان سرداروں کا قبضہ تھا۔ داؤد نے اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے اکبر سے لڑنے کی تیاری کرلی۔ اکبر اس وقت گجرات میں تھا۔ اس نے بوڑھے جرنیل منعم خاں کو بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیج لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اب اکبر بنگال کی طرف روانہ ہوا۔ اکبر کی ساری گزشتہ مہموں سے یہ مہم نرالی تھی کیوں کہ اس مہم میں گنگا کو ٹرانسپورٹ کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اکبر نے اپنی فوج کا ایک حصہ خشکی کے راستے بھیج دیا اور باقی فوج کو ایک بیڑے پر سوار کیا۔ اکبر کا یہ بیڑہ بہت زیادہ شان و شوکت رکھتا تھا۔ بعض کشتیوں کو باغوں میں تبدیل کردیا گیا تھا۔ داؤد کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اکبر برسات میں اتنی بڑی مہم کو جاری رکھ سکے گا۔ اکبر نے پٹنہ پر قبضہ کرلیا۔ پٹنہ سے واپسی پر اکبر کے ذہن میں عبادت خانہ بنانے کا خیال پیدا ہوا جہاں وہ مختلف فرقوں کے مسلمان علما سے تبادلہ خیال کرسکے۔ چنانچہ اس نے شیخ سلیم چشتی کے مقبرہ کے قریب ایک شاندار عمارت بنوائی۔ جب یہ عمارت مکمل ہوگئی تو اس نے مسلمان علما کو اس میں داخل ہوکر شریک مباحثہ ہونے کی دعوت دی۔ لیکن پہلے ہی اجلاس میں علما میں نشستوں کے تعین پر جھگڑے شروع ہوگئے۔ بات بات پر آپس میں "تو تو میں میں" ہونے لگی۔ اکبر کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان

فرقوں کے علما ایک جگہ بیٹھ کر متنازعہ فیہ مسائل پر رواداری سے تبادلہ خیال کریں لیکن انہوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کردیا۔ اس زمانہ کے بیشتر علما کے متعلق حضرت مجدد الفؒ ثانی لکھتے ہیں۔ "ہر فتورے کہ دریں زماں در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علما سواست کہ فی الحقیقت شرارم مردم و نصوص دین اند۔" اسی قسم کے علما نے ابوالفضل اور فیضی کے باپ شیخ مبارک علی کو بہت زیادہ تنگ کیا تھا ایک مرتبہ انہیں قتل کرانے کی سازش بھی کی گئی تھی لیکن شیخ نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ عبادت خانہ میں مسلمان علما کی یہ حالت دیکھ کر اکبر نے پرتگیزی پادریوں' پارسیوں' جینیوں کو بھی ان مباحثوں میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ علما کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ان میں سے ایک نے اکبر کے حکم کے بغیر کسی شخص کو قتل کرادیا۔ اس موقعہ پر شیخ مبارک نے اکبر کو مشورہ دیا کہ وہ متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق خود احکام صادر کرسکتا ہے۔ جب اکبر کے ان خیالات کا "عبادت خانہ" سے باہر کی دنیا کو علم ہوا تو سب سے پہلے ملا یزدی نے فتویٰ دیا کہ اکبر کے خلاف جہاد واجب ہے۔ اب اکبر نے اپنے مخالف علما کو قتل کرنا شروع کیا۔ باہر اور بنگال میں پھر بغاوت ہوگئی۔ بعض درباریوں نے اکبر کے بھائی مرزا محمد حکیم حاکم کابل کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرکے اکبر کی جگہ خود بادشاہ بن جائے۔ مرزا محمد حکیم کو اکبر نے شکست دی۔ مشرقی صوبوں میں بغاوت فرو ہو چکی تھی۔ کابل کی مہم سے واپس آنے کے بعد اکبر نے ایک جنرل کونسل طلب کی۔ اس اجلاس میں اکبر نے اپنی سلطنت کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "مابدولت کی خواہش ہے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں مں اتحاد پیدا کیا جائے اور ہر فرقے کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ دوسرے مذہبوں کی اچھائیوں کو نظرانداز نہ کرے۔ اس طرح خدا بھی خوش ہوگا اور ملک میں امن و امان بھی قائم ہوجائے گا۔" اس اتحاد کے لیے اکبر نے جو "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا اس سے کوئی بھی خوش نہ ہوسکا۔

اکبر نے پھر سے فتوحات کی طرف توجہ کی۔ کشمیر اور سندھ کی فتح کے بعد اس نے اڑیسہ' بلوچستان اور قندھار کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ دکن ابھی باقی تھا۔ اکبر کا خیال تھا کہ دکن کی ریاستیں اس کی فتوحات سے مرعوب ہوکر اس کی سیادت

کو مان لیں گی۔ اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں اور شہزادہ مراد کو احمد نگر فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ احمد نگر کی ملکہ چاند بی بی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مغل اسے شکست نہ دے سکے۔ چاند بی بی اور اکبر میں صلح ہو گئی۔ اب اکبر خود دکن گیا۔ احمد نگر کو فتح کرنے کے بعد اس نے خاندیس کو فتح کرنا چاہا۔ اسیر گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا لیکن بے سود۔ آخر رشوتوں کو کام میں لاکر اکبر نے اس قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ دکن کی مہم پر روانہ ہوتے وقت اکبر نے سلیم کو آگرہ میں انتظام سلطنت کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ سلیم نے بغاوت کے لیے اچھا موقعہ پایا۔ الہ آباد پہنچ کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ بہت بڑی فوج جمع کرنے کے بعد وہ آگرہ کی طرف بڑھا۔ اکبر دکن سے واپس آچکا تھا۔ اس نے شاہی قاصدوں کو فرمان دے کر سلیم کے ہاں بھیجا۔ اس فرمان کی رو سے شہنشاہ اکبر نے اپنے بیٹے سلیم کو بنگال اور بہار کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن سلیم نے ایک نہ سنی۔ اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کرکے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ ابوالفضل اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے آگرہ سے نکلا۔ سلیم کے ایک ساتھی بیر سنگھ نے ابوالفضل اور اس کی فوج کو راہ میں گھیر لیا۔ ابوالفضل کو قتل کردیا گیا۔ ابوالفضل کے قتل کا شہنشاہ کو بہت زیادہ افسوس ہوا۔ اکبر نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ اپنے باغی فرزند کی سرکوبی کے لیے خود میدان میں نکلے لیکن وہ خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ آخر کار کسی نہ کسی طرح سلیم کو ترغیب دلاکر آگرہ میں پہنچا دیا۔ اکبر کی والدہ سلیم کا استقبال کرنے کے لیے آگرہ سے کئی میل دور گئی۔ اس کی کوششوں سے باپ بیٹے میں ملاقات ہوئی۔ سلیم نے معافی مانگی۔ اکبر نے اپنا عمامہ سلیم کے سر پر رکھ دیا۔ باپ اور بیٹے کے درمیان ابوالفضل کا خون حائل تھا۔ سلیم نے پھر الہ آباد کی راہ لی۔ اس دفعہ باپ بیٹے میں لڑائی یقینی ہو گئی۔ لیکن پھر راج ماتا نے مداخلت کی۔ حمیدہ نے ہر مصیبت میں اکبر کا ساتھ دیا لیکن اب وہ اپنے پوتے سلیم کی طرف مائل تھی۔ حمیدہ نے اپنے بیٹے اکبر سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے سلیم کے خلاف جنگ نہ کرے لیکن اکبر اب سخت دل ہو چکا تھا جب اکبر فوج لے کر آگرہ سے نکلا تو اسے اپنی ماں کے بیمار ہونے کی اطلاع ملی۔ اکبر واپس ہوا۔ اس کی ماں کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ وہ چند دنوں میں چل بسی۔ اسے ہمایوں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ مراد کے بعد دانیال بھی مر چکا تھا بوڑھا شہنشاہ مغموم تھا۔ سلیم کو آگرہ بلانے کی

پھر سے کوشش ہوئی۔ سلیم آگرہ پہنچا۔ سلیم نہایت انکساری سے شہنشاہ کے حضور پیش ہوا۔ اکبر نے بڑے پیار سے ملاقات کی۔ وہ اسے ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ اکبر بے قابو ہو گیا۔ مسدود غم و غضب نے پھر سر نکالا۔ اس نے سلیم کے منہ پر تھپڑ مارا اور اس کی ساری حماقتوں کو گنایا۔ اکبر کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ اکبر نے سلیم کا مذاق اڑایا کیوں کہ وہ نہتا چلا آیا تھا۔ سلیم کی فوج شہر سے بہت دور تھی۔ سلیم کو گرفتار کرلیا گیا۔ چند دن بعد اسے رہا کردیا۔ اکبر کی زندگی میں سلیم نے پھر کبھی بغاوت کا خیال نہیں کیا لیکن اکبر کے دن پورے ہو چکے تھے۔

اکبر بستر مرگ پر تھا سلیم اپنے باپ کے ساتھ آخری لمحات بسر کرنے کے لیے گیا۔ اکبر نے اشارہ کیا کہ سلیم شاہی عمامہ کو اپنے سر پر رکھے۔ اکبر نے پھر ہمایوں کی تلوار کی طرف اشارہ کیا۔ سلیم نے اسے بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب اکبر نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اکبر نے سر اٹھایا۔ ہجوم کی طرف سے "سلیم زندہ باد" کا نعرہ بلند ہوا زندہ باد کے شور میں اکبر مر رہا تھا۔

اکبر کے عہد حکومت میں ہندوستان کے مدرسوں میں معقولات کی کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ایرانی عالموں کے آنے سے ہندوستان میں فلسفہ کا زور ہوا۔ اکبر سے پہلے گجرات علم و حکمت کا مرکز تھا۔ جب اکبر نے گجرات فتح کیا تو وہاں کے عالموں کو بھی دہلی یا آگرہ میں آنا پڑا۔ ایران سے ہندوستان میں نہ صرف فلسفہ آیا بلکہ شاعری' مصوری اور موسیقی بھی۔ اکبر کا دادا بابر ہرات کی مصوری سے متاثر ہوا۔ اس کا باپ ایران کی مصوری سے متاثر تھا۔ اکبر کے عہد میں کئی ایرانی مصور ہندوستان آئے۔ ان سب میں نمایاں خواجہ عبدالصمد ہے۔ اکبر ہی کے عہد میں سنسکرت' عربی' ترکی اور یونانی کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ ہندی زبان کو بھی کافی فروغ ہوا۔ تلسی داس' سور داس اور خان خاناں ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ فیضی کے علاوہ اس زمانے میں ملا ظہوری بہت بڑے شاعر گزرے ہیں۔ عبدالقادر بدایونی' نظام الدین احمد' اور ابوالفضل اکبری عہد کے وقائع نگار تھے۔ گلبدن بیگم کا "ہمایوں نامہ" بھی اسی عہد میں لکھا گیا۔ فن تعمیر میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ اکبری عہد کی عمارتیں فتح پور سیکری میں اب تک موجود ہیں۔

اکبر کی وفات پر سلیم' جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ ڈپلومیسی کے لحاظ

سلیم کی تخت نشینی شیخ فرید کی کامیابی اور عزیز کوکہ اور مان سنگھ کی ناکامی تھی۔ اس وقت مغلیہ سلطنت پندرہ صوبوں میں منقسم تھی۔ ہر صوبے کا گورنر سپہ سالار کہلاتا تھا۔ سپہ سالار کو دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل تھے۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں شراب نوشی کو ممنوع کردیا۔ اکبر نے جو شاہی خزانہ چھوڑا تھا اس میں پچاس کروڑ روپیہ نقد تھا۔ اس کے علاوہ جواہرات اور دوسری قیمتی چیزوں کی کمی نہیں تھی۔ اس دولت کو اس نے بے آباد اضلاع کو آباد کرنے اور نئی سڑکیں بنانے پر صرف کیا۔ ناک کان کاٹنے کی سزا منسوخ کردی۔ اس نے بہت سے شفا خانے کھلوائے۔ جہانگیر کی شخصیت اس کی بادہ خواری کے افسانوں میں گم ہوچکی ہے۔ وہ شراب ضرور پیتا تھا لیکن وہ محض شرابی نہیں تھا۔

جہانگیر کی تخت نشینی سے پیشتر اس کا بیٹا خسرو تخت ہندوستان کا امیدوار تھا۔ دربار میں خسرو کے حامیوں کی تعداد کافی تھی لیکن خسرو کی ماں اپنے بیٹے کو سلیم کا مخالف پاکر بہت دکھ محسوس کرتی۔ جب خسرو باز نہ آیا تو خسرو کی ماں نے خودکشی کرلی۔ جہانگیر اپنی توزک میں اس راجپوت شہزادی کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہے۔ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد خسرو باغیانہ سرگرمیوں سے تائب ہوگیا لیکن ایک رات جہانگیر کو اطلاع دی گئی کہ خسرو پنجاب جانے کے لیے دہلی کی طرف بھاگ نکلا ہے۔ دہلی سے ہوتا ہوا جب خسرو پنجاب پہنچا تو اس کے پاس تیس ہزار سپاہی تھے۔ خسرو کے سپاہی دہلی سے لاہور تک تباہی مچاتے اور شاہی خزانے لوٹتے رہے۔ خسرو نے لاہور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد قلعہ لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ جہانگیر اس کی سرکوبی کے لیے آرہا ہے۔ شاہی فوجوں اور باغی شہزادہ میں لڑائی ہوئی۔ خسرو نے شکست کھائی۔ جہانگیر نے اس کے ساتھیوں کو بڑی تعداد میں قتل کرایا۔ جب خسرو کو زنجیروں میں جکڑ کر جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو ایک طرف نوجوان اور حسین ترین شہزادہ کانپ رہا تھا اور دوسری طرف شہنشاہ رو رہا تھا۔ جہانگیر نے اسے معاف کردیا لیکن خسرو سازشوں سے باز نہ آیا یہاں تک کہ جہانگیر نے اسے اندھا کردیا۔ اس کے بھائی خرم نے اسے دکن میں زہر دے کر ہلاک کردیا۔

جہانگیر نے ۱۶۱۲ء میں پرتگیزوں سے ایک معاہدہ کیا۔ معاہدے کے بعد جب

شاہی سفیر واپس ہوا تو اپنے ساتھ دوسرے عجائبات کے علاوہ بہت سے پرندے بھی لایا تھا۔ ان میں سے ایک پرندے کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے کہ اس نے اس سے پہلے ایسا پرندہ نہیں دیکھا تھا۔ ایک سال بعد پرتگیزوں نے عہد شکنی کی۔ انہوں نے سورت کی بندرگاہ کے قریب چند جہازوں کو لوٹ لیا' اور سورت کے قلعے پر قبضہ کرنا چاہا لیکن پرتگیزوں کو شکست ہوئی۔ ایک سال بعد انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی سفارت آگرہ میں پہنچی۔ انگریزی سفیر سرطامس راؤ تین سال تک جہانگیر کے دربار میں رہا۔

چند سال پیشتر پرتگیزوں کے ذریعے ہندوستان میں تمباکو پینے کا رواج ہو رہا تھا۔ جہانگیر نے اس کے استعمال کو حکماً ممنوع قرار دے دیا۔ اس معاملے میں جہانگیر نے ایران کے شاہ عباس کی پیروی کی جو تمباکو کے استعمال کو ایران میں ممنوع کر چکا تھا۔

جہانگیر کے عہدِ حکومت میں ہندوستانی مصوری کو بہت زیادہ عروج حاصل ہوا۔ ابو الحسن' منصور' بشن داس اور فرخ بیگ اس عہد کے بہترین مصور تھے۔ طالب آملی اور کلیم جہانگیری عہد کے فارسی شاعر تھے۔ جہانگیر کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے نامور ہندوستانی مصور پیدا ہوئے۔ فن تعمیر نے انتہائی ترقی کی۔ تاج محل اس کی زندہ مثال ہے۔ بابر اور ہمایوں تعمیرات کی طرف زیادہ توجہ نہ کر سکے۔ ہندوستان کی عمارتوں کے متعلق بابر کہتا ہے کہ ان میں ہم آہنگی نہیں۔ شیر شاہی دور کی عمارتوں میں جلال اور جمال دونوں پائے جاتے ہیں۔ مغلوں نے اپنی عمارتوں کی آرائش کے لیے باغوں اور نہروں کا اضافہ کیا۔انہوں نے گنبد' مینار اور محراب میں ایسی اصلاح کی کہ وہ متناسب اور موزوں ہو گئے۔ مغلوں کے فن تعمیر کا آغاز ہمایوں کے مقبرہ سے ہوا اور انجام تاج محل پر۔ ہمایوں کے مقبرہ کی تعمیر کے بعد فن تعمیر میں مزید ترقی ہوئی۔ اکبری عہد میں فتح پور سیکری میں پندرہ سال تک نئی عمارتیں بنتی رہیں۔ جہانگیر کے عہد سے سنگ مرمر کا استعمال زیادہ ہونے لگا۔ پچی کاری کو فروغ ہوا۔ سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ اور آگرہ میں اعتمادالدولہ کا مزار اس عہد کی عمارتیں ہیں۔ شاہ جہاں کو فن تعمیر سے بہت لگاؤ تھا۔ اس نے شہر آباد کیے' قلعے بنائے' مسجدیں تعمیر کیں۔

لاہور کے قلعے کی اکبری اور جہانگیری عہد کی بہت سی عمارتوں کو گرا کر شاہ جہاں نے انہیں پھر سے بنوایا۔

شاہ جہاں کا عہد حکومت پر امن تھا چونکہ ہر تیموری شہزادہ روایات کے مطابق تخت کا دعوی دار ہو سکتا تھا اس لیے شاہ جہاں نے خانہ جنگی کو روکنے کے لیے اپنے بیٹوں میں ہندوستان کو بانٹ دیا۔ شجاع کو بنگال اور آسام کا گورنر مقرر کیا۔ اورنگ زیب کو دکن اور مراد کو گجرات کا حاکم بنایا۔ دارا کو مرکز میں اپنے پاس رکھا۔ شاہ جہاں کو دارا سے بہت زیادہ محبت تھی۔ شاہ جہاں کی طرف سے دارا کو ولی عہد مقرر کر دینا ایک مانی ہوئی بات تھی۔ ہر شہزادہ شاہ جہاں کا وارث بننا چاہتا تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو دارا اس انداز سے سرانجام دے رہا تھا جس سے شہزادوں کے ذہن میں صرف دو باتیں آ سکتی تھیں۔ پہلی یہ کہ شاہ جہاں مر چکا ہے اور دوسری یہ کہ وہ بستر مرگ پر ہے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ یکساں تھا۔ حصول تخت کی دوڑ میں سب سے پہلے شجاع نکلا۔ دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ نے اسے شکست دی' اورنگ اور مراد مل کر آگرہ کی طرف بڑھے۔ ساموگڑھ کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ دارا نے شکست کھائی۔ اس فتح کی خوشی میں بہادر مراد نے جشن منایا۔ اس جشن میں شراب کے دریا بہا دیے گئے۔ جب مراد بدمستی کے عالم میں تھا تو اسے اورنگ زیب کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد اس کا قتل کر دیا جانا ایک یقینی امر تھا۔ اورنگ زیب نے پچاس سال تک حکومت کی۔ اس طویل مدت میں اورنگ زیب نے نظم و نسق میں جو کچھ کیا اس کا خلاصہ پروفیسر سری رام شرما کے ایک طویل مضمون سے دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کو ان اخباروں کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے جو اورنگ زیب کے عہد میں لکھے گئے تھے:۔

"ان اخبارات پر نظر ڈالنے سے اورنگ زیب کی ایک بڑی اور نمایاں خوبی یہ سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے معمولات میں کبھی تساہل کو دخل نہ دیتا تھا۔ اس کے دور حکومت کے اڑتیسویں سال میں دس مہینہ تک کے جو اخبارات ہیں ان میں صرف گیارہ دن فرصت کا ذکر ہے اگر وہ دیوان عام کے دربار میں نہ آ سکتا تھا تو غسل خانہ (حمام) یا اس سے بھی پوشیدہ 'خلوت خانہ' میں کام کرتا تھا۔ دکن میں اس کے کام کے چار طریقے تھے' عموماً" وہ دیوان عام یا خاص میں بیٹھ کر ملکی معاملات طے کیا کرتا

تھا' اور عدل و انصاف کے لیے ایک دیوان عدالت خاص منعقد ہوتی تھی۔ اس کے بعد خلوت خانہ میں اجلاس ہوتا تھا' اس میں داخلہ کے خاص قوانین تھے' یہاں صرف حکومت کے ذی اقتدار امراء کو باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ خلوت خانہ میں فوری یا ہنگامی اجلاس ہوتے تھے۔ یہاں وہی امراء داخل ہوسکتے تھے جن کو بادشاہ کسی ضروری اور اہم مسئلہ میں خاص طور سے مشورہ کے لیے طلب کرتا۔ دکن میں فوجی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دیوان عام اور خاص کا مخلوط دربار ہوتا تھا' جو اسی لحاظ سے دیوان عام و خاص کہلاتا تھا' اجلاس میں داخلہ کے لیے بادشاہ کے اجازت نامے جاری ہوتے تھے' بعض امرا کو مستقل پروانہ ملتا تھا' ان میں سے اگر کوئی بغیر اطلاع کے کچھ دنوں غیر حاضر رہتا تو اسے از سر نو اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ ہر منصب دار کو پروانہ کے حصول کے لیے درخواست دینے کی اجازت تھی جو تقریباً" ہر ایک امیر کو اس کے تقرر' تبادلہ اور ترقی کے وقت مل جاتا تھا۔ جو امراء کسی ملکی یا ذاتی جرم کی بنا پر معتوب ہوجاتے تھے وہ دربار کی حاضری سے محروم کردیے جاتے تھے۔ دیوان خاص و عام کوئی جمہوری اسمبلی نہیں تھی۔ اس کی شرکت کے لیے خاص قوانین اور پابندیاں تھیں۔ بادشاہ اور درباری مل کر حکومت کرتے تھے امرا و حکام' یا ان کے نمائندے جو دارالسلطنت سے دور رہتے تھے' بادشاہ کے حکم سے باریاب ہوتے تھے اور اپنے محکموں کے متعلق فرمان شاہی حاصل کرتے تھے۔ غیر سرکاری اشخاص کا کہیں ذکر نہیں ملتا' البتہ ملکی معاملات کے سلسلے میں شاہی حکام کے ساتھ بادشاہ کی اجازت سے کبھی کبھی کوئی غیر سرکاری آدمی بھی نظر آجاتا تھا۔ جشن کے موقعوں پر البتہ ایک تماشائی کی حیثیت سے گزر ممکن تھا۔"

"دربار سے متعلق چند خاص حکام مقرر تھے جن کا کام شاہی احکام کو جاری کراتا تھا۔ ان کا افسر اعلی میر تزک کہلاتا تھا جو آداب شاہی کا نگہبان ہوتا تھا۔ "عرض مقرر" معتمد خاص کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہی اخبار نویس اول کے ماتحت بہت سے اخبار نویس اور داروغہ ڈاک چوکی اپنے کثیر مخبروں کے ساتھ دربار میں حاضر رہتے تھے جو ہر وقت احکام شاہی لے جانے کے لیے پابہ بہ رکاب رہتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ خدام خاص مثلاً" محافظ جان (باڈی گارڈ)' میر شکار' محافظ خیمہ شاہی کے

خاص خدم و حشم میں شمار ہوتے تھے جن کا کام بادشاہ کی جان کی حفاظت اور اس کی راحت رسائی تھا۔"

"ہر دن کی کارروائی عموماً" گزشتہ دن کے احکام سنانے کے بعد شروع کی جاتی تھی۔ پھر ان احکام پر مہر تصدیق ثبت کر کے ان کو مختلف محکموں میں عمل درآمد کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دیوان یا بخشی ان سرکاری خطوط کو پڑھ کر جو صوبہ دار، ضلع دار، سالار شہر پناہ، سردار مہم اور جنگی افسروں کے یہاں سے آتے تھے، ان کا خلاصہ سنا دیتا تھا اور بادشاہ وہیں ان پر احکام صادر کر دیتا تھا اس کے بعض حکام اعلیٰ ان خطوط کو سناتے تھے جنہیں بیرونی حکام دارالسلطنت کے باہر سے خفیہ بھیجتے تھے۔ ان پر بھی فوراً" شاہی حکم صادر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی حکام اعلیٰ کے کارندے مفصلات کے حاکموں کی وہ گزارشات پیش کرتے جو سرکاری ذریعے سے پیش نہ ہو سکی تھیں۔ اس کے بعد شاہی اخبار نویس مختلف جگہوں کے مقامی اخبار نویسوں کے بیانات کا خلاصہ سناتا تھا۔ اس کے بعد حکام اعلیٰ اپنے ان ماتحت افسروں کی، جن پر ان کی خاص نظر توجہ ہوتی تھی، مناسب الفاظ میں سفارش کرتے تھے۔ بعض محافظ شاہی یا معزز درباری اپنی طرف سے بھی تجویز پیش کرنے کا حق رکھتے تھے جاسوس اور مخبر براہ راست بادشاہ کو اپنی کارگزاری کی خبر کر دیتے تھے۔ جاسوس اور مخبر براہ راست بادشاہ کو اپنی کارگزاری کی خبر کر دیتے تھے۔ میر توپ خانہ کو بھی یہ عزت حاصل تھی۔"

"درخواستوں اور ان پر احکام شاہی کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں، اثر عرضی پرداز اپنی کارگزاریوں اور خدمات کا ذکر کر کے شاہی لطف و کرم کے امیدوار ہوتے تھے۔ بادشاہ وہیں پر جزا" یا کلا" قبول یا مسترد کر دیتا تھا۔ بعض اوقات نامنظوری نرم اور دلچسپ الفاظ میں ہوتی تھی جیسے "امیدوار باشد" بعض وہ درخواستیں جو عام مسلوں کے ساتھ آتی تھیں مختلف محکموں کے افسر جیسے دیوان یا بخشی، خان سامان کے پاس رپورٹ کے لیے بھیج دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات درخواست کنندہ کو حصول سفارش کے لیے اس کے افسر اعلیٰ کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ جب بادشاہ کی توجہ اور اس کے تجسس کی وجہ سے کسی معاملہ کی اہمیت بڑھ جاتی تو اس کی تحقیقات کے لیے ایک مقامی کمشنر مقرر کیا جاتا لیکن یہ صورت انہی حالات میں پیش آتی تھی جب

ماتحت حکام میں سے کسی کو یہ شکایت ہوتی کہ اخبار نویس یا افسر اعلی نے دربار میں اس کی درخواست پیش نہیں کی۔"

"تمام منصب داروں کا تقرر' ان کی ترقی' تنزل' برطرفی' عطیہ' جاگیر اور محکموں کے تعین پر نہ صرف شاہی حکم ہوتا تھا بلکہ اس کی مفصل ہدایات بھی ہوتی تھی' اور اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ البتہ صوبہ دار' سردار مہم' سالار شہر پناہ اور فوجدار اپنے ماتحتوں کے تقرر کے لیے سفارش کر سکتے تھے لیکن فوجدار یا ضلع دار کا تقرر اس سے مستثنیٰ تھا۔ اس سے مرکز کا بار کچھ کم ہوجاتا تھا۔ کابل اور بنگال کے صوبہ داروں کو اس بارے میں زیادہ اختیارات تھے لیکن نہ اتنے کہ وہ اپنے کو خود مختار سمجھنے لگیں۔ اسی لیے اکثر سرحد کے صوبہ داروں کی سفارشیں رد بھی کردی گئی ہیں۔ جب کسی مہم کی سرکردگی پر کوئی امیر مقرر کیا جاتا (جیسے جے سنگھ مرہٹوں کے خلاف بھیجا گیا تھا۔) تو اسے غیر معمولی اختیارات دیے جاتے تھے تاکہ اس مہم میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔"

"محکمہ مال کی حیثیت کسی قدر جداگانہ تھی۔ ۳۱۔ جولائی ۱۶۸۹ء کو ایک فرمان جاری ہوا جس میں یہ ہدایت تھی کہ مال کے وہ کاغذات جو صوبہ کے افسروں نے بھیجے ہیں دفتر شاہی میں داخل نہ کیے جائیں بلکہ اپنے مرکزی دیوان کے محکمہ میں پیش کیے جائیں اور غالباً" برابر یہ اصول جاری رہا کیوں کہ پھر اخبارات میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن صوبائی دیوان کی عرضداشتیں بادشاہ کے حضور میں پیش کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ۱۷۔ جولائی ۱۶۹۴ء کو دیوان تالکوکن کے معروضات دربار عام میں پیش کیے گئے تھے۔ ۷۔ مئی ۱۷۰۳ء کے فرمان سے واضح ہوجاتا ہے کہ کس طرح مالیات کے کاغذات کا تصفیہ کیا جاتا تھا۔ دیوان خالصہ اور دیوان دکن کو حکم تھا کہ وہ اپنی رپورٹ اور تجاویز سربہ مہر شاہی دیوان کے پاس بھیجا کریں جو بادشاہ کو ضروری اقتباسات سنادیا کرے گا۔"

"اخبار نویسوں کی رپورٹ پر بھی اکثر احکام صادر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۔ اپریل ۱۶۹۶ء کو بیدار بخش کی فوج سے یہ اطلاع آئی کہ پرتھوی سنگھ اور دوسرے منصب داروں نے اپنے فرائض سے غفلت کی۔ اس پر حکم ہوا کہ وہ قابل تعزیر قرار دیے گئے۔ اسی طرح ۲۳۔ اگست ۱۶۸۹ء کو حیدر آباد کے اخبار نویس نے اطلاع دی کہ بخشی کی علالت اور گھر چلے جانے کی وجہ سے آج کل یہ عہدہ خالی

ہے۔ اس رپورٹ پر فوراً دوسرے بخشی کا تقرر ہو گیا۔ اگرچہ منصب داروں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی تجویزیں اور سفارشیں بادشاہ کے حضور میں بھیجا کریں، اگر وہ قابل سماعت ہوں گی تو انہیں قبول حاصل ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ چالیس سپاہیوں کے افسر کا تقرر بھی وہ خود کرتا تھا۔ گویا کوئی کام خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس کے حکم اور مرضی کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ دربار کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بھی اس کے علم میں آجاتی تھی، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اسے کبھی نظرانداز نہیں کرتا تھا اور فوراً اس کی طرف توجہ کرتا تھا۔ گو اس سے مرکز کا کام بہت بڑھ گیا تھا لیکن اس سے اس کی غیر معمولی محنت اور انہماک کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح ۲۳۔ جولائی ۱۶۸۹ء کو دیوان حیدر آباد کے خلاف شکایت پہنچی۔ وہاں کے مقامی اخبار نویس کو حکم ہوا کہ اس بارے میں وہ اپنی رپورٹ بھیجے۔ ۱۵۔ اپریل ۱۶۹۳ء کو اہل حصار کے مقامی فوجدار کے خلاف شکایت موصول ہوئی کہ وہ ناواجب ٹیکس وصول کرتا ہے اور بہت سے باشندوں کو بلاوجہ قید کردیتا ہے۔ اس پر صوبہ دار دہلی کو تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرنے کا حکم ہوا۔ اسی طرح ایک منصب دار کے خلاف اس کے خادم کی شکایت سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کے پاس مختلف مہریں ہیں جن سے وہ جعل سازی کرتا ہے۔ اسے گرفتار کرکے ۱۹۔ اپریل ۱۶۹۳ء کو دربار میں لایا گیا اور قید سخت کی سزا ملی۔ ایک مرتبہ فوج کے صراف نے اپنے جوہری کے خلاف شکایت کی۔ ۲۵۔ اپریل ۱۶۹۳ء کو منصب دار کو اس شکایت کی تحقیقات کا حکم ملا۔ ایک چوری کا واقعہ پیش ہوا۔ صوبہ دار کو حکم ہوا کہ نائب فوجدار کو تحقیقات اور چور کے پتا چلانے کا حکم دیا جائے۔ ۲۵ جون ۱۶۹۴ء کو یہ اطلاع ملی کہ ادگیر کا فوجدار سارے مقدمات حتیٰ کہ شرعی معاملات کو خود ہی فیصل کرتا ہے۔ حکم ہوا کہ آئندہ سے ایسا نہ کرے۔ ۲۴ اپریل ۱۶۸۴ء کو ایک مغل سود خوار نے قرض کی وصولی میں اپنے مقروض کی جان لے لی۔ اس کے بدلے میں اس کے نوکروں نے مغل کو مار ڈالا۔ گوالیار میں مغلوں کے چار گھوڑے گم ہو گئے۔ وہاں کے فوجدار فدائی خان کو حکم ہوا کہ اس نقصان کی تلافی کرے۔ ایک مرتبہ کشمیر کے صوبہ دار نے معروضہ پیش کیا کہ کشمیر کی آب و ہوا اس کو راس نہیں آتی ہے۔ اس پر ۱۱۔ جون ۱۷۰۰ء کو حکم ہوا کہ بخشی شامیانہ کے زیر سایہ کام کیا کریں۔ جب کبھی کسی حاکم کے ظلم اور جبری ٹیکس وصول کرنے کی خبر پہنچتی تھی تو اس کی

پوری پوری خبر لی جاتی تھی۔ ۱۲ نومبر ۱۶۷۹ء اور مارچ ۱۷۰۳ء کو سرکاری نوکروں کو مختلف خدمات کے پروانے اور عام لوگوں کے بے خطر سفر کے اجازت نامے ملے۔ ۱۴ اپریل ۱۷۰۵ء کو ایک ڈکیتی کی خبر آئی' فوجدار کو حکم ہوا کہ مقدمہ کی تحقیقات کرے مفسدوں کو قانون شریعت کے مطابق سخت سزائیں دی جائیں۔

"آداب عالمگیری میں جو خطوط ملتے ہیں ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس کے سارے کاموں میں کس قدر مرکزیت تھی۔ وہ اجمیر میں بیٹھ کر جودھ پور اور میواڑ کی فوجوں کو تفصیلی ہدایات اور نقل حرکت کے متعلق تجویزیں بھیجا کرتا تھا اور مقامی سالاروں کو خود کسی کام کی آزادی نہ تھی' گو بعض بہانہ ڈھونڈھ کر شاہی حکم کی نافرمانی کرجاتے تھے۔ بادشاہ کا سب سے زیادہ وقت محکمہ خان سامان پر صرف ہوتا تھا۔ کارخانوں' عمارتوں' سڑکوں' خیموں' باغ' کھیل اور دوسرے تفریحی مشاغل کے متعلق جتنے سوالات پیدا ہوتے تھے بادشاہ اپنے مذاق کے مطابق ان کو حل کرتا تھا۔"

"اخبارات سے پتا چلتا ہے کہ صدر کے فرائض میں وہ دخل نہیں دیتا تھا۔ قاضی' محتسب مفتی' کے معاملات کی روداد اخبارات میں کم ملتی ہے۔ یہ لوگ اپنے حدود میں بہ کچھ آزاد تھے اور کبھی حکام دیوانی کی مداخلت کے شاکی نظر نہیں آتے البتہ ایک قاضی کے خلاف جبر و تعدی کی شکایت پیش ہوئی تھی۔"

"اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ زیادہ تر دیوان عام کے متعلق تھا۔ جہاں تک کام کا تعلق ہے دیوان اور غسل خانہ میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جب وہ دربار عام میں جانا چاہتا تھا تو غسل خانہ میں اجلاس کرتا تھا اس میں داخلہ کی شرائط کا مختصر بیان اوپر گزر چکا ہے۔ بعض سرداران مہم سے پوشیدہ اور رازدارانہ مشورہ ہوتا تھا۔ داخلے کا پروانہ نقیب کو بھی دیا جاتا تھا تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ کن لوگوں کو داخلے کی اجازت ہے۔ ایک محافظ غسل خانہ اس خدمت پر مامور تھا کہ یہاں بھی آداب دربار پورے پورے برتے جائیں۔ اگر درباری آداب میں کسی منصب دار کی بے عنوانی پر جرمانہ ہوجاتا تھا تو وہ بغیر ادا کیے ہوئے اپنی جگہ سے نہیں جاسکتا تھا۔"

"خلوت خانہ کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں تھا بلکہ جہاں کہیں بادشاہ کسی گوشہ میں اجلاس کرتا تھا' وہ خلوت خانہ کہلاتا تھا۔ یہ گویا بے ضابطہ اجلاس ہوتا تھا جہاں صرف ایک شہزادہ یا ایک حاکم یا ایک عالم بلایا جاسکتا تھا۔ یہاں رسوم کی پابندی نہ

کوئی قید نہیں تھی۔ اکثر مہمان امرا کو بھی یہاں جگہ ملتی تھی اور اگر وہ بادشاہ کی پیش کردہ کسی تجویز سے اختلاف کرتے تھے تو وہ ان سے زبردستی نہیں منواتا تھا بلکہ دلیل سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے دلاور خاں کو خلوت میں ملاقات کے لیے بلایا۔ روح اللہ خاں' اسد اللہ خاں اور دو شہزادے بھی بلائے گئے تھے۔ اورنگ زیب جب دکن کے سفر میں تھا تو دربار نہیں ہوتے تھے لیکن دیوان خان' سامان' صدر' امیر توپ خانہ کو حکم تھا کہ وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر احکام حاصل کیا کریں۔

"جب وہ کسی مقدمہ کی روداد سنتا تھا تو دیوان عام' دیوان مظالم میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ بدقسمتی سے اس کا پتا نہیں چلتا ہے کہ کس طرح مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اخبارات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مظالم یا عدالت منعقد ہوتی تھی۔ اکثر محافظ مظلومین' ان کی جماعت کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ بعض اوقات مقدمات مقامی تحقیقات کے لیے بھیج دیے جاتے تھے۔ اکثر مظلومین کے ساتھ عصابردار یا مخبر بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ ان کے سامنے تحقیقات کرکے ان کو اپنے ساتھ واپس لائیں۔ اس کا پتا چلانا مشکل ہے کہ دیوان مظالم میں کس قسم کے مقدمات فیصل ہوتے تھے کیوں کہ مجرمین کو کبھی عدالت کا یہ حکم بھی مل جاتا تھا کہ ان کا مقدمہ شاہی دربار میں فیصل ہونے کے بجائے قاضی کے اجلاس میں شریعت کے مطابق فیصل ہو گا۔ غالباً" بادشاہ اپنے ماتحتوں کی بدعنوانیوں کی شکایت خود سنتا تھا اور سختی کے ساتھ ان کا تدارک کرتا تھا۔ مقدمات میں عدل و انصاف ملحوظ رکھتا تھا۔ اس میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ اس سے گھبراتے تھے۔ ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ سب مقدمات شاہی دربار میں فیصل نہیں ہو سکتے تھے۔ ۳۔ اپریل ۱۶۹۶ء کو حکم ہوا تھا کہ پچیس مدعیوں کے مقدمے شاہی دربار میں پیش کیے جائیں۔ لیکن بعد کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سے زیادہ فیصل نہ ہو سکے۔"

"ان تمام امور سے پتا چلتا ہے کہ اورنگ زیب کی حکومت میں کس قدر استحکام اور کتنی مرکزیت تھی۔ صوبہ داروں کو ضلع کے حکام کے متعلق جو اختیارات بھی ہوں لیکن فوجدار اکثر ان کے متعلق مرکزی دفتر سے براہ راست

مراسلت کرکے شاہی فرمان حاصل کرتا تھا۔ سردار مہم اور فوج کے دوسرے ماتحت حکام کو بھی شاہی اعتماد کی عزت حاصل تھی۔ خان سامان کے ماتحت جو افسر کام کرتے تھے وہ دراصل شاہی خدام ہوتے تھے اور انہیں براہ راست بادشاہ سے ہدایات اور احکام ملتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ماتحتوں کی وہ درخواستیں جو شاہی لطف و کرم کے لیے پیش ہوتی تھیں زیادہ تر محکموں کے افسر اعلیٰ کے پاس رپورٹ کے لیے بھیج دی جاتی تھیں لیکن ملکی انتظار کے بارے میں جو درخواستیں آتی تھیں ان پر براہ راست ہدایات بھیجی جاتی تھیں۔ ایسی صورت میں مرکزیت کا کام بہت بڑھ جاتا تھا۔ اس میں سہولت کے لیے دیوان اور بخشیوں کو یہ اختیار دے دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے محکموں کے معاملات کی مسلوں پر اپنی رائے لکھ دیا کریں۔ اگرچہ اورنگ زیب نے اس پر کبھی فخر نہیں کیا کہ وہ انصاف و عدل کا سرچشمہ ہے لیکن وہ ہمیشہ حکام کے خلاف بھی شکایت سنتا تھا اور مظلومین کی داد رسی کرتا تھا! (معارف نمبر ۵ جلد ۴۶)

افغانوں اور مغلوں کے دور میں ہندوستان نے صنعت و حرفت میں بہت زیادہ ترقی کی۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "صلیبی جنگوں کے زمانے سے ہندوستان کی تجارت وینس اور جینوا کی راہ سے یورپ کے ملکوں سے ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے لوگ خوش حال ہیں۔" محمد تغلق نے دہلی میں سوتی کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کیا تھا جس میں پانچ ہزار کاریگر کام کرتے تھے۔ مارکو پولو ہمیں بتاتا ہے کہ "راس امید اور شنگھائی کی تمام درمیانی بندرگاہوں میں ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا افراط سے فروخت ہوتا ہے۔" آج ہندوستان کو صرف زرعی ملک کہا جاسکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے شروع تک ہندوستان ایک صنعتی ملک تھا۔ دنیا کے ہر ملک کے تاجر ہندوستان سے تجارت کرتے تھے۔ مہذب دنیا میں ڈھاکہ اور مرشد آباد کی ململ کا استعمال عظمت اور برتری کا ثبوت تھا۔ یورپ کے ہر ملک میں ان دو شہروں کی ململ اور چکن بہت زیادہ مقبول تھی۔ ہندوستان کی دوسری صنعتوں کی نسبت پارچہ بافی کی صنعت کو کمال حاصل تھا۔ ہندوستان سے

سوتی اور اونی کپڑے، شال دوشالے، ململیں اور چھینٹیں برآمد کی جاتی تھیں۔ ریشم، کمخواب اور زربفت کے لیے احمد آباد دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ان کپڑوں کی انگلستان میں اتنی مانگ ہوگئی تھی کہ اسے بند کرنے کے لیے

حکومت کو بھاری ٹیکس لگانے پڑے تھے۔ پارچہ بافی کے علاوہ لوہے کے کام میں بھی ہندوستان بہت زیادہ ترقی کرچکا تھا۔ لوہے سے تیار شدہ اشیا ہندوستان سے باہر بھی بھیجی جاتی تھیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں ملتان میں جہازوں کے لیے لوہے کے لنگر ڈھالے جاتے تھے۔ جہاز سازی میں بنگال نے بہت ترقی کرلی تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان صنعت و حرفت میں انگلستان سے بڑھا ہوا تھا۔ انگلستان کے لیے تجارتی اور جنگی جہاز ہندوستان میں تیار ہوتے تھے۔ لیکن انیسویں صدی کے بعد ہندوستان کی برآمد میں کمی ہونا شروع ہوئی اور اس کی درآمد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ برآمد برائے نام رہ گئی اور ہندوستان محض "درآمدستان" بن کر رہ گیا ایک انگریز کے الفاظ ہیں: "عام انگریزوں کو سمجھانا مشکل ہے کہ ہماری حکومت سے پہلے ہندوستانی زندگی کبھی پرلطف تھی۔ کاروباری اور باہمت لوگوں کے لیے کیسی کیسی آسانیاں میسر تھیں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے کاروباری ہندوستانی نہایت آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔" اورنگ زیب کے عہد میں سورت اور احمد آباد سے جو مال باہر بھیجا جاتا تھا اس سے تیرہ لاکھ اور ایک سو تین لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کے ذریعے وصول ہوتا تھا۔

گیارہویں صدی سے انیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان تجارتی حیثیت سے بہت نمایاں تھا۔ اس دور میں انگلستان سے جاپان تک ہندوستانی مال فروخت ہوتا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں مغلیہ سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہوگئے۔ ان آثار کو یورپی قوموں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کے ارادے کرلیے۔

پرتگال کے بعد ہالینڈ نے بھی ہندوستان سے تجارت کرنے کے لیے جدوجہد شروع کی۔ ولندیزوں نے بھی پرتگیزوں کی دریافت کردہ راہ سے ہندوستان کے ساتھ تجارت شروع کردی۔ پرتگال نے ہالینڈ کی مزاحمت کی۔ سولھویں صدی میں پرتگال' ہندوستان کی تجارت کا اجارہ دار بن گیا۔ سترھویں صدی کے شروع میں ہالینڈ میں ایک بہت بڑی تجارتی کمپنی بنائی گئی۔ اب ولندیزوں نے پرتگیزوں کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ مشرقی تجارت پر پرتگیزوں کی جگہ ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ ڈنمارک نے بھی تقدیر آزمائی کی۔ انگریز اور فرانسیسی بھی میدان میں اتر پڑے۔

باب ۳

ایسٹ انڈیا کمپنی

دنیا کے ہر ملک کو تہذیب کے تقریباً" یکساں ادوار میں سے گزرنا پڑا ہے۔جزائر برطانیہ کے لوگ بھی صدیوں غاروں میں زندگی بسر کرنے کے بعد پتھر اور دھات کے زمانوں میں سے گزرے۔ یہاں کے پرانے باشندے کیلٹ اور برٹین کہلاتے تھے۔ روم کے جولیس سیزر نے پہلی صدی قبل مسیح میں جزائر برطانیہ کے جنوبی حصہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ تین سو سال تک رومی جنوبی برطانیہ پر قابض رہے۔ رومیوں نے اس علاقے میں رومی انداز کے شہر آباد کیے۔ انہوں نے جو سڑکیں بنائی تھیں ان کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ رومیوں کی وجہ سے جنوبی برطانیہ میں لاطینی زبان رائج ہوئی۔ جب روم میں عیسائیت پھیلی تو اس کے اثر سے جزائر برطانیہ کے لوگوں نے بھی عیسائیت قبول کی۔ سلطنت روما کے کمزور ہوجانے کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں رومیوں نے جزائر برطانیہ کو خیرباد کہا۔ رومیوں کے دور حکومت میں اہل برطانیہ اس قدر امن پسند ہوچکے تھے کہ ان کے چلے جانے کے بعد جب شمالی جرمنی کے قبائل نے برطانیہ کا رخ کیا تو وہ ان قبائل کا مقابلہ نہ کرسکے۔ جوٹس' اینگلز اور سیکسنز قبیلوں نے سارے برطانیہ پر قبضہ کرلیا۔ آہستہ آہستہ یہ تینوں قبیلے اینگلز کہلانے لگے۔ اس نسبت سے برطانیہ کا نام انگلینڈ (انگلستان) ہوگیا۔ ان قبائل کی آمد سے انگلستان کے قدیم باشندے شمال اور مغرب کی طرف بھاگ گئے۔ انہوں نے انگلستان میں عیسائیت کو ختم کردیا۔ چھٹی صدی کے اختتام پر پوپ نے انگلستان میں عیسائیت کے احیاء کی کوشش کی۔ بہت جلد سارا انگلستان عیسائیت میں داخل ہوگیا۔ لیکن قبائلی جنگ بدستور جاری رہی۔ یہاں تک کہ وے سکس کے حکمران انگلستان پر قابض ہوگئے۔ ان حکمرانوں میں سب سے

مشہور الفریڈ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ڈنمارکیوں (ڈ-ینز) نے شمالی اور مشرقی انگلستان پر قبضہ کرلیا۔ اب انہوں نے وے سکس پر حملہ کیا۔ ایک معاہدے کی رو سے شمالی اور مشرقی انگلستان پر ان کی حکومت تسلیم کرلی گئی۔ الفریڈ نے ۸۷۱ء سے ۹۰۱ء تک حکومت کی۔ اس نے تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ کی۔ اس نے انگریزی بیڑے کی بنیاد رکھی۔ الفریڈ کے مرنے کے بعد بھی ڈنمارکیوں کی تازہ دم جماعتیں انگلستان میں داخل ہوتی رہیں۔ ان ڈنمارکیوں کی ایک شاخ شمالی فرانس میں آباد ہوچکی تھی۔ یہ علاقہ ان کی نسبت سے نارمنڈی کے نام سے موسوم ہوا۔ نارمنڈی کے حکمرانوں کو آزادی حاصل تھی۔ ایڈورڈ کو نارمنڈی سے بلا کر انگلستان کا تخت پیش کیا گیا۔ ایڈورڈ کی تخت نشینی کے باعث انگلستان میں نارمنوں کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہوگیا۔ اس نے انگلستان میں نارمنوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ اس نے ایک وصیت کی رو سے ولیم ڈیوک آف نارمنڈی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن اس کی موت (۱۰۶۶ء) کے بعد امیروں نے ہیرلڈ کو اپنا بادشاہ چن لیا۔ اس پر نارمنڈی کے نواب ولیم نے انگلستان پر حملہ کیا۔ ہیسٹنز کی لڑائی میں ہیرلڈ مارا گیا۔ ولیم کو فتح ہوئی۔ اب ولیم انگلستان کا بادشاہ تھا۔ اس نے نارمن خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ خاندان ۱۰۶۶ء سے ۱۱۵۴ء تک حکمران رہا۔

انگلستان کی تاریخ میں نارمنڈی کا یہ نواب ولیم فاتح کہلاتا ہے۔ ہیسٹنگز کی لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد وہ بلا شبہ انگلستان کابادشاہ بن گیا تھا لیکن اس بادشاہت کا قائم رکھنا مشکل تھا۔ ایک طرف انگریز تھے اور دوسری طرف نارمن جاگیردار۔ ایک کی خوشنودی دوسرے کو ناخوش کرتی تھی۔ ولیم نے ایک اعلان کے ذریعہ انگلستان کی ساری زمین پر خود قبضہ کرلیا اور پھر نارمنوں میں جاگیریں بانٹ دیں۔ اس طرح ولیم فاتح نے انگلستان میں جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔ ولیم نے نارمن جاگیرداروں کی جاگیروں کو اگرچہ ایک دوسرے سے دور رکھا تھا پھر بھی وہ ان کی متحدہ قوت سے بہت ڈرتا تھا۔ چنانچہ اس نے سالسبری میں جاگیرداروں' ماتحت جاگیرداروں اور کسانوں (غلاموں) سے اپنی وفاداری کا حلف لیا۔ ولیم نے جاگیرداروں کے حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے لیے "ڈومزڈے بک" مرتب کرائی۔ ولیم نے انگریزوں سے زمینیں چھین لینے کے بعد انہیں گرجاؤں

سے بھی نکال دیا۔ اس زمانے میں چونکہ انگلستان میں پھوس اور لکڑی کے مکان ہوتے تھے اس لیے ولیم کے ایک حکم کی رو سے ان مکانوں کو آتشزدگی سے بچانے کے لیے رات کے آٹھ بجے کے بعد کسی مکان میں روشنی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد ولیم سرخ رو انگلستان کا بادشاہ بنا۔ نارمن نوابوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ اس بغاوت میں انگریزوں نے ولیم سرخ رو کا ساتھ دیا۔ ولیم نے باغیوں کو شکست دی۔ اس نے نارمن جاگیرداروں کی قوت میں کمی کی۔ اس کے جانشین ہنری اول نے انگریزوں کے پرانے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کے ساتھ شادی کی۔ نارمن نوابوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ اس طرح انگریزوں اور نارمنوں کے تعلقات خوشگوار ہونے لگے۔ ہنری اول کی موت کے بعد انیس سال تک تخت کے امیدواروں میں لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سٹیفن شاہ انگلستان نے تسلیم کرلیا کہ اس کی موت کے بعد ہنری اول کا نواسا تخت نشین ہوگا۔ یہ شہزادہ ہنری دوم کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ ہنری دوم انجوبہ خاندان کا بانی تھا۔ ہنری دوم کے مقبوضات میں آدھا فرانس شامل تھا۔ اس نے جاگیرداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے قلعے گرادیں۔ جاگیرداروں کی قوت توڑنے کے بعد اس نے پادریوں کے اقتدار میں کمی کی۔ اس نے تمام کلیسائی عدالتوں کو بند کردیا۔ اب بادشاہ کی منظوری کے بغیر پوپ کی عدالت میں اپیل دائر نہیں ہوسکتی تھی۔ پوپ' بادشاہ کی مرضی کے بغیر کسی پادری کو انگلستان سے جلاوطن نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ایسی عدالتیں قائم کیں جس کے جج ملک بھر کا دورہ کرکے مقدموں کی سماعت کرتے۔ ہنری دوم سے پہلے متنازعہ زمین کا فیصلہ تلوار کرتی تھی لیکن اب فریقین کو اس کے تصفیہ کے لیے عدالت میں جانا پڑتا تھا۔ اس نے جزیہ سے ملتا جلتا ایک ٹیکس لگا کر بہت سے لوگوں کو فوجی خدمات سے محروم کردیا۔ اس رقم سے اس نے ایک باقاعدہ شاہی فوج کو منظم کیا۔ اس نے جاگیرداروں کی قوت کو توڑنے کے لیے کاشتکاروں کو مسلح کردیا۔

ہنری نے تھامس بیکٹ کو اسقف اعظم مقرر کیا۔ اس کا خیال تھا کہ بیکٹ اس کی ہر بات مان لے گا۔ لیکن تھامس بیکٹ جس طرح تاج کا خادم تھا اسی طرح کلیسا سے اس کی وفاداری مسلم تھی۔ ہنری سے اس نے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی پاداش میں اسے چھ سال جلا وطنی میں بسر کرنے پڑے۔ آخر دونوں میں سمجھوتہ

ہو گیا۔ چند سال بعد یارک کے لاٹ پادری روجر نے ولی عہد کی رسم "تخت نشینی" ادا کی۔ اس پر بیکٹ خفا ہو گیا کیوں کہ اس رسم کی ادائیگی اسقف اعظم کے فرائض میں تھی۔ اس نے یارک کے لاٹ پادری کو کلیسا سے نکال دیا۔ لاٹ پادری نے ہنری کے دربار میں فریاد کی۔ اس پر ہنری نے جوش میں آکر کہا: "کیا ان بزدلوں میں سے جو میرے نان و نمک پر زندہ ہیں ایک بھی ایسا نہیں جو مجھے اس فتنہ پرداز سے نجات دلائے۔" چار درباری کنٹربری پہنچے۔ تھامس بیکٹ کو گرجا میں گھیر لیا گیا۔ بیکٹ کے ہاتھ میں جو صلیب تھی اسے شاہی سپاہیوں نے چھیننا چاہا لیکن بیکٹ نے انکار کر دیا۔ سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ تھامس بیکٹ کے قتل سے سارے یورپ میں سنسنی پیدا ہو گئی۔ پوپ نے بیکٹ کو شہید قرار دیا۔ ہنری ننگے پاؤں بیکٹ کے مزار پر گیا جہاں مجاوروں نے اس کے بدن پر درے لگائے۔ بیکٹ کی موت سے انگلستان کے کلیسا پر پوپ کا اقتدار بدستور قائم رہا۔ ہنری کی موت کے بعد اس کا بیٹا رچرڈ تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے عہد حکومت میں شاید دو مرتبہ انگلستان آیا۔ اس نے تیسری صلیبی جنگ میں حصہ لیا۔ وہ رچرڈ شیر دل کے نام سے یاد کیا جاتا۔ تیسری صلیبی جنگ رچرڈ اور صلاح الدین کی بہادری کے افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ صلاح الدین نے رچرڈ کو شکست دینے کے بعد اس سے کہا کہ وہ یروشلم کی زیارت کر سکتا ہے۔ لیکن رچرڈ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ "جس مقدس مقام کو میری تلوار حاصل نہیں کر سکی میری آنکھوں کو اسے دیکھنے کا حق حاصل نہیں۔" رچرڈ کے بعد جان نے پوپ کی ہر اس تعزیز کا تمسخر اڑایا جو اس نے انگلستان پر عائد کی۔ آخر پوپ نے جان کو ایک اعلان کے ذریعے عیسائی مذہب سے خارج کر دیا۔ اب پوپ نے فرانس کے بادشاہ فلپ سے کہا کہ وہ انگلستان پر حملہ کرے۔ اس پر جان نے پوپ سے معافی مانگ لی۔ اسی زمانے میں انگلستان کے جاگیرداروں نے جان سے ماگنا کارٹا (فرمان عظیم) پر دستخط کرائے۔ جان کی موت کے بعد ہنری سوم کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ سائمن کی پارلیمنٹ ہے۔ ایڈورڈ اول کی حیثیت ایک آئین گر کی ہے۔ اس نے بہت سے قانون وضع کیے۔ اس نے سکاٹ لینڈ سے جنگ کی۔ لیکن اسے فتح کرنے سے پہلے مر گیا۔ اس کے بیٹے ایڈورڈ دوم اور سکاٹ لینڈ کے رابرٹ بروس میں لڑائی ہوئی جس میں انگریزوں کو شکست

ہوئی۔ اس ایک فتح کے سبب سکاٹ لینڈ تقریباً" دو سال تک آزاد رہا۔ ایڈورڈ سوم کے عہد میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائیوں کا وہ طویل سلسلہ شروع ہوا جو تاریخ میں جنگ صد سالہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایڈورڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ کے ذریعہ بہت سے قانون منظور کرائے گئے۔ ان میں سے ایک "قانون مزدوراں" تھا اس قانون کی رو سے مزدوروں کو اتنی اجرت پر کام کرنا پڑتا جس سے وہ اپنا گزارہ تک نہیں کرسکتے تھے۔ رچرڈ دوم کے دور حکومت میں وائیکلف نے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس عہد کا سب سے نمایاں واقعہ کسانوں کی بغاوت ہے۔ کسانوں کے ایک بہت بڑے جلوس نے شاہی لشکر کو چیر کر جان آف گانٹ کے محل میں آگ لگادی۔ رچرڈ دوم نے مطلق العنانی اختیار کرلی تھی۔ "میرا ہر لفظ قانون ہے" وہ اکثر کہا کرتا۔ وہ آئرستان کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا کہ ہنری لنکاسٹر نے انگلستان کے ساحل پر اپنی فوجیں اتار دیں۔ رچرڈ قید ہوکر قتل ہوا۔ لنکاسٹر خاندان کا ہنری انگلستان کے تخت پر ہنری چہارم بن کر بیٹھا۔ (۱۳۹۹ء)۔

چونکہ اس خاندان (۱۳۹۹ء۔ ۱۴۱۳ء) کے بادشاہ پارلیمنٹ کے فیصلوں کے مطابق حکومت کرتے تھے اس لیے انگلستان کی تاریخ میں یہ زمانہ آئینی زمانہ کہلاتا ہے۔ ہنری پنجم نے جنگ صد سالہ کو پھر جاری کیا۔ پر امن دور نے انگلستان کی مالی حالت کو بہتر بنادیا تھا۔ فرانس سے جنگ کرنے کے لیے ہنری نے اپنے آپ کو فرانس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ہنری نے فرانس کے شمالی علاقے پر آسانی سے قبضہ کرلیا۔ ایجن کورہ کی لڑائی میں ہنری نے فرانسیسیوں کو شکست دی۔ فرانس پر انگلستان کا قبضہ تھا۔ اسی رمانے میں فرانس کی دوشیزہ ژان وارک نے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ جنگ صد سالہ نے انگریزوں کو ایک جنگجو قوم بنادیا۔ ہنری ششم کے عہد میں جنگ صد سالہ ختم ہوئی۔ پھولوں کی جنگ کے باعث انگلستان میں تیس سال تک خانہ جنگی ہوتی رہی۔ اس جنگ نے جاگیرداروں کو انگلستان کے تخت کے سامنے جھکادیا۔

ٹیوڈر خاندان (۱۴۸۵ء۔ ۱۶۰۳ء) کے عہد حکومت میں ہنری ہفتم نے پارلیمنٹ کی بنا پر ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ ایک طرف تو وہ پارلیمنٹ کے

مشوروں سے حکومت کرتا اور دوسری طرف اپنے اختیارات کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اگر پارلیمنٹ کوئی مفید کام کرتی تو رعایا اسے بادشاہ سے منسوب کرتی اور اگر پارلیمنٹ رعایا پر کوئی نیا ٹیکس لگاتی تو رعایا اسے بادشاہ کے مشیروں سے منسوب کرتی۔ مارٹن کے کانٹے نے امیر و غریب دونوں کے دستر خوان کو یکساں صاف کیا۔ اس نے مختلف طریقوں سے شاہی خزانے کی دولت میں اضافہ کیا۔ ایوان اختر بنا کر اس نے جاگیرداروں کو قانون کے تابع کردیا۔ ہنری نے جاگیرداروں کی طاقت کو بالکل کچل دیا۔ اس نے بے شمار دولت جمع کی۔ ایک قانون کے ذریعے بادشاہ کے سوا کسی دوسرے شخص کو توپ خانہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس قانون نے جاگیرداروں کی تلواروں اور زرہ بکتروں کو بے کار کردیا۔ ہنری کی خارجہ پالیسی اس کی شادیوں کے ضمن میں آتی ہے۔ اسی عہد میں 'توازن اقتدار' کی پالیسی وضع کی گئی۔ نئے نئے سمندری راستوں کی تلاش بھی اسی زمانے میں ہوئی۔ نشاۃ ثانیہ کے آثار نمودار ہوچکے تھے۔ تحریک اصلاح نے انگلستان کو متاثر کیا۔ ہنری ہشتم نے مارٹن لوتھر کے خلاف ایک کتاب لکھی لیکن اس نے اپنے افعال سے پوپ کے اقتدار کو انگلستان میں ختم کردیا۔ دعاؤں میں پوپ کی جگہ بادشاہ کا نام لیا جانے لگا۔ گرجوں میں بائبل کے انگریزی ترجمہ کو عام کردیا گیا۔ ہنری ہشتم نہ کیتھولک تھا اور نہ پروٹسٹنٹ۔ وہ پروٹسٹنٹ کو بے دینی کے الزام میں اور کیتھولک کو پوپ کے تابع ہونے کے الزام میں قتل کرتا۔ اس نے راہب خانوں اور خانقاہوں کو مسمار کرکے زمینوں کو فروخت کردیا۔ ہنری ہشتم کا چانسلر تھامس مور تھا۔ ہنری ہشتم کے اس سوال پر کہ انگلستان کے کلیسا کا حاکم اعلیٰ کون ہے مور نے پوپ کا نام لیا۔ اس پر بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو موت کی سزا دی۔ ولزے کے بعد تھامس کرامویل کا بھی یہی حشر ہوا۔ ایڈورڈ ششم چونکہ نابالغ تھا اس لیے سومرسیٹ اس کا محافظ اعلیٰ مقرر ہوا لیکن اسے قتل ہونا پڑا۔ میری ٹیوڈر چونکہ کیتھولک تھی اس لیے اس نے سو کے قریب پرٹسٹنٹوں کو زندہ جلا دیا۔ اس نے کلیساؤں میں انگریزی کی جگہ لاطینی زبان کو پھر سے رائج کیا۔ اس نے اپنے مذہب کی خاطر کیتھولک ہسپانیہ سے اتحاد کیا۔ اس نے فرانس سے جنگ کی لیکن کیلے اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میری ٹیوڈر کی موت کے بعد اس کی بہن الزبتھ تخت نشین

ہوئی۔ الزبتھ نے مذہب کو سیاسی رنگ میں دیکھا۔ چونکہ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کی حالت بہت خراب تھی۔ اس لیے وہ بتدریج انگلستان کو ترقی کی راہ پر لے گئی۔ اسے اس قدر کامیابی ہوئی کہ الزبتھ سے پہلے کا انگلستان اس کے بعد کے انگلستان سے بالکل مختلف دکھائی دیتا ہے۔ انگلستان کے کیتھولکوں نے ہسپانیہ کی مدد سے میری ملکہ سکاٹ لینڈ کو انگلستان کے تخت پر بٹھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوئے۔ میری کو موت کی سزا دی گئی۔ چونکہ ہسپانیہ ایک کیتھولک ملک تھا اور انگلستان کے کیتھولک تخت انگلستان پر کسی کیتھولک کو دیکھنا چاہتے تھے اس لیے ہسپانیہ نے انگلستان پر سمندری حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑہ تیار کیا جو آرمیڈا کے نام سے منسوب ہے پوپ نے بھی الزبتھ کو مجرم قرار دے کر کیتھولک یورپ کو اس کے خلاف لڑنے پر ابھارا۔ ہسپانیہ چونکہ گزشتہ ایک سو سال سے امریکہ کی دولت سے مالا مال ہو رہا تھا اس لیے انگریز ملاحوں کو بھی امریکہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ امریکہ میں ہسپانیہ کی طاقت کے سامنے انگریزوں کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اب انگریز ملاحوں نے الزبتھ کی اجازت سے ہسپانیہ کے ان جہازوں کو لوٹنا شروع کردیا جو سونے چاندی سے لد کر امریکہ سے ہسپانیہ جایا کرتے تھے۔ جب شاہ ہسپانیہ نے ملکہ سے ان لٹیروں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو الزبتھ نے ان سمندر لٹیروں کے سردار فرانس ڈریک کو سر کا خطاب دے کر اسے مزید برہم کیا۔ ہسپانوی آرمیڈا کو شکست ہوئی۔ اس شکست نے انگلستان میں کیتھولک مذہب کو شکست دی۔ نیز انگریزوں میں قومیت کا جذبہ استوار ہوا اب انگریز ملاحوں کے لیے ہر سمندر کی راہیں کھل گئیں۔ انگلستان نے اپنی بحری طاقت کو بہت زیادہ مضبوط کیا۔ آرمیڈا کی شکست کی بعد انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی طویل کشمکش ختم ہو گئی۔

ملکہ الزبتھ کے عہد میں انگریز تاجروں نے ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں ہندوستان کی تجارت پر ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ انگریزوں اور ولندیزوں میں مشرق کی تجارت کے لیے باہمی لڑائی ایک یقینی بات تھی۔ تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لینا تجارت خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے تجارت کے لیے بہت سے تاجر مل کر کمپنی بناتے اور حکومت سے تجارت کرنے کے لیے فرمان حاصل کرتے۔ لندن کے تاجروں نے ملکہ

الزبتھ سے درخواست کی کہ ان کی تجارتی کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ ملکہ کے ایک فرمان کی رو سے اس کمپنی کو پندرہ سال کے لیے ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجارہ مل گیا۔ ملکہ کے فرمان کا مقصد "قوم کی ترقی' ملک کی فلاح' جہازوں کی تعمیر اور ذرائع آمد و رفت کی توسیع" قرار دیا گیا۔

ملکہ الزبتھ کے بعد جیمز اول نے اس کمپنی کے معاملات و مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ اس نے ایک نئے فرمان کی رو سے اس کمپنی کو مشرقی تجارت کا دوامی اجارہ دار بنادیا۔ انگلستان کا کوئی دوسرا تاجر ذاتی طور پر مشرقی ملکوں کے ساتھ تجارت نہیں کرسکتا تھا۔ جیمز کے اس فرمان کی انگلستان میں مخالفت شروع ہوگئی۔ مخالفوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ "کمپنی چونکہ اپنی تجارت کے لیے جہاز بنا رہی ہے اس لیے شاہی بیڑے کے لیے عمدہ لکڑی نایاب ہوجائے گی۔ کمپنی کے ملازموں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کمپنی مشرقی ملکوں سے سامان عیش و عشرت لاتی ہے جس سے انگریزوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ ان فضول اور بے کار اشیا کے بدلے ہمارے ملک کا سونا باہر جاتا ہے۔" ابتدا میں اس مخالفت پر دھیان نہ دیا گیا لیکن جب مخالفت نے شدید صورت اختیار کرلی تو یہ معاملہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ اس سے ایک طرف تو کمپنی کے معاملات میں حکومت کا دخل بڑھنا شروع ہوا اور دوسری طرف جیمز نے کمپنی کو ایک نئے فرمان کے مطابق پرانے حقوق دے دیے۔ ہالینڈ کے تاجر انگریز تاجروں کو لوٹ لیتے تھے۔ کمپنی نے جیمز سے شکایت کی۔ جیمز نے کمپنی کی مدد کا وعدہ کیا۔ اس طرح تجارتی کمپنیوں کی رقابت یورپی ملکوں کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے لگی۔

جیمز نے جہانگیر کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تاکہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی تجارتی معاہدہ ہوسکے۔ انگریزی سفیر سرطامس رو تین سال تک ہندوستان میں رہا۔ اس مدت میں شاہی فرمان کی رو سے انگریزوں کی تجارتی کمپنی کو سورت میں فیکٹری اور اس کے اردگرد فصیل بنانے کی اجازت مل گئی۔ ایک دوسرے فرمان کی رو سے جہانگیر نے انگریزی کمپنی کو اپنی سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اسی زمانے میں آگرہ' اجمیر' احمد آباد اور بھرائچ میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔

جیمز کے بعد چارلس اول کے عہد میں کمپنی کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہالینڈ کے تجارتی کمپنی سے سازباز کرکے انگریزی کمپنی کو تنگ کرنا شروع کردیا۔ چارلس نے انگریزی کمپنی سے بہت بڑی رقم بطور قرض طلب کی۔ کمپنی اپنی مالی پریشانیوں کے باعث اس شاہی خواہش کو پورا نہیں کرسکتی تھی۔ کمپنی کے انکار کے بعد چارلس نے کمپنی کے نام جو دوامی اجارہ کا فرمان تھا اسے منسوخ کردیا۔ اب ہر تاجر کو مشرق سے تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ انگلستان میں ایک اور کمپنی بن گئی۔ چارلس اس کمپنی کا سرپرست تھا۔ ہالینڈ کی تجارتی قوت کے سامنے انگلستان کی پہلی کمپنی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ باہمی رقابت نے کمپنی کے لئے مزید مشکلات پیدا کردیں۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اپنا کاروبار ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چارلس کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے نئی کمپنی توڑے بغیر پرانی کمپنی کی مخالفت ترک کردی لیکن حالات ایسے پیدا ہوچکے تھے کہ دونوں کمپنیوں کاایک ساتھ چلنا ناممکن ہوگیا۔ پرانی کمپنی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے نئی کمپنی کو اپنے ساتھ شامل کردیا لیکن دونوں کمپنیوں کے حصہ داروں کی مخالفت بدستور سابق جاری رہی۔

اس زمانے میں انگلستان میں ایک اندرونی انقلاب ہورہا تھا۔ پارلیمنٹ نے چارلس اول پر ظالم اور ملک دشمن ہونے کا الزام لگا کر اسے وہائٹ ہال میں قتل کردیا۔ پارلیمنٹ کے اس فعل نے یورپ کے تمام تاجداروں کو عام کے اقتدار سے خوف زدہ کردیا ہوگا۔ اب انگلستان میں آمرانہ جمہوریت قائم ہوچکی تھی۔ کرامویل انگلستان کا آمر تھا۔ کرامویل کے دور آمریت میں انگلستان نے بہت ترقی کی۔ وہ یورپ میں پہلی مرتبہ ایک بحری قوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انگلستان کی یہ آمرانہ جمہوریت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کرامویل کی موت کے دو سال بعد جمہوریت کا خاتمہ ہوگیا۔ چارلس اول کا بیٹا جو غیر ملکوں میں پناہ گزیں تھا انگلستان آگیا۔ وہ انگلستان کے تخت پر چارلس دوم کے نام سے بیٹھا۔ انگلستان کے اس بادشاہ نے پارلیمنٹ سے متصادم ہونے سے گریز کیا لیکن وہ درپردہ ایک غیر ملکی بادشاہ کے زیر اثر تھا۔ اس کے عہد میں انگلستان ان تمام قوتوں اور عزتوں سے محروم ہوگیا جو اس نے کرامویل کے دور آمریت میں حاصل کی تھیں۔ ولندیزوں نے اتنی قوت حاصل کرلی تھی کہ انہوں نے ٹیمز میں داخل ہوکر برطانی بیڑے کو

آگ لگا دی۔

چارلس دوم کے بعد اس کا بھائی جیمز دوم تخت پر بیٹھا۔ جیمز دوم اور پارلیمنٹ میں پھر تنازعہ شروع ہوا۔ انگلستان کا یہ تاجدار چاہتا تھا کہ انگلستان میں پھر سے پاپائیت کا زور ہو جائے لیکن اب ملک اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ پارلیمنٹ سے لڑنے جھگڑنے کے بعد اسے فرانس میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ واقعہ "بے خون انقلاب" کہلاتا ہے۔ شاہ پرست انگریزوں کو اب بادشاہ کی تلاش تھی۔ ولیم اورنج کو انگلستان کا بادشاہ بنادیا۔ انگلستان میں اب پارلیمنٹ پورے زوروں پر تھی اشرافیہ کی قوت پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ انگلستان کی حکومت پر وہاں کے جاگیرداروں اور تاجروں کا قبضہ ہو گیا۔

ولیم اور اس کی بیوی ملکہ میری کے بعد ملکہ میری کی بہن این تخت نشین ہوئی۔ اس کی موت کے بعد انگلستان کو پھر اپنے بادشاہ کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ اس مرتبہ انہوں نے ایک جرمن کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس بادشاہ کا نام جارج اول تھا۔ انگلستان کا یہ بادشاہ انگریزی زبان تک نہیں بول سکتا تھا۔

کراموپل نے ابتدا میں نئے نئے تاجروں کو ہندوستان سے تجارت کی اجازت دی لیکن جب اس طرح انگریزی تاجروں کی باہمی رقابت سے انگلستان کو نقصان پہنچنے لگا تو کراموپل نے کمپنی کو بلا شرکت غیرے ہندوستان اور مشرق سے تجارت کرنے کا فرمان دے دیا۔ چارلس اول کے عہد میں ہندوستان میں انگریزوں نے بہت سے مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ چارلس دوم کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے خوب دولت پیدا کی۔ اس نے ایک پرتگیزی شہزادی سے شادی کی۔ یہ شہزادی اپنے جہیز میں جو جزیرہ لائی اسے چارلس دوم نے کمپنی کے ہاتھ دس پونڈ سالانہ لگان پر فروخت کر دیا۔ اس جزیرے نے بعد میں بمبئی کی صورت اختیار کی۔

اس زمانے میں کمپنی نے ہندوستان میں بہت سی زیادتیاں شروع کر دی تھیں۔ سورت میں کمپنی نے اودھم مچا رکھا تھا۔ اورنگ زیب کے سپہ سالار نے انہیں سورت میں شکست دی۔ اس شکست کے بعد کمپنی کے ایک وفد نے اورنگ زیب سے اپنے گزشتہ افعال کی معافی مانگی۔ اس پر اورنگ زیب نے کمپنی کو ایک فرمان دیا جس کی رو سے کمپنی کو مغلیہ سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔

اس فرمان میں شہنشاہ اورنگ زیب نے کمپنی کو اس بات کے متعلق آگاہ کردیا کہ اگر اسے آئندہ صوبے داروں سے کوئی شکایت ہو تو اس کی شہنشاہ کو اطلاع دیا کرے۔

"درخواست اس مضمون کی مابدولت کے ملاحظہ میں آئی کہ جس قدر فساد برپا ہوا اس کے ذمہ دار تم ہو اور یہ کہ اس میں سراسر تم قصوروار ہو۔ تمہاری طرف سے مابدولت کو مابدولت کے صوبہ داروں کے خلاف شکایات موصول ہوئی تھیں۔ تمہیں یہ شکایت تھی کہ مابدولت کے صوبہ داروں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی۔ تمہیں لازم تھا کہ شورش برپا کرنے سے پہلے تم مابدولت کو تمام واقعات کی اطلاع دیتے۔ اب چونکہ تم اپنے جرم کو تسلیم کرتے ہو اس لیے اب نہ صرف گزشتہ واقعات کو معاف کرکے تمہاری درخواست ہی منظور نہیں کی جاتی بلکہ تمہاری التجا کے مطابق تمہیں ایک فرمان بھی دیا جاتا ہے۔ مابدولت نے اسد خان کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ فرمان مذکور سورت کے صوبہ دار کے پاس بھیج دے۔ جب یہ فرمان تمہیں موصول ہو تو اس کا احترام کرو۔ نیز آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنا۔ ہمیشہ مابدولت کی خوشنودی کے امیدوار رہو.....“

جب کمپنی کی ان بداعمالیوں کا پتا چلا تو انگلستان میں اس کی مخالفت شروع ہوگئی۔ چونکہ کمپنی دولت مند ہوچکی تھی اس لیے اس نے دولت سے اپنے مخالفوں کو چپ کرادیا۔ پھر بھی اس کمپنی کا اجارہ ٹوٹ گیا اور اس کے مقابلے پر ایک نئی کمپنی میدان میں نکل آئی لیکن ہندوستان انگریزوں کی دو کمپنیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ دونوں کمپنیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نقصان نے دونوں کو متحد کردیا۔ اب متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے دوبارہ کاروبار شروع ہوا۔ اب کمپنی بادشاہ کی جگہ پارلیمنٹ کے ماتحت ہوگئی۔

کمپنی بہت جلد تجارت کے ساتھ سیاست کے میدان میں بھی اتر پڑی۔ اب اس کے پیش نظر تجارت اور ملک گیری تھی۔ یہ ملک گیری قائم رہی۔ یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ کے ایک فرمان نے اس کی سیاسی قوت کو ختم کردیا۔

ولندیزوں اور انگریزوں کے بعد فرانسیسی بھی ہندوستان کے ساحلوں کی طرف چل دیے۔ سترھویں صدی کے شروع میں فرانسیسیوں نے ہندوستان کے ساتھ

تجارت کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ لوئی چہاردھم کے وزیر کالبر نے اپنی کوششوں سے ۱۶۶۴ء میں فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی۔ دس سال تک ہندوستان سے تجارت کرنے کے بعد فرانسیسیوں نے پانڈی چری' چندر نگر' ماہی' کاریکل اور دوسری بندر گاہوں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں بنالیں۔

اٹھارھویں صدی کے وسط میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں کے سیاسی اور معاشی مفاد ایک دوسرے سے ٹکرائے تو دوسری جگہوں کے علاوہ ہندوستان میں بھی انگریز اور فرانسیسی آپس میں لڑنے لگے۔ ان لڑائیوں کا آغاز کرناٹک میں ہوا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کرناٹک کی تین لڑائیاں ہندوستان کی تاریخ میں اس لیے اہمیت رکھتی ہیں کہ ان لڑائیوں نے جہاں ہندوستان میں فرانسیسیوں کی سیاسی حیثیت کو ختم کر دیا وہاں ان لڑائیوں نے انگریزوں کے لیے مشرق میں ملک گیری کے دروازے کھول دیئے۔

باب ۴

کرناٹک کی لڑائیاں

اٹھارھویں صدی کے شروع ہی میں مغلوں کی سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا تھا۔ مغلوں کے صوبیداروں نے اپنے اپنے حلقوں میں اپنی آزاد حکومتیں قائم کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ جنوبی ہندوستان کے صوبیداروں نے بھی دور دراز کی مرکزی حکومت کی کمزوری کے پیش نظر اپنے صوبوں میں خاندانی حکومت قائم کرنی چاہی۔ نواب کرناٹک بھی اسی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ کرناٹک کی ریاست میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی چند ایک نوآبادیاں تھیں۔

۱۶۲۵ء میں انگریزوں نے کاومنڈل کے ساحل پر مدراس سے تقریباً" چالیس میل دور اپنی تجارتی کوٹھی قائم کی تھی۔ سات سال بعد انہوں نے ایک مقامی جاگیردار سے تھوڑی سی زمین لے کر مدراس کی بنیاد ڈالی۔ اپنی تجارتی کوٹھی کے ارد گرد انہوں نے ایک قلعہ بھی کھڑا کرلیا جس کا نام فورٹ سینٹ جارج ہے۔ سترھویں صدی کے درمیان میں کمپنی نے اس احاطے کو ایک نوآبادی کی حیثیت دے کر اس کے نظم و نسق کی طرف زیادہ توجہ کی۔ آہستہ آہستہ اس احاطے کا رقبہ بڑھنے لگا یہاں تک کہ اٹھارھویں صدی کے درمیان میں مدراس ایک اچھا خاصہ شہر بن گیا۔ اس شہر سے چھیاسی میل دور پانڈی چری میں فرانسیسیوں کی تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ فرانسیسیوں نے اپنی کوششوں سے پانڈی چری کو ایک خوش نما شہر میں تبدیل کردیا۔ کئی سال تک مدراس میں انگریز اور پانڈی چری میں فرانسیسی تجارت سے مالا مال ہوتے رہے لیکن جب یورپی مسائل نے انگلستان اور فرانس کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کردیا تو ان ملکوں کی دشمنی کا ان انگریزوں اور فرانسیسیوں پر بھی اثر ہوا جو ہندوستان میں تجارت کرتے تھے۔

۱۷۱۰ء میں دلی کی مرکزی حکومت نے نواب سعادت اللہ خاں کو کرناٹک کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ بائیس سال تک صوبیداری کرنے کے بعد جب وہ مرا تو اس کا بھتیجا دولت علی اس کا جانشین ہوا۔ نواب دولت علی نے ترچناپلی کو فتح کرنے کے بعد چندا صاحب کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ نواب دولت علی کی آزادانہ سرگرمیوں کو دکن کا صوبیدار نظام الملک آصف جاہ اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا تھا لیکن شمالی ہندوستان کی صورت حالات نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ کرناٹک کی طرف توجہ کر سکتا۔ جب نظام الملک کو شمالی ہندوستان کے جھمیلوں سے فرصت ملی تو اس نے کرناٹک پر مرہٹوں کا حملہ کروادیا۔ اس لڑائی میں (۱۷۴۰ء) نواب مارا گیا۔ اب ارکاٹ کی گدی پر نواب صفدر علی بیٹھا۔ چندا صاحب دستور ترچناپلی کا حاکم رہا لیکن نواب اسے شک و شبہہ کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ چونکہ نواب، ترچناپلی کے حاکم کے خلاف خود کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے مرہٹوں سے ترچناپلی پر حملہ کرنے کے لیے کہا۔ مرہٹوں نے ترچناپلی کا محاصرہ کرلیا۔ تین مہینوں تک تو چندا صاحب مرہٹوں کا مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ چندا صاحب کو پونا میں قید کردیا گیا۔ نواب نے ارکاٹ کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے ویلور کے قلعہ کو راج دھانی بنالیا لیکن ویلور کے حاکم نے اسے قتل کرواکے اپنی نوابی کا اعلان کردیا لیکن چند دنوں کے بعد کرناٹک کی فوج کے سرداروں نے مقتول نواب کے بیٹے محمد خاں کو نواب مقرر کرنا چاہا۔ کرناٹک میں بے چینی پیدا ہوچکی تھی چنانچہ نظام الملک نے مارچ ۱۷۴۳ء میں کرناٹک پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس نے مرہٹوں کو ترچناپلی سے بھی نکال دیا۔ محمد خاں کو گرفتار کرنے کے بعد نظام الملک نے گول کنڈہ کی راہ لی۔

اب نظام الملک نے اپنے ایک امیر انور الدین کو کرناٹک کا نواب مقرر کرکے یہ اعلان کیا کہ وہ محمد خاں کا اتالیق ہے اور جونہی محمد خاں بالغ ہوجائے گا اسے ارکاٹ کی گدی پر بٹھا دیا جائے گا۔ ما تالیق نے محمد خاں کو قتل کروا کر اپنی نوابی کے لیے راستہ صاف کیا۔ اسی اثنا میں آسٹریا کی جنگ توریث نے یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنادیا تھا۔ جب اس لڑائی کی خبر ہندوستان پہنچی تو یہاں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں نے آپس میں لڑنا شروع کردیا۔

۱۷۴۶ء میں انگریزی بیڑے نے پانڈی چری پر حملہ کرنا چاہا لیکن نواب انورالدین کی مداخلت نے انگریزی بیڑے کو واپس جانے پر مجبور کردیا۔ پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر دوپلے نے اس طرح پانڈی چری کو انگریزی حملے سے بچانے کے بعد نواب انور الدین سے مدراس پر حملہ کرنے کی اس شرط پر اجازت حاصل کی کہ وہ مدراس کو فتح کرنے کے بعد اسے انور الدین کے حوالے کردے گا۔ فرانسیسی امیرالبحر لابوردانی نے ۱۴۔ ستمبر ۱۷۴۶ء کو مدراس کا محاصرہ کرلیا۔ مدراس کے انگریزی گورنر مورس نے لابوردانی سے صلح کرنے کے لیے ایک ایلچی بھیجا۔ بات چیت کے بعد یہ طے پایا کہ ۲۱ ستمبر کو فورٹ سینٹ جارج اور مدراس کا شہر فرانسیسیوں کے حوالے کردیا جائے اور تمام انگریزوں کو جنگی قیدی بنالیا جائے جب فرانسیسیوں نے مدراس پر قبضہ کرلیا تو اس وقت بہت سے انگریز بھاگ کر فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں پہنچ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں سے ایک نوجوان کلرک بھی تھا فورٹ سینٹ ڈیوڈ پہنچ کر اس نوجوان کو قلعہ کی حفاظت کرنی پڑی۔ نوجوان کلائیو نے بھانپ لیا تھا کہ پانڈی چری کا فرانسیسی گورنر دوپلے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے پر تلا ہوا ہے۔ فرانسیسی فوج نے چار مرتبہ فورٹ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کیا لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اسی اثنا میں انگریزوں کو انگلستان سے کمک پہنچ گئی۔ فرانسیسیوں نے فورٹ سینٹ ڈیوڈ کا محاصرہ اٹھالیا۔ اب انگریزوں نے پانڈی چری کا محاصرہ کرلیا لیکن انہیں شکست ہوئی۔ فرانسیسی فوج ایک مرتبہ پھر فورٹ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہی تھی کہ اسے معلوم ہوا کہ انگلستان اور فرانس میں صلح ہوگئی ہے اور یہ کہ عہد نامہ ایلا شپل کی رو سے دونوں قوموں کو اپنی اپنی فتوحات سے دست بردار ہونا ہے۔ چنانچہ فورٹ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کرنے کی جگہ دوپلے کو مدراس بھی انگریزوں کو واپس کرنا پڑا۔ کرناٹک کی پہلی لڑائی کا یوں خاتمہ ہوا (۱۷۴۸ء)

کرناٹک کی پہلی لڑائی کے دوران میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہندوستان کی تاریخ کو بدل دیا۔ دوپلے نے مدراس پر قبضہ کرنے کے بعد اسے انورالدین کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر نواب انور الدین نے اپنے بیٹے کی کمان میں دس ہزار سپاہیوں کو فرانسیسیوں سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ دونوں فوجوں میں میلا

پور کے قریب لڑائی ہوئی۔ فرانسیسی فوج میں دو سو تیں فرانسیسی اور سات سو دیسی سپاہی تھے۔ مٹھی بھر فرانسیسیوں نے نواب کرناٹک کی اتنی بڑی فوج کو شکست دے کر اس خیال کو پیدا کردیا کہ کارومنڈل کے ساحل پر آپس میں لڑنے والی دو یورپی قوموں میں سے کوئی ایک بھی ہندوستان میں اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کر سکتی ہے۔ کرناٹک کی پہلی لڑائی کا یہی سب سے اہم نتیجہ ہے!

انگریزوں اور فرانسیسیوں میں اگرچہ صلح ہوچکی تھی لیکن میلا پور کی کامیابی کے بعد دوپلے اس سوچ میں تھا کہ کس طرح ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کی بنیاد رکھے۔ اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے بعد وہ ہندوستانی ریاستوں کے سیاسی امور میں دخیل ہوکر فرانسیسی اقتدار کو بڑھائے گا۔ دوپلے کو بہت جلد موقعہ مل گیا۔ ۱۷۴۸ء میں نظام الملک کی موت کے بعد دکن کے تخت کے لیے نظام کے بیٹے ناصر جنگ اور نظام کے نواسے مظفر جنگ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اس کے ساتھ ہی چندا صاحب مرہٹوں کی قید سے رہائی پاکر کرناٹک پہنچ چکا تھا۔ انور الدین ایک لڑائی میں مارا گیا اس کے بیٹے محمد علی نے ترچناپلی میں پناہ لی۔ دکن اور کرناٹک میں فرانسیسی مظفر جنگ اور چندا صاحب کے حامی تھے۔ انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کی طرفداری شروع کردی۔

نظام الملک مغلوں کے آخری دور کی ایک نمایاں شخصیت ہے۔ اورنگ زیب کی موت کے بعد مغلیہ سلطنت کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان سے وہ پوری طرح آگاہ تھا۔ اس نے سلطنت کو منتشر ہونے سے روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن جب اسے ہر طرف مایوسی دکھائی دی تو اس نے دکن کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا۔ دکن میں اس نے مملکت حیدر آباد کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنی مملکت کی حدود میں اس امن کو قائم کیا جو وہاں سے مفقود ہوچکا تھا۔ نظام الملک چونکہ تیموری روایات کا حامل تھا اس لیے اس کی کاوشوں اور محنتوں سے حیدر آباد مغلیہ تہذیب کا مرکز بن گیا۔

۱۷۲۳ء میں نظام الملک نے شہنشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ ایران کی مدد کے لیے اپنی فوج بھیجیں۔ اس زمانے میں قندھار کے افغان سردار نے قندھار سے شیراز تک کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ جب افغانی فتوحات کی یہ خبریں دہلی

میں پہنچی تو نظام الملک نے شہنشاہ سے ایران کی مدد کرنے کی درخواست کی لیکن محمد شاہ نے اس تجویز پر عمل نہ کیا۔ نظام الملک افغانستان کے مقابلہ پر ایران کو مضبوط بنانا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں نادر اٹھا۔ اس نے افغانوں کے خلاف سارے ایران کو متحد کیا۔ افغانوں کو ایران سے خارج کرنے کے بعد اس نے قندھار پر قبضہ کیا۔ دہلی کی مرکزی حکومت کی طرف سے کابل کے گورنر کو سیاسی مسائل کے لیے مالی امداد دی جاتی تھی۔ اس امداد کے بند ہوجانے کے بعد افغانستان کی فوجی چھاؤنیاں قائم نہ رہ سکیں۔ ان حالات میں افغانستان کی راہ سے ہندوستان پر حملہ آور ہونا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ کابل کے مغل گورنر نے حکومت دہلی کو نادر شاہ کے ارادوں سے واقف کیا۔ کابل کا وکیل دہلی پہنچا اس نے امیر الامرا کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اس پر امیر الامراء نے کابل کے وکیل سے کہا: "میں اس قسم کے افسانوں سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کی کہانیوں سے مرعوب ہوکر میں تمہیں روپیہ نہیں دے سکتا۔ اپنے آقا سے کہو کہ میرا گھر میدان میں ہے اور میں صرف ان باتوں پر غور کرسکتا ہوں جو میری آنکھوں کے سامنے ہوں لیکن تمہارا مکان پہاڑ پر ہے' اس لیے شاید تمہیں ایرانی فوجیں یلغار کرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔"

نادر شاہ شمالی افغانستان میں داخل ہوا۔ اس نے غزنی اور کابل پر قبضہ کرلیا۔ کابل کاگورنر پشاور بھاگ گیا۔ سرحدی فوجوں کو چونکہ کئی سال سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں اس لیے مغلوں کی اس فوج کے بہت سے سپاہی ایرانی حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے۔ اب نادر شاہ نے پنجاب پر حملہ کردیا۔ نادر شاہ نے ایران سے افغان سرداروں کو نکالنے کے بعد شاہ طہماسپ دوم کو تخت ایران پر بٹھایا۔ اس بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر مغل شہنشاہ نے قدیم روایت کے مطابق شاہ ایران کو نہ تحائف بھیجے اور نہ دربار ایران میں اپنا کوئی سفیر بھیجا۔ لیکن اس کے برعکس دربار دہلی نے میرویس اور ایسے افغان سرداروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جو مشرقی ایران پر حملے کر رہے تھے۔ جب نادر شاہ ایران کا بادشاہ بنا تو اس نے دربار دہلی میں تین سفارتیں بھیجیں تاکہ مغل شہنشاہ اپنے ماتحت حاکم کابل کو ہدایت بھیج دے کہ وہ مفرور افغانوں کو اپنے یہاں پناہ نہ دے۔ دربار دہلی کا خیال تھا کہ افغانستان نادری حملے کا مقابلہ کرسکے گا۔ اس لیے اس نے نادر شاہ کے سفیروں کے ساتھ

شاہانہ سلوک نہ کیا۔ اس پر نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ دہلی دربار کی امیدوں کے برعکس نادر شاہ نے غزنی اور کابل پر بغیر مزاحمت کے قبضہ کرلیا۔

نظام الملک کے خیال میں مغلوں کا نادر شاہ پر فتح پانا ناممکن تھا۔ اس لیے اس نے کوشش کی کہ محمد شاہ اور نادر شاہ میں سمجھوتہ ہوجائے لیکن دربار دہلی نادر شاہ سے لڑنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ پانی پت کے قریب ایرانیوں اور مغلوں میں لڑائی ہوئی۔ سعادت خاں (اودھ) لڑائی میں گرفتار کرلیا گیا۔ جب اسے نادر شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو نادر شاہ نے اس سے مغلیہ سلطنت کے حالات دریافت کیے۔ اس پر سعادت خاں نے کہا کہ نظام الملک مغلیہ سلطنت کا سب سے بڑا ستون ہے اس لیے جہاں پناہ کو صلح کی بات چیت اس سے کرنی چاہیے۔ چنانچہ نادر شاہ نے اپنا ایک سفیر محمد شاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ نظام الملک کو نادری خیمہ میں بھیج دے۔ اگلے دن نظام الملک نے نادر شاہ سے ملاقات کی۔ نظام الملک کی حیثیت شہنشاہ دہلی کے نمائندہ کی تھی۔ نادر شاہ نے اپنی تمام شکایات کو نظام الملک کے سامنے پیش کیا۔ نظام الملک نے تدبر اور دانش مندی سے نادر شاہ کو ان شرطوں پر رضامند کرلیا۔

"ایرانی فوج دہلی کی طرف نہیں بڑھے گی بشرطیکہ نادر شاہ کو پچاس لاکھ روپیہ دیا جائے۔ اس رقم میں سے بیس لاکھ کی ادائیگی فوراً" ہونی چاہیے۔ دس لاکھ لاہور میں دیا جائے' دس لاکھ اٹک میں اور دس لاکھ کابل میں۔ نادر شاہ سلطنت مغلیہ کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کرے گا۔"

اس معاہدے کے بعد نظام الملک کی وساطت سے محمد شاہ اور نادر شاہ میں ملاقات ہوئی۔ واپسی پر محمد شاہ کو شمس الدولہ کی موت کی اطلاع ملی۔ اس پر محمد شاہ نے نظام الملک کو امیر الامرا کا عہدہ پیش کیا۔ چونکہ سعادت خاں بھی اس منصب کا امیدوار تھا' اس لیے اسے بہت صدمہ ہوا۔ اس نے نادر شاہ سے کہا کہ اس نے نظام الملک سے بہت سستا سودا کیا ہے۔ لہٰذا نادر شاہ کو چاہیے کہ وہ محمد شاہ' نظام الملک اور دوسرے امیروں کو گرفتار کرکے دہلی اور اس کی ساری دولت پر قبضہ کرلے۔ نادر نے اس مشورہ کو پسند کرتے ہوئے نظام الملک کو بلا بھیجا نادر شاہ نے اسے حراست میں لے لیا۔ اب نادر شاہ نے پچاس لاکھ کی جگہ بیس کروڑ کا مطالبہ

کیا۔ نادر شاہ نے نظام الملک کو مجبور کیا کہ وہ محمد شاہ کو بلا بھیجے۔ محمد شاہ کو آتے ہی حراست میں کرلیا گیا ان گرفتاریوں کے بعد مغل فوج منتشر ہوگئی۔ ایرانی سپاہیوں نے اعتماد الدولہ کو بھی گرفتار کرلیا۔ اب نادر شاہ دہلی میں داخل ہوکر دیوان خاص میں مقیم ہوا۔ وہ دہلی میں دو مہینے رہا۔ بے شمار مال و دولت لے کر نادر شاہ ایران چلا گیا۔ وہ اپنے پیچھے خالی خزانہ اور تباہ و برباد صنعت و حرفت چھوڑ گیا۔

دہلی سے نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد نظام الملک کو اپنے بیٹے ناصر جنگ کی سرکشی کی اطلاع ملی چنانچہ اس نے شہنشاہ سے دکن جانے کی اجازت طلب کی۔ برہان پور پہنچ کر نظام الملک اپنے بیٹے کی بغاوت کو تلوار سے فرو کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ راہ میں پیشوا بالاجی راؤ نے اس سے ملاقات کی اور نظام الملک کو وہ شاہی فرمان دکھایا جس کی رو سے اسے مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا دولت آباد کے قریب نظام الملک نے ناصر جنگ کو شکست دی۔

نظام الملک اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے بڑا مدبر تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گزرا۔ اس نے سادہ زندگی بسر کی۔ نظام الملک تیموری اوصاف کا مرقع تھا۔ تدبر' فراست' شجاعت اور قلم میں نظام الملک کا درجہ بہت بلند ہے سیاسی معاملات میں اس کی فراست کو بعد کے واقعات درست ثابت کرتے رہے۔ وہ اپنے تورانی افسروں سے ترکی بولتا اور فارسی میں شعر کہتا۔ اس زمانے میں جب کہ ہندوستان میں بدامنی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا' نظام الملک نے دکن میں امن قائم کیا وہ ۱۷۱۳ء سے آخری دم تک دکن کو خوش حال بنانے میں مصروف رہا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں تجارت کے پردہ میں جو سیاسی کشمکش شروع ہوچکی تھی اس میں نظام الملک نے فراست اور تدبر کا اس حد تک ثبوت دیا کہ ان دونوں قوموں کو یقین تھا کہ نظام الملک اسی کا حامی ہے۔

ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی خانہ جنگی نے فرانسیسیوں اور انگریزوں کو جنوبی ہندوستان کی سیاست میں دخیل کردیا۔ ناصر جنگ ایک بہت بڑی فوج سمیت قلعہ جنجی کے آس پاس ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ اس کی فوج میں دس ہزار مرہٹوں کے علاوہ چھ سو انگریز بھی تھے۔ چونکہ مظفر جنگ دوپلے سے مدد لے رہا تھا اس لیے ناصر جنگ نے انگریزوں کو اپنا ساتھی بنالیا تھا۔ مظفر جنگ بھی اپنی فوج لیے ہوئے قلعہ

جنجی کی طرف بڑھا۔ مظفر جنگ کی فوج میں قریباً" دو ہزار فرانسیسی افسر اور سپاہی تھے۔ جب دونوں طرف سے حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو فرانسیسی کمانڈر نے انگریزی کمانڈر کو کہلا بھیجا کہ "اس وقت یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہے لیکن بدقسمتی سے ہم اپنے اپنے مفاد کے لیے دو اجنبی حکمرانوں کی امداد کی خاطر ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے آمادہ ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میدان جنگ میں انگریزی فوج کہاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اس لیے ہمیں یہ بتایا جائے تاکہ فرانسیسی گولہ انداز اور دوسرے سپاہی ادھر کا رخ نہ کریں۔ میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے کہ ہندوستانیوں کے لیے یورپی خون بہایا جائے۔" میجر لارنس کی طرف سے جواب میں کہا گیا کہ "انگریزی توپ خانے پر انگریزی پھریرا لہراتا رہے گا۔ اگر آپ نے تھوڑی سی توجہ سے کام لیا تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ انگریزی فوج کہاں ہے۔ میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ فرانسیسیوں اور انگریزوں کا خون بہایا جائے لیکن اگر آپ نے پہل کی تو اس کا جواب دیا جائے گا۔" چار اپریل ۱۷۵۰ء کو لڑائی چھڑ گئی۔ اگلے دن فرانسیسی فوج میدان سے نکل گئی۔ چندا صاحب بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ مظفر جنگ لڑائی میں شکست کھاکر گرفتار ہوا۔ اب ناصر جنگ کی فوج نے پانڈی چری کی طرف کوچ کیا۔ ناصر جنگ کی فوج نے پانڈی چری کے فرانسیسی قلعہ کو گھیر لیا۔ فرانسیسی توپوں کی گولہ باری کی شدت نے ناصر جنگ کو مجبور کردیا کہ وہ ارکاٹ کا رخ کرے۔ راستے میں ناصر جنگ نے وندیواش کے قلعے پر قبضہ کیا۔ ارکاٹ پہنچنے کے بعد ناصر جنگ کی فوج نے مسولی پٹم پر حملہ کرکے وہاں کی فرانسیسی فیکٹری کو لوٹ لیا لیکن بہت جلد فرانسیسیوں کی ایک فوج نے مسولی پٹم پر قبضہ کرلیا۔ فرانسیسی فوج نے محمد علی کو بھی شکست دے کر ارکاٹ کی طرف بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اسی فوج نے جنجی کے قلعہ پر قبضہ کرکے بہت بڑی جنگی کامیابی حاصل کی۔ جب ناصر جنگ کو پتا چلا کہ فرانسیسیوں نے جنجی کے قلعہ پر قبضہ کرلیا ہے تو اس نے اپنی فوج سمیت جنجی کی طرف کوچ کیا۔ جنجی سے چھ میل دور دو دریاؤں کے بیچ ناصر جنگ کی فوج نے ڈیرے ڈال دیے۔ کئی دن کی لگاتار بارش سے دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ آنے جانے کے راستے مسدود ہوگئے۔ وبا پھوٹ نکلی' سپاہی مرنے لگے۔ اب ناصر جنگ نے اپنے ایلچی کو صلح کے لیے دوپلے کے پاس بھیجا اسی اثنا میں

ناصر جنگ کی مشکلات سے واقف ہو کر دوپلے نے ناصر جنگ کے کئی ایک فوجی سرداروں سے ناصر جنگ کے قتل کی سازش کر رکھی تھی۔ دوپلے ایک طرف ناصر جنگ سے صلح کی بات چیت کر رہا تھا اور دوسری طرف وہ ناصر جنگ کے قتل کے لیے ساز باز میں مصروف تھا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں " دوپلے کو اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا اس لیے ناصر جنگ سے صلح کرلینا یا اسے قتل کروادینا یکساں مفید تھا۔ اس لیے اس نے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی۔ اس نے دونوں صورتوں کو وقت پر چھوڑ دیا چنانچہ قتل کی سازش، صلح کی بات چیت پر مقدم ہو گئی۔" جب سازش مکمل ہو گئی تو فرانسیسی فوج نے جنجی کے قلعہ سے نکل کر ناصر جنگ کی فوج پر ہلا بول دیا۔ ناصر جنگ ہاتھی پر سوار ہو کر حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کی اپنی فوج کے کسی سردار نے قتل کردیا۔ جونہی ناصر جنگ کے قتل کی خبر پھیلی اس کی فوج بھاگنے لگی (۳۰۔ دسمبر ۱۷۵۰ء)۔

ناصرجنگ کے دربار میں عالموں اور فاضلوں کی کمی نہیں تھی۔ نظام الملک نے جن عالموں کی قدر کی تھی ناصرجنگ نے ان کے اعزاز کو ہر طرح سے بڑھایا۔ علامہ آزاد بلگرامی کو ناصر جنگ کی سرپرستی حاصل تھی۔ ناصر جنگ کو دوسرے علوم و فنون کے علاوہ شعر و شاعری سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ مظفر جنگ کی گرفتاری کے بعد ناصرجنگ نے جو غزل کہی تھی اس کے دو شعر یہ ہیں:۔

"دمید کوکب مسعود اوج دولت ما
نواختند بریں نہ رواق نوبت ما
عدو بہ حضرت ما دست بستہ حاضر شد
چو رفت طاقت بازوئے او زہیبت ما"

ناصرجنگ فارسی کے علاوہ اردو میں بھی شعر کہہ سکتا تھا:۔

نین ترے شکار کرتے ہیں
دل ہمارا فگار کرتے ہیں
خوب رو جب سنگار کرتے ہیں
آرسی پر بہار کرتے ہیں

کسی بیدار سوں، چمن میں آج
پھول سارے پکار کرتے ہیں
اہل دل گریہ ندامت میں
سیر ابر بہار کرتے ہیں
چشم بددور خوش نین سارے
اپنے ناصر کو پیار کرتے ہیں

اب فرانسیسیوں نے مظفر جنگ کو دکن کا نظام اور چندا صاحب کو کرناٹک کا نواب مقرر کیا۔ دکن اور کرناٹک دونوں میں دوپلے کے طرف دار حکومت پر قبضہ کرچکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوپلے کا ہندوستان میں فرانسیسی حکومت کے قیام کا خواب پورا ہوا چاہتا ہے۔ چند دنوں کے اندر اندر مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد فرانسیسی جرنیل بسے نے صلابت جنگ کو تخت پر بٹھلا کر دکن میں فرانسیسی اثر و رسوخ کو بدستور قائم رکھا۔ اس وقت تک انگریز اپنے ساتھیوں کی بد دلی سے مدد کر رہے تھے لیکن کرناٹک اور دکن میں فرانسیسی کامیابی نے انہیں چوکنا کردیا۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمد علی کی مدد کی جائے جسے چناد صاحب نے ترچناپلی میں حصور کر رکھا تھا۔ اس موقعہ پر کلاؤ نے فورٹ سینٹ ڈیوڈ کے گورنر کو مشورہ دیا کہ چندا صاحب کو ترچناپلی کا محاصرہ اٹھانے پر اس طرح مجبور کیا جاسکتا ہے کہ کرناٹک کی راجدھانی ارکاٹ پر حملہ کردیا جائے۔ اس تجویز کو منظور کرلیا گیا۔

۲۶۔ اگست ۱۷۵۱ء کو کلاؤ مدراس سے ارکاٹ کی مہم پر روانہ ہوا۔ اس کی فوج میں دو سو انگریزی اور تین سو دیسی سپاہی تھے۔ اس فوج کے پاس فقط تین چھوٹی توپیں تھیں۔ پانچویں دن کلاؤ نے ارکاٹ کے قلعہ اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ چندا صاحب نے اپنی فوج کے بہت بڑے حصے کو ترچناپلی سے ارکاٹ کو واپس لینے کے لیے بھیج دیا ادھر کلاؤ نے ارکاٹ کے قلعہ کو مستحکم کرلیا تھا۔ چنانچہ چندا صاحب کی فوج ارکاٹ کے قلعہ پر قبضہ نہ کرسکی۔ کلاؤ نے نہ صرف کرناٹکی فوج کو پسپا کیا بلکہ جب مراری راؤ ایک ہزار مرہٹوں سمیت کلاؤ سے مل گیا تو کلاؤ نے ارکاٹ سے نکل کر ارنی پر جو ارکاٹ سے سترہ میل دور تھا قبضہ کرلیا۔ اب کلاؤ کنجی پورم کی

طرف بڑھا' اور اسے بھی فتح کیا۔ ارکاٹ کے قلعہ میں تھوڑی سی فوج چھوڑنے کے بعد کلاؤ نے مدراس کی راہ لی۔

چندا صاحب کے ہاتھ سے ارکاٹ نکل چکا تھا لیکن اس نے ابھی تک ترچناپلی کا محاصرہ نہیں اٹھایا تھا۔ بنگال سے کمک آجانے پر کلاؤ نے کاویری پاک میں فرانسیسیوں کو شکست دے کر ان کے ارادوں کو ناکام بنادیا تھا۔ ترچناپلی کی فرانسیسی فوج اور چندا صاحب کی فوج نے بھی انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ چندا صاحب کے قتل ہو جانے کے بعد انگریزوں نے محمد علی کو کرناٹک کی گدی پر بٹھادیا۔ کلاؤ اے ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو جو محمد علی سے باغی ہو چکے تھے شکست دے کر انہیں پھر ارکاٹ کے ماتحت کردیا۔ فروری ۱۷۵۳ء میں کلاؤ چھٹی لے کر انگلستان چلا گیا۔

مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد اس کی فوج کے سرداروں نے ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کو دکن کا نظام بنانا چاہا۔ فرانسیسی جرنیل بسی اپنی فوج سمیت مظفر جنگ کے ساتھ حیدر آباد جارہا تھا۔ بسی نے بھی مظفر جنگ کے فوجی سرداروں کا یہ مشورہ مان لیا۔ صلابت جنگ کو بھی فرانسیسی فوج کی مدد کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی مظفر جنگ کو چنانچہ اس نے فرانسیسی کمپنی کو مسولی پٹم کے بہت سے نواحی علاقے دینے کے علاوہ بسی کو ایک بہت بڑی رقم بھی دی۔ جب صلابت جنگ نے کرشنا کو پار کیا تو اس نے مرہٹوں کی ایک بہت بڑی فوج کو اپنے مقابلے پر پایا۔ صلابت جگ نے دو لاکھ روپے دے کر مرہٹوں کو واپس چلے جانے پر راضی کرلیا۔ حیدر آباد پہنچ کر صلابت جنگ نے دوپلے کو لکھا کہ وہ بسی کو اس (صلابت جنگ) کے ساتھ اورنگ آباد تک جانے کی اجازت دے۔ دوپلے نے مزید سو فرانسیسی بسی کے پاس بھیج دیے اور اس کے ساتھ ہی صلابت جنگ کی خواہش کو پورا کردیا

اورنگ آباد پہنچ کر بسی نے محسوس کیا کہ صلابت جنگ کو فرانسیسی فوج کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ صلابت کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بسی نے صلابت جنگ سیارکاٹ' ترچناپلی اور مدورا کے علاقے "نواب ظفر جنگ" دوپلے کے سپرد کروادیے' اور صلابت جنگ سے وعدہ لے لیا کہ دوپلے کی موت کے بعد یہ علاقے فرانسیسی قوم کے حوالے کردیے جائیں گے۔ بالاجی راؤ نے دکن پر حملہ

کردیا۔ بسی کے توپ خانے نے مرہٹوں کی فوج پر اتنی شدید گولہ باری کی کہ بالاجی راؤ بہت معمولی رقم پر صلابت جنگ سے صلح کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ لیکن بہت جلد بالاجی راؤ نے صلابت جنگ کے بڑے بھائی غازی الدین خاں کو دکن کی نظامت کا دعویٰ دار کھڑا کردیا اور اس کے ساتھ ہی بالا جی راؤ نے انگریزوں سے بھی مدد مانگی۔ چونکہ مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان صلابت جنگ اور بسی کی فوجیں تھی اس لیے مدراس سے مرہٹوں کو انگریزوں کی مدد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی اثنا میں اورنگ آباد میں غازی الدین کو زہر دے کر مروا دیا گیا۔ اب صلابت جنگ اور مرہٹوں میں مقابلہ تھا۔ صلابت جنگ' فرانسیسی فوج سمیت بیدر کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ بالا جی راؤ کے سواروں نے نظام کی فوج کو گھیر رکھا تھا۔ بسی کی وساطت سے صلابت جنگ اور بالاجی راؤ میں صلح ہوگئی۔ تھوڑے دنوں بعد راگھوجی بھونسلا نے بھی برار کی جاگیر لے کر صلابت جنگ سے صلح کرلی۔ بالا جی راؤ اور صلابت جنگ میں صلح کرانے کے بعد بسی نے گندھور کا ضلع صلابت جنگ سے فرانسیسی کمپنی کو دلوادیا۔ جب یہ خبر دوپلے تک پہنچی تو اس نے کہا کہ "کمپنی کو جس قدر ملک کی ضرورت تھی وہ اسے مل چکا ہے۔"

دربار دکن میں فرانسیسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے دربار کے بہت سے امیر ناراض ہورہے تھے۔ چنانچہ بسی نے دوپلے کو لکھا کہ حالات کے پیش نگاہ مجھے اپنی فوج سمیت مسولی پٹم پہنچ جانا چاہیے۔ اس پر دوپلے نے جنوری ۱۷۵۳ء میں بسی کو لکھا کہ "صلابت جنگ کو چھوڑ کر چلے آنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ فوجی کونسل ایسی رائے دے۔ دربار دکن میں جو امیر ہمارے خلاف ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح سے راضی کرلینا چاہیے۔ انتہائی مشکلات سے صلابت جنگ کو نظامت دلوانے کے بعد انتہائی کامیابی حاصل کیے بغیر چلے آنا عقل و عزت دونوں کے خلاف ہے۔" بسی کو دکن میں فرانسیسیوں کے اقتدار کو بڑھانے کا ایک اور موقع مل گیا۔ فرانسیسی فوج کا سالانہ خرچ قریباً" انتیس لاکھ روپے تھا۔ اتنی بڑی رقم کا ادا کرنا صلابت جنگ کے ذرائع سے باہر ہوتا چلا جارہا تھا۔ بسی نے میکاکول' ایلور' راج مندری اور گنٹور کے اضلاع کی مال گزاری وصول کرنے کی سند اپنے نام کروالی تاکہ وہ فرانسیسی فوج کو باقاعدہ تنخواہ دیتا رہے۔

جب بسی ان اضلاع کا انتظام کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ان اضلاع کے حاکم جعفر علی نے بسی سے لڑنے کی تیاری کرلی۔ جعفر علی نے انگریزوں کو اپنی مدد پر بلایا لیکن وہ جعفر علی کی مدد نہ کرسکے۔ بسی ان اضلاع کا انتظام اپنے افسروں کے سپرد کردینے کے بعد پھر دوبارہ دکن میں چلا گیا۔

اس زمانے میں چونکہ انگلستان و فرانس میں صلح تھی اس لئے دونوں ملکوں کی حکومتوں نے ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی باہمی لڑائی کی مذمت کی۔ فرانسیسی حکومت نے دوپلے کو واپس بلا کر اس کی جگہ گادیو کو گورنر مقرر کیا۔ گادیو نے انگریزوں کے ساتھ صلح کرلی۔ اس معاہدے میں طے پایا تھا کہ دونوں قومیں دیسی حکمرانوں کے لڑائی جھگڑوں میں حصہ نہیں لیں گی اور یہ کہ دیسی حکمرانوں نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو جو خطاب دے رکھے ہیں وہ سب واپس کردیے جائیں۔ اس معاہدے کی رو سے دونوں قوموں کو مقبوضات ان کے پاس رہے۔ شمالی سرکاری میں جہاں بسی کا بہت دخل تھا ایک شہر انگریزوں کے حوالے کردیا گیا۔ بسی دکن ہی میں رہا' جہاں اس نے فرانسیسی اثر و اقتدار کو برقرار رکھا۔ اس معاہدے نے کرناٹک کی دوسری لڑائی کو ختم کردیا۔

جنگ ہفت سالہ کے شروع ہوتے ہی ۱۷۵۶ء میں ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں نے آپس میں پھر لڑنا شروع کردیا یہ لڑائی کرناٹک کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے۔ اس لڑائی کے شروع ہوتے ہی کلاؤ نے چندر نگر (بنگال) پر قبضہ کرلیا۔ فرانسیسی حکومت نے لالی کو ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات کا گورنر اور کمانڈر ان چیف بنا کر بھیجا تھا تاکہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال سکے۔ شروع شروع میں لالی کو تھوڑی سی کامیابی بھی ہوئی۔ اس نے فورٹ سینٹ ڈیوڈ پر قبضہ کرلیا لیکن تنجور کا قلعہ فتح نہ کرسکا۔ اب لالی نے بسی کو دکن سے بلا بھیجا تاکہ وہ مدراس پر حملے کرے۔ دکن سے بسی کے آتے ہی وہاں فرانسیسی اثر و رسوخ ختم ہوگیا۔ اب کلاؤ نے بنگال سے کرنل فورڈ کو بھیجا تاکہ وہ شمالی سرکار سے فرانسیسوں کو نکال کر صلابت جنگ کے دربار میں انگریزوں کے اثر و رسوخ کو بڑھائے۔ کرنل فورڈ نے شمالی سرکار سے فرانسیسیوں کو نکال دیا۔ لالی نے مدراس پر حملہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد وہ پانڈی چری چلا گیا۔ ۱۷۶۰ء میں وندیواش میں آئر

کوٹ نے اسے شکست دی۔ تھوڑی مدت بعد انگریزوں نے پانڈی چری کو فتح کرکے ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کے خواب کو پریشان کر دیا۔ کرناٹک کی تیسری لڑائی ختم ہوگئی!

کرناٹک کی آخری لڑائی نے ہندوستان میں فرانسیسی کمپنی کے اقتدار کو ختم کردیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی تجارتی و مالی لحاظ سے فرانسیسی کمپنی سے بہتر تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے لڑائی کے دنوں میں بھی اپنی تجارتی سرگرمیوں کو نگاہ انداز نہیں کیا تھا۔ اس کی سیاسی کامیابی کا مقصد تجارتی مفاد ہوتا تھا لیکن فرانسیسی کمپنی تجارت میں ناکام ثابت ہوئی تھی۔ اس لیے فرانسیسیوں نے ہندوستان میں اپنے مقبوضات بڑھانے پر زور دیا۔ کمپنی کے اس طرز عمل نے فرانسیسی حکومت کو بہت پریشان کردیا۔ چونکہ اس زمانہ میں فرانس' انگریزوں کے ساتھ یورپ و امریکا میں لڑ رہا تھا اس لیے فرانسیسی حکومت دوپلے کی خواہشات پر زیادہ توجہ نہیں کرسکتی تھی۔ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ جو دولت لگی تھی وہ نہ صرف انگلستان کے صنعتی انقلاب کا ایک موثر ذریعہ بنی بلکہ اس دولت سے انگریزوں نے ہندوستان میں فرانسیسیوں کو شکست دی۔ انگریزی کمپنی کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ انگریز سوداگروں کی ذاتی ملکیت تھی اور وہ اپنا طرز عمل اختیارکرنے میں آزاد تھی۔ لالی کے عدم تدبر اور اس کی عجلت نے بھی فرانسیسی کمپنی کے اقتدار کو ختم کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔

قریباً" دو سال تک انگلستان میں رہنے کے بعد کلاوَ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں سے ہندوستان جانے کی اجازت لی۔ ڈائریکٹروں نے کلاوَ کو شاہی فوج میں کمیشن دلوا کر اسے لفٹننٹ کرنل کا عہدہ دلایا۔ اسے فورٹ سینٹ ڈیوڈ کا گورنر اور سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ کلاوَ اپنے ساتھ تین سو سپاہی اور توپ خانہ لے کر آیا تھا۔ اسے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا کر فرانسیسیوں کو دکن سے نکال دے' لیکن جب وہ مدراس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہوچکی ہے۔ ۲۰۔ جون ۱۷۵۶ء کو کلاوَ فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں پہنچا۔ چند ہفتے بعد جب مدراس میں یہ خبر پہنچی کہ کلکتہ پر سراج الدولہ نے قبضہ کرلیا ہے تو امیرالبحر واٹسن اور کلاوَ کو بنگال کی مہم پر بھیجا گیا۔

باب ۵

بنگال

ایک زمانہ گزرا بنگال میں کول' سنتھال اور دوسرے دیسی قبائل آباد تھے۔ صدیوں تک ان قبیلوں کی نقل و حرکت اور ان کی باہمی لڑائیاں بنگال کی تاریخ بنی رہیں۔ اس زمانے کے بنگال کی تاریخ کی بہت کم یادگاریں باقی ہیں مدتوں وسطی ایشیا سے آریائی قبائل پنجاب میں داخل ہوتے رہے: پنجاب اور شمالی ہند کے دوسرے حصوں کو فتح کرنے کے بعد آریائی قبائل نے بنگال میں داخل ہونا شروع کیا۔ بنگال کے یہ آریائی فرماں روا کبھی آزادانہ حکومت کرتے اور کبھی مگدھ کے شہنشاہوں کی اطاعت کا دم بھرتے۔ بنگال کے ایک فرماں روا دیو پال نے شہنشاہ کا لقب اختیار کرلیا تھا۔ بنگال کے فرماں روا بیشتر مگدھ' اندھرا اور قنوج کے ماتحت رہے۔

آٹھویں صدی کے شروع میں بنگال پر پال خاندان نے قبضہ کیا۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا بھوپال تھا۔ پال خاندان کے سارے فرماں روایان بدھ مت کے پیرو تھے۔ اس خاندان کے تیسرے فرماں روا دیو پال نے مگدھ اور اڑیسہ کو فتح کرکے اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ ۹۱۳ء میں ماہی پال نے آبپاشی کے لیے بڑے بڑے تالاب بنوائے۔ ان تالابوں میں سے ایک تالاب دیناج پور میں اب تک ماہی پال ڈگھی کہلاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پال خاندان کو ختم کرنے کے لیے بدھ مت کے مخالف عناصر متحد ہوگئے تھے۔ چنانچہ اس خاندان کی تباہی کے بعد سینا خاندان نے بنگال پر قبضہ کیا۔ یہ ہندوؤں کا خاندان تھا۔ سینا خاندان کے بانی نے بنگال میں ہندومت کے پرچار کے لیے برہمنوں کی ایک جماعت کو قنوج سے بلایا۔ ان برہمنوں نے بنگال سے بدھ مت کے آخری آثار تک کو مٹانے کی کوشش کی۔ جب محمود غزنوی کا بیٹا پنجاب پر حکومت کر رہا تھا تو ٹھیک ان ہی دنوں میں سینا

خاندان کا ایک فرماں روا بلالہ فتوح میں مصروف تھا وہ ایک طاقت ور اور سیانا فرماں روا تھا۔ اس نے گوڑ کے قریب اپنے بیٹے لکشمن وتی کے نام پر لکھنوتی کو بسا کر اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ لکشمن سینا نے جہاں دور دراز بستیوں میں اپنی فتوح کے مینار بنوائے وہاں اس نے لکھنوتی کو خوبصورت بنانے پر ہر امکانی کوشش صرف کردی۔ سینا خاندان کے آخری فرماں روا کے عہد میں بختیار خلجی نے بنگال پر حملہ کیا۔ بنگال کے بوڑھے راجا سے کہا گیا کہ وہ شاہی محل چھوڑ کر مشرق بنگال کی طرف بھاگ جائے لیکن اس نے اپنا محل چھوڑنے سے انکار کردیا۔ اس انکار کے بعد راجدھانی کے کھاتے پیتے لوگ اور فوج کے بہت سے افسر بھاگ گئے۔ ایک دن بختیار خلجی اپنے اٹھارہ ساتھیوں کو لے کر شاہی محل کی طرف بڑھا۔ پہرہ دار ترکوں کو دیکھتے ہی بھاگ گئے راجا کو بھی آخر کار بھاگنا پڑا۔ سین خاندان یوں ختم ہوا۔ اس خاندان کے ختم ہو جانے کے بعد قریباً ایک صدی تک مشرقی و جنوبی بنگال کے چھوٹے چھوٹے راجے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔

بختیار خلجی نے سین خاندان کے آخری فرماں روا کی راجدھانی ناڈیا کی جگہ پھر سے لکھنوتی کو راجدھانی بنایا۔ اس نے کوچ بہار کے ایک راجے کی مدد سے آسام پر حملہ کیا لیکن اسے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ بختیار خلجی کے قتل کیے جانے کے بعد خلجی خاندان کے گورنر بنگال پر حکومت کرتے رہے۔ ان میں غیاث الدین خلجی بہت نامور ہے۔ اس نے لکھنوتی میں کئی ایک خوبصورت عمارات بنوائیں۔ دلی کا شہنشاہ التمش اس کے انتظام سے بہت مطمئن تھا۔ اس نے غیاث الدین کو سلطان کا لقب اختیار کرنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی لیکن لکھنوتی کا سلطان خلاف شہنشاہ دہلی، بغاوت کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ غیاث الدین نے بغاوت کردی۔ التمش فوج لے کر پہنچ گیا۔ غیاث الدین شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ جونہی التمش نے دلی کا رخ کیا غیاث الدین نے پھر فوج جمع کر کے بغاوت کا پرچم لہرا دیا۔ ۱۲۲۷ء میں التمش نے اپنے دوسرے بیٹے ناصرالدین کو باغی کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا۔ باغی مارا گیا۔ باپ نے بیٹے کو اپنی سلطنت کے ایک صوبے کا گورنر بنادیا۔ چند سال بعد ناصرالدین نے لکھنوتی ہی میں وفات پائی۔ اس کی موت کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ناصرالدین ہی کے نام سے اس کا جانشین بنا۔ یہی ناصرالدین جب دلی کا شہنشاہ بنا تو اس وقت التمش

کے تین جرنیل ایک دوسرے کے بعد بنگال کے گورنر بنے۔ تیسرے گورنر طوغان (۱۲۳۴ء۔ ۱۲۴۵ء) کے عہد میں اڑیسہ کے راجا نے بنگال پر حملہ کیا۔ اڑیسی فوج نے لکھنوتی کا محاصرہ کرلیا۔ طوغان نے اودھ کے گورنر تیمور خاں سے مدد مانگی۔ تیمور کے آتے ہی اڑیسہ کے راجہ نے لکھنوتی کا محاصرہ اٹھالیا۔ تیمور خاں نے طوغان کو مجبور کردیا کہ وہ بنگال کو اس کے حوالے کردے۔ طوغان کو اودھ کا گورنر بنادیا گیا۔ تیمور خاں کے دو جانشینوں کے عہد میں کوئی نمایاں واقعہ پیش نہ آیا۔ طغرل خاں (۱۲۵۳ء۔ ۱۲۵۸ء۔) نے اڑیسہ پر چڑھائی کی لیکن شکست کھائی۔ اس کے بعد اس نے کام روپ (آسام) پر حملہ کردیا لیکن گرفتار ہوکر قتل ہوا۔ طغرل خاں اور سلطان طغرل کی درمیانی مدت میں تین گورنروں نے بنگال پر حکومت کی۔ سلطان طغرل کی درمیانی مدت میں تین گورنروں نے بنگال پر حکومت کی سلطان طغرل نے دلی کے شہنشاہ بلبن کی نگاہوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے بعد بنگال کی گورنری پائی تھی دولت کے انباروں اور ہاتھیوں کی قطاروں نے اس کے دل میں دلی کے شہنشاہ کا مقابلہ کرنے کی امنگ پیدا کی۔ چنانچہ اس نے اپنی آزاد بادشاہت کااعلان کردیا۔ بلبن نے اودھ کے گورنر کو بنگال پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ سلطان طغرل نے اسے شکست دی' بلن نے اسے سے زیادہ طاقت ور فوج بھیجی لیکن طغرل نے شاہی فوج کو پھر شکست دی۔ بلبن اگرچہ بہت بوڑھا تھا لیکن مہمت میں جوان تھا۔ دو مرتبہ اس کی فوج شکست کھاچکی تھی۔ تیسری مرتبہ اس نے شاہی فوج کی کمان خود سنبھالی۔ بلبن نے بنگال پر چڑھائی کردی۔ شاہی فوج پانی اور دلدل میں سے گزرتی ہوئی لکھنوتی جا پہنچی۔ شاہی فوج کے آتے ہی سلطان طغرل نے جنگل کی راہ لی لیکن بلبن نے طغرل اور اس کے ساتھیوں کو تباہ کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ شاہی فوج کے ایک دستے کو طغرل کی تلاش میں بھیجا گیا۔ جب طغرل کو اس دستے کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ مارے ڈر کے گھوڑے پر سوار ہوکر دریا کی طرف بھاگ نکلا۔ جوں ہی اس نے گھوڑے کو دریا میں اتارا شاہی دستے کے چند سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا۔ ایک نے آگے بڑھ کر تیر چلایا۔ طغرل گھوڑے سے پانی میں گر پڑا۔ سپاہی نے دریا میں کود کر اسے جالیا۔ کنارے تک گھسیٹ کر اس کا سر کاٹ دیا۔ بلبن نے چین کا سانس لیا۔ لکھنوتی پہنچ کر بلبن نے باغی سلطان کے ساتھیوں کو

ان کے بال بچوں سمیت بازار میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ تین دن تک لکھنوتی میں قتل عام کرنے کے بعد بلبن نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ بنگال میں امن رکھنے کے لیے بلبن اپنے بیٹے سے بات چیت کر رہا تھا کہ اس نے اچانک شہزادے سے مخاطب ہوتے ہوئے نہایت درشتی کے ساتھ کہا: "کیا تم دیکھ چکے؟" شہزادہ اپنے باپ کے الفاظ کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ شہنشاہ نے پھر کہا: "کیا تم دیکھ چکے؟" شہزادہ پھر بھی کچھ نہ سمجھ سکا۔ تیسری مرتبہ بلبن نے اسی سوال کو دہراتے ہوئے کہا: "تم نے بازار میں میری دی ہوئی سزا دیکھ لی ہوگی۔" شہزادے نے اطاعت میں اپنی گردن جھکالی۔ باپ نے بیٹے سے یوں کہا: "اگر کبھی بدنیت لوگوں نے تمہیں دلی سے الگ ہوجانے کا مشورہ دیا تو میری اس سزا کو یاد رکھنا جو میں نے بازار میں دی تھی۔ مجھے سمجھو! اگر ہند' سندھ' مالوہ' گجرات یا لکھنوتی کے گورنروں نے دلی کے تخت کے خلاف بغاوت کی تو میں انہیں وہی سزا دوں گا جو طغرل اور اس کے ساتھیوں کو دے چکا ہوں۔" بلبن نے بغرا خاں کو دوسری بار بلا کر اسے سیاسی مسائل سے آگاہ کیا۔ لکھنوتی سے دلی جاتے وقت بلبن نے بڑی محبت سے بغرا خاں کو اپنے سینے سے لگایا (۱۲۸۲ء)۔

تین سال بعد بغرا خاں کا بڑا بھائی تاتاریوں کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ اب بلبن نے بغرا خاں کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہا لیکن بغرا خاں نے دلی جانے سے انکار کردیا۔ اس پر کیقباد کو دلی کے تخت پر بیٹھا دیا گیا۔ باپ بنگال کا گورنر تھا اور بیٹا ہندوستان کا شہنشاہ۔ شہنشاہ کے ایک وزیر نے باپ بیٹے میں ناچاقی پیدا کردی۔ بہار کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے خیمے لگائے بیٹھی تھیں کہ بنگال کے گورنر نے شہنشاہ سے ملاقات کی درخواست کی۔ وزیر نے بہت کوشش کی کہ ملاقات نہ ہوسکے لیکن جب شہنشاہ نے گورنر سے ملنے کی خواہش کی تو اسی وزیر نے شہنشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ گورنر کو شہنشاہ کے خیمہ میں آکر تین مرتبہ کورنش بجالانی چاہیے۔ ملاقات کا وقت آن پہنچا۔ گورنر شاہی خیمہ میں داخل ہوا' پہلی کورنش! چند قدم آگے بڑھ کر اس نے دوسری کورنش بجالائی۔ تخت کے قریب پہنچ کر وہ تیسری بار جھکنا چاہتا تھا کہ شہنشاہ کو آداب فرزندی یاد آگئے۔ وہ تخت سے کودا اور باپ کے قدموں میں جاگرا۔ بوڑھے گورنر نے نوجوان شہنشاہ کو اٹھا کر سینے سے لگالیا۔ کیقباد

نے بغرا خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ وزیر کے ارادے ناکام ہو گئے۔ بغرا خاں اپنی موت تک بنگال پر حکومت کرتا رہا۔ (۱۲۹۲ء)۔

جلال الدین خلجی نے کیقباد کو قتل کرنے کے بعد دلی کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ خلجی خاندان کے شہنشاہوں کے عہد حکومت میں بنگال پر بلبن خاندان ہی قابض رہا۔ بغرا خاں کی موت کے بعد اس کے دو بیٹے کیکاؤس اور فیروز ایک دوسرے کے بعد بنگال پر حکومت کرتے رہے۔ فیروز کے بعد اس کے دو بیٹوں نے بنگال کو باہم بانٹ لیا۔ شہاب الدین لکھنوتی کا فرماں روا تھا اور بہادر شاہ کی راج دھانی سنار گاؤں میں تھی۔ تھوڑی مدت کے بعد بہادر شاہ نے شہاب الدین کو لکھنوتی سے نکال دیا۔ شہاب الدین نے دلی کے شہنشاہ غیاث الدین تغلق سے مدد مانگی۔ غیاث الدین نے بنگال پر چڑھائی کرکے بہادر شاہ کو قید کرنے کے بعد شہاب الدین کو بنگال کا فرماں روا مقرر کیا۔ جوں ہی محمد تغلق دلی کا شہنشاہ ہوا اس نے بہادر شاہ کو بنگال کا گورنر بنادیا۔ بہادر شاہ زیادہ مدت تک دلی کی اطاعت نہ کرسکا۔ اس نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ محمد تغلق نے بنگال پر چڑھائی کرکے بہادر شاہ کو شکست دی۔ باغی گورنر قتل کردیا گیا (۱۳۳۳ء)

بہادر شاہ بلبن خاندان کا آخری فرماں روا تھا۔ اس کے قتل کئے جانے کے بعد شہنشاہ نے اپنے افسروں کو لکھنوتی اور سنار گاؤں کا گورنر مقرر کیا۔ ان گورنروں میں سے زیادہ طاقتور بہرام خاں تھا۔ اس کی موت (۱۳۳۷ء) کے بعد اس کے اسلحہ بردار مبارک شاہ نے آزادی کا اعلان کردیا۔ اسی اثنا میں علی شاہ نے مغربی بنگال میں آزادی کا پرچم بلند کردیا تھا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی۔ علی شاہ نے مبارک شاہ کو قتل کردیا۔ حاجی الیاس نے علی شاہ کو قتل کرنے کے بعد بنگال پر قبضہ کرلیا۔ بنگال پر قریباً ڈیڑھ صدی تک الیاس شاہی خاندان کا قبضہ رہا۔

جب حاجی الیاس نے بنگال کی آزادی کا اعلان کیا تو فیروز تغلق نے بنگال پر چڑھائی کردی۔ ایک لمبی لڑائی کے بعد شہنشاہ کو بنگال کی آزادی ماننی پڑی۔ حاجی الیاس کی موت (۱۳۵۸ء) کے بعد دلی نے بنگال کو مطیع کرنے کے لیے پھر ہلا بول دیا۔ حاجی الیاس کے بیٹے اور جانشین سکندر شاہ نے شہنشاہ کو شکست دی۔ شہنشاہ نے بنگال کے مسائل سے دست برداری اختیار کرلی۔ الیاس شاہی خاندان نے

قریباً ڈیڑھ صدی تک حکومت کی۔

بنگال کے آزاد فرماں روا حسینی خاندان کے پہلے دو بادشاہ علاء الدین حسین اور اس کا بیٹا نصرت شاہ بہت نامور ہیں۔ حسین شاہ (۱۴۹۳ء۔ ۱۵۱۹ء۔) کے عہد میں ایک بھی بغاوت نہیں ہوئی۔ دلی اور جون پور کی باہمی لڑائیوں نے بنگال کو اپنی آزادی قائم رکھنے کا موقعہ دے دیا۔ جب سکندر لودھی کو جون پور کی فتوحات سے فرصت ملی تو اس نے بہار کے ان علاقوں پر قبضہ کرلیا جو حسین شاہ کے ماتحت تھے۔ شہنشاہ کا ارادہ بنگال پر چڑھائی کرنے کا تھا کہ حسین شاہ اور سکندر لودھی میں دوستی کا معاہدہ ہوگیا۔ اس معاہدے کے بعد حسین شاہ نے اپنی توجہ بنگال کی ترقی پر صرف کی۔ اس نے کئی مدارس اور کالج قائم کئے۔ اس نے "ستیہ پیر" کے نام سے ایک ایسی تحریک چلائی جس کا مقصد مختلف مذاہب کے عوام کو ایک دوسرے سے پیار کرنا سکھانا تھا۔ بنگالی ادب میں حسین شاہ کے متعلق بہت سے گیت ہیں۔ حسین شاہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا نصرت شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی مملکت کی حدود کو بڑھایا۔ بابر اپنی "توزک" میں اسے ایک طاقت ور فرماں روا بتاتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی عمارات اب تک موجود ہیں۔ بابر نے لودھیوں کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کرلیا تھا۔ بابر سے شکست کھانے کے بعد ابراہیم لودھی کا بھائی محمود لودھی اور بہت سے افغان سرداروں نے بنگال میں پناہ لی۔ مغل عساکر نے دو مرتبہ بنگال پر چڑائی کی لیکن دونوں مرتبہ بنگال کے بادشاہ نے انہیں تحائف دے کر رخصت کیا۔ ۱۵۲۹ء میں بابر و نصرت شاہ میں دوستی کا معاہدہ ہوگیا۔ بابر کی موت کے بعد نصرت شاہ نے محمود لودھی کو دلی کا تخت حاصل کرنے کی کوشش میں مدد دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہمایوں کے سب سے بڑے دشمن سلطان بہادر شاہ (گجرات) کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ نصرت شاہ کے قتل ہوجانے (۱۵۳۳) کے بعد حسینی خاندان کے کمزور بادشاہوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دے کر ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔

پانی پت کی پہلی لڑائی کے دو سال بعد شیر شاہ نے بابر کی اطاعت اختیار کرلی۔ اگلے سال جب محمود لودھی نے بہار پر قبضہ کرلیا تو بابر نے بہار پر حملہ کرکے محمود لودھی کو بنگال کی طرف بھگا دیا۔ بابر نے بہار میں اپنا گورنر مقرر کرنے کے ساتھ ہی

شیر شاہ کو اس کی آبائی جاگیر دے دی۔ ۱۵۳۱ء میں شیر شاہ نے چنار کا قلعہ اپنے قبضے میں کرلیا۔ پانچ سال بعد شیر شاہ نے بنگال کے بادشاہ کو شکست دے کر دلی کی طرف بھگا دیا۔ ہمایوں نے بنگال پر چڑھائی کی لیکن بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ شاہی فوج کو شکست دینے کے بعد شیر شاہ نے بنگال کے نظم و نسق پر توجہ کی۔ ایک سال بعد اس نے جون پور پر قبضہ کرلیا۔ قنوج کی لڑائی میں ہمایوں کو شکست دینے کے بعد بنگال کا بادشاہ ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔ شیر شاہ کے عہد میں بنگال پر امن اور خوش حال رہا۔ اس نے سنار گاؤں۔ (مشرقی بنگال) سے دریائے سندھ کے کنارے تک ایک سڑک بنوائی۔ شیر شاہ نے بنگال کو کئی صوبوں میں تقسیم کرکے ہر صوبے کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر کیے۔ شیر شاہ کے جانشین (دلی کے تخت پر) اسلام شاہ نے بنگال کے سب صوبوں کو ملا کر محمد خاں سور کو بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ محمد خاں نے اسلام شاہ کے عہد میں مرکزی حکومت کی اطاعت کی' لیکن جب عادل شاہ دلی کے تخت پر بیٹھا تو محمد خاں نے جون پور کے چند اضلاع فتح کرلیے۔ ۱۵۵۵ء میں شاہی لشکر کے سپہ سالار ہیمو نے اسے شکست دے کر قتل کردیا۔ محمد خاں کے بیٹے اور جانشین بہادر شاہ نے اگلے سال مونگیر کی لڑائی میں شہنشاہ کو قتل کردیا۔ بہادر شاہ کے جانشین جلال الدین کی موت کے بعد اس کے بیٹے کے قتل کے ساتھ بنگال کے سوری خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

ہمایوں کی موت کے بعد جب اکبر تخت پر بیٹھا تو اس وقت سلیمان بنگال کا بادشاہ تھا۔ سلیمان نے مغل شہنشاہ کی قوت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس کی خدمت میں تحائف کے ساتھ دوستی کا پیام بھیجا۔ سلیمان کے عہد (۱۵۷۳ء) تک میں بنگال سیاسی لحاظ سے پرامن رہا۔ سلیمان کے جانشین بایزید کو بنگال کے افغان سرداروں نے ہٹا کر داؤد خاں کو بنگال کا فرماں روا بنایا۔ داؤد خاں نے سلیمان کی پالیسی کو ترک کرتے ہوئے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ شہنشاہ نے منعم خاں کی قیادت میں بنگال فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی۔ منعم خاں نے بہار کے گورنر کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا لیکن شہنشاہ نے اپنے سالار اور بادشاہ نے اپنے گورنر کے سمجھوتے کو ماننے سے انکار کردیا۔ اکبر نے خود بنگال پر چڑھائی کی۔ پٹنہ فتح کرنے کے بعد اکبر آگرہ چلا گیا۔ اسی اثنا میں داؤد خاں لڑائی کی تیاریاں کرچکا تھا۔ تین مارچ ۱۵۷۵ء کو مغل

ماڑی میں داؤد اور منعم کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ بنگال کی تاریخ میں اس لڑائی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لڑائی کے بعد بنگال پر سے افغانوں کا اقتدار ختم ہو گیا اب بنگال پر دلی کے مغل شہنشاہوں کے صوبے داروں کی حکومت کا دور شروع ہوتا ہے۔

مغل ماڑی کی لڑائی کے بعد بنگال کے افغان سرداروں نے اپنی آزادی کے لیے پھر ہلاّ بولا لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ اکبر نے حسین قلی خاں (خان جہاں) کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ اس نے بنگال' بہار اور اڑیسہ کو مطیع کیا لیکن اس کے جانشین مظفر خاں کو بنگال' بہار اور اڑیسہ کے مغل جاگیرداروں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ بنگال و بہار میں افغانوں کے اقتدار کے ختم ہونے کے بعد بنگال' بہار اور اڑیسہ کے بہت سے علاقوں پر مغل جاگیرداروں نے قبضہ کرلیا تھا۔ اسی اثنا میں اکبر کے وزیر شاہ منصور نے لگان وصول کرنے کے بارے میں بہت سی اصلاحات کیں۔ جب بنگال کے صوبے دار مظفر خاں نے ان اصلاحات کو جاری کرنا چاہا تو بنگال' بہار اور اڑیسہ کے مغل جاگیرداروں نے صوبے دار کے خلاف بغاوت کردی۔ جاگیرداروں کی اس باغی ٹولی کا سردار بابا خاں تھا۔ باغی جاگیرداروں نے مظفر خاں کو شکست دینے کے بعد قتل کردیا۔ مظفر خاں کے قتل ہو جانے کے بعد اکبر نے راجا ٹوڈر مل کو بنگال اور بہار کا صوبے دار مقرر کیا۔ ٹوڈر مل نے باغیوں پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اب اکبر نے اپنے مشہور سالار عزیز کو (خان اعظم) کا خطاب دے کر ٹوڈر مل کی جگہ بنگال و بہار کا گورنر مقرر کیا۔ خان اعظم نے ۱۵۸۲ء کے اختتام پر باغیوں کی قوت کو توڑ دیا۔ اس صورت حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اڑیسہ کے افغان سرداروں نے بھی بغاوت کردی۔ خان اعظم کے جانشین شہباز خاں نے سارے اڑیسہ کو اس شرط پر افغانوں کے حوالے کر دیا کہ وہ بنگال کے کسی حصے پر حملہ نہیں کریں گے۔ اکبر نے شہباز خاں کو واپس بلالیا۔ شہباز خاں کا جانشین زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس کی موت پر اکبر نے ۱۵۸۷ء میں مغل دربار کے نامور سالار اور مشہور سیاست داں راجا مان سنگھ کو (جو اس وقت کمار مان سنگھ تھا) بنگال و بہار کا صوبے دار مقرر کیا۔ راجا بھگوان داس کے بیٹے اور راجا بہاری مل کے پوتے مان سنگھ نے افغان سرداروں کو شکست دے کر اڑیسہ کو مغلیہ سلطنت میں

شامل کیا۔ راجا مان سنگھ نے راج محل کو اپنی راجدھانی بنا کر وہاں محل و قلعہ بنوایا۔ راجا مان سنگھ بنگال و بہار کی صوبے داری کے فرائض سرانجام دیتا رہا یہاں تک کہ اسے یہ اطلاع ملی کہ اکبر اس دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہے۔ راجا مان سنگھ نے مستعفی ہو کر آگرہ کی راہ لی تاکہ شہزادہ سلیم کی جگہ شہزادہ خسرو کو تخت دلوانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ اکبر نے سلیم کو اپنا جانشین مقرر کرکے راجا مان سنگھ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ شہزادہ سلیم، شہنشاہ جہانگیر بن گیا۔ جہانگیر نے راجا مان سنگھ کو بنگال و بہار کا صوبے دار مقرر کر دیا لیکن تھوڑی مدت بعد جہانگیر نے راجا مان سنگھ کو واپس بلا کر قطب الدین خاں کو بنگال و بہار کا صوبے دار مقرر کر دیا۔

قطب الدین کا جانشین جہانگیر قلی خاں لگان وصول کرتے وقت بہت سختی سے کام لیتا تھا۔ اس کے جانشین اسلام خاں کے عہد میں اڑیسہ کے افغانوں نے کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔ اسلام خاں کے عہد حکومت میں پرتگیزی اور اراکان کے لوگ، جنوب مشرق بنگال کے ساحلی علاقوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اسلام خاں نے حملہ آوروں کی سرگرمیوں کے مراکز کے قریب رہنے کے لیے راج محل کی جگہ ڈھاکا کو اپنی راجدھانی بنایا۔ پرتگیزوں کے مشہور سمندری ڈاکو سیستیاں گونزلے نے اراکان کے راجا کی مدد سے بنگال پر حملہ کیا۔ اسلام خاں نے سمندری ڈاکو کو شکست دینے کے بعد چٹا گانگ (چٹ گام) تک اس کا پیچھا کیا۔ اسلام خاں کی موت (۱۶۱۳ء) کے بعد اس کا بھائی قاسم خاں اس کا جانشین ہوا۔ قاسم خاں کے عہد میں اراکانیوں نے بنگال پر کئی حملے کیے۔ قاسم خاں حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس پر جہانگیر نے ۱۶۱۸ء میں ابراہیم خاں کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ نور جہاں کے چھوٹے بھائی ابراہیم خاں کے عہد میں بنگال نے زرعی و تجارتی ترقی کی۔ ڈھاکا کی ململ دور دراز ملکوں کی منڈیوں تک جا پہنچی۔ مالدا کا ریشم شہنشاہ اور اس کے درباریوں میں بہت مقبول تھا۔ بنگال کا صوبے دار بنگال کی ترقی میں مصروف تھا کہ شہنشاہ کے بیٹے شاہ جہاں نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ دکن میں شکست کھانے کے بعد وہ تلنگانہ کی راہ سے اڑیسہ میں داخل ہوا۔ اس نے نہایت آسانی سے کٹک پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہاں نے بنگال میں داخل ہو کر بردوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ صوبے دار نے بڑھ کر شہزادے کا مقابلہ

کیا لیکن لڑائی میں مارا گیا۔ شہزادے نے دو سال تک بنگال پر اپنا قبضہ رکھا۔ مہابت خاں نے شہزادے کو شکست دی۔ باپ نے بیٹے کو معاف کر دیا۔ بنگال کے آئندہ تین صوبے داروں کے عہد میں کوئی نمایاں سیاسی واقعہ دکھائی نہیں دیتا۔

شاہ جہاں نے تخت پر بیٹھتے ہی قاسم خاں جوّانی کو بنگال و بہار کا صوبے دار مقرر کیا۔

جوّانی کے عہد (۱۶۲۸ء۔ ۱۶۳۲ء) میں پرتگیزوں نے ہگلی و چٹاگانگ میں قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں۔ جوّانی کے بیٹے عنایت اللہ نے ہگلی پر حملہ کر کے پرتگیزوں کو شکست دی۔ اس کے بعد پرتگیزی بنگال میں پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ ہگلی شاہی بندرگاہ بنایا گیا۔ تھوڑی مدت میں ہگلی ایک بڑا شہر بن گیا۔ ہگلی کی رونق سنار گاؤں کی بربادی کا سبب بنی۔

قاسم خاں جوّانی کے جانشین عظیم خاں کے بعد اسلام خاں کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا گیا۔ اسلام خاں کے عہد میں چٹاگانگ کا راجا اراکان کی حکومت سے کٹ کر ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ماتحت ہو گیا۔ آسامیوں نے بنگال کے کئی شہر تباہ کرنے کے بعد ڈھاکا پر ہلا بول دیا۔ بنگال کی فوج نے حملہ آوروں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ آسامیوں سے انتقام لینے کے لیے اسلام خاں نے آسام پر چڑھائی کر دی۔ وہ کوچ بہار میں بھی داخل ہو گیا لیکن برسات نے اسے واپسی پر مجبور کر دیا۔ تھوڑی مدت بعد وہ مرکزی حکومت کا وزیر بنا دیا گیا۔ فتوح کے جس سلسلے کو اس نے شروع کیا تھا اسے کئی سال بعد میر جملہ نے پورا کیا۔

اسلام خاں کی واپسی کے بعد شہنشاہ نے اپنے بیٹے شجاع کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ شجاع کے طویل عہد میں بنگال نے زراعت' تجارت و صنعت میں بہت ترقی کی۔ شجاع نے ڈھاکا کی جگہ پھر سے راج محل کو راجدھانی بنایا۔ شجاع ہی کے عہد میں انگریز تاجروں نے بنگال میں اپنے پاؤں جمانے شروع کیے تھے۔ شجاع کا دور بنگال کی تمدنی تاریخ میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ شجاع نے شاہ جہاں کی بیماری کی خبر پا کر سلطنت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ دارا کے بیٹے سلیمان نے بنارس کے پاس شجاع کو شکست دی۔ شجاع نے بھاگ کر مونگیر میں پناہ لی۔ اسی اثنا میں اورنگ زیب تخت پر قابض ہو چکا تھا لیکن شجاع تخت حاصل کرنے

کے لیے ایک کوشش اور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا لیکن الہ آباد کے پاس اورنگ زیب و میر جملہ کی قیادت میں شاہی سپاہ نے بنگال کے باغی صوبے دار کو شکست دی۔ میر جملہ نے شجاع کا پیچھا کرتے ہوئے راج محل پر قبضہ کرلیا۔

میر جملہ نے ڈھاکا کو اپنی راجدھانی بنا کر آسام پر چڑھائی کردی۔ کوچ بہار روندنے کے بعد وہ برہم پتر کے کنارے تک پہنچ گیا۔ اب اس نے آسام کی راجدھانی پر قبضہ کرلیا۔ میر جملہ چین پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بیماری و بارش نے اس کا راستہ روک لیا۔ جب وہ گوہاٹی پہنچا تو اس کی سپاہ کا زیادہ حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ ڈھاکا پہنچنے کے تھوڑی مدت بعد وہ اس دنیا سے چل بسا (۱۶۶۴ء)

اب شہنشاہ نے آصف جاہ کے بیٹے اور ممتاز محل کے بھائی شائستہ خاں کو بنگال کا صوبے دار (۱۶۶۴ء۔۱۶۸۹ء) مقرر کیا۔ چند سال تک فدائی خاں و سلطان محمد عظیم کی صوبے داری کے علاوہ شائستہ خاں نے ایک طویل مدت تک بنگال کی صوبے داری کی۔ اس کے عہد میں ولندیزوں نے چنسورہ' فرانسیسیوں نے چندر نگر اور ڈنمارکیوں نے سری رام پور میں اپنی فیکٹریاں (تجارتی کوٹھیاں) قائم کرلیں۔ انگریزوں کی بڑی فیکٹری ہگلی میں تھی۔ شائستہ خاں نے انگریز تاجروں کی غیر ذمہ دارانہ و غیر کاروباری حرکات سے تنگ آکر ہگلی سے نکال دیا۔ اراکان کے راجے نے بھی پرتگیزوں کے ساتھ مل کر بنگال کے بعض علاقوں پر دھاوے بول دیے۔ شائستہ خاں نے اراکان پر حملہ کرنے سے پہلے پرتگیزوں کو اس سے الگ کرلیا۔ ان میں سے کئی ایک کو اس نے اپنی سپاہ میں بھرتی کرلیا اور دوسروں کو ڈھاکا میں اس جگہ بسایا جو آج بھی فرنگی بازار کہلاتا ہے۔ شائستہ خاں نے اراکان کے راجا کو اس طرح کمزور کرنے کے بعد اسے شکست دی۔ شائستہ خاں کی غیر حاضری میں انگریز تاجروں نے شہنشاہ سے بعض مراعات حاصل کرلی تھیں لیکن جب شائستہ خاں بنگال میں واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ انگریز تاجر شہنشاہ کے فرمان کے ذریعے ملی ہوئی رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے شائستہ خاں سے گنگا کے دھانے پر ایک چھوٹا سا قلعہ بنانے کی درخواست کی تو صوبے دار نے کمپنی کی اس درخواست کو نہ صرف مسترد کردیا بلکہ انگریز بیوپاریوں کو آگاہ کردیا کہ اگر انہوں نے قلعہ بنانے کی کوشش کی تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ

ہی اس نے انہیں یہ بھی بتادیا کہ آئندہ انہیں تجارتی مال پر محصول بھی دینا ہوگا۔ شائستہ خاں نے اپنے اس فیصلے سے شہنشاہ کو آگاہ کردیا۔ انگریز بیوپاریوں کو شہنشاہ کے ایک فرمان کے مطابق تین ہزار روپیہ سالانہ کے عوض درآمد و برآمد کی چنگی سے آزاد کردیا گیا تھا۔ شائستہ خاں کے اس اقدام سے چونکہ ان تاجروں کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ اس لیے انہوں نے انگلستان کے بادشاہ جیمز دوم سے نہ صرف بنگال کے صوبے دار کے خلاف بلکہ ہندوستان کے شہنشاہ کے خلاف بھی لڑائی کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ جیمز دوم کے لیے بنگال کے صوبے دار اور ہندوستان کے شہنشاہ کی قوت کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کے زیر اثر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنروں کو اس قسم کے احمقانہ اقدام کی اجازت دی ہوگی۔

۱۶۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ایک بیڑے کو چٹاگانگ فتح کرنے کے بعد ڈھاکا پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اس بیڑے کی قیادت امیر البحر نکلسن کے ہاتھ میں تھی۔ چٹاگانگ کی مضبوط قلعہ بندیوں نے اس بیڑے کو مجبور کردیا کہ وہ ہگلی کی راہ لے۔ اس بیڑے نے ہگلی پر گولے برسائے۔ اس گولہ باری میں جہاں بنگالی تاجروں اور دوسرے شہریوں کو نقصان اٹھانا پڑا وہاں انگریزوں کی اپنی فیکٹری بھی تباہ ہوگئی۔ شائستہ خاں نے انگریزوں سے ہگلی پر گولہ باری کرنے کا انتقام لینے کے لیے پٹنہ' مالدہ' ڈھاکا اور قاسم بازار کی انگریزی فیکٹریوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی سپاہ کو ہگلی بھیج دیا تاکہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے۔ اس فوج کے آنے سے پہلے ہی بنگال میں کمپنی کی فیکٹریوں کے گورنر کارنک نے انگریزوں کے بیڑے کو ہگلی سے نکال کر موجودہ کلکتہ کے قریب پہنچا دیا۔ انگریزی بیڑے کی یہ نقل و حرکت کلکتہ بسانے کا سبب بنی۔ اگلے سال کارنک نے انگریزی بیڑے کو ہگلی میں پہنچا دیا۔ کمپنی اور صوبے دار میں عارضی سمجھوتہ ٹوٹ گیا۔ اس کپتان نے بڑی تیزی کے ساتھ بنگال کی چند ساحلی بستیوں کو لوٹنے کے بعد سب انگریزوں کو مدراس لے گیا۔ ۱۶۸۹ء میں شائستہ خاں نے انگریزوں کو بنگال سے نکال دیا۔

شائستہ خاں کے مستعفی ہوجانے پر شہنشاہ نے نواب ابراہیم خاں (۱۶۸۹ء۔ ۱۶۹۶ء) کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ اس نے بنگال کی زرعی و تجارتی ترقی میں

نمایاں حصہ لیا۔ بنگال کے صوبے دار کو شہنشاہ کے حکم کے مطابق انگریزوں کو مدراس سے بنگال آنے کی دعوت دینی پڑی۔ چونکہ ہندوستان کے شہنشاہ کے پاس مضبوط سمندری بیڑہ نہیں تھا اس لیے انگریزوں نے ہندوستان کے مشرقی ساحل پر تاجروں اور حاجیوں کے جہازوں کو لوٹنا شروع کردیا۔ شہنشاہ نے اس لوٹ اور مار کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں کو بنگال میں اپنی شرائط پر تجارت کرنے کی اجازت دے دی جو شاہ جہاں کے ایک فرمان کی رو سے انہیں مل چکی تھیں (تین ہزار روپیہ سالانہ کی پیش کش) ایک سال تک بنگال سے باہر رکھے جانے کے بعد انگریز تجار پھر بنگال میں چلے آئے۔ آئندہ چار سال میں دو مرتبہ ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے جن سے کلکتہ کے انگریزوں کی تجارت پر برا اثر پڑنے کا احتمال تھا۔ پہلا موقع اس وقت پیدا ہوا جب کہ ۱۶۹۲ء میں عثمانی خلیفہ نے شہنشاہ اورنگ زیب کو لکھا کہ وہ یورپی سوداگروں کو بنگال سے شورہ لے جانے کی اجازت نہ دے کیوں کہ اس سے یورپ ممالک میں جو بارود تیار کیا جاتا ہے وہ بیشتر ترکوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرا موقع تین سال بعد پیدا ہوا جب کہ ایک انگریز سمندری ڈاکو نے حاجیوں کے دو جہازوں کو لوٹ لیا۔ دونوں موقعوں پر اورنگ زیب نے انگریزوں کو تجارتی حقوق سے محروم کردینے کے احکام جاری کیے لیکن صوبے دار ابراہیم خاں نے دونوں مرتبہ شہنشاہ کو انگریزوں کے حق میں راضی کرلیا۔

بنگال کے انگریز تجار کو کافی مدت سے یہ احساس تھا کہ بمبئی اور مدراس کے انگریز بیوپاری دلی کے شہنشاہ کی ناخوشی اور ناراضی کے باوجود لین دین کرسکتے ہیں لیکن ان کے لیے شہنشاہ کی خفگی تجارت کے دروازے بند کردیتی ہے۔ بمبئی میں انگریزوں کی قلعہ بندیاں تھیں۔ مدراس میں بھی ان کا ایک قلعہ تھا' وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح انہیں کلکتہ میں قلعہ بنانے کی اجازت مل جائے لیکن اس کے لئے نہ صوبہ دار تیار تھا اور نہ شہنشاہ اس کی اجازت دیتا تھا لیکن اس کے باوجود کلکتہ میں فورٹ ولیم کھڑا کردیا گیا۔ ہوا یوں کہ ۱۶۹۶ء میں بردوان کے ایک جاگیردار سوبھا سنگھ نے رحیم خاں کو ساتھ ملا کر بردوان کے راجا کرشنا رام پر ہلا بول دیا۔ اس نے بردوان پر قبضہ کرنے کے بعد راجا کو قتل کردیا۔ دوسرے حلے میں اس نے ہگلی پر قبضہ کرلیا۔ جب سوبھا سنگھ کی بغاوت نے خطرناک صورت اختیار کرلی تو کلکتہ کے

انگریزوں، چنسورہ کے ولندیزوں اور چندر نگر کے فرانسیسیوں نے بنگال کے صوبے دار سے اپنی فیکٹریوں کو قلعہ بند کرنے کی اجازت مانگی۔ صوبے دار نے جواب دیا کہ "وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کرلیں۔" اس طرح بنگال کے انگریز تجار کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔ چونکہ اس وقت انگلستان کے بادشاہ کا نام ولیم تھا، اس لیے انگریزوں نے کلکتہ میں جو قلعہ بنوایا اسے اپنے بادشاہ سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "فورٹ ولیم" رکھا۔

نواب ابراہیم خاں کی فوج نے ولندیزوں کی مدد سے بہت جلد ہگلی پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اسی اثنا میں سوبھا سنگھ نے بردوان کی راہ لی۔ اب باغیوں نے رحیم خاں کی قیادت میں مرشد آباد کا رخ کیا۔ سوبھا سنگھ کی موت بنگالی ادب میں ایک عام موضوع ہے۔ بردوان کے راجے کو قتل کرنے اور شہر لوٹنے کے بعد اس نے راجے کی بیٹی کو جو حسن و اخلاق کے لیے مشہور تھی قید کردیا۔ بردوان واپس آنے پر اس نے راج کماری پر تشدد کرنا چاہا لیکن بہادر راج کماری کے خنجر کے ایک ہی وار سے پاپی ڈھیر ہوگیا۔ اسی خنجر سے اس نے اپنا کام بھی تمام کرلیا۔ نواب ابراہیم خاں کے ڈھیلے پن نے رحیم خاں کو موقعہ دیا کہ وہ راج محل سے مدناپور کے درمیانی علاقے پر قابض ہوجائے۔ ان حالات میں دلی کے شہنشاہ نے ابراہیم خاں کو واپس بلالیا اور اپنے پوتے عظیم الشان (سلطان معظم بعد میں بہادر شاہ بادشاہ عالم اول کے بیٹے) کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ شہزادہ عظیم الشان کے پہنچنے سے پہلے ابراہیم خاں کے بیٹے زبردست خاں نے ۱۶۹۷ء میں راج محل کے قریب باغیوں کو شکست دی۔ ایک سال بعد عظیم الشان نے رحیم خاں کو لڑائی میں مار دیا۔

عظیم الشان ۱۷۰۶ء تک بنگال میں رہا لیکن چھ سال بعد میں بھی جب کہ وہ بنگال سے باہر رہا وہ برائے نام بنگال کا صوبے دار تھا۔ اس کے عہد کا نمایاں ترین واقعہ یہ ہے کہ ۱۶۹۶ء میں انگریز سوداگروں نے گوبندپور اور کلکتہ خرید لیے۔ اس طرح کمپنی نے بنگال میں ایک علاقہ حاصل کرلیا لیکن وہ صوبے دار ہی کے مطیع تھے۔ اس وقت تک انگریزوں کی دو حریف کمپنیاں ہندوستان سے تجارت کر رہی تھیں۔ ان کی رقابت ختم کرنے کے لیے ۱۷۰۸ء میں دونوں کمپنیوں کو ملا کر وہ کمپنی بنی جو ہندوستان کی تاریخ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کہلاتی ہے۔ اس اتحاد کے بعد دونوں

کا سرمایہ فورٹ ولیم میں پہنچا دیا گیا۔ فورٹ ولیم کے محافظ سپاہیوں کی تعداد ایک سو تیس کردی گئی۔ چند ایک توپوں کو قلعہ کی دیواروں پر چڑھا دیا گیا۔ فورٹ ولیم کے بن جانے کے بعد بہت جلد کلکتہ ایک بارونق بستی بن گئی۔

عظیم الشان کی غیر حاضری میں بنگال کے دیوان مرشد قلی کو بنگال کا قائم مقام صوبے دار (ناظم) مقرر کردیا۔ فرخ سیر کو اگرچہ مرشد قلی کا نائب مقرر کیا گیا تھا لیکن وہ مرشد آباد کے محل سے باہر نکلنا مشکل ہی سے گوارا کرتا تھا۔ بہادر شاہ کی موت کے بعد ۱۷۱۲ء میں عظیم الشان' سلطنت حاصل کرنے کی جدوجہد میں مارا گیا اور اس کا بڑا بھائی جہاں دار شاہ کا لقب اختیار کرکے دلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے سب رشتے داروں کو قتل کروادیا تاکہ تخت کا کوئی مدعی باقی نہ رہنے پائے۔ فرخ سیر چونکہ بنگال میں رہتا تھا اس لیے دلی کی تلوار سے بچ نکلا۔ اس نے مرشد قلی سے مدد مانگی تاکہ جہاں دار شاہ کو قتل کرسکے۔ لیکن اس نے مدد دینے سے انکار کردیا۔ اس پر فرخ سیر بنگال سے چلا گیا۔ راہ میں بہار کے گورنر سید حسین اور الہ آباد کے گورنر سید عبداللہ نے اس کی مدد کی۔ فرخ سیر نے آگرہ کے قریب جہاں دار شاہ کو شکست دینے اور قتل کرنے کے بعد دلی کے تخت پر قبضہ کرلیا۔

اس مدت میں جب تخت دلی کے لیے شہزادگان میں لڑائیاں ہو رہی تھیں مرشد قلی نے بنگال میں پنی قوت کو بڑھا لیا۔ اس کی پروا نہ کرتے ہوئے کہ دلی کے تخت پر کون ہے' وہ ہر سال مرکزی حکومت کے خزانے میں مالیہ بھیجتا رہا۔ اس طرح وہ ہر نئے شہنشاہ کی نظروں میں سماتا رہا۔ اس نے سولہ سال میں ساڑھے سولہ کروڑ روپیہ دلی بھیجا۔ ٹوڈرمل و شجاع کے بعد مرشد قلی نے بنگال کی مال گزاری کی نئی فرد تیار کی۔ اس نے بہت سے جاگیرداروں کی زمینیں ضبط کرلیں تاکہ حکومت براہ راست لگان وصول کرسکے۔ مرشد قلی کے اس اقدام سے بنگال کی آمدنی بہت بڑھ گئی اور کسان پہلے کی نسبت اچھی حالت میں ہوگئے۔ اس کے عہد میں ایک کروڑ بیالیس لاکھ روپیہ سالانہ لگان وصول ہوتا تھا۔ اس کے عہد میں کسان براہ راست حکومت سے زمین حاصل کرتے تھے۔ لگان وصول کرنے کے لیے اس نے دیوانی کے محکمے میں بہت سی اصلاحات کی تھیں۔

فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد ۱۷۱۳ء میں مرشد قلی کو بنگال کا دیوان بھی مقرر

کردیا گیا۔ اس طرح بنگال کی نظامت اور دیوانی کے دو بڑے عہدے جو اکبر کے وقت سے الگ الگ تھے ایک ہی حاکم کے سپرد کردیے گئے۔ اس طرح مرشد قلی کو قوت پہلے سے بڑھ گئی۔ اس سال اس نے حکم دیا کہ انگریز تجار بھی دوسروں کی طرح چنگی ادا کیا کریں۔ اس حکم کے خلاف اپیل کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک نمائندہ دلی گیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح شہنشاہ سے یہ اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی چنگی ادا کیے بغیر لین دین کرتی رہے اور وہ کلکتہ کے نواح کے اڑتیس گاؤں خرید سکتی ہے نیز یہ کہ مرشد آباد کی ٹکسال ہفتے میں تین دن کمپنی کے لیے سکہ ڈھالا کرے اور بنگال کا صوبے دار کمپنی کے مقروضوں کو پکڑوا کر کمپنی کے حوالے کردے۔ مرشد قلی نے شاہی فرمان کے تین احکام مان لیے اور ساتھ ہی کلکتہ کے نواح کے زمینداروں کو سختی سے منع کردیا کہ وہ اپنی زمینیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ شاہی فرمان سے ملی ہوئی ان تین رعایتوں نے انگریز تجار کو بہت فائدہ پہنچایا۔ کلکتہ کی رونق بڑھنے لگی۔

مرشد قلی کے بعد اس کا داماد نواب شجاع الدین بنگال کا صوبے دار مقرر ہوا۔ نواب نے چار ارکان پر مشتمل ایک کونسل بنائی۔ جس کے فیصلوں کو حکومت عملی صورت دیتی تھی۔ رائے عالم چند، حاجی احمد، جگت سیٹھ اور علی وردی خاں اس کونسل کے ارکان تھے۔ مرشد قلی کے زمانے میں بنگال کی سپاہ میں پانچ ہزار سپاہی تھے لیکن شجاع الدین نے اس میں بیس ہزار سپاہیوں کا اضافہ کیا۔ ۱۷۳۲ء میں شجاع الدین نے چند علاقوں کو فتح کرکے انہیں بنگال میں شامل کیا۔

شجاع الدین کی موت (۱۷۴۰ء) کے بعد حکومت بنگال کی کونسل کے ایک رکن علی وردی خان (جو اس وقت بہار کا ناظم تھا) نے شجاع الدین کے بیٹے سرفراز کو مرشد آباد کے قریب شکست دے کر بنگال کی صوبے داری پر قبضہ کرلیا۔ اس زمانے میں دلی کی مرکزی حکومت بہت کمزور ہوچکی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علی وردی خاں نے بنگال میں آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی۔ بنگال کی طرح دوسرے صوبوں نے بھی اپنی اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ ان آزاد حکومتوں کو مرہٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۷۴۱ء میں رگھوجی بھونسلا (برار) کے ایک جرنل بکمر راؤ نے بنگال پر حملہ کرکے علی وردی خاں کو بردواں کے قریب گھیرلیا۔ میر حبیب

کی قیادت میں برار کی فوج نے مرشد آباد لوٹا۔ علی وردی خاں کی ہوشیاری نے برار کی فوج کو مرشد آباد سے باہر نکل جانے پر مجبور کردیا۔ برار کی فوج نے مغربی بنگال کے بڑے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ایک سال تک لڑنے کے بعد علی وردی نے کٹوا کی لڑائی میں برار کی فوج کو شکست دی۔ اس لڑائی کے دوران مغربی بنگال کے بہت سے رہنے والوں نے ہگلی پار کرکے کلکتہ میں پناہ لی۔ انگریزوں نے کلکتہ کے بچاؤ کے لیے علی وردی سے کلکتہ کے اردگرد خندق کھودنے کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ یہ خندق "مرہٹہ کھائی" کہلاتی ہے۔

۱۷۴۳ء میں رگھوجی بھونسلا (برابر) اور بالاجی پیشوا (پونا) دونوں نے بنگال پر چڑھائی کی لیکن علی وردی نے بالاجی پیشوا کو رگھوجی بھونسلا کی فوج کے ساتھ لڑوایا دیا۔ برار کی فوج کو پونا کی فوج نے بنگال سے نکال دیا۔ لیکن اگلے سال بکسرر راؤ نے بنگال پر پھر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ بنگال پر حملوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ۱۷۵۱ء میں علی وردی نے کٹک کو مرہٹوں کے حوالے کردیا۔ دس سال کے لڑائی جھگڑوں کے بعد علی وردی نے بنگال کو خوش حال بنانے کی طرف توجہ کی۔ اس نے مٹی ہوئی بستیوں اور اجڑے ہوئے کھیتوں کو پھر سے آباد کرایا۔ علی وردی کے عہد کی باقی مدت میں بنگالیوں کو کسی آفت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ۱۷۵۶ء میں علی وردی کی موت کے بعد اس کا پوتا سراج الدولہ بنگال کے تخت پر بیٹھا۔

باب ۶

سراج الدولہ

علی وردی کے عہد میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائیاں صرف دکن تک محدود رہیں۔ کلکتہ اور چندر نگر ان لڑائیوں سے بے خبر تھے۔ علی وردی کی موجودگی میں یورپی قومیں بنگال کو اپنی حکمت عملی کا شکار نہ بنا سکتی تھیں لیکن اس پر بھی علی وردی یورپی قوموں کے عزائم سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ مرنے سے پیشتر اس نے سراج الدولہ کو ان الفاظ میں وصیت کی:۔

> "مغربی قوموں کی اس قوت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا جو انہیں ہندوستان میں حاصل ہے۔ اگر میری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہوچکا ہوتا تو تمہارے اس اندیشہ کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کردیتا۔ اس کام کی تکمیل تیرے ذمہ ہے' میرے چراغ! دکن میں ان کی سیاسی سرگرمیوں سے سبق حاصل کرو۔ ذاتی جنگوں میں الجھ کر انہوں نے اکبر اعظم کی رعایا کے اموال و املاک پر قبضہ جما لیا ہے۔ ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں کو تباہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ سب سے پہلے انگریزوں کی قوت کو توڑنا۔۔۔۔
> سنو بیٹا! انہیں سپاہی رکھنے اور قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینا۔ اگر ایسا ہوا تو بنگال تمہارا نہیں۔"

قطع نظر اس سے کہ یہ الفاظ علی وردی کی زبان سے نکلے یا ہال ویل کے افسانہ طراز ذہن کا نتیجہ ہیں ان الفاظ سے سراج الدولہ کی مشکلات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ۱۵ اپریل ۱۷۵۶ء کو وہ علی وردی کی وصیت پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہوگیا۔ کمپنی کا رویہ سراج الدولہ سے بے حد معاندانہ تھا۔ ژین لا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے: "انگریزوں نے دربار سراج سے تمام تعلقات منقطع کرلیے ہیں۔ بارہا

انہوں نے سراج الدولہ کو قاسم بازار کی فیکٹری میں داخل ہونے سے روکا۔"

انگریزوں نے سراج الدولہ کی تخت نشینی کے موقع پر رسمی تحائف نہیں بھیجے تھے۔ انگریز سراج الدولہ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ کمپنی کے ملازم تاجرانہ مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے۔ سراج الدولہ کے خزانہ پر کمپنی کی ان بداعمالیوں کا بہت برا اثر پڑا۔ انگریزوں نے کلکتہ کے قلعہ کو نواب کی اجازت کے بغیر مستحکم کرنا شروع کردیا۔ انگریزوں نے ڈھاکہ کے دیوان راج بلب کے بیٹے کرشن داس کو اپنے ہاں پناہ دی۔ سراج الدولہ کے پیہم اصرار پر بھی انگریزوں نے اسے نواب کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ کرشن داس کو صرف اس لیے پناہ دی گئی تھی کہ اس کا باپ ڈھاکا کا دیوان ہونے کی صورت میں انگریزوں کے لیے بے حد مفید ہو سکتا تھا۔

ان اسباب نے سراج الدولہ کو مجبور کردیا کہ وہ انگریزوں کو اپنی مملکت سے باہر نکال دے۔ "سراج الدولہ انگریزوں پر حملہ کرے۔" تاریخ کا یہ فتویٰ تھا۔ ایک انگریز مصنف ہل ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "سراج الدولہ کا انگریزوں پر حملہ حق بہ جانب تھا۔" انگریزوں کو اپنی مملکت سے باہر نکالنے کے لیے سراج الدولہ قاسم بازار کی فیکٹری پر حملہ آور ہوا۔ فیکٹری زیادہ مستحکم اور مضبوط نہ تھی۔ نواب کی فوجوں کا مقابلہ غیر ممکن تھا۔ انگریز سپاہی تعداد میں بہت کم تھے۔ فیکٹری کی تسخیر پر نواب کے سپاہیوں کا ایک بھی کارتوس ضائع نہ ہوا۔ اب سراج نے کلکتہ کا رخ کیا۔ بنگال کے بد ترین موسم میں قاسم بازار سے کلکتہ تک کا فوجی کوچ سراج کی قابلیت کا بہترین ثبوت ہے۔ سراج کی فوجوں کو آتے دیکھ کر کلکتہ کے انگریز تاجروں نے وہاں کی مقامی آبادی کا ذرہ بھر خیال نہ کیا۔ تحفظ رعایا کے فرائض کو آگ کے شعلوں سے پورا کیا گیا۔ وہاں کی مقامی آبادی کے مکانوں کو نذر آتش کردیا گیا۔ کلکتہ کے مقامی باشندوں سے اس قسم کا سلوک کیا جارہا تھا لیکن آرمینیوں اور پرتگیزوں کے بیوی بچوں کو اپنے ہاں پناہ دی گئی۔

امی چند کلکتہ میں تھا۔ اس کا وجود انگریز تاجروں کے لیے بہت مفید تھا لیکن انہوں نے ایک غدار پر اعتماد نہ کیا۔ انہیں خیال تھا کہ کہیں اس کی رگ و ثنیت میں خون انتقام نہ ابل پڑے۔ یہ محض ان کا "حسن ظن" تھا۔ غداران ازلی کے

وہم و گمان میں بھی ملک و ملت کی بھی خواہی کا تصور نہیں آسکتا۔ انگریز سپاہیوں نے اس کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ اس نے کسی قسم کی مزاحمت کیے بغیر اپنے تئیں انگریزوں کے سپرد کردیا۔ اس کے بھائی ہزاری مل اور کرشن داس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ انگریز سپاہیوں پر گولی چلائیں۔ ہزاری مل اس وقت تک انگریزوں سے لڑتا رہا جب تک اس کا بایاں ہاتھ ضائع نہیں ہوگیا۔ انگریز سپاہی امی چند کے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ ان کے عزائم محتاج بیان نہیں۔ امی چند کے نوکروں کا جمعدار دیویوں کی توہین کس طرح برداشت کرسکتا تھا؟ وہ انتقام چاہتا تھا۔ انگریز سپاہیوں سے لڑتے ہوئے اسے اپنی جان کھو دینے میں کوئی دریغ نہ تھا۔ "کیا میری موت دیویوں کی آبرو بچا سکتی ہے؟" اس نے خیال کیا۔ "کبھی نہیں" اس نے خود ہی جواب دیا۔ موت اجنبی سپاہیوں کے لیے شہوانی حرکتوں کے دروازے کھول دے گی۔ نوکر اپنے لہو کی آگ میں جل رہا تھا۔ دیویوں کی عصمت دری کو وہ اپنی موت کے بعد بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ خادم نے اپنے آقا کے مکان کو شعلوں کی صورت میں تبدیل کردیا خنجر کے تیرہ حملوں نے اسی قدر دیویوں کو آغوش مرگ میں سلادیا۔ کیا اسے اب زندہ رہنے کا حق تھا؟ شاید اس نے خیال کیا ہو۔ تکمیل وفا کے لیے یہی خون آلود خنجر قاتل کے سینے کی طرف بڑھتا ہے۔

نواب ۱۶ جون ۱۷۵۶ء کو کلکتہ پہنچا۔ تین دن بعد نواب کی فوجوں نے فورٹ ولیم پر حملہ کیا۔ نواب کے فرانسیسی اور پرتگالی توپچیوں نے انگریزی قلعہ پر گولے برساتے وقت نمک حرامی کا ثبوت دیا۔ اس امر کے باوجود انگریز' نواب کی فوجوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے۔ قاسم بازار کی فتح پر نواب نے انگریزوں پر صلح کا دروازہ بند نہیں کیا تھا لیکن فورٹ ولیم کے افسروں نے نواب صلح کی گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ اب سرکشی صلح پر آمادہ تھی۔ انگریز خجالت کے سبب نواب کے سامنے نہیں جاتے تھے۔ ناچار انگریزوں نے امی چند کو ثالث کے فرائض سرانجام دینے پر مقرر کیا۔ امی چند نے اپنی گزشتہ تحقیر و تذلیل کے پیش نظر انگریزوں کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار کردیا۔ راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ انگریزوں کے پاس اور کوئی ذریعہ نجات نہ تھا۔

فورٹ ولیم سراج کے قدموں پر تھا۔ نواب برطانی خطرہ کو ہمیشہ کے لیے ختم

کر سکتا تھا لیکن اس موقع پر بھی نواب کی فطری رحم دلی جذبات انتقام پر غالب آئی۔ برطانی مورخوں نے نواب کی اس کامیابی کے ساتھ ایک حکایت کو وابستہ کر رکھا ہے۔ اس حکایت کا عنوان "بلیک ہول" ہے اس افسانہ پر پورا زور قلم صرف کرتے ہوئے ہل لکھتا ہے:۔

مقامی سپاہیوں نے یورپی آبادی کے مال و اسباب کو لوٹا لیکن یورپی لوگوں سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی۔ مذہبی پیشوا نماز شکرانہ ادا کر رہے تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا تغیر رونما ہوا۔ بعض یورپی سپاہیوں نے نشہ میں بدمست ہو کر دیسی سپاہیوں کی تذلیل کی۔ ان سپاہیوں نے نواب سے شکایت کی۔ نواب کے دریافت کرنے پر کہ اس قسم کے بدسلوک سپاہیوں کو انگریز کہاں قید کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ "بلیک ہول" ایسے لوگوں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ نواب نے حکم دیا کہ انہیں رات کے وقت اس میں بند کر دیا جائے۔ نواب کے افسروں نے بدسلوک سپاہیوں اور دوسرے جنگی اسیروں میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ ایک سو چھیالیس انگریزوں کو رات کے وقت ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا جس کا رقبہ اٹھارہ مربع فٹ تھا۔ ہولناک تکالیف' قطرہ آب کے لیے تڑپ اور ملکی سپاہیوں کی دل لگی کو ہال ویل نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ روح فرسا واقع برطانی ہندوستان کی تاریخ میں نہیں مل سکتا۔ سات بجے شام سے چھ بجے صبح تک یہ مصیبت جاری رہی۔ ملکی افسروں میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ نواب کی نیند میں مخل ہو کر اسے اس واقعہ سے اگاہ کرتے۔ مصیبت نواب کی بیداری تک جاری رہی۔ ایک سو چھیالیس قیدی داخل ہوئے اور صرف تیئس زندہ نکلے۔"

سراج الدولہ کو بدنام کرنے کے لیے انگریزوں نے بلیک ہول کے حادثہ کو اس انداز میں پیش کیا کہ پونے دو سو سال تک سراج' ہندی اور غیر ہندی مورخوں کے تیروں کا نشانہ بنا رہا۔ اس واقعہ کی تغلیط کے لیے اکاشی کمار مترا نے بنگالی زبان میں "سراج الدولہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ چندر ۱۸۹۵ء میں کلکتہ یونیورسٹی میگزین میں لکھتے ہیں:۔

مجھے بلیک ہول کے واقعہ کی صحت سے انکار ہے۔ اس واقعہ کی سب سے پہلے نشر و اشاعت کرنے والا ہال ویل ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ ۱۴۶ انسان ۱۸ مربع فٹ کمرہ میں ہرگز نہیں سما سکتے' خواہ انہیں انار کے دانوں کی طرح کیوں نہ بند کیا جائے۔ چونکہ اس حادثہ میں اقلیدس اور ریاضی ایک دوسرے سے متضاد ہیں اس لیے اس واقعہ کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔"

بنگالی مورخ باسو اسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے "ہندوستان میں نصرانی حکومت کا اقتدار" میں لکھتا ہے:۔

"ہم عصر مورخین اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کرتے۔ سیرالمتاخرین کا مصنف خاموش ہے۔ مدراس کونسل کے مباحث میں اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ کلاؤ اور واٹسن کے ان خطوط میں جو انہوں نے نواب کو لکھے اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ علی نگر کے عہد نامہ میں اس واقع کا کوئی تذکرہ نہیں۔ سراج الدولہ کی تخت سے معزولی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے جو خطوط کلاؤ نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھے ان میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں۔ انگریزوں نے میر جعفر سے جو معاہدہ کیا اس میں بلیک ہول کے حادثہ میں مرنے والوں کے پسماندگان کی اعانت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔..... ہال ویل نے سلکٹ کمپنی کے سامنے جو یادداشت پڑھی اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔"

سراج الدولہ نے کلکتہ کو علی نگر میں تبدیل کرتے ہوئے راجا مانک چندر کو حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ سراج اگر چاہتا تو انگریزوں کا کام تمام کردیتا۔ قلعہ میں پناہ گرین انگریزوں کی طرف توجہ کرنا سراج نے اپنی توہین خیال کیا۔ اس کے خیال میں انگریز ہواؤں کے موافق ہوتے ہی مدراس چلے جائیں گے۔ سراج ۲۴۔ جون ۱۷۵۶ء کو روانہ ہوکر ۱۱۔ جولائی ۱۷۵۶ء کو مرشد آباد پہنچا۔

قاسم بازار اور کلکتہ کی شکستوں نے مدراس کونسل میں ہیجان پیدا کردیا۔ کونسل کے ارکان نے نہ صرف بنگال میں تاجرانہ مراعات واپس لینے کی سعی کی بلکہ انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کثیر فوج سے کلکتہ فتح کرنے کے بعد نواب کے خلاف

سازش کا بازار گرم کردیں گے۔ چنانچہ یکم اکتوبر ۱۷۵۶ء میں آٹھ سو یورپی اور تیرہ سو دیسی سپاہی بنگال کی طرف روانہ ہوئے۔ بحری و بری فوجوں کے کمانڈر واٹسن اور کلاوٓ تھے۔ دسمبر ۱۷۵۶ء میں انگریزی فوجیں منزل مقصود پر پہنچ گئیں۔

۱۷۔ دسمبر ۱۷۵۶ء کو واٹسن اور کلاوٓ نے نواب کو نیم تحکمانہ اور نیم صلح جویانہ خطوط لکھے۔ ان میں بھی بلیک ہول کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ واٹسن اور کلاوٓ نے مانک چند سے سازش کی۔ چنانچہ ڈم ڈم کے مضبوط اور مستحکم قلعہ سے اس کا نصف گھنٹہ لڑنے کے بعد بھاگ جانا اس امر ابہت بڑا ثبوت ہے۔ ۲۹۔ دسمبر ۱۷۵۶ء کو انگریزوں نے ڈم ڈم کا قلعہ فتح کرلیا۔ اب مانک چند کی غیر حاضری میں کلکتہ کی فتح بہت آسان تھی۔ فاتح انگریزوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے فورٹ ولیم میں اپنے تجارتی مال و اسباب کو بالکل اسی طرح پایا جس طرح وہ چھوڑ گئے تھے۔ مفرور باغیوں کے املاک و اسباب کی حفاظت اسی سراج کے حکم سے ہو رہی ہے۔

ہگلی میں نواب کی فوجی قوت کم دیکھتے ہوئے کلاوٓ اور اس کے ساتھیوں نے ہگلی پر حملہ کرکے لوگوں کے مال و متاع پر قبضہ کرلیا۔ کمپنی کے سپاہی نواب کی نیکیوں کا صلہ اس صورت میں ادا کر رہے تھے:۔

۱۱ جنوری ۱۷۵۷ء کا دن قلعہ کے اردگرد کے مکانات لوٹنے میں صرف ہوا۔ ۔ ۔ سات دن تک انگریزی فوجیں دیسی آبادی میں لوٹ مار مچاتی رہیں۔ بعض سپاہی اس بہانہ سے ولندیزی علاقہ میں داخل ہوگئے کہ نواب کی رعایا اس علاقہ میں پناہ گزین ہو رہی تھی۔"

کمپنی کی ان جاحانہ حرکات سے سراج کی آنکھوں میں خون اتر آنا یقینی تھا۔ وہ اگر اس موقعہ کو بنائے مخاصمت قرار دیتے ہوئے بنگال میں ہر انگریز تاجر کی جائداد ضبط کرلیتا تو عسکری اخلاقیات کی قطعاً" خلاف ورزی نہ ہوتی لیکن نواب نے ہر بار سوداگروں کی قوم سے شریفانہ سلوک روا رکھا۔ اب پھر سراج اس کوشش میں تھا کہ تمام معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا جائے۔ چنانچہ سراج نے مندرجہ ذیل سطور ایک مکتوب کی صورت میں امیر البحر واٹسن کو بھیجیں:۔

"آپ نے ہگلی پر قبضہ کرنے کے بعد میری رعایا کے مال و اسباب کو

لوٹا۔ یہ حرکات سوداگروں کے لیے ٹھیک نہیں۔ میں مرشد آباد سے روانہ ہو کر ہگلی کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ میں اپنی فوجوں سمیت دریا عبور کر رہا ہوں۔ میری فوج کا ایک مختصر حصہ آپ کے معسکر کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ ان امور کے باوجود اگر آپ صلح پر راضی ہیں تو بات چیت کے لیے ابھی ایک نمائندہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں کمپنی کو سابقہ مراعات دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرے مقبوضات میں بسنے والے انگریز اگر میرے احکام کی اطاعت کریں اور مجھے تنگ کرنے کی حکمت عملی چھوڑ دیں تو آپ یقین جانیں کہ میں ان کے نقصان کی تلافی مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تسلی کردوں گا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ سپاہیوں کو لوٹ مار سے نہیں روکا جاسکتا۔ تاہم آپ سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے لیے میں ان نقصانات کی بھی تلافی کردوں گا۔ آپ عیسائی ہوتے ہوئے خوب جانتے ہیں کہ جنگ کے شعلوں کو سرد کر دینا انہیں ہوا دینے سے بہتر ہے۔ لیکن اگر آپ جنگ کے ذریعے کمپنی اور اس کے افراد کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو اس میں میری کون سی خطا ہے؟ اس قسم کی تباہ کن جنگ کو ختم کرنے کے لیے میں اپنا مکتوب بھیج رہا ہوں۔"

نواب ۴۔ فروری ۱۷۵۷ء کو کلکتہ پہنچا۔ اب کلاؤ نے کمپنی کی طرف سے نواب کے خیمے میں دو نمائندے بھیجے جو بظاہر صلح کی بات چیت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کا مقصد نواب کے خیمے کی فوجی قوت کا اندازہ لگانا تھا رات کے وقت یہ جاسوس اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔ خیموں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے چراغ گل کردیے تاکہ نواب کے پہرہ دار یہ خیال کریں کہ نمائندے محو خواب ہیں۔ تاریکی شب میں یہی نمائندے واپس جاکر کلاؤ کو کل حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ فقط ان دو نمائندوں کے طرز عمل سے ساری کمپنی کی سیاسی خواہش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایم ژین لا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:۔

"اگلے روز یعنی ۵۔ جنوری کو چار بجے صبح گہرے دھندلکے میں کمپنی کی فوج نے کلاؤ کے زیر قیادت ٹھیک اسی خیمے پر حملہ کیا جہاں کمپنی کے دو نمائندوں نے سراج کو اسی رات دیکھا تھا۔ اچھا ہوا کہ سراج اس

خیمے میں نہ تھا۔ نواب کے دیوان نے اسے دوسری جگہ رات بسر کرنے کا مشورہ دیا۔ انگریز سپاہیوں نے سراج کے ایک سو اٹھاون سپاہی قتل کیے۔ سراج خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا۔ کلکتہ سے سولہ میل ادھر جا کر اس نے سانس لیا۔ سراج کے سپاہیوں اور ایک ایرانی رسالہ نے جم کر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ روشنی نمودار ہونے کو تھی اس لیے کلاؤ واپس چلا گیا۔ اس لڑائی میں انگریزی فوج کے دو سو سپاہی کام آئے۔"

دربار سراج میں غدار پیدا کیے جا چکے تھے۔ ان حالات میں نواب کا انگریزوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ نواب نے ۹۔ فروری ۱۷۵۷ء کو عہد نامہ علی نگر پر دستخط کر دیے۔ اس عہد نامے کی مندرجہ ذیل دفعات تھیں:۔

(۱) ان تمام مراعات کا تسلیم کرنا جو شہنشاہ دہلی نے کمپنی کو دے رکھی تھیں۔

(۲) برطانی پروانہ راہ داری کے ذریعے بنگال' بہار اور اڑیسہ میں کمپنی کا مال بغیر چنگی دیے داخل ہو گا۔

(۳) نواب اس نقصان کی تلافی کرے جو کمپنی کے ارکان کو نواب کے سپاہیوں کے سبب ہوا۔

(۴) انگریز حسب منشا کلکتہ کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

(۵) انگریزوں کو اپنا سکہ جاری کرنے کا حق ہو گا۔

(۶) برطانی قوم اور کمپنی کی طرف سے کلاؤ اور واٹسن وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک نواب اس عہد نامہ پر عمل پیرا ہو گا وہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گے۔

ابھی اس عہد نامے کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ کلاؤ کو نواب سے مزید مطالبات منظور کرانے کی فکر ہوئی۔ کمپنی اس فوری عہد شکنی کو کام میں نہ لا سکی۔ تاہم کمپنی نے نواب کو اس امر پر رضامند کر لیا کہ کمپنی کا ایک سفیر مرشد آباد میں رہے گا۔ کمپنی کی طرف سے واٹسن سفیر مقرر ہوا کمپنی کا یہ سفیر دربار مرشد اباد میں کامیاب سازش پیدا کرنے کے لیے امی چند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اب سراج کا تخت اس کے لیے کانٹوں کا بچھونا تھا۔ واٹسن ہی نے فورٹ ولیم میں یہ پیام بھیجا تھا

کہ چندر نگر کی فرانسیسی بستی پر حملہ کیا جائے۔ کمپنی کے ارکان نے نواب سے اس حملے کی اجازت چاہی، نواب نے جواب میں کہا کہ انگریزوں کا چندر نگر پر حملہ معاہدے کی صریحا" خلاف ورزی ہے۔ کیوں کہ چندر نگر اس کی مملکت کا ایک حصہ ہے لیکن انگریز چدر نگر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے چندر نگر پر حملہ کرکے بنگال میں فرانسیسی اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا۔ انگریزوں کے اس حملے کی روک تھام کے لیے نواب نے نند کمار کو حکم دیا کہ وہ انگریزوں کو ہگلی سے آگے نہ بڑھنے دے لیکن رشوت نے نند کمار کو مزامت میں اس قدر نرم کردیا کہ انگریزوں کا اپنے ارادوں میں کامیاب ہونا بہت آسان ہو گیا۔

کمپنی کا سفیر امی چند کی مدد سے نواب کے لیے مصیبتوں کا پہاڑ تیار کر رہا تھا۔ چنانچہ چند دنوں میں کمپنی نے لطف خان، میر جعفر مانک چند، راج بلب اور درلاب ایسے سازشی پیدا کرلیے۔ ان حالات میں سراج کا زندہ رہنا بہت مشکل ہو گیا۔

امی چند کے ذریعہ میر جعفر کے دل میں تاج و تخت کی خواہش پیدا کرائی گئی۔ میر جعفر سازش میں شریک ہو گیا۔ میر جعفر نے وعدہ کیا کہ اگر اسے نواب بنایا گیا تو وہ انگریزوں کو جنگی اخراجات کے علاوہ ایک کروڑ چھہتر لاکھ روپیہ دے گا۔ سازش کو کامیاب بنانے کے لیے امی چند نے بھی تیس لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ کلاؤ نے دو اقرار نامے تیار کیے۔ جعلی اقرار نامے میں امی چند کے مطالبات کا ذکر کیا گیا۔ کلاؤ نے چاہا کہ واٹسن بھی اس جعلی سازی میں شریک ہو لیکن بے سود۔ کلاؤ نے واٹسن کے جعلی دستخط کرنے کے بعد امی چند کو مطمئن کردیا۔

سراج الدولہ کے دربار کے سب سازشیوں نے اسے انگریزوں سے لڑنے کا مشورہ دیا۔ سراج الدولہ کو اپنے امیروں اور اپنے فوجی سرداروں کی سازشوں کا پتا چل چکا تھا۔ اسے ان پر اعتماد نہیں تھا۔ سراج الدولہ نے فرانسیسی جنرل بسی کو مدد کے لیے پکارا لیکن بے سود۔ اس نے مرہٹوں کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن ادھر سے کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے دلی کو صورت حالات سے آگاہ کیا لیکن وہاں کیا دھرا تھا۔ اودھ نے بھی سراج الدولہ کی درخواست کو ٹھکرادیا۔ اسی اثنا میں اسے معلوم ہوا کہ امیر البحر واٹسن اور میر جعفر میں ایک ملاقات بھی ہو چکی ہے۔ بیرونی امداد سے مایوس ہونے پر اس نے اپنے سرداروں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے پر پھر

آمادہ کرنا چاہا۔ اس نے ان سرداروں کو بنگال کی نازک سیاسی حالت اور ان کے فرض سے آگاہ کیا۔ میر جعفر اور دوسرے سازشی سرداروں نے سراج الدولہ کے وفادار رہنے کی قسم کھائی۔ اب سراج الدولہ نے اپنی فوج کو پلاسی کے میدان کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ۲۱ جون ۱۷۵۷ء کو سراج الدولہ کی فوج پلاسی کے میدان میں پہنچ گئی۔ ادھر کلاؤ بھی اپنی فوج لیے ہوئے پلاسی پہنچ گیا۔

کرنل سلیمین کے الفاظ میں "جس مقام پر سراج الدولہ نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں سے دریا مڑ کر گھوڑے کے سم کی شکل اختیار کرتا ہے اس کے دونوں سرے اندر کی طرف مڑ کر ایک جزیرہ نما کی شکل بناتے ہیں۔ اس کے جنوبی سرے سے خندقوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو دریا کی طرف دو سو گز چلا گیا ہے اور وہاں سے گھوم کر شمال کی طرف تین میل تک چلا جاتا ہے۔ اس کونے پر ایک موڑ تھا جہاں نواب نے چند توپیں چڑھا دی تھیں۔ یہاں سے مشرق کی طرف تین سو گز پر ایک ٹیلا تھا جس کے اردگرد جنگل تھا۔ جنوب میں آٹھ سو گز کے فاصلے پر باغ کے قریب ایک تالاب تھا۔ اس تالاب سے سو گز جنوب میں ایک اور بڑا تالاب تھا۔ ان دونوں کے ارد گرد مٹی کا ایک مضبوط پشتہ تھا جو پہاڑی ٹیلے کے ساتھ مل کر اس مقام کو نہایت اہم بنادیتا ہے۔ جو فوج بھی اس پر قبضہ کرے اس کے لیے یہ پشتہ بہت مفید ہے سراج الدولہ کی کچھ فوج اس جزیرہ نما میں تھی اور کچھ درمیانی خندقوں میں۔ نواب کی فوج کا نہایت کارآمد دستہ وہ تھا جس میں چالیس پچاس فرانسیسی' سین فریس کی قیادت میں تھے۔ ان کے پاس چار ہلکی توپیں تھیں۔ ۲۳ جون کی صبح کو سراج الدولہ اپنی فوج کو خندقوں سے نکال کر کلاؤ کے پڑاؤ کی طرف بڑھا۔ اکثر دستے پوری ترتیب سے بڑھ رہے تھے۔ سین فریس سب سے آگے تھا۔ اس نے کلاؤ کے باغ کے قریب بڑے تالاب پر قیام کیا۔ اس کے دائیں طرف دریا کے قریب چند بھاری توپیں ایک دیسی افسر کی قیادت میں تھیں۔ ان دونوں کے پیچھے اتنے فاصلے پر کہ ضرورت کے وقت وہ ان کی مدد کر سکیں نواب کے سپہ سالار میر میدان کی قیادت میں پانچ ہزار سوار اور سات ہزار پیدل تھے۔ نواب کی باقی فوج ایک کمان کی شکل میں ترتیب دی گئی تھی جس کا ایک سرا پڑاؤ کے قریب کے ٹیلے پر تھا اور وہاں سے گھوم کر دوسرا سرا باغ کے جنوب مشرقی کنارے تک جاتا تھا۔ دونوں سروں کے

درمیان بہت سی پیدل اور سوار فوج تھی۔ میر جعفر کی فوج انگریزی فوج کے قریب تھی۔ اس کے بعد لطف خاں اور راجا درلاب کی فوجیں تھیں۔ نواب کی فوجوں کی اس ترتیب سے باغ میں مقیم انگریزی فوج ایک طرف نواب کی فوج سے اور دوسری طرف دریا نے گھیری ہوئی تھی لیکن میر جعفر کی موعودہ غداری کے پیش نظر سب سے بڑا خطرہ سین فریس کے دستے اور میر میدان کی فوج سے رہ جاتا تھا۔ کلاؤ نے شکار گاہ (نواب سراج الدولہ کی بنائی ہوئی جو اس باغ کے قریب ہی تھی جہاں انگریزی فوج نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے) کی چھت سے نواب کی فوج کی ترتیب کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا کہ اگر نواب کی فوجی سرداروں نے تھوڑی سی وفاداری سے بھی کام لیا تو وہ بڑی آسانی سے انگریزی فوج کو روک سکیں گے۔ اسی اثنا میں سین فریس نے گولہ باری شروع کردی اس کے بعد نواب کی ساری فوج نے گولیاں برسانی شروع کردیں لیکن ان کی گولیاں اونچی گئیں اور بہت کم نقصان پہنچا سکیں۔ کلاؤ نے ایک دستے کو شکار گاہ میں اور دوسرے کو اینٹوں کے ٹیلے کے قریب چھوڑا۔ باقی فوج سمیت وہ باغ کے اندر چلا گیا۔ کلاؤ کی اس پسپائی سے حملہ آور کے دل بڑھ گئے۔ وہ اپنی توپوں کو اور آگے لے آئے ان کی آگ پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی۔ انگریزی فوج کے لیے یہ آتش بازی بھی زیادہ نقصان پہنچانے والی ثابت نہ ہوئی کیونکہ انگریزی فوجیں درختوں اور پشتے کی آڑ میں تھیں۔ گیارہ بجے کے قریب باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ نواب کے نقصانات انگریزوں سے زیادہ رہے۔ کلاؤ نے اپنے خاص افسروں کو مشورے کے لیے بلایا اور طے کیا کہ آدھی رات تک اسی جگہ پر قیام کیا جائے اور اس کے بعد نواب کے پڑاؤ پر چھاپا مارا جائے۔ کلاؤ کی مجلس مشاورت کے برخاست ہوتے ہی موسلادھار پانی پڑنے لگا۔ آدھ گھنٹہ بارش ہوتی رہی۔ نواب کی فوجوں کی آتش بازی بھی کم ہوتی چلی گئی یہاں تک نواب کی توپیں خاموش ہوگئیں۔ نواب کے افسروں نے بارود کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بارش نے اسے بے کار کردیا۔ جب نواب کی سوار فوج نے یہ خیال کرکے حملہ کیا کہ بارش نے انگریزوں کی بارود کو بھی خراب کردیا ہوگا تو ان کا سختی سے مقابلہ کیا گیا انگریزی توپوں کی گولہ باری نے انہیں پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کردیا۔ میر میدان بھی اسی معرکے میں کام آیا۔ اس وفادار اور بہادر سپاہی کی موت نے نواب کے

حوصلے پست کردیے۔ اب اس نے میر جعفر کو بلایا اور اس سے امداد کے لیے کہا۔ میر جعفر نے نواب کی مدد کرنے کا دوبارہ وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا کرنے کی جگہ اس نے کلاؤ کو تمام حالات سے آگاہ کردیا اور اسے آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ اس نوجوان نواب سے جس کے گرد غدار جمع تھے اور جس کا وفادار جنرل میدان جنگ میں کام آچکا تھا ہمدردی کئے بغیر رہنا غیر ممکن ہے۔ میر جعفر کے بعد راجا درلاب اس کے پاس پہنچا۔ انگریزی فوج آگے بڑھ رہی تھی اور راجا درلاب کے سپاہی پیچھے ہٹ رہے تھے۔ نواب بہت زیادہ پریشان تھا۔ راجا درلاب نے نواب کو اور ڈرایا۔ اس نے نواب سے کہا کہ لڑائی میں شکست ہوچکی ہے اس لیے مرشد آباد چلنا ہی بہتر ہے۔ نواب نے مصیبت کے وقت اپنی جان بچانے اور اپنے خاندان کا وجود قائم رکھنے کے لیے غدار کی بات مان لی۔ اپنی فوجوں کو خندوقوں میں واپس ہونے کا حکم دے کر وہ ایک تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہوا اور اپنے ساتھ دو ہزار سواروں کو لے کر راجدھانی کی طرف چل دیا۔ نواب کی فوج خندقوں میں واپس ہونے لگی۔ صرف فرانسیسیوں کا دستہ میدان میں باقی تھا لیکن جب اس نے انگریزوں کی ہمت اور اپنے بے کسی پر غور کیا تو اس نے بھی خندقوں کے قریب کے موڑ پر پہنچ کر اپنی توپیں وہاں جمادیں۔ جب انگریزوں کی فوج آگے بڑھ رہی تھی تو میر جعفر کی فوج نواب کی پیچھے ہٹنے والی فوج کے پیچھے آتی ہوئی دکھائی دی اس کے بعد یہ دیکھا گیا کہ باغ کی شمالی حد تک بڑھنے کے بعد وہ بائیں ہاتھ کو مڑی اور اسی سمت آگے بڑھنے لگی۔ انگریزوں نے پہلے یہ خیال کیا کہ یہ فوج ان کے مال و اسباب پر ٹوٹ پڑنے والی ہے لہٰذا ایک دستے کو ایک توپ دے کر اسے روکنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ یہ فوج پھر رک گئی اور آہستہ آہستہ دوسری فوجوں سے دور ہٹنے لگی اور ایک دوسری سمت میں آگئی۔ کلاؤ کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ فوج میر جعفر کی ہے اب اس نے نواب کی فوج پر ہلا بول دیا۔ سین فریس نے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جب نواب کی ساری فوج بھاگ نکلی تو اسے بھی اپنی توپیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ جب یہ فوج اپنے سرداروں کی غداری کے سبب بھاگ رہی تھی تو میر جعفر نے اپنے قاصد کے ذریعہ کلاؤ سے ملاقات کی درخواست کی۔ "اس نے جواب میں کہا کہ کل صبح داؤد پور میں ملاقات ہوگی۔" یہ مقام مرشد اباد سے بیس میل جنوب

میں ہے آئر کوٹ کی کمان میں ایک دستے نے بھاگتی ہوئی فوج کا پیچھا کیا۔ اگلے دن انگریزی فوجیں داؤد پور میں جمع ہو گئیں۔"

۲۴۔ جون ۱۷۵۷ء کو کلاؤ اور میر جعفر میں ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات اس معاہدے کی تعمیل کے لیے کی گئی جو پلاسی کی لڑائی سے پہلے کلاؤ اور میر جعفر میں طے پاچکا تھا۔ میر جعفر نے وعدہ کیا تھا کہ اگر کلاؤ نے اسے مرشد آباد کی گدی پر بٹھا دیا تو وہ جنگی اخراجات کے علاوہ انگریزوں کو ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپیہ دے گا۔ اس ملاقات میں کلاؤ نے میر جعفر کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً" مرشد آباد پہنچ کر خزانے پر قبضہ کرے۔ میر جعفر اپنی فوج سمیت شام کو مرشد آباد پہنچ گیا۔

سراج الدولہ پلاسی سے بھاگ کر اسی شام مرشد آباد پہنچ گیا تھا دوسرے دن جب اسے اپنی فوج کی تباہی کی خبر ملی تو وہ اپنی بیوی سمیت مرشد آباد سے بھاگ نکلا۔ راج محل پہنچ کر اس نے ایک ویران باغ میں رات گزارنی چاہی لیکن چند لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ اسے میر جعفر کے حوالے کردیا گیا۔ میر جعفر نے اسے قید کردیا۔ رات کو میر جعفر کے بیٹے میرن نے اسے قتل کردیا۔

باب ۷

میر جعفر

داؤد پور میں چند دن ٹھہرنے کے بعد کلاؤ مادھو پور پہنچا۔ چند دن کے قیام کے بعد ۲۹۔ جولائی ۱۷۵۷ء کو کلاؤ مرشد آباد میں داخل ہوا۔ میر جعفر کے بیٹے میرن نے اس کا استقبال کیا۔ جب وہ نواب کے محل میں داخل ہوا تو میر جعفر اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ کلاؤ آداب بجالایا اور میر جعفر کو گدی تک لے گیا۔ میر جعفر نے گدی پر بیٹھنے میں پس و پیش کیا لیکن اس نے گدی پر بٹھلاتے ہوئے نواب کو سو اشرفیوں کی نذر پیش کی اور ایک ترجمان کے ذریعہ نواب کے امیروں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں نئے نواب کا وفادار رہنے کے لیے کہا۔

جب میر جعفر نے مرشد آباد کے خزانے پر قبضہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ خزانے میں جو روپیہ ہے وہ اس معاہدے کی شرطوں کو پورا نہیں کرسکتا جو اس نے کلاؤ سے کر رکھا تھا۔ چنانچہ کلاؤ کے نمائندوں نے میر جعفر کے ساتھ یہ طے کیا کہ کل رقم میں سے آدھی ادا کردی جائے اور باقی آدھی تین برابر سالانہ اقساط میں دی جائے۔ امی چند کو ایک پیسہ بھی نہ دیا گیا۔ مال غنیمت کی اس تقسیم میں صرف امی چند ہی کو محروم نہیں رکھا بلکہ اس تقسیم میں بدمزگی کے بہت سے واقعات پیدا ہوئے۔

میر جعفر کا خزانہ خالی ہوچکا تھا لیکن اس پر بھی اسے ان اقساط کی ادائیگی کی فکر تھی جو اس کے ذمے باقی تھیں۔ خزانے کو پر کرنے کے لیے اس نے اپنی رعایا ہی کو لوٹنا چاہا۔ رعایا میں بے چینی اور جاگیرداروں میں بغاوت پیدا ہو رہی تھی۔ میر جعفر نے جاگیرداروں کی بغاوت دبانے کے لیے کلاؤ کو کلکتہ سے بلا بھیجا۔ ۱۷۔ نومبر

۱۷۵۷ء کو کلاؤ چار سو انگریز اور تین سو دیسی سپاہیوں کو لے کر مرشد آباد کی طرف چل دیا۔ اسی اثنا میں بہار میں بغاوت نے زور پکڑ لیا تھا۔ اب کلاؤ نے میر جعفر سے یہ مطالبہ کیا کہ جب تک باقی رقم ادا نہیں کردی جاتی اس وقت تک اس کا ایک سپاہی بھی باغی سرداروں کے خلاف لڑنے کے لیے ایک قدم نہیں اٹھائے گا۔ چنانچہ قرار پایا کہ کلاؤ کو مرشد آباد کے خزانے سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ دیا جائے۔ بردوان، کشن گڑھ اور ہگلی کی کمال گزاری سے ساڑھے دس لاکھ روپیہ اور اپریل ۱۷۵۸ء تک ان ہی اضلاع کی مال گزاری میں سے انیس لاکھ روپیہ انگریزوں کو دیا جائے اسی سلسلے میں کلکتہ کے جنوبی علاقے کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیا گیا۔ اب میر جعفر اور کلاؤ پٹنہ پہنچے۔ میر جعفر کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلاؤ نے بہار کے شورے کی تجارت کا اجارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دلوادیا۔ ۱۴۔ اپریل ۱۷۵۸ء کو دلی سے ایک شاہی فرمان آیا جس میں نہ صرف میر جعفر کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کا گورنر تسلیم کرلیا گیا تھا بلکہ کلاؤ کو چھ ہزاری کا منصب دے کر اس کا شمار دربار دلی کے امیروں میں کیا گیا۔ اب میر جعفر مرشد آباد اور کلاؤ کلکتہ چلا گیا کلکتہ پہنچ کر وہ فورٹ ولیم مضبوط کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اسی اثنا میں کمپنی کے ڈائریکٹروں کی طرف سے ایک چٹھی ملی جس میں بنگال کے انگریزی مقبوضات کے انتظام کو دس اشخاص کے سپرد کیا گیا تھا۔ چونکہ چٹھی لکھنے اور اس کے بھیجنے کی درمیانی مدت میں حالات تبدیل ہوچکے تھے اسی لیے ان اشخاص نے کلاؤ کو اپنی مجلس کا صدر مقرر کیا۔ یاد رہے کہ اس چٹھی میں کلاؤ کا نام درج نہیں تھا۔

میر جعفر کی مشکلات ہر روز بڑھتی جارہی تھیں سب سے بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ عالمگیر دوم کے بڑے بیٹے عالی گوہر نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کرکے بہار پر حملہ کردیا۔ اس نے پٹنہ کا محاصرہ کرلیا اب میر جعفر نے کلاؤ سے پھر مدد مانگی۔ ادھر دلی کے شہنشاہ نے کلاؤ کو ولی عہد کی بغاوت فرو کرنے کے لیے کہا۔ میر جعفر اور کلاؤ اپنی فوجوں سمیت ۸ اپریل ۱۷۵۹ء کو پٹنہ میں داخل ہوئے۔ چار دن پہلے باغی شہزادہ پٹنہ سے واپس ہوچکا تھا۔ اس کامیابی کے بدلے میں بھی میر جعفر کو کچھ نہ کچھ دینا اور کلاؤ کو لینا تھا۔ میر جعفر نے پٹنہ سے واپس ہوکر کلکتہ کا وہ جنوبی علاقہ

جسے کمپنی نے پٹے پر حاصل کیا ہوا تھا کلاؤ کو جاگیر میں دے دیا۔

بنگال میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تجارتی و سیاسی اقتدار نے ولندیزوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ انہوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ انگریزوں کو بنگال سے نکال کر رہیں گے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۷۵۹ء میں ولندیزوں نے کلکتہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنی جنگی بیڑے کو حرکت دی۔ ولندیزی بیڑے کو ہگلی میں شکست ہوئی اور کرنل فورڈ نے چنسورہ کے قریب ولندیزوں کی بری فوج کو شکست دی۔ ان شکستوں کے بعد ولندیزوں نے ہندوستان میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کو تو جاری رکھا لیکن ہندوستان کی سیاست میں کبھی دخل نہ دیا۔

اکتوبر ۱۷۵۶ء میں کلاؤ جن ارادوں کے ساتھ بنگال آیا تھا وہ سب کے سب پورے ہوچکے تھے۔ میر جعفر اگرچہ بنگال کا نواب تھا لیکن بنگال کے سیاسی و معاشی آمور کلکتہ کونسل کے ہاتھ میں تھے۔ ولندیزوں کو شکست ہوچکی تھی' کلاؤ نے بہت دولت جمع کرلی تھی۔ کلاؤ فروری ۱۷۶۰ء میں انگلستان چلا گیا۔ کلاؤ کے چلے جانے کے بعد وین شارٹ بنگال کے انگریزی مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا۔ وہ جولائی ۱۷۶۰ء میں کلکتہ پہنچا۔ اس درمیانی مدت میں ہال ویل قائم مقام گورنر تھا۔

میر جعفر کے لیے اپنی حکومت کو جاری رکھنا غیر ممکن ہوچکا تھا۔ کلکتہ کونسل کی موجودگی یں اس کا خزانہ کبھی نہیں بھر سکتا تھا۔ اس نے جس تخت کے لیے سراج الدولہ سے غداری کی تھی وہ اس کے لیے کانٹوں کا بچھونا ثابت ہوا۔ میر جعفر اب کلکتہ کونسل کے لیے مفید نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اسے گدی سے اتارنے کے لیے کلکتہ کونسل کے خفیہ اجلاس ہونے شروع ہوئے۔ ان اجلاس کا صدر بنگال کا گورنر ہوتا تھا اس خفیہ مجلس کے اجلاس ستمبر ۱۷۶۰ء میں بہت ہوئے۔ ایک اجلاس میں مجلس نے موجودہ حالات پر ان الفاظ میں بتصرہ کیا کرنل کلاؤ کے پیدا کردہ انقلاب نے ہمارے اثر و رسوخ کا دائرہ بہت وسیع کردیا۔ اب اس وسیع دائرہ پر اپنا اثر جاری و ساری رکھنے کے یے ہماری عسکری قوت میں بھی اضافہ ہو۔ ایک ہزار انگریزی اور پانچ ہزار دیسی سپاہ پر مشتمل فوج کے لیے بہت روپیہ درکار ہے۔... اس لیے ہمیں نواب سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ کمپنی کے لیے مزید ذرائع آمد پیدا کرے۔... ہمارا دائرہ اقتدار بے شک وسیع ہے لیکن پائدار نہیں۔ ہمیں اپنی قوت میں اضافہ

کرنا ہے تاکہ بروقت کام آسکے۔"

وین سٹارٹ نے میر قاسم اور ہال ویل نے رائے درلاب سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ انگریز اپنے عزائم میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۷۶۰ء میں میر جعفر کو تخت سے اتار دیا گیا۔ میر جعفر نے انگریزوں کے لیے پلاسی میں سراج کی فوجوں کو شکست دلوائی۔ مرشد آباد کی جوئے زر کا رخ کلکتہ کی طرف پھیر دیا۔ کمپنی کے عہدہ داروں کو خوش کیا۔ کلاؤ کو پچیس لاکھ روپیہ دیا۔ عہد نامہ کی حرف بہ حرف پیروی کی۔ لیکن انگریزوں نے جب دیکھا کہ میر جعفر سے زیادہ میر قاسم مفید ہو سکتا ہے تو انہوں نے میر جعفر کو تخت سے علیحدہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ سراج کی زندگی میں کمپنی کے ذمہ دار ارکان نے ایسے مکتوب لندن روانہ کیے جن میں سراج کو ظالم اور جعفر کو رحم دل ثابت کرنے میں انگریزی ادبیات کی تمام بلاغت صرف کردی۔ لیکن اب اسی جعفر کے قلمی چہرے کو اس قدر تاریک پیش کیا جارہا تھا کہ جعفر، سراج سے کہیں زیادہ ظالم دکھائی دینے لگا۔ انگریزوں نے نئے نواب کو اس شرط پر فوجی مدد دینے کا وعدہ کیا کہ بردوان، مدناپور اور چٹاگانگ کے اضلاع کمپنی کے حوالے کردیے جائیں اور یہ کہ میر قاسم کلکتہ کونسل کے ممبروں کو "تحائف" پیش کرے۔ میر جعفر کی درخواست پر اسے کلکتہ میں پناہ دی گئی۔

میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہد نامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا لیکن اس کے باوجود کمپنی نے اپنے مظالم میں کمی واقع نہ کی۔ مظالم کی فہرست میں ہر روز اضافہ ہوتا رہا۔ میر قاسم نے کمپنی کو بیس لاکھ روپیہ نقد دیا۔ بنگال کے تین زرخیز اضلاع انگریزوں کے حوالے کیے۔ کمپنی کو اپنا سکہ جاری کرنے کی اجازت دی لیکن انگریزی کاسہ آزہنوز خالی تھا۔ سونے کا پہاڑ بھی اس سنہری بھوک کے لیے ناکافی تھا۔ انگریز میر قاسم اور اس کی رعایا کو نیم عریاں اور نیم گرسنہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ بنگال کی تمام تر تجارت اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے تھے۔ میر قاسم ان شرائط کی پابندی پر بھی رضامند تھا لیکن انگریزی مطالبات کے تیروں نے اس معاہدہ کو بھی چھلنی کردیا۔ انگریزوں نے میر قاسم کو مجبور کردیا کہ وہ چند لمحات کے لیے امن و صلح کے دعاوی سے منہ پھیر کر عہد شکنوں سے نپٹ لے۔

باب ۸

میر قاسم

میر قاسم کا باپ بنگال کے جاگیرداروں میں سے تھا۔ رضی خاں نے اپنے بیٹے کی تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ کی۔ اس نے ریاضیات اور ہیئت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ نوجوان میر قاسم نے میر جعفر کی لڑکی سے شادی کی۔ اس شادی نے میر قاسم کو بنگال کی سیاست میں ایک نمایاں جگہ دلوادی مرشد آباد کی دربار میں اس کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ علی وردی اور سراج الدولہ کے عہد حکومت میں میر قاسم اپنی شخصیت کو بنگال کی سیاست میں ممتاز نہ کرسکا لیکن جب میر جعفر گدی پر بیٹھا تو بنگال کے نظم و نسق میں نمایاں حصہ لینے لگا۔ سراج الدولہ کو پکڑنے اور اس کی بیوی سے بدسلوکی کرنے میں میر جعفر کا بیٹا اور اس کا داماد دونوں برابر کے شریک تھے۔

میر جعفر نے گدی پر بیٹھتے ہی میر قاسم کو رنگ پور کا حاکم مقرر کیا۔ رنگ پور میں اس نے ان فرانسیسیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جو سراج الدولہ کے قتل کے بعد ڈھاکا سے رنگ پور بھاگ گئے تھے۔ ۱۷۵۹ء میں جب بنگال پر شمالی مغرب اور جنوب مغرب سے حملے ہورہے تھے تو میر جعفر نے ایک فوج کو میر قاسم کی کمان میں پٹنہ بھیجا تھا لیکن میر قاسم نے عالی گوہر کی فوجوں کے مقابلے میں کسی قسم کی فوجی قابلیت کا ثبوت نہ دیا۔ جب ۱۷۶۰ء کے شروع میں عالی گوہر نے بہار پر پھر حملہ کیا تو کیلاڈ اور شہزادہ میرن اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔ عالی گوہر کو فائدہ پہنچانے کے لیے مرہٹے بھی بنگال میں داخل ہوگئے۔ میر جعفر نے اپنے داماد کو مرہٹوں کی روک تھام کے لیے بردوان روانہ کیا لیکن اس معرکے میں بھی میر قاسم بہتر سپاہی ثابت نہ ہوسکا۔ میدان جنگ کو اپنے لیے غیر موزوں خیال کرتے ہوئے

میر قاسم نے پٹنہ میں نائب مقرر کیے جانے کی کوشش کی لیکن میرن اپنے بہنوئی کو اتنے بڑے عہدے پر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ جب میر قاسم اس عہدے کے لیے انگریزوں سے ساز باز کر رہا تھا تو میر جعفر کا بیٹا میرن بجلی گرنے سے ہلاک ہو گیا۔ میرن کی موت نے میر جعفر کو بہت زیادہ ذہنی صدمہ پہنچایا۔ کلکتہ کونسل کی مداخلت نے بنگال کی حالت کو پہلے ہی خراب کر رکھا تھا اس حادثے کے بعد میر جعفر کی پریشانی نے حالات کو مزید خراب کر دیا۔ بہار کی فوجوں نے بغاوت کردی' کیلاڈ نے بڑی مشکل سے ان پر قابو پایا۔ نواب کی مالی مشکلات نے مرشد آباد میں بحران پیدا کر رکھا تھا۔ نواب کے ذمے دو کروڑ روپیہ واجب الادا تھا۔ بیر بھوم کے راجا نے مرشد آباد پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ بردوان کے علاقے میں مرہٹوں نے لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ نواب کے لیے اس صورت حالات کا مقابلہ کرنا بہت دشوار ہو چکا تھا۔ ان حالات سے میر قاسم نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ سپاہیوں کو کئی مہینوں سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ انہوں نے تنگ آکر نواب کو "چہل ستون" میں گھیر لیا۔ اب میر قاسم نے باغی سپاہیوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اپنی گرہ سے دو لاکھ روپیہ ان میں بانٹ دیا اور بقایہ رقم دینے کا بھی وعدہ کرلیا۔ میر جعفر نے اس پر بھی میر قاسم کو اپنا جانشین مقرر نہ کیا۔ میر قاسم نے چونکہ مرشداباد میں بڑا نام پالیا تھا اس لیے اسے راج دھانی اور خاندانی امور سے دور رکھنے کے لیے میر جعفر نے اسے حورینیا کا فوج دار مقرر کیا۔ میر جعفر نے میرن کے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔ اب میر قاسم نے بنگال کی مسند حاصل کرنے کے لیے ہر جائز اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کا تہیہ کرلیا۔ میر قاسم نے مرشد اباد کے درباریوں میں سے درلاب اور راج بلبھ کو سازش میں شریک کرلیا۔ دربار میں اپنے حامی پیدا کرنے کے بعد اس نے کلکتہ کونسل کا رخ کیا کلکتہ کونسل کے ممبروں کو سازش میں شریک کرنے کے لیے اس نے مرشد آباد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریزیڈنٹ ہیسٹنگز سے سازباز کی۔ انگلستان جانے سے تھوڑی مدت پہلے کلاؤ بھی میر قاسم کی اس سازش میں شریک ہو گیا تھا' کلاؤ کے چلے جانے کے بعد اس نے ہال ویل سے ساز باز شروع کر دی جو اس زمانے میں بنگال کے انگریزی مقبوضات کا قائم مقام گورنر تھا۔ فروری ۱۷۶۰ء میں

میر قاسم نے ہال ویل سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد ہال ویل نے میر قاسم کی علانیہ حمایت شروع کردی۔ ہال ویل اور ہیسٹنگز نے میر جعفر کو ترغیب دی کہ وہ اپنے پوتے کی جگہ میر قاسم کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ میر قاسم اسی سازباز میں مصروف تھا کہ بنگال کے انگریزی مقبوضات کا نیا گورنر وین سٹارٹ کلکتہ پہنچ گیا۔ میر قاسم نے چاہا کہ ہال ویل کی مدد سے وہ نئے گورنر سے ملاقات کرے۔ ۱۵۔ ستمبر ۱۷۶۰ء کو میر قاسم نے کلکتہ میں ہال ویل سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں میر قاسم نے ہال ویل کو یقین دلایا کہ اگر اسے بنگال کا نواب بنادیا گیا تو وہ بہت سے اضلاع کو کمپنی کے حوالے کرکے کمپنی کی بقایہ رقم ادا کردے گا۔ وین سٹارٹ نے میر قاسم کو فوجی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ کلکتہ میں کمپنی کا خزانہ خالی ہوچکا تھا۔ "بنگال آرمی" کے اخراجات پورا کرنے کے لیے روپے کی ضرورت تھی' میر قاسم کی حمایت کرکے وین سٹارٹ کلکتہ کے خالی خزانہ کو پھر بھرنا چاہتا تھا۔ ابتدائی بات چیت کے بعد میر قاسم اور کمپنی میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔ یہ معاہدہ کرنے کے بعد میری قاسم کلکتہ سے چلا گیا۔ ۲۔ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو وین سٹارٹ اور کرنل کیلاڈ انگریزی فوج لے کر مرشد آباد چل دیے تاکہ وقت پر میر قاسم کی مدد کرسکیں اور اس فوجی قوت کے زور پر میر قاسم سے خفیہ معاہدے کی شرطوں پر عمل کرواسکیں۔

۱۵۔ اکتوبر کو میر جعفر نے مراد باغ میں وین سٹارٹ سے ملاقات کی' اس ملاقات میں وین سٹارٹ نے نواب کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ میر قاسم کو اپنا جانشین مقرر کرے لیکن نواب نے گورنر کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ وین سٹارٹ کے اپنے الفاظ میں "میں نے ہر چیز کو انتہائی ڈراؤنی صورت میں پیش کیا تاکہ میں آسانی کے ساتھ اس سے مجوزہ شرطیں منواسکتا۔" میر جعفر بد دل ہوکر واپس ہوا۔ اگلے دن وین سٹارٹ نے نواب سے ملاقات کی۔ دو دن بعد میر جعفر اور وین سٹارٹ میں مراد باغ میں سیاسی بات چیت شروع ہوئی۔ وین سٹارٹ نے نواب کے نظم و نسق میں بہت سی خامیاں بیان کرتے ہوئے اسے مشورہ دیا کہ وہ دربار کے بہت سے عہدے داروں کو ہٹا کر کلی نظم و نسق کا کام کسی قابل شخص کے سپرد کرے۔ میر جعفر نے کہا کہ وہ اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی قطعی جواب دے سکے گا لیکن وین سٹارٹ اسے مشیروں سے بات چیت

کرنے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ اس نے میر قاسم سے کہا کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کو یہاں بلا کر اسے اپنا نمائندہ مقرر کردے تاکہ اس کے ساتھ کھل کر بات چیت کی جاسکے۔ وین سٹارٹ نے خود ہی نواب کے بہت سے رشتہ داروں کے نام لینے شروع کردیے ان میں سے میر قاسم بھی تھا۔ میر جعفر نہیں چاہتا تھا کہ وہ میر قاسم کو اپنا نمائندہ مقرر کرے چنانچہ جب وین سٹارٹ نے میر قاسم کو بلوا بھیجا تو اس کے آنے سے پہلے ہی میر قاسم اپنے محل میں چلا گیا۔ میر قاسم کے پہنچتے ہی وین سٹارٹ نے سارے حالات بیان کردیے۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو کرنل کیلاڈ اور میر قاسم کی فوجوں نے دریا پار کرکے نواب کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ نواب کا حفاظتی دستہ پریشان ہوگیا۔ اس کے بہت سے سپاہی میر قاسم سے جاملے۔ وین سٹارٹ نے میر جعفر کو لکھا کہ "کرنل کیلاڈ آپ کو آپ کے برے مشیروں سے نجات دلوا آیا ہے۔ میں بھی بہت جلد آرہا ہوں۔" میر جعفر نے اس پر بھی میر قاسم کو اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار کردیا لیکن چند گھنٹوں بعد اس نے اس شرط پر تخت چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کردی کہ اس کی جان بچالی جائے۔ وین سٹارٹ نے میر جعفر کی اس شرط کو مان کر میر قاسم کی نوابی کا اعلان کردیا۔ میر جعفر کو کلکتہ پہنچادیا گیا۔

میر قاسم ۲۰۔ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو گدی پر بیٹھا۔ وین سٹارٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے اسے مبارک باد دی اور میجر یارک کو مرشداباد میں چھوڑ کر خود مراد باغ چلا گیا۔ مرشد آباد کے خزانے میں مشکل سے ایک لاکھ روپیہ نقد اور چند لاکھ روپے مالیت کا سونا چاندی نکل سکا۔ یہ رقم نہ اس کے سپاہیوں کے لیے کافی تھی اور نہ کمپنی کی فوج کے سپاہیوں کا بقایہ ادا کیا جاسکتا تھا۔ میر قاسم نے سب سے پہلے اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے قدم اٹھایا۔ اس نے محاسبوں کو مقرر کیا تاکہ وہ حکومت کے مختلف محکموں کے حساب کتاب کی پڑتال کریں۔ محاسبوں نے غبن کرنے والوں کی رپورٹ کی۔ میر قاسم نے انہیں گرفتار کرکے ان سے سرکاری رقم وصول کی۔ بڑے بڑے عہدے داروں کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں۔ حکومت کے افسر جس مرد یا عورت کے خلاف رپورٹ کرتے کہ اس نے دولت کو دبا رکھا ہے اس کی دولت پر قبضہ کرلیا جاتا۔ ہر دولت مند کو اس کی دولت کی بنا پر مجرم قرار دیا جاتا۔ اس

طرح میر قاسم نے اپنے خزانے کو بھرنے کے بعد اپنی اور کمپنی کی فوجوں کو تنخواہ دی۔ اس نے اپنی مالی حالت مزید بہتر بنانے کے لیے سیٹھوں سے قرضہ لیا اور اپنے ذاتی اخراجات گھٹا دیے۔ اس نے شاہی محل کے تمام غیر ضروری جانوروں کو بیچ دیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے مرشد آباد کے امام باڑہ کے قیمتی سامان پر قبضہ کرلیا۔ اس نے میر جعفر کے مقرر کردہ وظیفے میں بھی پندرہ ہزار روپیہ ماہوار کی کمی کردی۔ اب میر قاسم نے اپنی اور کمپنی کی فوج کو تنخواہ ادا کی لیکن جب وین سٹارٹ نے شکایت کی کہ کمپنی کو باقاعدگی سے روپیہ ادا نہیں کیا جارہا تو اس نے بہت سے قیمتی ہیروں کو نیلام کروا کر کمپنی کے سپاہیوں کا تمام بقایہ ادا کر دیا۔ اس زمانے میں جنوبی ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی ہو رہی تھی۔ میر قاسم نے اس لڑائی میں انگریزوں کو پانچ لاکھ روپیہ چندہ دیا۔ اس نے کلکتہ کونسل کے ممبروں میں بیس لاکھ پونڈ تقسیم کیا۔ میر قاسم نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے جو معاہدہ کیا تھا اس پر عمل کرتے ہوئے اس نے بردوان' مدنا پور اور چٹا گانگ کے اضلاع کمپنی کے حوالے کر دیے۔ اس نے دس لاکھ کی وہ رقم بھی ادا کردی جو کمپنی کی فوج کی تنخواہ کے ضمن میں بقایہ تھی۔ اس نے صرافوں اور سوداگروں کے نام حکم جاری کردیا کہ وہ کمپنی کے سکوں پر کسی قسم کی بٹائی نہ لیں۔

اپنی مالی حالت مضبوط کرنے کے بعد میر قاسم نے بہار اور بنگال کے ان جاگیرداروں کی طرف توجہ کی جو بغاوت اختیار کیے ہوئے تھے اور جو شہزادہ عالی گوہر کا ساتھ دے چکے تھے۔ ان جاگیرداروں نے مرشد آباد کے خزانے میں مالیہ بھیجنا بند کردیا تھا۔ ان میں سب سے پیش پیش بیر بھوم کا راجا تھا۔ میر قاسم نے بیر بھوم کے رجا اسد زمان خاں سے لڑنے کے لیے ایک فوج بھیجی۔ راجا نے نواب کی فوج کو شکست دی ہوتی اگر میجر یارک اور میجر وہائٹ نواب کی مدد پر نہ پہنچتے۔ اسد زمان خاں نے نواب کی اطاعت قبول کرلی' دوسرے جاگیرداروں نے بھی یہی روش اختیار کرلی۔

میر جعفر ہی کے وقت سے عالی گوہر کے حملے اور جاگیرداروں کی بغاوت نے بہار کی سیاسی صورت حالات میں بے چینی پیدا کر رکھی تھی۔ عالی گوہر ابھی تک بہار ہی میں تھا۔ بہار میں نواب کی فوج کے سپاہی شہزادے کی فوج میں شامل ہو رہے

تھے۔ بیر بھوم کے راجا کی بغاوت فرو کرنے کے بعد میر قاسم کو پٹنہ جانا پڑا۔ میجر کارنگ نے ۱۵۔ جنوری ۱۷۶۱ء کو عالی گوہر کو شکست دی۔ عالی گوہر کمپنی سے معاملہ کرنے کے بعد دلی جانا چاہتا تھا کیوں کہ اب وہ دلی کا شہنشاہ ہو چکا تھا۔ میر قاسم کو اندیشہ تھا کہ انگریز کہیں شہزادے کے ساتھ ساز باز نہ کرلیں۔ اس کے لیے پٹنہ جانا ضروری ہو گیا۔ پٹنہ کی انگریزی فیکٹری میں میر قاسم اور شاہ عالم (عالی گوہر نے یہ لقب اختیار کرلیا تھا) میں ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں میر قاسم نے شہنشاہ کو چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ نواب وزیر (شجاع الدولہ) بہار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میر قاسم نے وین سٹارٹ کو لکھا کہ شاہ عالم و شجاع الدولہ کو ایک دوسرے سے دور رکھنا چاہیے۔ وین سٹارٹ نے شجاع الدولہ کو لکھ بھیجا کہ وہ بہار کی حدود میں داخل نہ ہو۔ ادھر میر قاسم یہ چاہتا تھا کہ شاہ عالم جلد سے جلد دلی کا رخ کرے ۔۵۔ جون ۱۷۶۰ء کو شاہ عالم پٹنہ سے روانہ ہوا۔ پٹنہ کے قیام میں میر قاسم نے عالی گوہر اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں اتحاد نہ ہونے دیا۔ اس نے بہار کے نائب کے اقتدار کا خاتمہ کر کے پٹنہ پر پورا قابو پالیا اور سب سے بڑھ کر اس نے اپنے آپ کو کمپنی کے عہدے داروں کے اثر سے آزاد کرلیا۔

بہار میں عالی گوہر کی موجودگی نے جو سیاسی بے چینی پیدا کردی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھوج پور کے جاگیرداروں نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔ میر قاسم نے بہار پر اپنا اقتدار منوانے کے لیے ان جاگیرداروں کے خلاف فوجی سرگرمیاں شروع کردیں۔ جب عالی گوہر نے بہار پر دوسرا حملہ کیا تو ان جاگیرداروں نے نواب کے خلاف اس کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ میر قاسم کو یہ بھی شبہ تھا کہ نواب وزیر' بھوج پور کے سرحدی جاگیرداروں کو بغاوت پر اکسا رہا ہے۔

بھوج پور کے جاگیرداروں کی سرکوبی کے لیے اس نے کمپنی سے زیادہ فوجی امداد طلب نہ کی بلکہ اس نے اپنی فوج کے لیے بنگالی افسروں کو تربیت دلانی شروع کی۔ اس نے اپنی فوج کی نئی تنظیم کا کام گرجین خاں کے سپرد کیا۔ جب وین سٹارٹ کو بتایا گیا کہ میر قاسم بہت کم انگریزی سپاہیوں کے ساتھ جاگیرداروں کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہے تو اس نے میر قسم کو لکھا کہ اسے انگریز سپاہیوں کو زیادہ تعداد میں اپنے ساتھ لے جانا چاہیے لیکن اس نے وین سٹارٹ کی اس پیش کش کو قبول نہ

کیا۔ نومبر۱۷۶۱ء میں نواب اپنی فوج سمیت پٹنہ سے روانہ ہوا۔ جوں ہی بھوج پور کے باغیوں نے نواب کی بہت بڑی فوج کو حرکت کرتے دیکھا وہ اودھ میں داخل ہو گئے۔ جنوری ۱۷۶۲ء تک نواب نے باغیوں کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ جاگیرداروں کی قوت توڑنے کے بعد میر قاسم نے تمام قلعوں میں دستے مقرر کیے۔ شاہ اباد کے باغی جاگیرداروں کو دبانے کے بعد میر قاسم نے اپنی سرحدوں کو بیرونی حملے سے بچانے کے لیے مضبوط بنانا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے شجاع الدولہ (نواب وزیر) کے ساتھ مفاہمت کرلی۔ اس مفاہمت کامقصد غالباً" انگریزوں کو بنگال سے نکالنے کے لیے کسی مشترکہ جدوجہد کا امکان پیدا کرنا تھا۔

جب میر قاسم بہار کے باغی سرداروں کے خلاف لڑ رہا تو نومبر۱۷۶۱ء میں پٹنہ کی انگریزی فیکٹری کا افسر ایلس وہاں پہنچا۔ ایلس نے میر قاسم کے معاملات میں مداخلت شروع کردی حالانکہ میر قاسم بڑی مشکل سے اپنے نظم و نسق کو انگریزوں کی مداخلت سے آزاد کرچکا تھا۔ پٹنہ میں ایلس کی موجودگی میرِ قاسم کے ارادوں میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ میر قاسم چونکہ اپنی راجدھانی کو بنگال سے بہار میں منتقل کرنا تھا اس لیے اسے اندیشہ تھاکہ پٹنہ میں ایلس کی موجودگی کی نئی سازش کا مرکز بن سکے گی۔ میر قاسم نے یہ محسو کرلیا تھاکہ ایلس کے ہوتے وہ اپنے آپ کو مصیبتوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اسی اثنا میں نواب نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی پرائیویٹ تجارت کو بند کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا تھا۔ کمپنی کے یہ ملازم ٹیکس ادا کیے بغیر کاروبار کرتے تھے۔ جس سے دیسی تاجروں کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا تھا۔ ایلس اور میر قاسم میں بہت جلد جھگڑا شروع ہوگیا۔ میر قاسم کا یہ مطالبہ تھاکہ کمپنی کے ملازم ٹیکس ادا کیے بغیر تجارتی مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ لے جائیں لیکن ایلس کو اصرار تھاکہ کمپنی کے ملازموں کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ اس زمانہ میں پٹنہ کی انگریزی فوج کے سپاہی اور افسر فوج سے بھاگ جایا کرتے تھے۔ انگریزی فوج کے چند افسروں نے بھاگ کر مونگیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ ایلس نے ان افسروں کو واپس لانے کے لیے انگریزی فوج بھیج دی ۔ اس فوج نے مونگیر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ وین شارٹ نے بھی میر قاسم کو کلکتہ سے لکھاکہ وہ انگریزی فوج کو قلعہ کی تلاشی لینے کی اجازت دے لیکن میر قاسم نے وین شارٹ کی بات نہ مانی۔ اس پر

وین شارٹ نے ایک وفد تجویز کیا جو مونگیر کے قلعہ کی تلاشی لے۔ میر قاسم نے وین شارٹ کا یہ مطالبہ مان لیا۔ ہیسٹنگز نے مونگیر کے قلعہ کی تلاشی لی لیکن اسے ایک بھی مفرور انگریز نہ مل سکا۔ مونگیر کے قلعہ کی تلاشی لینے کے بعد ہیسٹنگز نے ۹۔ مئی ۱۷۶۲ء کو میر قاسم سے سہسرام میں ملاقات کی۔ میر قاسم نے کمپنی کے ملازموں اور پٹنہ کی انگریزی فیکٹری کے افسر ایلس کے خلاف شکایات کیں۔ چنانچہ ہیسٹنگز نے ایلس کے طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے گورنر کو ایک مفصل خط لکھا۔ گورنر نے ہیسٹنگز سے کہا کہ وہ میر قاسم کے ساتھ تمام امور کا تصفیہ کر لے۔ ہیسٹنگز نے نواب کے سامنے جو شرطیں پیش کیں ان سے نواب کی تسلی نہ ہو سکی۔ نواب چاہتا تھا کہ وہ کلکتہ کونسل سے اپنے اور کمپنی کے اختیارات کی حد بندی کرا لے۔ ہیسٹنگز کلکتہ کونسل کی طرف سے اس قسم کا معاہدہ کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ اس لیے ہیسٹنگز قاسم بات چیت کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکی۔ میر قاسم کو کمپنی کے ملازموں کی ذات تجارتی کے خلاف جو شکایات تھیں وہ بدستور باقی رہیں۔

بہار کے سرحدی علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد میر قاسم نے مونگیر کی راہ لی۔ اس نے مونگیر کو اپنی راجدھانی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مونگیر جاتے ہوئے جب اس نے پٹنہ میں قیام کیا تو ایلس نے اس سے ملنے کی درخواست کی' اس نے درخواست کو مسترد کر دیا۔ جون ۱۷۶۲ء کے آخر میں میر قاسم مونگیر کے قلعہ میں داخل ہوا۔ مرشد آباد کے سازشی ماحول' اور کلکتہ کونسل سے دور رہ کر وہ اپنی نئی راجدھانی مونگیر میں اپنے نئے ارادوں کو عملی صورت دینا چاہتا تھا اس نے مونگیر کے قلعہ کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ اس نے شہر کو اچھا بنانے کے لیے کئی ایک نئی عمارتیں شروع کروادیں۔ شہر کی پرانی فصیل کو گروا کر نئی اور مضبوط فصیل بنوائی گئی۔ اس نے اپنا توپ خانہ بھی مرشد آباد سے مونگیر میں منتقل کر لیا۔ اس نے اپنی نئی راجدھانی کی رونق کو شاعروں اور آرٹسٹوں کی قدر دانی سے مزید بڑھایا۔ محمد علی حزیں اس کا درباری شاعر تھا۔ مونگیر کو اپنی راجدھانی بنانے کے بعد اس نے کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت کے خلاف کلکتہ کونسل کو شکایات بھیجنی شروع کیں۔ اس کے عہدے داروں نے کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت کو بند کرنے اور ان سے مقررہ ٹیکس وصول کرنے کی مہم جاری کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی

اس تجارت کو بند کرنے کے لئے میر قاسم نے اپنی مملکت میں بہت سے نئے چنگی خانے قائم کئے۔ کمپنی کے ملازموں نے کلکتہ کونسل تک اپنی شکایات پہنچادیں۔ میر قاسم نے بھی اپنی شکایات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت کا سوال نواب اور کمپنی میں نزاع کا سبب بن گیا۔ سمجھوتے کی صرف یہی صورت تھی کہ میر قاسم اور وین سٹارٹ میں ملاقات ہو۔ چنانچہ وین سٹارٹ نے نواب سے ملاقات کرنے کے لئے مونگیر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ۳۰۔ نومبر ۱۷۶۲ء کو نواب اور وین سٹارٹ میں ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو تحائف پیش کئے۔

نواب نے پٹنہ کی انگریزی فیکٹری کے افسر ایلس کے طرز عمل اور کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجرات کے خلاف شکایات کیں۔ میر قاسم نے مطالبہ کیاکہ کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت بند کردی جائے یا انہیں مملکت کے دوسرے تاجروں کی طرح چنگی ادا کرنی چاہیے۔ وین سٹارٹ نے میر قاسم کے اس مطالبے کو مان لینے کے بعد اندرونی تجارت کے بارے میں بھی نواب سے سمجھوتہ کرلیا۔ وین سٹارٹ نے میر قاسم کو ایک بدلا ہوا انسان پایا' وہ پہلے کی طرح کمزور نہیں تھا' اس کے پاس پہلے سے زیادہ فوج تھی۔ گرجین خاں نے مونگیر میں جو فوجی نمائش کی اس نے وین سٹارٹ کو بہت متاثر کیا۔ ۹۔ جنوری ۱۷۶۳ء کو وین سٹارٹ مونگیر سے کلکتہ روانہ ہوا۔

وین سٹارٹ کے واپس ہوتے ہی میر قاسم نے نیپال پر چڑھائی کردی۔ ایسے وقت جب کہ میر قاسم کو اپنی مملکت کے اندرونی نظام کے لیے ایک مضبوط فوج کی ضرورت تھی میر قاسم کا اس فوج کو نیپال کی مہم پر بھیج دینا ایک بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ میر قاسم کو بتایا گیا تھا کہ نیپال میں سونے کی اَنگنت کانیں ہیں۔ چنانچہ میر قاسم نے اپنے کمانڈر ان چیف گرجین خاں کو نیپال پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ گرجین خاں بڑی مشکل سے مکوان پور کے قلعہ کے قریب پہنچ سکا۔ گورکھوں نے گرجین کی فوجوں کو قلعہ تک نہ بڑھنے دیا۔ بہت زیادہ نقصان اٹھانے کے بعد گرجین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جب نواب کو اپنی فوج کی شکست کی خبر ملی تو اس نے گرجین خاں کو واپس بلالیا۔ نیپال کی مہم نے نہ صرف میر قاسم کی مالی حالت خراب کردی

بلکہ اس مہم نے اس کی فوج کے وقار کو خاک میں ملادیا جس پر اسے بڑا ناز تھا۔
وین سٹارٹ نے میر قاسم سے جو سمجھوتہ کیا تھا اس کی شرطوں کو کلکتہ کونسل نے ماننے سے انکار کردیا لیکن اس اثنا میں نواب کے عاملوں نے اس سمجھوتے پر عمل شروع کردیا تھا۔ لیکن کمپنی کے ملازم اس محصول کو دینے سے انکار کرتے تھے جسے وین سٹارٹ نے تجویز کیا تھا۔ اس کش مکش نے شدید صورت اختیار کرلی۔ دونوں طرف سے تشدد ہونے لگا۔ جب میر قاسم کو یہ اطلاع ملی کہ کلکتہ کونسل نے وین سٹارٹ کی شرطیں ماننے سے انکار کردیا ہے تو اس نے وین سٹارٹ کو بہت سے احتجاجی خط لکھے:۔ "جب آپ یہاں آئے تھے تو ہم میں جو معاہدہ ہوا اس کے متعلق میرا خیال تھا کہ اسے دوسرے شریف آدمی بھی مان لیں گے لیکن تعجب ہے کہ ان میں سے ایک نے بھی اسے تسلیم نہیں کیا۔ میں اس ضمن میں آپ کے سوا کسی اور کے ساتھ خط و کتابت نہیں کرسکتا۔ میں آپ کو صاف لفظوں میں بتادینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اس سمجھوتے کا کوئی پاس کرنا چاہتے ہیں تو آپ ایسا طرز عمل اختیار کریں جس سے انہیں اس پر اعتراضات کرنے کا موقع نہ ملے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ چند شریف آدمی نیا صوبے دار مقرر کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ جسے چاہیں صوبے دار بناتے پھریں' مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔" اس ضمن میں میر قاسم نے وین سٹارٹ کو جتنے خط لکھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت بند کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ انگریزی فیکٹریوں کے افسروں نے نہ صرف چنگی دینے سے انکار کردیا ہے بلکہ انہوں نے کلکتہ کونسل کی ہدایت کے مطابق نواب کے افسروں کو گرفتار کرلیا ہے۔ تو نواب بہت زیادہ غصہ میں آگیا۔ اس نے فرمان جاری کردیا کہ جہاں کہیں انگریز گماشتے قانون شکنی کریں انہیں گرفتار کرلیا جائے۔ اب کمپنی اور نواب کے افسروں میں کھلم کھلا لڑائیاں ہونے لگی۔ لڑائیاں بند کرنے اور دیسی تاجروں کو کمپنی کے ملازموں کی سطح پر لانے کے لیے نواب نے دو سال کے لیے اندرونی تجارت پر ہر قسم کا محصول معاف کرنے کا فرمان جاری کردیا۔ اس فرمان نے کمپنی کے کاروبار کو چونکہ نقصان پہنچایا تھا اس لیے کلکتہ کونسل نے اس فرمان کی تنسیخ کے لیے میر قاسم سے بات چیت کرنے کے لیے ایک وفد مونگیر بھیجنا چاہا لیکن نواب نے اس وفد سے بات چیت کرنے سے انکار

کردیا۔ اس پر دین. سٹارٹ نے اسے لکھا کہ اگر اس نے وفد سے ملاقات کرنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا تو اس کے اس طرز عمل کو "اس کی طرف سے لڑائی کرنے پر آمادگی" سمجھا جائے گا۔ میر قاسم نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ۔ "ایک طرف تو آپ تشدد کر رہے ہیں اور دوسری طرف آپ معاہدوں کے پیش نظر سمجھوتے کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔" بہت زیادہ خط و کتابت کے بعد نواب نے انگریزوں کے وفد کو اس شرط پر مونگیر آنے کی اجازت دی کہ وہ اپنے ساتھ انگریزی فوج نہیں لائیں گے۔ مئی ۱۷۶۳ء میں نواب نے انگریزوں کے اس وفد سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں وفد نے اس کے سامنے جو شرطیں پیش کیں انہیں اس نے ماننے سے انکار کردیا۔

اس وفد کی موجودگی کی گرجی خاں کے حکم سے ان چھ کشتیوں کو پکڑ لیا گیا جو سامان جنگ سے لدی ہوئی تھیں اور جنہیں پٹنہ کی انگریزی فیکٹری کے افسر ایلس کے پاس بھیجا جارہا تھا۔ جب وفد نے ان کشتیوں کو رہا کرانے کی بہت کوشش کی تو اس نے وفد سے کہا کہ "بہ ظاہر آپ سامان جنگ بھیجے جانے سے انکار کرتے ہیں لیکن خفیہ طور پر سامان جنگ بھیج رہے ہیں' آخر یہ کیا ہے؟" نواب کو یقین ہوگیا تھا کہ اس سامان جنگ سے ایلس' پٹنہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ سامان جنگ سے لدی ہوئی کشتیوں کو پکڑنے کے بعد اس نے مطالبہ کیا کہ کمپنی کی فوج کو پٹنہ سے ہٹا لیا جائے۔ لیکن کلکتہ کونسل نے یہ ماننے سے انکار کردیا۔ میر قاسم نے کشتیوں کو چھوڑ دیا۔ لیکن اگلے دن اس کے حکم سے کشتیوں کو پھر پکڑ لیا گیا۔ اسی اثنا میں ایلس نے پٹنہ پر قبضہ کرنے کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں۔ چنانچہ اس نے ۲۵۔ جون ۱۷۶۳ء کو پٹنہ پر حملہ کردیا۔ جن دنوں میر قاسم' کمپنی کے بھیجے ہوئے وفد سے بات چیت کر رہا ہوگا ان ہی دنوں ایلس نے کلکتہ کونسل سے پٹنہ پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کرلی ہوگی۔

پٹنہ پر ایلس کا قبضہ ہوتے ہی نواب اور کمپنی میں لڑائی چھڑ گئی۔ ایلس کے سپاہیوں نے پٹنہ میں خوب لوٹ مچائی۔ لیکن بہت جلد نواب کی فوج نے انگریزی فوج کو شہر سے نکال دیا۔ انگریزی فوج نے اپنی فیکٹری میں پناہ لی لیکن نواب کی فوج نے اسے بہت جلد بھاگنے پر مجبور کردیا۔ میجر سمرو نے اس فوج کا پیچھا کرکے

نہیں پھر شکست دی۔ انگریزی فوج کے جو سپاہی لڑائی میں کام نہیں آئے تھے انہیں گرفتار کرکے پٹنہ لے جایا گیا۔ یہاں میجر سمرو نے ان جنگی قیدیوں کو قتل کروادیا۔ لیکن بہت جلد کمپنی کی فوجوں نے کٹوا' مرشد آباد' مونگیر' پٹنہ اور اودا نالا میں نواب کی فوجوں کو شکست دی۔ اودا نالا میں میجر ایڈمنز اور تقی خاں میں مقابلہ ہوا۔ ایڈمنز اپنی فوجوں سمیت کلکتہ سے اور تقی خاں مرشد آباد سے روانہ ہوا۔ تقی خاں ایک بہادر سپاہی اور قابل جنرل تھا لیکن سید محمد خاں نائب حاکم مرشد آباد کی سازشوں نے تقی خاں کو اتنا موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنے جوہر دکھا سکتا۔ سیر المتاخرین کا مصنف لکھتا ہے کہ "اس جنگ میں انگریزوں کی کامیابی نوک شمشیر کی جگہ نوک زبان کی مرہون منت ہے۔" کمپنی کے زبانی وعدوں نے میر قاسم کی فوجوں میں غداری' بے وفائی اور نمک حرامی پیدا کردی۔ میر قاسم کا قابل جرنیل تقی خاں میدان جنگ میں خاموش پڑا ہے۔ نواب انگریزوں سے آخری مرتبہ نبرد آزما ہونے کی فکر میں ہے۔ وہ انگریزوں کے وجود سے بنگال کو خالی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ میر قاسم نے اودا نالا ایسے مقام کو جنگ کے لیے انتخاب کرکے اپنی عسکری ذہانت کا سب سے بڑا ثبوت دیا۔ ایک ماہ تک انگریزی فوجوں نے نواب کی فوجوں کے مقابل آنے کی جرأت نہ کی۔ نواب کی فوجی افسر نجف خاں نے شب خون سے انگریزی فوجوں پر لرزہ طاری کر رکھا تھا۔ اودانالا کی تسخیر کمپنی کی قوت سے بہت بالا تھی۔ نواب کی فوجیں باقاعدہ منظم اور محفوظ تھیں لیکن اس کے آرمینی افسر محسن کش' غدار اور بے ایمان تھے۔ ان کی غداری نے اودانالا ایسے مستحکم مقام کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔

اودانالا کی شکست نے میر قاسم کو پریشان کردیا۔ اس شکست کے بعد وہ پٹنہ چلا گیا۔ پٹنہ میں اسی کے حکم سے میجر سمرو نے انگریز قیدیوں کو قتل کیا۔ میر قاسم کی مشکلات بڑھانے کے لیے کلکتہ کونسل نے ۷۔ جولائی ۱۷۶۳ء کو میر جعفر کی نوابی کا اعلان کردیا۔ کئی ایک پرانے درباریوں اور جاگیرداروں نے میر جعفر کا ساتھ دیا۔

میر قاسم ۴۔ دسمبر ۱۷۶۳ء کو اودھ کی مملکت میں داخل ہوا۔ مغل شہنشاہ شاہ عالم ابھی الہ آباد ہی میں تھا۔ شجاع الدولہ کا شاہ عالم پر بہت اثر تھا۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر میر قاسم نے اپنے تئیں شجاع الدولہ کے حوالہ کردیا۔ شجاع

الدولہ نے بھی میر قاسم سے وعدہ کرلیا کہ وہ اسے مسند بنگال پر بٹھانے کے لیے انگریزوں سے جنگ کرے گا۔ شجاع الدولہ نے مندرجہ ذیل مکتوب کلکتہ کونسل کو بھیجا:۔

"سابق شاہان ہند نے انگریزی کمپنی کے سوداگروں کو اس قدر اعزاز و مراعات دیے کہ ان کی مثال دیسی اور غیر انگریزی تاجروں میں نہیں ملتی۔ حال ہی میں علی حضرت نے تمہارے حقوق سے زیادہ تم پر کرم کیا۔ لیکن ان احسانات کے باوجود کمپنی نے حکومت کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کمپنی اپنی خواہش کے مطابق نوابوں کو تاج و تخت سے محروم کرتی' اپنی مرضی کے مطابق انہیں نواب بناتی رہی۔ کمپنی نے ان معاملات میں کبھی دربار شہنشاہی سے مشورہ طلب نہیں کیا۔ کمپنی کا درباریوں کو قید کرنا' دربار اعلیٰ کی توہین کرنا' اپنے مظالم سے لوگوں کو تباہ کرنا اور شہنشاہ کے خزانہ کی کمی کا سبب ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

ملک پر قبضہ جمانے کی ایک مکارانہ چال.... حکومت کے معاملات میں مداخلت نہ کرو' اپنے سپاہیوں کو ملک کے حصوں سے واپس منگا کر انہیں وطن بھیج دو۔ تجارت کرو اور صرف تاجر رہو۔ اس صورت میں حکومت تمہاری مدد کرتی رہے گی...... اگر ضدی اور نافرمان ہو تو یقین جانو کہ انصاف کی تلوار سے نافرمانوں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ اعلیٰ حضرتؒ شہنشاہ ہندوستان کی ناراضگی کا نتیجہ تم بہت جلد محسوس کرو گے۔"

شاہ عالم' شجاع الدولہ و میر قاسم کے حملہ بہار سے انگریزوں کا مارے خوف کے کانپنا ایک فطری امر تھا۔ وہ نواب وزیر کے افسروں میں سازش پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ نواب وزیر نے میر قاسم کے ساتھ انتہائی بدسلوکی شروع کردی۔ نواب وزیر کی فوجیں پٹنہ کی طرف بڑھیں۔ کمپنی نے میجر منرو کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ جنگ کو جلد از جلد ختم کردے کیوں کہ کمپنی کو اندیشہ تھا کہ مرہٹے اور افغان کہیں نواب وزیر کی مدد پر آمادہ نہ ہوجائیں۔

بکسر کی جنگ ۱۵۔ ستمبر ۱۷۶۴ء کو لڑی گئی۔ شجاع الدولہ کو نقصان عظیم کے ساتھ شکست کھانی پڑی۔ میر قاسم نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی۔ شہنشاہ کمپنی سے

جاملا۔

میر قاسم تاریخ کے اوراق سے غائب ہوتا ہے۔

چونکہ شجاع الدولہ نے کمپنی کی پیش کردہ شرائط قبول کرنے سے انکار کردیا تھا' اس لیے انگریزوں نے نواب وزیر کے علاقہ میں اپنی جنگی سرگرمی کو جاری رکھا۔ انگریزی فوجیں قلعہ چنار کے سر کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ کمپنی کے سپاہیوں نے الہ آباد کا رخ کیا۔ الہ آباد کا قلعہ فتح کرلیا گیا۔ میر قاسم کی طرح شجاع الدولہ کو بھی فرار ہونا پڑا۔ شجاع الدولہ نے بریلی کا رخ کیا۔ بریلی کے روہیلہ حاکم نے مہمان کے خیر مقدم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شجاع الدولہ نے آخری مرتبہ جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مشہور مرہٹہ جرنیل ملہار راؤ اپنی فوجوں سمیت کورہ پہنچا۔ شجاع الدولہ روہیلوں سے بھی امداد کا متوقع تھا۔ روہیلوں نے شجاع الدولہ کی اس خواہش کو عملی شکل نہ دی۔ شجاع الدولہ ناکام رہا۔ اس کی تمام مملکت انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ شجاع الدولہ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ شتاب رائے کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی گئی۔

"شجاع الدولہ انگریزوں کو پچاس لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ اس طرح ادا کرے کہ نصف رقم پیشگی اور نصف بذریعہ اقساط نیز الہ آباد کا صوبہ شہنشاہ کے ذاتی اخراجات کے لیے علیحدہ کردیا جائے۔ الہ آباد کا قلعہ شہنشاہ کی اقامت کے لیے خالی کردیا جائے۔ انگریز سپاہیوں کا ایک دستہ شہنشاہ کی حفاظت کے لیے الہ آباد رہے گا۔ ایک انگریز وکیل شجاع الدولہ کے دربار میں رہے گا۔ اس وکیل کو شجاع الدولہ کے معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس عہد نامہ کے بعد فریقین کے دوست دشمن مشترکہ ہوں گے۔"

شجاع الدولہ اور انگریزوں کی جنگ کا یوں خاتمہ ہوا!۔

میر جعفر مسند شاہی پر ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھ سکا۔ میر جعفر کے آخری ایام بے حد تلخی میں بسر ہوئے۔

۵۔ فروری ۱۷۶۵ء کو مرشد آباد میں میر جعفر نے وفات پائی!

میر جعفر پنسر کے ایام حکومت میں چل بسا۔ کمپنی نے میر جعفر سے جو عہد نامہ

کیا اس میں اس کی جانشینی پر بحث نہیں کی گئی تھی اس کی موت نے کمپنی کے ارکان اقتدار کے لئے رشوت کا دروازہ کھول دیا۔ میر جعفر کی رفیقہ حیات منی بیگم نے میرن کے بیٹے کو وارث تاج و تخت بنانے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا لیکن کمپنی نے میر جعفر کہ پندرہ سالہ فرزند نجم الدولہ کی نوابی کا اعلان کردیا۔

نیا نواب و نیا معاہدہ لازم و ملزوم تھے!

نئے معاہدے کی رو سے نواب کے لئے ضروری تھا کہ وہ محمد رضا خاں کو اپنا نائب مقرر کرے۔ ثانیاً" محکمہ دیوانی کے تمام عہدے داروں کا تقرر و تعطل حکومت کلکتہ کے ایما سے ہوگا۔ ثالثاً" کمپنی کی افواج کے لیے نواب پانچ لاکھ روپیہ بدستور ادا کرتا رہے گا۔ رابعاً" نواب کو اسی قدر فوج رکھنے کی اجازت ہوگی جس سے وہ مالیہ جمع کرنے میں مدد لے سکے۔ خامساً" انگریز تاجر حدودو مملکت میں تمام محاصل سے آزاد ہوں گے۔

نجم الدولہ نے عہد نامہ پر دستخط کرنے کے علاوہ کلکتہ کونسل کے ارکان کو بیس لاکھ روپیہ بطور "نذرانہ" پیش کیا۔ نواب نے انتہائی کوشش کی کہ نند کمار کو اس کا دیوان مقرر کیا جائے۔ کمپنی نے نواب کی درخواست کا یوں جواب دیا کہ نند کمار کو قید کرکے کلکتہ پہنچا دیا۔

بنگال کے انگریزی مقبوضات کا نیا گورنر کلاؤ مئی ۱۷۶۵ء کو کلکتہ پہنچا۔ ۳۰ دسمبر ۱۷۵۶ء کو اس نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا:

"کمپنی کے حالات بگڑ چکے ہیں کہ ہر صاحب عزت کا اس سے لرزہ براندام ہونا یقینی ہے۔۔۔۔۔ دولت کی اچانک کثرت نے انتہائی عشرت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔۔۔۔۔ چھوٹے بڑے سب ایک ہی مرض کا شکار ہیں۔"

فوجوں کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ کسی شہر پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کی تمام دولت پر فوجی قابض ہوجاتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بنارس میں ایسا ہوا۔

ظلم و ستم کے دروازے جو کمپنی کے ملازموں نے کھول رکھے ہیں انگریزوں کو بدنام کرنے کے لیے کافی ہیں۔

انگریزی شرافت' کمپنی کی نیک نامی اور انصاف و انسانیت کا خون کرتے ہوئے حرص و آز اور عیش و عشرت نے سیاسیات میں ایک نیا راستہ کھول رکھا ہے۔"

کلاؤ کے اس مکتوب کا جواب دیتے ہوئے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے لکھا:۔

"ہمارے خیال میں اندرون ملک کی تجارت سے جو دولت کمائی گئی ہے وہ محض ظلم و ستم سے حاصل کی گئی۔ ظلم و ستم کی ایسی مثالیں کسی زمان و مکان میں نہیں مل سکتیں۔"

"ہم یورپی دلالوں کی ستم رانیوں کا عرصہ سے مطالعہ کر رہے ہیں۔۔۔ ہمیں توقع ہے کہ حضور عالی ایسے دلالوں کو پریزیڈنسی کے تحت لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

ان اصلاحات سے کلاؤ کا مقصد حکومت کلکتہ کے دست و بازو کو طاقت ور بنانا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنگال' بہار اور اڑیسہ میں انگریزی اسی طرح حکومت کریں جس طرح پیشوا' نظام اور نواب وزیر پونہ' حیدر آباد او رلکھنؤ میں حکومت کر رہے تھے۔ کلاؤ انگریزوں کے لیے شہنشاہ سے دیوانی حقوق حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ شہنشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے نکل پڑا۔ شہنشاہ اس وقت تک الہ آباد میں تھا۔ راستہ میں مرشد آباد پر کلاؤ نے قبضہ کیا۔ اب نواب کا وجود محض سایہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ شجاع الدولہ چونکہ ان دنوں بنارس میں تھا اس لیے کلاؤ اس کی ملاقات کے لیے بنارس پہنچا۔ ۱۲۔ اگست کو پہلی مرتبہ کلاؤ نواب وزیر سے ملا۔ اس ملاقات کا نتیجہ ایک عہد نامہ کی صورت میں رونما ہوا جس ے ذریعہ الہ آباد اور کورہ نواب وزیر سے چھین لیے گئے۔ نیز نواب نے چھ لاکھ پونڈ تاوان جنگ ادا کیا۔ وہ وزارات روندنے کے بعد شاہیت زیر کرنے کے لیے الہ آباد روانہ ہوا۔ کلاؤ ۹۔ اگست کو شاہ عالم سے ملا۔ شاہ عالم نے بنگال' بہار' اڑیسہ کے دیوانی حقوق کمپنی کے حوالے کرتے ہوئے سوائے ذاتی مفاد کے اور کسی امر کو پیش نظر نہیں رکھا۔

مرشد آباد میں پراسرار واقعات رونما ہو رہے تھے۔ نوجوان نواب نجم الدولہ کی اچانک موت کے متعلق "سیر المتاخرین" کا مصنف لکھتا ہے:

"اس امر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ کلاؤ مرشد آباد

میں قیام کرنے کے بعد سادھو باغ میں مقیم رہا۔ جہاں نجم الدولہ اور محمد رضا خاں نے اس کی خاطر و مدارات کی۔ اس کے رخصت ہونے پر دونوں اپنے محلوں میں واپس جا رہے تھے کہ اچانک نجم الدولہ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ نواب نے محل میں پہنچ کر جان دے دی۔"

وہی مصنف حاشیہ میں لکھتا ہے:

"میں اس وقت نوجوان شاہزادے کے محل کے پاس سے گزر رہا تھا .... زبان خلق پر محمد رضا خاں تھا۔"

رضا خاں انگریزوں کا دوست تھا اور اس حرکت کا کمپنی کے ارکان کے اشارہ سے پایہ تکمیل تک پہنچنا بعد از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ "ہندوستان میں نصرانی اقتدار کا عروج کا مصنف اس ضمن میں رقم طراز ہے کہ "نجم الدولہ کی موت میں کلاؤ کا ہاتھ ہے۔"

نجم الدولہ کی موت سے بنگال میں مرشد آباد کے نوابوں کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔ اب بنگال کی تاریخ کا عنوان انگریزی حکمرانوں کا نام ہے۔"

بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بدعنوانیوں کو ختم رکھنے کے لیے کلاؤ عازم ہند ہوا۔ کلاؤ کے بلند بانگ دعاوی کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس نے اصلاحات کے پردے میں اپنی دولت میں نمایاں اضافہ کیا۔ اس کا اصلاحی شور و غوغا خاموش اقتصادی تباہی کی حکمت عملی کو مستحکم کر گیا۔ کلاؤ کی اصلاحت نے بنگال کے لوگوں کو مزید تباہی کا شکار بنادیا۔ اس کی کتاب اصلاحات کا کوئی باب اٹھاؤ اس میں بنگال کی تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ اس کی اصلاحات کلاؤ اور اس کے ہم وطن انگریزوں کو مال مال کر گئیں۔

اندرون ملک میں تاجرانہ رہزنی بدستور رہی۔ حالات مزید خراب کرنے کے لیے کلاؤ نے نمک کی اجارہ داری کمپنی کے ملازموں کے سپرد کر دی جنھوں نے اس پر زیادہ محاصل لگا کر اپنی جیبوں کا وزن بڑھالیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک فرمان کے ذریعہ درآمد و برآمد کے محاصل سے آزادی حاصل کرلی تھی حالانکہ وطنی تجارت پر محاصل کی قیود بدستور عائد تھیں۔ یورپ سے جو مال کمپنی حاصل کرتی رہی اس پر اسے درآمد کے محاصل ادا نہیں

کرنے پڑتے تھے۔ اسی طرح کمپنی کا مال بغیر محاصل کے یورپ کی منڈیوں میں پہنچ جاتا۔ کمپنی کے صدر یا افسر کا پروانہ چنگی خانوں پر دکھانا کافی ہوتا۔ چنگی خانوں کے افسر اس پروانہ کو دیکھ کر محاصل کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔

جنگ پلاسی کے بعد کمپنی کے کارکنوں نے اس رعایت سے انفرادی طور پر فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ کمپنی کا ہر ملازم کمپنی کا تنخواہ دار ہونے کے علاوہ بنگال میں آزاد تاجر کی حیثیت رکھنے لگا۔ کمپنی کے آزاد تاجروں کی ان حرکتوں نے بنگال کو اقتصادی طور پر بالکل تباہ کر دیا۔ بنگال کے نوابوں نے کمپنی کے آزاد حقوق تاجرانہ تسلیم کیے ہوئے تھے لیکن کمپنی کے ملازموں نے بھی اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ پلاسی کی جنگ کے بعد کلاؤ نے ۱۷۵۷ء میں میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا۔ بیان کردہ اسباب کی بناء پر میر قاسم کو مسند بنگال پر بٹھایا گیا۔ نئے نواب نے کمپنی کو تین اضلاع کا مالیہ وصول کرنے کا حق دینے کے علاوہ اس رقم کے ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا جو میر جعفر کے ذمہ تھی۔ میر قاسم نے کمپنی کو جنوبی ہند کی جنگوں کے لیے پانچ لاکھ روپیہ دیا۔ میر قاسم نے دو سال کی قلیل مدت میں کمپنی کا روپیہ تو ادا کر دیا۔ لیکن بنگال کی تجارت روز بروز تباہ ہوتی گئی۔ کمپنی کے ملازم آزاد تاجر تھے۔ اور بنگال کے دیسی تاجروں کو بہت زیادہ ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔

نواب کا خزانہ خالی ہو رہا تھا۔ دیسی تاجر تباہ حال تھے! ۱۷۶۰ء میں وین شارٹ کلاؤ کا جانشین مقرر ہوا۔ وہ کمپنی کے ملازموں کی بدعنوانیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> جہاں تک تجارت کا تعلق ہے میر جعفر سے کسی جدید رعایت کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو مزید مراعات کی ضرورت بھی نہ تھی۔ . . . تاہم جب ہمارا سیاسی اثر رونما ہوا تو اس وقت کمپنی کے ملازموں نے ان اشیاء کی تجارت شروع کر دی جن کی انہیں اجازت نہ تھی۔"

ورلسٹ بھی وین شارٹ کی نگاہوں سے ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"آزاد تجارت کو بروئے کار لاتے وقت ان گنت مظالم کیے گئے۔ برطانی گماشتوں نے نہ صرف رعایا کو تنگ کیا بلکہ حکومت کے اقتدار کو بھی صدمہ پہنچایا۔ نواب کے افسروں کو سزائیں دی گئیں۔ میر قاسم سے جنگ کا یہ اولین سبب تھا۔"

ان اقتباسات سے بنگال کی تباہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! سیر المتاخرین کا مصنف بنگالی رعایا کی تباہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

انگریز اپنی رعایا کے لیے کسی قسم کا التفات روا نہیں رکھتے۔ انہیں رعایا سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں وہ لوگ جو انگریزی حکومت کی رعایا ہیں ہر جگہ تباہ ہو رہے ہیں۔ انہیں بے حد مفلس بنایا گیا ہے۔"

یہی مصنف اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"اے خدا! اپنے مظلوم اور تباہ حال بندوں پر رحم فرما۔ اے خدا! انہیں اس مصیبت سے نجات دلا جس میں وہ گرفتار ہیں۔"

میر قاسم اپنی مجبوریوں کے باوجود بنگال کی تباہی سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھ لیا کہ انگریزی تاجران مرعات سے دیسی تاجروں کو تباہ و برباد کرنے کے علاوہ دیسی صنعت بھی ختم کرنے کی فکر میں ہیں۔ میر قاسم کی رگ و طبیت میں خون دوڑنے لگا۔ اس نے دیسی تاجروں کو انگریزی تاجروں کی سطح پر لانے کے لیے دیسی تاجروں کو بھی محاصل سے آزاد کردیا۔ نواب کے اس عادلانہ فعل کو انگریزوں نے عہد شکنی سے تعبیر کیا ہے۔

کمپنی نے ہر نواب کی مسند نشینی کو اپنے لیے حصول زر کا ذریعہ بنایا۔ ایک نواب کے خزانہ پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد اسے مسند سے اس لیے علیحدہ کیا جاتا تھا کیوں کہ اس کے دامن زر سے مزید قطرات نہیں نچوڑے جاسکتے تھے۔ نیا نواب ان کے لیے از سرنو زر و دولت کے دروازے کھول دیتا۔ جب ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا گیا تو اس وقت برطانی افسروں نے ۵۷۵' ۲۳۸' ا پونڈ کی رقم وصول کی۔ اس نذرانہ میں سے لارڈ کلاوَ نے ۳۱۵۰۰ پونڈ وصول کرنے کے علاوہ بنگال میں ایک جاگیر بھی حاصل کی۔ جب ۱۷۶۰ء میں میر قاسم کو بنگال کی مسند پر بٹھایا گیا تو برطانی افسروں نے نذر کے طور ۲۶۹،۵۰۰ پونڈ کمپنی

کی نذر کرنے پڑے۔ نجم الدولہ نے شکرانہ کے طور پر جو رقم پیش کی وہ ۲۳۰۳۵۶ پونڈ کی تھی۔ گویا نو سال کی قلیل مدت میں کمپنی کے افسروں نے بنگال کے نوابوں سے ۲،۱۶۹،۶۶۵ پونڈ وصول کیے۔ اسی اثنا میں دیگر ذرائع سے جو رقم نوابوں نے وصول کی گئی وہ ۳۲۷۰۸۳۳ پونڈ کی تھی۔ ۱۷۷۲ء میں دارالعوام کی کمیٹی کے سامنے ان رقوم کا وصول کیا جانا تسلیم ہو چکا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لندنی کار پردازوں کو اس "تحفہ بازی" کی سمجھ نہ آئی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۷۶۵ء میں قبول تحائف کے خلاف احکام بھیجے اور ساتھ ہی کلاؤ کو لندن سے کمپنی کے امور کی اصلاح کے لیے روانہ کیا۔ کمپنی کے ارکان نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ کلکتہ کونسل نے نجم الدولہ کو مسند نشین کرتے ہوئے جنس تحائف کی فصل کو آخری مرتبہ کاٹ لیا۔

برطانی ہند کی اقتصادی تاریخ کا مصنف رومیش دت بنگال کی اقتصادی تباہی کے اسباب و علل پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تین کروڑ انسانوں سے وصول کردہ محاصل، اخراجات کے بعد اس ملک کی بہتری کے لیے صرف نہیں کیے جاتے تھے بلکہ کمپنی کے نفع کی صورت میں انگلستان بھیج دیے جاتے۔ کمپنی کے برطانی حصہ داروں میں ہر سال ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ تقسیم کیے جاتے۔ ایک غریب قوم کے مالیہ سے دنیا کی امیر ترین قوم کو ہر سال مزید دولت مند بنایا جاتا رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانی حکمرانوں کی اس تجویز کے ذریعے ہندوستان کو اقتصادی طور پر تباہ کیا گیا۔ آج بھی اسی اسکیم کی رو سے کروڑوں روپیہ ہندوستان سے انگلستان پہنچ جاتا ہے۔ . . . . انگلستان اور ہندوستان کے اقتصادی تعلقات ابتدا ہی سے ناروا تھے۔ ہندوستان اپنی زرخیز زمین، اپنے وسیع ذرائع اور اپنی صنعتی آبادی کے باوجود برطانی راج کے ایک صد و نیم صد سالہ عہد کے بعد دنیا کا مفلس ترین ملک ہے۔"

بنگال کی تجارت و صنعت کی تباہی کے متوازی زرعی بربادی کار فرما تھی۔ کمپنی کے ملازموں نے بردوان اور مدناپور کے اضلاع میں نیا بندوبست رائج کر کے وہاں کی زرعی آبادی میں بد اطمینانی کے بیج

ہو دیے۔ کمپنی کے روز افزوں اخراجات پورے کرنے کے لیے بڑی سختی سے مالیہ وصول کیا جاتا۔

برطانی پارچہ باف بنگالی پارچہ بافوں سے حسد کرنے لگے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بنگال کے نفیس و عمدہ کپڑے کی انگلستان میں درآمد بند ہو جائے۔ آزاد بنگال انگریزی جولاہوں کی اس خواہش پر زیادہ سے زیادہ مسکرا دیتا۔ لیکن محکوم بنگال کو اپنی صنعت' تجارت اور زراعت کی تباہی کا تماشا کرنے کے سوا کام ہی کیا تھا؟ انگلستان کے جولاہوں کی حوصلہ افزائی کے لیے کمپنی نے اپنا سیاسی اثر استعمال کیا۔ بنگال کے پارچہ بافوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ صرف برطانی فیکٹریوں میں کام کریں۔

باب ۹

رابرٹ کلاوٴ

بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے طرز عمل سے خوف زدہ ہوتے ہوئے کمپنی کی مجلس نظامت (لندن) نے کلاوٴ کو نظم و نسق کے پورے اختیارات دے کر بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ ۳۔ مئی ۱۷۶۵ء کو وہ کلکتہ پہنچا۔ اس کے پیش نگاہ دو بڑے مقاصد تھے ۔ پہلا یہ کہ کمپنی کے ملازموں کی بدعنوانیوں کو دور کیا جائے اور دوسرا یہ کہ شہنشاہ اور نواب بنگال سے سمجھوتہ کرکے کمپنی کی حیثیت کو آئینی صورت دے۔

اس نے سب سے پہلے کمپنی کے ملازموں کو نجی تجارت و تحائف وصول کرنے سے روک دیا۔ کمپنی کے ملازموں کی تنخواہیں چونکہ بہت قلیل ہوتی تھیں اس لیے اس نے چند افسروں کو نجی تجارت کی اجازت دے دی لیکن کمپنی کی مجلس نظامت نے اس کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کمپنی کے ملازموں کو ذاتی تجارت کی اجازت نہ دی۔ کلاوٴ کا دوسرا اقدام کمپنی کے اخراجات میں کمی کرنا تھا۔ جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر نے کمپنی کے فوجی افسروں کو ان کی فوجی خدمات کے عوض جو الاوٴنس دینا منظور کیا تھا وہ "ڈبل بھتہ" کہلاتا تھا۔ یہ بھتہ گو جنگ کے زمانے کے لیے منظور کیا گیا تھا لیکن کمپنی کے فوجی افسر امن کے زمانے میں بھی اسے وصول کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب شاہ عالم نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کو کمپنی کے حوالے کردیا تو ڈبل بھتہ بھی چونکہ کمپنی ہی کو ادا کرنا تھا اس لیے کلاوٴ نے اسے بند کردیا۔ اس کے اس اقدام کے خلاف کمپنی کے فوجی افسروں نے بہت احتجاج کیا لیکن کلاوٴ نے مخالفت کو دبا دیا۔

بکسر کی لڑائی میں نواب وزیر اور شاہ عالم انگریزوں سے شکست کھا چکے تھے لیکن کلاوٴ کو یہ اندیشہ تھا کہ نواب وزیر اور مرہٹے، شاہ عالم کو ساتھ ملا کر بنگال پر

حملہ کردیں گے چنانچہ اس نے نواب وزیر اور شاہ عالم سے ایسے معاہدے کرلیے' جن سے یہ "امکانی اتحاد" قائم نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لیے کلاوٴ نے نواب وزیر اور شاہ عالم سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں کلاوٴ نے نواب وزیر سے جو معاہدہ کیا اس کی رو سے نواب وزیر کو پچاس لاکھ روپیہ تاوان جنگ دینا پڑا۔ جس کے بدلے میں نواب وزیر کو کورہ اور الہ آباد کے اضلاع کے علاوہ اس کی ساری مملکت واپس کردی گئی۔ کلاوٴ نے نواب وزیر سے یہ معاہدہ بھی کیا کہ اگر اس کی مملکت پر کسی نے حملہ کیا تو انگریزی فوج اس کی مدد کرے گی اور اس مدد کا نواب وزیر کو معاوضہ دینا پڑے گا۔ نواب وزیر نے وعدہ کیا کہ وہ میر قاسم اور میجر سمرو کو اپنی مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے وگا۔ کلاوٴ نے نواب وزیر سے اودھ میں انگریزی فیکٹریاں قائم کرنے کی اجازت چاہی لیکن نواب نے اس شرط کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ جہاں کہیں انگریزوں نے اپنے قدم جمائے خواہ وہ تجارتی اغراض ہی کے لیے کیوں نہ ہوں وہ وہاں سے پھر کبھی نہیں ٹلے۔ وہ آخر کار اس علاقے پر قبضہ کرلیتے ہیں۔" نواب وزیر نے ایک دوسرے موقعہ پر کہا تھا کہ "کلکتہ کی چھوٹی سی فیکٹری نے کسی طرح بنگال' بہار اور اڑیسہ کو ہضم کرلیا ہے اور اب یہی فیکٹری والے آگے بڑھ کر گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔" نواب وزیر نے کلاوٴ کی اس شرط کو ماننے سے انکار کردیا۔ کلاوٴ نے نواب وزیر سے معاہدہ کرکے اودھ کو بنگال اور مرہٹوں کے درمیان ایک فاصل ریاست بنادیا۔

اب کلاوٴ نے شاہ عالم کے ساتھ ایک الگ معاہدہ کرنا چاہا۔ شاہ عالم گو ہندوستان کا شہنشاہ تھا لیکن اس کی حیثیت ایک "بے ملک نواب" سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بھی نواب وزیر کے ساتھ الہ آباد ہی میں مقیم تھا۔ کلاوٴ نے اس برائے نام شہنشاہ کی شہنشاہیت کو تسلیم کرلیا۔ اس نے کورہ اور الہ آباد کے اضلاع شاہ عالم کے حوالے کردیے تاکہ وہ ان اضلاع کی آمدنی سے ظاہری شان و شوکت قائم رکھ سکے۔ اب کلاوٴ نے شاہ عالم کو ترغیب دی کہ وہ بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کو چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ کے بدلے کمپنی کے حوالے کردے۔ شہنشاہ سے کمپنی کے نام پر دیوانی حاصل کرکے کلاوٴ نے بنگال' بہار اور اڑیسہ میں کمپنی کی آئینی حیثیت کو

مضبوط کردیا۔ دیوانی کے حصول نے کمپنی کو موقعہ دے دیا کہ وہ اپنے مقبوضات پھیلانے میں مصروف ہو جائے۔

اب کلاوٗ نے نواب سے ایک معاہدہ کر کے بنگال کی حفاظت کا کام کمپنی کے سپرد کروا دیا۔ نواب کو شہری نظم و نسق چلانے کے لیے کلاوٗ نے ترپن لاکھ روپیہ سالانہ منظور کیا۔ ان اختیارات نے کمپنی کی قوت میں نمایاں اضافہ کردیا تھا۔ شہری نظم و نسق کا کام نواب کے سپرد تھا اور مال گزاری کا وصول کرنا کمپنی کے ذمے تھا۔ اس دو عملی نے جہاں نواب کو ذمے داری دی وہاں اس سے اختیار چھین لیا اور جہاں کمپنی کو اختیار دیا وہاں اسے ذمے داری سے دور رکھا۔ تجربات نے اس دو عملی کو ناکام ثابت کردیا۔ حکومت کی ذمے داری نہ نواب لیتا تھا اور نہ کمپنی' اس دو عملی نے بنگال کے عوام کو تباہ و برباد کردیا۔ کمپنی کا صرف یہی کام تھا کہ وہ مال گزاری وصول کرے' دیسی مال افسروں اور انگریز نگرانوں نے مل کر لوگوں پر بہت ظلم کیے۔

جب کلاوٗ نے کمپنی کے فوجی افسروں کا "ڈبل بھتہ" بند کرنے کے لیے قدم اٹھایا تو کمپنی کے فوجی افسروں نے اس کے اس اقدام کو اپنے حقوق پر ایک ضرب خیال کرتے ہوئے انہوں نے کلاوٗ کو ایک عرض داشت بھیجی جس کے جواب میں اس نے یہ کہا "کمپنی کی مجلس نظامت کی ہدایات میں "ڈبل بھتہ" جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔" یہ جواب پانے کے بعد کمپنی کے فوجی افسروں نے کلکتہ کی حکومت کے خلاف ایک محاذ بنا کر کئی ایک شہروں میں بغاوت کرنی چاہی۔ کلاوٗ نے سب سے پہلے مرشد آباد پہنچ کر انگریزی فوج کے افسروں کی بے چینی کو رفع کیا۔ بانکی پور اور مونگیر کے جن فوجی افسروں نے کلاوٗ کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کے طور پر اپنے استعفی پیش کردیے تھے ان میں سے چار کو گرفتار کر کے کلکتہ پہنچا دیا گیا۔ الہ آباد میں بھی جن افسروں نے شورش برپا کرنی چاہی انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

۲۹۔ جنوری ۱۷۶۷ء کو کلاوٗ انگلستان چلا گیا۔ اس نے سوداگروں کی ایک جماعت کو ہندوستان کی سیاسیات میں اہم بنادیا۔ اس نے ہندوستان میں انگریزی راج کی بنیاد مضبوط کردی۔ کلاوٗ نے جہاں اپنے ہم وطنوں کو مشرق میں ایک بہت بڑی سلطنت کے قیام کا راستہ دکھا دیا وہاں اس کے کردار کا دامن لالچ' فریب اور

مکاری کے دھبوں سے داغ دار ہے۔ اس نے پلاسی کی لڑائی کے بعد بنگال میں جو سیاسی تبدیلی کی تھی اس میں نہ صرف اس نے لاکھوں روپیہ کمایا بلکہ اس نے کلکتہ کونسل کے لیے ایک مثال قائم کردی جس پر عمل کرکے کمپنی کے ملازموں نے بنگال میں اسی قسم کی تین سیاسی تبدیلیاں کرکے لوٹ مار سے دولت حاصل کی۔ امی چند سے اس نے جو سلوک کیا اس کا کمپنی کے ملازموں پر جو اثر پڑا اس نے بنگال کے عوام کی حالت کو بہت خراب کردیا۔ لین دین اور سیاسی امور میں قول و قرار کی پابندی ایک بے کار سی بات بن کر رہ گئی۔ مجلس نظامت کے احکام کے باوجود کمپنی کے چند بڑے بڑے عہدے داروں کو ذاتی تجارت کی اجازت دینا اس کے لالچی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے۔

انگلستان میں چند دن ٹھہرنے کے بعد کلاؤ اپنی صحت بحال کرنے کے لیے جنوری ۱۷۶۸ء میں پیرس چلا گیا۔ پیرس میں آٹھ مہینے رہنے کے بعد جب وہ لندن واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ پارلیمنٹ کا رکن چنا جا چکا ہے۔ اسی اثنا میں کمپنی کے چند عہدے داروں نے جو ہندوستان میں رہ چکے تھے کلاؤ کی بدعنوانیوں کی داستانوں کو بڑھا چڑھا کر پھیلانا شروع کردیا تھا۔ حیدر علی کی مہمات نے کمپنی کے سرمایہ داروں کو کچھ مدت کے لیے نفع کی امید سے محروم کردیا تھا۔ کمپنی کو مالی مشکلات سے رہائی دلانے کے لیے کمپنی کی مجلس نظامت نے ہندوستانی امور کی دیکھ بھال کے لیے تین نگرانوں کو ہندوستان بھیجا لیکن جس جہاز پر وہ سفر کر رہے تھے وہ راس امید کے قریب ڈوب گیا۔ اسی اثنا میں بنگال کے قحط نے مجلس نظامت سے نفع کی رہی سہی امید بھی چھین لی۔ اب پھر کمپنی کی مجلس نظامت نے نگرانوں کو ہندوستان بھیجنا چاہا لیکن لارڈ نارتھ نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر کمپنی کے لیے ایک مسودہ پیش کیا کہ کلکتہ میں ایک عدالت عالیہ قائم کی جائے جس میں ایک چیف جج اور تین جج ہوں اور جن کا تقرر انگلستان کا بادشاہ کیا کرے۔ گورنر بنگال کو مدراس اور بمبئی کے احاطوں میں بھی مداخلت کرنے کا حق ہو اور اسے گورنر جنرل کہا جائے۔ گورنر جنرل کی اعانت کے لیے پانچ ممبروں کی ایک کونسل مقرر کی جائے۔"

حیدر علی کی مہمات اور بنگال کے قحط کا تین سال تک برطانی پارلیمنٹ میں بہت چرچا رہا۔ اس بحث میں کلاؤ کا نام بار بار آتا تھا۔ جنرل بارگاوِنی نے ایوان میں

اپنی تحریک ملامت کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ "فوجی اثر یا معاہدے کی رو سے جو کچھ بھی حاصل ہو وہ اصولی طور پر حکومت کی ملکیت ہے' سول یا فوجی عہدے داروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کسی چیز کو اپنے ذاتی تصرف میں لائیں کیوں کہ ایسا کرنا خلاف قانون ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے بنگال کے نوابوں اور دوسروں سے اپنے سول یا فوجی عہدوں کی بنا پر بہت کچھ وصول کیا اور اسے ذاتی تصرف میں لائے۔" اس تحریک ملامت میں گو کسی خاص فرد کی طرف اشارہ نہیں تھا لیکن جب جنرل بارگاوَنی نے اس تحریک پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا اشارہ کلاوَ کی طرف ہے۔ جب اس کی تحریک منظور ہو گئی تو اس نے ۱۷۔ مئی ۱۷۷۳ء کو ایک اور تحریک پیش کرتے ہوئے کہا کہ "اس ایوان کی رائے میں رائٹ آنریبل رابرٹ' لارڈ کلاوَ بیرن آف پلاسی نے سراج الدولہ کی برطرفی اور میر جعفر کی مسند نشینی کے موقعہ پر اپنے اختیارات کے اثر سے جو اسے انتظامی کونسل کے رکن اور انگریزی فوج کے کمانڈر ہونے کی حیثیت سے حاصل تھے دو لاکھ روپیہ حاصل کیا اور کمانڈر ہوتے ہوئے اس رقم کو ذاتی تصرف میں لایا اور دو لاکھ اسی ہزار کی مزید رقم انتظامی کونسل کے رکن ہونے کی حیثیت سے حاصل کی اور قریباً" سولہ لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ ذاتی عطیہ کے نام پر حاصل کیا۔ یہ رقم دو لاکھ چونتیس ہزار پونڈ کے برابر ہے۔ اس فعل سے کلائو نے اس عہدے کی جس پر وہ مقرر تھا اور ان اختیارات کا جو اسے حاصل تھے غیر مناسب استعمال کیا اور اس طرح دوسرے ملازموں کے لیے ایک بری مثال قائم کرتے ہوئے حکومت کے نام اور اقتدار کو بٹہ لگایا اور اس کے مفاد کو نقصان پہنچایا" بارگاوَنی کی تقریر کے بعد کلاوَ نے اپنی تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ "کیا میں اسی کا مستحق ہوں کہ مجھے ملزم گردانا جائے اور میرے بہترین کام کو حکومت کے خلاف جرم قرار دیا جائے۔" ایک طویل بحث کے بعد ایوان میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ "رابرٹ کلاوَ نے اس کے ساتھ ہی اپنے ملک کی اعلیٰ اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔" ایوان عام کی اس بحث نے کلاوَ کی صحت' جو پہلے ہی خراب تھی اور زیادہ بگاڑ دیا۔ اس نے یورپ کا سفر کیا لیکن سیر اور تفریح اسے تسکین نہ دے سکی۔ انگلستان واپس آکر اس نے نومبر ۱۷۷۴ء میں خودکشی کر لی۔

باب ' ۱۰

ورلسٹ اور کارٹیئر

کلاوٗ کے انگلستان جانے اور وارن ہیسٹنگز کے تقرر کی درمیانی مدت (۱۷۶۷ء--۱۷۷۱ء) میں بنگال اس دو عملی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوتا رہا جسے کلاوٗ نے بنگال میں رائج کیا تھا۔ کلاوٗ کے دو جانشینوں ورلسٹ (۱۷۶۷ء--۱۷۶۹ء)اور کارٹیئر (۱۷۷۰ء--۱۷۷۲ء) کے دور حکومت میں کلاوٗ کی رائج کی ہوئی دو عملی قدم قدم پر ناکام ثابت ہو کر بنگال' بہار اور اڑیسہ کے عوام کے لئے مصیبتوں کا سبب بنی رہی۔ کمپنی کے ملازم بدستور لوٹ کھسوٹ میں مصروف رہے۔ دو عملی نے نواب اور کمپنی میں جو فرائض بانٹ دیئے تھے ان کی ذمہ داریوں کو نہ تو نواب اور نہ کمپنی محسوس کرتی تھی۔ عوام کی مصیبتوں کو بڑھانے کے لئے ۱۷۷۰ء میں بنگال میں ایک ہولناک کال پڑا۔ اس کال میں بنگال کی ایک تہائی آبادی مٹ گئی۔ کال کے زمانہ میں جب لوگ بھوک سے مر رہے تھے تو کمپنی کے ملازموں نے چاولوں کے ذخیرے جمع کرکے بلیک مارکیٹ شروع کردی۔ جب لوگ یوں بھوکوں مر رہے تھے تو کمپنی کے ملازم نہ صرف مالیہ وصول کرنے میں حد سے زیادہ سختی کرتے تھے بلکہ انہوں نے ۱۰ فی صد مالیہ بڑھا دیا۔ اس زمانہ میں بنگال دو عملی کی تباہ کاریوں کا شکار ہو رہا تھا اسی زمانے میں انگریز' جنوبی ہندوستان میں ایک ابھرتی ہوئی قوت کے خوف سے مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملاکر حیدر علی کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے میں مصروف تھے۔

۱۷۶۹ء کے جاڑوں میں بنگال میں ایک ایسا قحط پڑا جس کی تباہ کاریاں دو نسلوں تک باقی رہیں۔ کمپنی کی سرگرمیوں کا تذکرہ لکھنے والے انگریز مورخوں نے بنگال کے اس ہولناک حادثہ کی طرف بہت کم توجہ دی ہے لیکن اس زمانہ کے ریکارڈوں

میں اس قحط کی تباہ کاریوں کی پوری تصویر اب تک موجود ہے۔ اس قحط نے بنگال کو چالیس سال تک متاثر کئے رکھا۔ اضلاع کے انگریز افسروں نے قحط سے چند مہینوں پہلے کلکتہ کونسل کو آنے والے واقعات سے آگاہ کردیا لیکن کلکتہ کونسل کے ارکان نے ان افسروں کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ بنگال کی مال گزاری کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب کبھی حکومت کے کارندوں نے حکومت کو فصل کے خراب ہونے کی اطلاع دی تو حکومت نے یا تو مال گزاری معاف کردی یا پھر اس میں اس حد تک کمی کردی کہ کسانوں کو اس کی ادائیگی گراں نہ گزری۔ لیکن کونسل کے ارکان نے بنگال کی ان روایات کو سامنے نہ رکھا۔ جب کمپنی کے افسروں نے کونسل کو فصل کے خراب ہوجانے کی اطلاع دی تو اس پر بھی کونسل کی طرف سے مال گزاری کی معافی یا اس میں کمی کے احکام جاری نہ ہوئے چنانچہ کمپنی کے افسروں نے قحط کے مارے ہوئے لوگوں سے مال گزاری وصول کرکے انہیں بھوکوں مرنے کے لئے چھوڑدیا۔ چپتا کے مارے ہوئے لوگوں کی مصیبتوں کو بڑھانے کے لئے کونسل نے مال گزاری میں ۱۰ فی صد اضافہ کردیا۔ مئی ۱۷۷۰ء میں جب حالات بہت زیادہ بگڑ گئے تو کونسل نے کمپنی کی مجلس نظامت کو لکھا کہ "اس اموات و افلاس کی تباہ کاریاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ پورینیا کے سرسبز صوبے کی ایک تہائی آبادی مرچکی ہے۔ دوسرے حصوں کی کیفیت بھی کم و بیش یہی ہے"۔ کسانوں نے اپنے مویشی اور ہل بیچ دئے' انہوں نے اپنے بچوں کو فروخت کردیا۔ جب بچے خریدنے والا کوئی نہ رہا تو وہ درختوں کے پتے کھانے لگے۔ جون ۱۷۷۰ء میں مرشد آباد کے انگریز ریزیڈنٹ نے تسلیم کیا کہ زندوں نے مردے کھانے شروع کردئے ہیں۔ بھوک اور افلاس کے مارے ہوئے کسانوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا' وہ شہروں کی طرف چل دئے۔ صرف مرنے کے لئے! بنگال کے سرسبز گاؤں ایک سال میں ویرانوں میں بدل گئے' انسانوں کی صورت ڈھونڈے سے بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان سخت جانوں کے لئے جنہیں قحط موت کے منہ تک نہ پہنچا سکا' وباؤں نے گھیر لیا۔ اب وہ کہاں جاسکتے تھے' قحط جنہیں موت تک نہ پہنچا سکتا وبا موت کی صورت میں خود ان تک پہنچ جاتی۔ لاکھوں ایسے بدنصیب تھے جو ستمبر کی فصل کا انتظار نہ کرسکے۔ وہ ان لہلہاتے ہوئے خوشوں کو دیکھتے رہے جن کے پکنے سے پہلے

انہیں مرنا تھا۔ دسمبر کی فصل ستمبر سے بھی اچھی رہی لیکن مرنے والوں کی گنتی بڑھتی چلی گئی۔ اس اچھی فصل کو کمپنی کے کارندوں نے سستے داموں اناج خریدنے اور ذخیرہ کرنے کا حیلہ بنا لیا۔ کمپنی نے اپنے گوداموں کو اناج سے بھر لیا۔ رعایا کا پیٹ کون بھرتا؟

اس قحط نے بنگال کی ایک تہائی آبادی کو موت کا شکار بنا دیا۔ اگلے سال بنگال پھر سرسبز اور شاداب ہو گیا لیکن ہل چلانے والے کہاں تھے؟ بنگال کے زرخیز ترین خطوں میں بھی ویرانی دکھائی دیتی تھی لیکن کمپنی کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ "زمینیں ویران ہونے سے مال گزاری گھٹتی جا رہی ہے"۔ کونسل کے ارکان کو لاکھوں انسانوں کا بھوک سے مرجانا متاثر نہ کر سکا۔ وہ متاثر ہوئی بھی تو صرف مال گزاری کے گھٹنے سے! کتنے سادہ تھے مرنے والے؟ اور کتنے ہوشیار تھے مال گزاری والے؟

بنگال کے کسانوں کی ایک تہائی تعداد کی تباہی کے بعد بنگال کی بہت سی زمین کھیتی باڑی کرنے والوں سے محروم ہو گئی۔ کسانوں کی اس کمی نے جاگیرداروں اور کاشت کاروں کے تعلقات میں تبدیلی پیدا کر دی۔ قحط سے پہلے بنگال میں کاشت کے قابل زمین کے مقابلے پر کاشت کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے کاشت کار اپنے گاؤں ہی میں جوں توں کر کے اپنا پیٹ پال لیتا تھا۔ وہ جاگیردار کی ہر شرط پر کھیتی باڑی کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔ لیکن قحط کے بعد زمین زیادہ تھی اور کاشت کار کم۔ کاشت کاروں کی اس کمی نے بنگال میں کاشت کاروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا۔ کاشت کاروں کا یہ طبقہ اپنے باپ دادا کی بستیوں کو چھوڑ' دور دراز کے علاقوں میں جا کر کھیتی باڑی کرنے لگا۔ غیر رہائشی کاشت کاروں کے اس نئے طبقے نے پانچ چھ سال کی مدت میں اپنے لئے ایک نئی جگہ پیدا کر لی۔ قحط سے پہلے کاشت کار اپنے گاؤں میں ہی زندگی گزار دیتا تھا لیکن اگر کبھی اسے کھیتی باڑے کے لئے کسی دوسری جگہ جانا بھی پڑتا تو وہ نہائت ذلت آمیز شرطوں پر کام کرتا لیکن قحط کے بعد جب کاشت کاروں کی کمی ہو گئی تو غیر رہائشی کسانوں کے اس طبقے نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ انہیں رہائشی کسانوں سے بہتر شرطوں پر کام مل جاتا۔ کسانوں کے اس نئے طبقے نے دیہاتی بنگال میں اپنی حیثیت کو نمایاں رکھا۔ جاگیرداروں کی ایک تہائی زمین بنجر ہو چکی تھی۔ یہ جاگیردار غیر رہائشی کسانوں کو نرم سے نرم شرطوں پر زمین دینے

کے لئے تیار ہو گئے' بارہا کسانوں کو حاصل کرنے کے لئے جاگیرداروں میں لڑائی شروع ہو جاتی۔ جب رہائشی کسانوں نے غیر رہائشی کسانوں کی معاشی حالت کو اپنے سے بہتر پایا تو انہوں نے بھی اپنے باپ دادا کی بستیوں کو چھوڑ دیا۔ اس طرح بنگال کی ایک تہائی زمین کئی سال تک بنجر پڑی رہی۔ ۱۷۸۹ء میں کارن والس نے اعلان کیا کہ "ایک تہائی بنگال میں انسانوں کی جگہ جنگلی جانور رہتے ہیں"۔

کونسل کے ارکان نے کمپنی کی مجلس نظامت کو جو چٹھیاں لکھیں ان سے بھی اس قحط کی تباہ کاریوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

○--۲۳ نومبر ۱۷۶۹ء-○

"اناج کی کمی سے جو تباہی پیدا ہو سکتی ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ بارش نہ ہونے سے بنگال کے ہر حصے میں قحط کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ ایسا قحط پڑے گا جس کی مثال نہ مل سکے گی۔ ہمارے خیال میں چھ مہینے سے پہلے قحط دور نہیں ہو سکے گا اس لئے ہم نے ابھی سے اپنی فوج کی ضرورت کے مطابق اناج حاصل کرنے کا حکم دے دیا ہے"۔

○--۲۵ جنوری ۱۷۷۰ء--○

"ہم آپ کو نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے خط مورخہ ۲۳ نومبر ۱۷۶۹ء میں جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ اب سارے بنگال کو گھیرے ہوئے ہیں۔ بردوان کے راجے اور وہاں کے ریزیڈنٹ نے جو عرض داشت بھیجی ہے اسے کلکٹر جنرل نے ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس میں ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس سال مالگزاری میں کمی کر دی جائے۔ ہمارے خیال میں ایسا کرنے سے کسانوں کو بھی بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس طرز عمل سے آپ کو عارضی تکلیف ہوگی' لیکن آپ کو مجموعی طور پر گھاٹا نہیں رہے گا کیونکہ اگر اگلے سال حالات اچھے ہو گئے تو اس کمی کو پورا کر لیا جائے گا۔"

○--۴ فروری ۱۷۷۰ء--○

"ہمیں اس وقت بنگال میں مال گزاری وصول کرنے میں کسی قسم کی ناکامی

نہیں ہوئی۔"

○--۹ مئی ۱۷۷۰ء (خفیہ)○

"پچھلے چھ مہینوں سے بنگال کے اضلاع میں ایک بوند تک نہیں پڑی۔ قحط' اموات اور افلاس کا تذکرہ بیان سے باہر ہے۔ پورینیا میں ایک تہائی آبادی مرچکی ہے۔ دوسرے اضلاع کی بھی یہی حالت ہے۔ بہار کے ناظم نے ریزیڈنٹ کو اطلاع دی ہے کہ اپریل کی فصل بہت خراب ہوئی ہے اس لئے بانکی پور کی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا جائے تاکہ فوج کو جو اناج صرف کرنا ہے اس سے ہزاروں لوگوں کی جانیں بچائی جا سکیں نیز یہ کہ اناج کی قیمت بہت چڑھ گئی ہے۔"

○--۲۸ جون ۱۷۷۰ء○

"اس مدت میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ ہم نے جس قحط کا ذکر کیا تھا اس کی تباہ کاریوں میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ ہماری تمام کوششوں کے باوجود تباہی اور بربادی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ آپ کے منافع میں کمی یقینی ہے۔"

کلکتہ کونسل کی ان چھٹیوں کے علاوہ ان عرض داشتوں سے بھی اس قحط کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو بنگال کے ذمہ دار دیسی افسروں نے کلکتہ کونسل کو لکھیں۔

مہاراجہ شتاب رائے:"اس صوبے میں اناج کی اس حد تک کمی ہے کہ پٹنہ کے بازاروں میں ہر روز پچاس انسان بھوک سے مرجاتے ہیں۔ دوسرے اضلاع میں حالات اس سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ بانکی پور کی انگریزی فوج کے لئے ڈھاکہ سے چالیس ہزار من چاول ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اناج کی اس مقدار کو بہت جلدی پٹنہ پہنچادیں تاکہ فوج اس صوبہ کے اناج کو صرف کرنا شروع نہ کردے جو خود اس کی اپنی ضرورت کے لئے ناکافی ہے۔"(۴ جنوری ۱۷۷۰ء کو ملی)۔

محمد رضا خاں:"میں نے مال گزاری وصول کرنے کے لئے ہر امکانی

کوشش صرف کردی ہے۔ خدا کے کاموں میں دخل نہیں دیا جاسکتا' میں آپ سے ملک کی تباہ کاری بیان نہیں کر سکتا۔ تالاب اور چشمے سوکھ چکے ہیں' پانی حاصل کرنا دشوار ہو چکا ہے۔ قحط کی تباہ کاریوں کو آگ نے مکمل کردیا ہے۔ راجہ گنج' دیوان گنج' دیناج پور اور پورینیا میں اناج کے جو ذخیرے باقی تھے وہ سب آگ نے جلا ڈالے۔ میں نہیں جانتا کہ اس ملک کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ صرف خدا ہی ہمیں اس مصیبت سے رہائی دلا سکتا ہے۔" (۱۵ مئی ۱۷۷۰ء کو ملی)

بنگال کے اس قحط کو کمپنی کے افسروں اور ملازموں نے دولت جمع کرنے کا ایک اچھا موقع جان کر اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ کمپنی کی مجلس نظامت نے ۲۸۔ اگست ۱۷۷۱ء کو کونسل کو جو مراسلہ بھیجا اس میں ان لوگوں کی جنھوں نے قحط کے دنوں میں لوگوں کو قحط سے بچانے کی کوشش کی تعریف کرنے کے بعد "مجلس نظامت ان لوگوں (خاص کر انگلستان کے رہنے والوں) کے خلاف ناراضگی کا اظہار کرتی ہے جنھوں نے اس عوامی تباہی کو ذاتی فائدہ کا ذریعہ بنایا۔ محمد رضا خاں کے مراسلات میں بتایا گیا ہے کہ انگریزوں نے نہ صرف اناج کا ذخیرہ کرلیا بلکہ انہوں نے کسانوں کو مجبور کردیا کہ وہ اگلی فصل کے لئے رکھے ہوئے بیج کو بھی بیچ ڈالیں۔"

۱۷۷۰ء کے شروع میں جان شور انگلستان سے کلکتہ پہنچا۔ اس نوجوان نے آگے چل کر بہت بڑا عہدہ پایا لیکن اس وقت وہ ایک معمولی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے سلسلہ میں کلکتہ پہنچا تھا۔ بنگال کے قحط نے اس پر جو اثر کیا اسے اس نے ایک نظم میں پیش کیا تھا۔

فاکس ایسٹ انڈیا بل پر تقریر کرتے ہوئے اڈمنڈ برک نے اس قحط کی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہندوستان پر تاتاریوں کا حملہ بہت خوفناک تھا لیکن ہم ہندوستان کو اپنی حفاظت میں لے کر اسے زیادہ تباہ کر رہے ہیں۔ وہ تاتاریوں کی دشمنی تھی اور یہ ہماری دوستی ہے۔ ہمارے مفتوحہ علاقے کی بدحالی آج بھی ویسی ہے جیسی بیس سال پہلے تھی۔ ہندوستانیوں سے ہمدردی کئے بغیر چند چھوکرے ان پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہر وہ روپیہ جو انگریز کو نفع میں حاصل ہوتا ہے اصل میں ہندوستان کا نقصان ہے۔"

ورلسٹ ہی کے عہد میں جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی کے ساتھ پہلی مرتبہ لڑنا پڑا۔

رات ! تاریکی ! بارش ! بادلوں کی گرج' بجلی کی کڑک' تیز و تند ہوائیں' ابر کے سیاہی مائل ٹکڑے اور ژالہ باری' ماحول کی یہ ہولناکی جری سے جری انسان کے حوصلے پست کر رہی ہے۔ لوگ سہمے ہوئے گھروں میں بیٹھے ہیں۔

بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج سے دل دہل رہے ہیں۔ بچے مارے خوف کے ماؤں کی چھاتیوں سے چپٹے جا رہے ہیں۔ اس بھیانک اور ڈراؤنی رات میں ایک شخص پونا کے قلعہ میں چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔

مادھو راؤ راجہ میسور کا خط پڑھنے میں مصروف ہے۔ راجہ نے مادھو راؤ کو لکھا تھا کہ وہ اسے حیدر علی کے پنجے سے آزاد کرائے کیونکہ حیدر علی میسور کے تخت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اگلے دن طوفان باد و باراں میں مرہٹہ فوج سرنگاپٹم روانہ ہوئی۔ دربار میسور نے حیدر علی کو مرہٹہ فوج کی نقل و حرکت سے بے خبر رکھا۔ جب مرہٹہ فوج سرنگاپٹم کے قریب پہنچی تو حیدر علی کے ایک دوست نے بتایا کہ مرہٹہ فوج اسے گرفتار کرنے کے لئے راجدھانی کے بہت قریب پہنچ گئی ہے۔ یہ اطلاع اسے شام کے وقت دی گئی۔ راجہ کی طرف سے حیدر علی کی نقل و حرکت پر جاسوس مقرر ہو چکے تھے۔ رات کی تاریکی میں حیدر علی سرنگاپٹم سے بھاگ نکلا۔ اگلی رات حیدر علی نے بنگلور میں بسر کی۔ مرہٹہ فوج اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ جب یہ فوج بنگلور پہنچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکل کر اس فوج پر حملہ کیا۔ مرہٹہ فوج شکست کھانے کے بعد واپس ہوئی۔ سرنگاپٹم کی حفاظت کے لئے اب کوئی مرہٹہ فوج نہ تھی۔ چنانچہ حیدر علی نے سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ وہ ہنوز اس تیاری میں مصروف تھا کہ اسے میسور کی رانیوں کی طرف سے ایک مکتوب ملا جس میں لکھا گیا تھا کہ ریاست کو تباہی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ حیدر علی بہت جلد سرنگاپٹم پہنچ جائے۔ حیدر علی کی فوج نے نہایت آسانی سے سرنگاپٹم کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اگلے دن حیدر علی نے راجہ کی خدمت میں چند تحائف بطور نذرانہ پیش کئے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ راجہ سے ملاقات کرنے کے بعد حیدر علی نے

راجہ کے مصارف کے لئے تین لاکھ روپے کی جاگیر علیحدہ کردی اور میسور کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر علی نے راجہ میسور کو معزول کرنے کے لئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کے خلاف راجہ میسور نے مرہٹوں سے مل کر ایک بہت بڑی سازش کی۔ راجہ اس سازش میں ناکام رہا۔ سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد حیدر علی اپنے زمانے کے دستور کے مطابق راجہ میسور سے ہر قسم کا سلوک کر سکتا تھا لیکن اس نے راجہ کے وجود کو برقرار رکھا اور خود ایک ناظم اعلی کی حیثیت سے ریاست کے نظم و نسق میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت ریاست' شہر میسور اور تینتیس دیہات پر مشتمل تھی۔

حیدر علی ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے فنون جنگ کی تعلیم دی گئی۔ جب وہ جوان ہوا تو اس نے میسور کے راجہ کی ملازمت کرلی۔ پائین گھاٹ کی جنگ میں حیدر علی نے ذاتی شجاعت کے کارنامے سرانجام دئے جس کے صلہ میں دربار میسور نے اسے ڈنڈی گل کا گورنر بنا دیا۔ ۱۷۵۷ء میں دربار میسور نے حیدر علی کو میسوری فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا۔ پانی پت کی تیسری جنگ میں جب مرہٹوں کو شکست ہوئی تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیدر علی نے میسور کا وہ تمام علاقہ واپس لے لیا جس پر مرہٹوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ اسی اثناء میں ریاست کا وزیر نند راج راجہ کے خلاف ایک سازش میں مصروف تھا۔ حیدر علی نے اس موقع پر نند راج کو وزارت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کردیا۔ اس کام کے سلے میں راجہ میسور نے حیدر علی کو "فرزند ارجمند" کا خطاب دیا۔ حیدر علی کے ذاتی اثرورسوخ اور اس کی جرات و شجاعت کے پیش نظر شہنشاہ دہلی نے اسے سرا کا صوبہ دار مقرر کردیا۔ اس فرمان کے بعد میسور حیدر علی کی ایک باجگزار ریاست بن گئی۔ لیکن راجہ میسور چاہتا تھا کہ حیدر علی کے اقتدار کو ختم کردے۔ چنانچہ اس نے مادھو راؤ کو خط لکھ کر اس سے فوجی مدد طلب کی تھی۔ حیدر علی نے اس فوج کو شکست دینے کے بعد میسور کا نظم و نسق خود سنبھال لیا تھا۔ بید نور کی فتح نے حیدرؒ علی کو جنوبی ہندوستان پر سب سے بڑا انسان بنا دیا۔ اس نے بہت جلد ملیبار اور شاہ نور پر قبضہ کرلیا۔ مادھو راؤ پیشوا حیدر علی کو ابھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا' چنانچہ ۱۷۶۵ء میں وہ بہت

بڑی فوج لے کر میسور پر حملہ آور ہوا۔

بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل اور گرم کنڈہ پر قبضہ کرنے کے بعد سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔ حیدر علی کو اس امر کا احساس تھا کہ اگر مادھوراؤ نے سرنگاپٹم پر قبضہ کرلیا تو اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ مرہٹہ اور میسوری فوجوں میں جنگ ہونے کے بعد صلح ہوگئی۔

جب مادھوراؤ نے میسور پر حملہ کیا تو اس وقت انگریزوں اور نظام دکن (نظام علی خاں) کا خیال تھا کہ مادھوراؤ اپنے بل بوتے پر حیدر علی کی ابھرتی ہوئی قوت ختم کردے گا۔ لیکن جب حیدر علی اور مادھوراؤ میں صلح ہوگئی تو انگریزوں اور نظام دکن نے حیدر علی کے خلاف محاذ بنالیا۔ اس محاذ میں ایک مرہٹہ سردار بھی شامل ہوگیا۔ اتحادیوں نے میسور کا رخ کیا۔ اتحادی فوجوں کی کمان کرنل سمتھ کے ہاتھ میں تھی۔ حیدر علی بھی اپنی فوج لیے ہوئے اتحادیوں کا راستہ روکنے کے لئے بالاگھاٹ کی طرف بڑھا۔ اسی اثناء میں ایک انگریزی فوج منگلور کے ساحل پر اتری تاکہ بیدنور پر قبضہ کرلے۔ حیدر علی نے مشرقی محاذ کی کمان محمد علی کمیدان کے سپرد کی اور خود اپنے بیٹے ٹیپو کو ساتھ لے کر منگلور کا رخ کیا۔ انگریزی فوج کو شکست دینے کے بعد حیدر علی مشرقی محاذ کی طرف بڑھا۔ اسی اثناء میں اتحادی فوجوں نے کئی ایک مقامات پر قبضہ کرلیا تھا۔ حیدر علی نے مختلف مقامات پر اتحادیوں کو اس حد تک پریشان کر دیا کہ نظام اپنی فوج سمیت اتحادیوں سے الگ ہوگیا۔ مرہٹہ سردار بھی حیدر علی کے ساتھ سمجھوتہ کرکے پونا چلا گیا۔ اب حیدر علی نے محمد علی (نواب ارکاٹ) کی ریاست پر دھاوا بول دیا۔ میسوری فوج نے کرناٹک کے کئی ایک شہروں پر قبضہ کرلیا۔ کرنل سمتھ اور محمد علی مدراس پہنچ کر انگریزی حکومت سے مشورہ کرنے میں مصروف تھے کہ ٹیپو کی کمان میں میسوری فوج قلعہ سینٹ جارج کے آس پاس پہنچ گئی۔ مدراس پر گولے برسنے لگے۔ ایک گولہ اس جگہ کے قریب گرا جہاں محمد علی اور گورنر مدراس مشورہ کر رہے تھے۔ گورنر مدراس نے بھاگ کر ایک جہاز میں پناہ لی۔ گورنر اپنی ٹوپی اور تلوار کو میز پر ہی چھوڑ گیا۔ محمد علی نے بھی بھاگ کر اپنے محل میں پناہ لی۔ کرنل سمتھ چونکہ مدراس سے کلکتہ چلا گیا تھا اس لئے اب کرنل اوڈ نے بنگلور پر قبضہ کرنے کے لئے چڑھائی کی۔ حیدر علی نے کرنل اوڈ

کو شکست دے کر انگریزی فوج کی بہت سی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ مدراس کی انگریزی حکومت نے کرنل اوڈ کو واپس بلا کر کرنل لینگ کو اس کی جگہ کمانڈر مقرر کیا۔ حیدر علی نے اپنے بہت سے شہروں کو انگریزی فوجوں سے چھڑانے کے بعد مدراس پر چڑھائی کر دی۔ حیدر علی کو مدراس کی طرف بڑھتا ہوا پا کر گورنر مدراس نے کیپٹن بروک کو صلح کی بات چیت کے لئے حیدر علی کے پاس بھیجا لیکن اس نے بروک کو یہ جواب دیا کہ "میں خود مدراس پہنچ کر گورنر اور مدراس کونسل کی شرطوں پر غور کروں گا۔" تین دن میں ایک سو بیس میل کا کوچ کرنے کے بعد حیدر علی سینٹ تھامس میں پہنچ گیا جو مدراس سے صرف پانچ میل دور تھا۔ حیدر علی کی پیش کی ہوئی ان شرطوں پر کہ "آئندہ فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے، فریقین مقبوضات کو چھوڑ دیں اور قیدیوں کا تبادلہ کر لیں اور علاقہ کرور کو محمد علی سے چھین کر حیدر علی کو دیا جائے۔" ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء گورنر مدراس نے دستخط کر کے میسور کی پہلی لڑائی کو ختم کر دیا۔ ایک انگریز مورخ کے لفظوں میں "اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو اس کا خاتمہ اس سے بھی برا نکلا۔"

دو سال بعد جب پیشوا نے میسور پر حملہ کیا تو حیدر علی نے معاہدہ کے مطابق انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انگریزوں نے حیدر علی کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ حیدر علی اور مرہٹوں میں لڑائی جاری تھی کہ مادھو راؤ اس دنیا سے چل بسا۔ نارائن راؤ اور رگھو ناتھ (رگھوبا) میں پیشوائی کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ حیدر علی نے پونا کے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرہٹہ کمانڈر ترمک راؤ کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ حیدر علی سے چھتیس لاکھ روپے لے کر ترمک راؤ پونا چلا گیا۔ مرہٹہ فوج کے واپس ہونے پر حیدر علی نے کورگ پر قبضہ کرنے کے بعد مالابار کے بہت سے علاقے فتح کر کے کنارہ کے نام سے ایک نیا صوبہ بنا کر سردار خان کو اس کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس طرح حیدر علی نے بہت تھوڑی مدت میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کر لی۔

نارائن راؤ نے پیشوا بنتے ہی رگھوبا کو قید کر دیا لیکن اس کے قتل کے بعد رگھوبا قید سے نکل کر پیشوا بن گیا۔ لیکن دربار پونا میں نارائن راؤ کے دودھ پیتے بچے کو پیشوا بنانے کے لئے نانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار متحد ہو چکے تھے۔

رگھوبا کو آخرکار پونا سے بھاگنا پڑا۔ رگھوبا نے میسور میں آکر حیدر علی سے امداد طلب کی۔ حیدر علی اور رگھوبا میں ابھی بات چیت ہو رہی تھی کہ اس کی فوج کے بہت سے سپاہیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس پر رگھوبا نے گجرات کی راہ لی' رگھوبا نے بمبئی کی انگریزی حکومت سے امداد طلب کی' بمبئی کی انگریزی حکومت کے اس طرز عمل سے انگریزوں اور مرہٹوں میں ایک لمبی لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی کے دوران میں نظام دکن' مرہٹوں (گائیک وار کے علاوہ) اور حیدر علی نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کے لئے ایک متحدہ محاذ بنایا لیکن سندھیا کی مدد سے وارن ہیسٹنگز نے اس متحدہ محاذ کو عہد نامہ سلبئی کے ذریعہ منتشر کر دیا۔

باب ۱۱

وارن ہیسٹنگز

(۱۷۷۲ء - ۱۷۸۵ء)

وارن ہیسٹنگز کا عہد کمپنی کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے عہد میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان کا پہلا اور آخری گورنر جنرل ہو گا۔ وارن ہیسٹنگز اپنے عہد میں کمپنی کے مقبوضات میں کوئی اضافہ نہ کرسکا لیکن اس نے ہندوستان کی ان قوتوں کو منتشراور کمزور کردیا جن سے انگریزوں کو خطرہ تھا۔

وہ اٹھارہ سال کی عمرمیں کمپنی میں کلرک ہو کر کلکتہ پہنچا تھا لیکن بہت جلد قاسم بازار میں ریزیڈنٹ بناکر بھیج دیا گیا۔ جب سراج الدولہ نے قاسم بازار پر قبضہ کیا تو اسے قید کر لیا گیا۔ اس نے قید سے بھاگنے کے بعد کلاؤ کے ماتحت کام کیا۔ ۱۷۶۱ء میں وہ کلکتہ کونسل کا رکن ہو گیا۔ تین سال تک کلکتہ کونسل کا رکن رہنے کے بعد وہ پانچ سال کے لئے انگلستان چلا گیا۔ ۱۷۶۹ء میں کمپنی کی مجلس نظامت نے اسے مدراس کونسل کا رکن بنا کر بھیجا۔ ۱۷۷۲ء میں اسے کارٹیئر کی جگہ بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا۔

دو عملی اور قحط نے بنگال کو تباہ کر رکھا تھا۔ بنگال کا سارا نظم و نسق مٹی میں مل چکا تھا۔ کمپنی کے انگریز افسروں نے بنگال کی ساری تجارت پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لوٹ کھسوٹ کے میدان میں کمپنی کے دیسی ملازم اپنے انگریز افسروں سے کسی طرح پیچھے نہیں تھے۔ ان حالات میں کمپنی کے خزانے میں بہت کم رقم جمع ہو سکتی تھی۔ وارن ہیسٹنگز نے سب سے پہلے مال گزاری وصول کرنے پر توجہ کی کیونکہ کمپنی کی مجلس نظامت کی یہ ہدایت تھی کہ "مال گزاری کو کمپنی کے افسروں کے ذریعے وصول کیا

جائے۔" چنانچہ وارن ہیسٹنگز نے سب سے پہلے بنگال کے نائب ناظم محمد رضا خاں اور بہار کے نائب ناظم راجہ شتاب رائے کو موقوف کرکے ان پر مقدمہ چلایا لیکن عدالت انہیں مجرم ثابت نہ کر سکی۔ وارن ہیسٹنگز نے بنگال اور بہار کے ہر ضلع میں مال گزاری وصول کرنے کے لئے انگریز کلکٹر مقرر کئے۔ ہر ضلع میں دیوانی اور فوجداری عدالتیں قائم کیں۔ دیوانی مقدمات کا انگریز کلکٹر فیصلہ کرنے اور فوجداری مقدموں کی سماعت دیسی ججوں کے سپرد تھی۔ دیوانی فیصلوں کی اپیل کے لئے اس نے کلکتہ میں صدر دیوانی عدالت اور فوجداری فیصلوں کی اپیل کے لئے صدر نظامت عدالت قائم کی۔

اس وقت تک کمپنی کا خزانہ مرشد آباد میں تھا۔ وارن ہیسٹنگز نے اس خزانہ کو مرشد آباد میں منتقل کردیا۔ اس خزانے کو بھرنے کے لئے گورنر بنگال نے نواب بنگال کا وظیفہ آدھا کردیا اور شاہ عالم کو خراج دینا بند کردیا کیونکہ وہ انگریزوں کی پناہ سے نکل کر مرہٹوں کی پناہ میں جا چکا تھا۔ اس نے الہ آباد اور کورہ کے اضلاع کو شاہ عالم سے چھین کر نواب اودھ کے ہاتھ چالیس لاکھ روپے میں بیچ دئے۔ شمالی ہند میں مرہٹوں کے دوبارہ عروج اور شہنشاہ شاہ عالم کے مرہٹوں کے پاس چلے جانے سے گورنر بنگال کو ہر لحہ بیرونی حملے کا کھٹکا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے نواب اودھ (شجاع الدولہ) کی مملکت کو انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان ایک فاصل ریاست بنانا چاہا۔ ۱۷۷۲ء میں وارن ہیسٹنگز اور شجاع الدولہ میں معاہدہ بنارس طے پایا۔ جس کی رو سے گورنر بنگال نے کورہ اور الہ آباد کے اضلاع شجاع الدولہ کے ہاتھ بیچ دیے۔ اس معاہدہ میں یہ بھی طے پایا تھا کہ انگریزی فوج کا خرچ برداشت کرنے پر انگریزی فوج ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے گی۔ وارن ہیسٹنگز نے اودھ کے بارے میں جو پالیسی اختیار کی تھی اس نے آگے چل کر اسے روہیلوں سے لڑوادیا۔

اورنگ زیب کی موت (۱۷۰۷ء) کے بعد مغلیہ سلطنت پر زوال آنے لگا۔ آئندہ پچاس سال میں مرہٹوں نے جنوبی ہند سے شمالی ہند تک کے قریباً" سارے علاقوں پر حملے کیے۔ ان میں سے کئی ایک علاقوں پر مرہٹوں نے قبضہ کرلیا۔ ۱۷۱۷ء میں مغل شہنشاہ کے ایک فرمان کے مطابق مرہٹوں کو جنوبی ہند میں چوتھ وصول کرنے کی اجازت مل گئی۔ ۱۷۴۱ء میں انہوں نے بنگال پر حملے کئے۔ دس سال بعد

بنگال کے نواب نے مرہٹوں سے چوتھ دینے کا وعدہ کرکے بنگال کو ان کے تباہ کن حملوں سے بچایا۔ ۱۷۵۹ء میں انہوں نے دلی پر قبضہ کرلیا۔ دو سال بعد افغانستان کے بادشاہ نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی۔ پانی پت کے میدان میں تین لاکھ مرہٹہ سپاہیوں میں سے دو لاکھ کام آ چکے تھے۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ مرہٹوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا ہے لیکن چند سال کے اندر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ قوت پکڑ لی۔ انہوں نے دلی پر قبضہ کرکے دوآب اور روہیل کھنڈ کو ویران کر دیا۔ مرہٹوں نے آگے بڑھ کر اودھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن انگریزوں نے اپنے مفاد کے لئے اودھ کو مرہٹوں کے ہاتھوں ویران ہونے سے بچالیا۔ اس زمانہ میں اودھ اور کمپنی کی سرحدیں ملتی تھیں اس لئے انگریزوں کو یہ کھٹکا تھا کہ مرہٹے اودھ کو پامال کرنے کے بعد بہار اور بنگال پر حملہ کردیں گے چنانچہ انہوں نے نواب اودھ کی پوری پوری مدد کی تاکہ مرہٹے اس کی ریاست میں داخل نہ ہو سکیں۔

روہیل کھنڈ ہمالیہ کے دامن اور اودھ کے شمال مغرب میں ایک زرخیز علاقہ ہے' اٹھارویں صدی کے شروع میں روہیلوں کے ایک سردار علی محمد نے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ علی محمد کی فوج میں بہت سے افغانوں نے شامل ہوکر اس کی طاقت کو بڑھا دیا' اس طاقت کے زور پر علی محمد دلی کے شہنشاہ کے احکام ماننے سے انکار کرتا رہا۔ اس نے دلی کے خزانے میں روپیہ بھیجنا بند کردیا۔ نادر شاہ کے حملے نے دلی کے شہنشاہ کی حیثیت کو بہت کمزور کردیا تھا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئی علی محمد نے اسے مجبور کردیا تھا کہ وہ اسے روہیل کھنڈ کا حاکم مان لے۔ نواب اودھ نے علی محمد کی ابھرتی ہوئی قوت دبانے کے لئے شہنشاہ کے ساتھ مل کر روہیل کھنڈ پر حملہ کردیا۔ علی محمد کے لئے صفدر جنگ اور محمد شاہ کی فوجوں کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ علی محمد نے ہتھیار ڈال دیے۔ محمد شاہ اسے دلی لے گیا۔ چونکہ اس کے ساتھیوں میں ابھی بہت قوت تھی اس لئے شہنشاہ نے اسے سرہند کا حاکم بنا دیا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو علی محمد کو روہیل کھنڈ چلے جانے کا موقع مل گیا۔ اس نے بہت تھوڑی مدت میں اپنے پرانے ساتھیوں کو اپنے اردگرد جمع کرکے روہیل کھنڈ میں آزاد حکمران کی حیثیت اختیار کرلی۔ علی محمد نے اپنی فوج کو بہتر اور مضبوط بنانے کے بعد اپنی ریاست کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔

۱۷۴۹ء میں اس کی موت کے وقت اس کے دو بڑے بیٹے فیض اللہ خاں اور عبداللہ خاں، قندھار میں قید تھے۔ باقی چار بہت چھوٹے تھے اس لئے اس نے اپنے چچا حافظ رحمت خاں کو اپنے بیٹوں کا اتالیق اور نواب دوندے خاں کو اپنی فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ لیکن علی محمد کی موت کے بعد ایک طرف تو روہیل کھنڈ کے افغان سردار آپس میں لڑنے لگے اور دوسری طرف صفدر جنگ نے روہیلوں کی قوت کو توڑنے کے لئے مراد آباد کے حاکم قطب الدین کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن دوندے خاں نے اسے شکست دی۔ قطب الدین کے مارے جانے کے بعد صفدر جنگ نے فرخ آباد کے افغان سردار قائم جنگ سے روہیل کھنڈ پر حملہ کروادیا۔ حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے قائم جنگ کو بدایوں کے قریب شکست دی۔ قائم جنگ لڑائی میں مارا گیا۔ نواب صفدر جنگ نے ان لڑائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرخ آباد پر قبضہ کرلیا۔ لیکن بہت جلد قائم جنگ کے بیٹے احمد خاں نے نواب صفدر جنگ کی فوج کو شکست دی، اس شکست کی خبر سنتے ہی نواب صفدر جنگ نے قائم جنگ کے خاندان کے ہر اس فرد کو قتل کردیا جسے وہ پا سکتا تھا۔ ایک بہت بڑی فوج لے کر وہ اس کے بیٹے کے خلاف لڑنے لے لئے نکلا جس نے اس کے کہنے پر روہیل کھنڈ پر حملہ کیا تھا۔ احمد خاں نے صفدر جنگ کو شکست دی، اس نے بھاگ کر جان بچائی۔ روہیلوں نے الہ آباد تک کے علاقے کو خوب لوٹا۔ وہ الہ آباد پر بھی قابض رہے۔

اب صفدر جنگ نے مرہٹوں کو اپنی مدد کو بلایا۔ مرہٹوں اور نواب کی فوجوں نے فرخ آباد پر چڑھائی کردی۔ احمد خاں نے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں سے درخواست کی کہ ایک مشترکہ مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام روہیلوں کو متحد ہوجانا چاہیے۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں نے احمد خاں کی مدد کرنے سے انکار کردیا۔ ان حالات میں اکیلا احمد خاں کس حد تک لڑ سکتا تھا۔ وہ لڑا اور ہار گیا۔ ۱۷۵۱ء میں مرہٹے اور صفدر جنگ روہیل کھنڈ میں داخل ہوئے۔ روہیلوں نے ہمالیہ کی ترائی میں پناہ لی۔ مرہٹوں نے روہیل کھنڈ کو خوب لوٹا۔ اگلے سال احمد شاہ ابدالی کے حملے کی افواہ سن کر مرہٹوں اور صفدر جنگ نے روہیل کھنڈ خالی کردیا۔ اب علی محمد کے جانشینوں اور ان کے حامیوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ جس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ روہیل کھنڈ کئی ایک افغان سرداروں میں بٹ گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۶ء میں دلی پر قبضہ کرلیا۔ جب وہ افغانستان کو واپس ہوا تو اس نے نجیب الدولہ (ایک روہیلہ سردار) کو شہنشاہ عالم گیر ثانی کا وزیر اعظم اور کمانڈر ان چیف مقرر کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے واپس ہوتے ہی غازی الدین نے وزارت پر پھر سے قبضہ کرنے کے لئے مرہٹوں سے سازباز شروع کردی۔ چنانچہ مرہٹوں نے دلی پر قبضہ کرلیا۔ نجیب الدولہ دلی چھوڑ کر روہیل کھنڈ چلا گیا۔ اب انہوں نے غازی الدین کے مشورے سے روہیل کھنڈ پر دھاوا بول دیا۔ حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ سرداروں نے نواب اودھ (شجاع الدولہ) سے امداد مانگی۔ شجاع الدولہ ایک بہت بڑی فوج لے کر روہیل کھنڈ میں داخل ہوا۔ نومبر ۱۷۵۹ء میں شجاع الدولہ نے مرہٹوں کو روہیل کھنڈ سے نکال دیا۔ مرہٹوں کی واپسی کا دوسرا سبب یہ تھا ہ ستمبر ۱۷۵۹ء میں احمد شاہ ابدالی پنجاب میں داخل ہو چکا تھا۔ نجیب الدولہ، حافظ رحمت خاں، شجاع الدولہ اور کئی ایک دوسرے سرداروں نے ابدالی کی ساتھ دیا۔ ۶ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم (جو اس وقت الہ آباد میں تھا) کو مغل شہنشاہ تسلیم کرتے ہوئے نجیب الدلہ کو اس کا کمانڈر ان چیف اور شجاع الدولہ کو اس کا وزیر اعظم مقرر کیا۔ پانی پت میں شکست کھانے کے بعد چند سال تک مرہٹوں نے شمالی ہندوستان کے سیاسی معاملات میں دخل نہ دیا۔

۱۷۷۰ء میں نجیب الدولہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا ضابطہ خاں اپنے باپ کی جاگیر کا وارث بنا۔ اسی سال نواب دوندے خاں اس دنیا سے چل بسا۔ نواب دوندے خاں کی علم دوستی نے بڑے بڑے علماء کو اس کے دربار میں پہنچا دیا تھا۔ اس نے اپنی ریاست میں کئی ایک مدرسے قائم کئے۔ ان مدرسوں میں طالب علموں کو خوراک اور کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ طالب علموں کے رہنے کے لئے بورڈنگ ہاؤس تھے۔ دوندے خاں کی کوششوں سے اس کی ریاست میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مراد آباد میں آج بھی نواب دوندے خاں کی بنوائی ہوئی عمارتوں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ مراد آباد کا موجودہ "کٹرہ دوندے خاں" ایک زمانے میں بڑی بڑی عمارتوں کے لئے مشہور تھا۔ موتی باغ کے قریب

نواب دوندے خاں کی بنوائی ہوئی مسجد اب تک اچھی حالت میں ہے۔ نواب دوندے خاں کا بنوایا ہوا شیش محل مٹ چکا ہے۔ نجیب الدولہ اور نواب دوندے خاں کی موت کے بعد جب ۱۷۷۱ء میں مرہٹوں نے دلی پر قبضہ کیا تو ضابطہ خاں کو دلی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب مرہٹوں نے شاہ عالم کو الہ آباد سے بلا کر اسے دلی کے تخت پر بٹھایا۔

پانی پت کی لڑائی میں نواب وزیر شجاع الدولہ اور روہیلہ سرداروں نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ مرہٹوں کو یاد تھا۔ مرہٹوں نے روہیل کھنڈ اور اودھ سے انتقام لینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ جب شاہ عالم دلی پہنچ گیا تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو اپنے ساتھ لے کر روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ روہیلہ سرداروں کے لئے مرہٹوں اور شاہ عالم کی متحدہ فوجوں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ متحدہ فوجوں نے روہیل کھنڈ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پامال کیا۔ کھیت کاٹ لئے گئے 'بستیاں جلا ڈالی گئیں' محل اور مکان لوٹ لئے گئے' متحدہ فوجوں نے ضابطہ خاں کے خاندان کے لوگوں کو قید کر لیا۔ قید ہونے والوں میں سے ضابطہ خاں کا خوب صورت بیٹا غلام قادر خاں تھا جس نے آگے چل کر اپنی کسی ہتک یا کسی بدسلوکی کا شاہ عالم سے انتقام لیا۔ جب روہیل کھنڈ اس طرح تباہ و برباد ہو رہا تھا تو حافظ رحمت خاں اور نواب ضابطہ خاں نے شجاع الدولہ سے امداد مانگی۔ شجاع الدولہ کو یقین ہو گیا تھا کہ روہیل کھنڈ کی تباہی کے بعد مرہٹوں اور شہنشاہ کی فوجیں اودھ پر حملہ کریں گی۔ مرہٹے نہ صرف اودھ پر حملہ کرنا چاہتے تھے بلکہ انہوں نے اودھ سے نکل کر بہار اور بنگال میں انگریزوں سے لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ان حالات میں شجاع الدولہ نے کلکتہ کونسل سے مدد مانگی۔ ۲۰ جنوری ۱۷۷۲ء کو بنگال آرمی کے کمانڈر سر رابرٹ بارکر اور نواب شجاع الدولہ میں فیض آباد میں ملاقات ہوئی۔ اگلے دن رابرٹ بارکر نے کلکتہ کونسل کو بات چیت کے تمام پہلوؤں سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی رپورٹ بھیجی۔ کلکتہ کونسل سے اجازت مل جانے کے بعد رابرٹ بارکر اور شجاع الدولہ روہیل کھنڈ کی طرف بڑھے۔ اسی اثناء میں مرہٹوں نے شجاع الدولہ اور روہیلوں کے اس تعاون کو توڑنے کے لئے دونوں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی۔ شجاع الدولہ بہت حد تک مرہٹوں سے سمجھوتہ کرنے اور روہیل کھنڈ پر ان کا قبضہ ماننے کے لئے

تیار ہو چکا تھا لیکن رابرٹ بارکر نے شجاع الدولہ کو مرہٹوں سے لڑنے کا مشورہ دیا۔ شاہ آباد میں شجاع الدولہ' رابرٹ بارکر' حافظ رحمت خاں اور نواب ضابطہ خاں میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں روہیلوں اور نواب وزیر کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں روہیلوں نے مرہٹوں کے خلاف لڑنے کے لئے نواب وزیر کا ساتھ دینے کا یقین دلایا اور نواب وزیر سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مرہٹوں کو روہیل کھنڈ سے نکال دے تو روہیلے سردار اسے چالیس لاکھ روپیہ دیں گے۔ جب روہیلہ سرداروں اور شجاع الدولہ میں معاہدہ ہونے لگا تو مرہٹوں نے واپس جانے کی تیاریاں شروع کردیں ۔ برسات سے پہلے ہی وہ واپس ہو گئے۔ ضابطہ خاں کی بیوی اور بیٹے کو بھی رہا کردیا گیا۔ مرہٹوں کے جاتے ہی روہیلہ سرداروں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کرلیا۔ نواب وزیر اور رابرٹ بارکر فیض آباد چلے گئے۔

روہیل کھنڈ سے مرہٹوں کے چلے جانے کے بعد روہیلہ سرداروں کی باہمی پھوٹ نے ان کے سیاسی اقتدار کو کافی نقصان پہنچایا۔ کئی ایک روہیلہ سرداروں کی بغاوتوں نے اس نقصان میں اضافہ کیا۔ جولائی ۱۷۷۲ء میں ضابطہ خاں نے مرہٹوں سے اس شرط پر الگ سمجھوتہ کرلیا کہ اس کے مقبوضات اسے واپس کر دئے جائیں اور یہ کہ اسے شاہ عالم کا وزیراعظم بنا دیا جائے۔ ضابطہ خاں اور مرہٹوں کے اس سمجھوتے سے شجاع الدولہ نے یہ سمجھا کہ جونہی برسات ختم ہوئی مرہٹے اودھ پر حملہ کردیں گے۔ اب شجاع الدولہ نے وارن ہیسٹنگز سے فوجی مدد طلب کی۔ وارن ہیسٹنگز نے فوجی مدد دینے کا اقرار کرلیا۔

مرہٹوں نے دلی پہنچ کر ضابطہ خاں کو شاہ عالم کا وزیراعظم مقرر کرنے کے بعد شاہ عالم سے کورہ اور الہ آباد کے اضلاع حاصل کرلئے۔ ان اضلاع کو شاہ عالم انگریزوں کے حوالے کر چکا تھا۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں اور ضابطہ خاں کے اتحاد سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ مرہٹے روہیل کھنڈ پر پھر حملہ کرنے والے ہیں۔ مرہٹوں نے ۱۷۷۳ء کے شروع میں روہیل کھنڈ پر حملہ کردیا۔ شجاع الدولہ نے انگریزوں سے مدد مانگی۔ وارن ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کی مدد کے لئے انگریزی فوج بھیج دی۔ نواب اور انگریزی فوج مارچ ۱۷۷۳ء میں روہیل کھنڈ میں داخل ہوگئی حالانکہ اس وقت کسی روہیلے سردار نے شجاع الدولہ سے مدد نہیں مانگی تھی۔ ضابطہ خاں نے

حافظ رحمت خاں سے بات چیت کی تاکہ اسے مرہٹوں سے سمجھوتہ کرنے پھر آمادہ کرسکے۔ اسی اثناء میں شجاع الدولہ نے رابرٹ بارکر کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ روہیلوں کو روہیل کھنڈ سے نکال کر اسے اودھ میں شامل کر دیا جائے۔ حافظ رحمت خاں نے مرہٹوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اودھ اور انگریز کی فوج روم گھاٹ کی طرف بڑھتی دیکھ کر مرہٹوں نے واپسی کی راہ لی۔ اب شجاع الدولہ نے معاہدے کے مطابق رحمت خاں سے رقم طلب کی۔ حافظ رحمت خاں نے کہا کہ وہ دوسرے روہیلہ سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد جواب دے گا۔ ۱۲ مئی ۱۷۷۳ء کو شجاع الدولہ کی فوج روہیل کھنڈ چھوڑ کر اودھ کی طرف چل دی۔ رقم ادا کرنے میں رحمت خاں کی تھوڑی تاخیر نے شجاع الدولہ کے لیے موقع پیدا کر دیا کہ وہ انگریزی فوج کی مدد سے روہیل کھنڈ پر قبضہ کرے۔ ۱۹۔ اگست ۱۷۷۳ء میں وارن ہیسٹنگز نے بنارس میں شجاع الدولہ سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں شجاع الدولہ اور وارن ہیسٹنگز میں جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے کمپنی نے پچاس لاکھ روپے میں کورہ اور الہ آباد کے اضلاع شجاع الدولہ کے ہاتھ بیچ دیے۔ اسی اثنا میں شاہ عالم کا ایک خط وارن ہیسٹنگز کو ملا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ وارن ہیسٹنگز "کورہ اور الہ آباد کے اضلاغ مابدولت کے حوالے کر دے اور اس کے ساتھ ہی بنگال کا اخراج بھی بھیجنا شروع کر دے۔" کورہ اور الہ آباد کو وارن ہیسٹنگز فروخت کر چکا تھا خراج دینے سے اس نے انکار کر دیا۔ میکالے کے الفاظ میں "ہیسٹنگز کو مقبوضات کی ضرورت نہیں تھی بلکہ دولت کی۔ اس نے کورہ اور الہ آباد کو فروخت کرنے کا تہیہ کر لیا۔ خریدار کی کمی نہیں تھی۔ شجاع الدولہ کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ بیچنے والے اور خریدنے والے میں سودا ہو گیا۔"

بنارس ہی میں شجاع الدولہ نے وارن ہیسٹنگز کے ساتھ روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شجاع الدولہ نے اس مہم کے کامیاب ہونے کی صورت میں کمپنی کو چالیس لاکھ دینا منظور کیا۔ جب شجاع الدولہ نے اٹاوہ پر حملہ کرنا چاہا تو وارن ہیسٹنگز نے فوجی امداد پر چند شرطیں لگا دیں۔ شجاع الدولہ نے ان شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن اس پر بھی اس نے اٹاوہ پر حملہ کر دیا۔ مرہٹوں نے مقابلہ نہ کرتے ہوئے شہر کو خالی کر دیا۔ شجاع الدولہ نے وارن ہیسٹنگز سے پھر فوجی مدد

مانگی۔ وارن ہیسٹنگز نے مدد دینے کا اقرار کر لیا۔ چنانچہ کرنل چیمپئن کو شجاع الدولہ کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ شاہ آباد کے قریب شجاع الدولہ اور کمپنی کی فوجیں اپریل ۱۷۷۴ء میں ایک دوسرے سے ملیں، شجاع الدولہ نے اپنے ایلچی کو حافظ رحمت خاں کے پاس بھیجا تاکہ ۱۷۷۲ء کے معاہدے کے مطابق اسے رقم ادا کرنے پر آمادہ کرے۔ اسی اثنا میں حافظ رحمت خاں اور کرنل چیمپئن میں خط وکتابت ہوتی رہی۔ حافظ رحمت خاں نے اپنے خطوں میں اپنی اور دوسرے روہیلہ سرداروں کی مالی پریشانیوں کو ظاہر کرتے ہوئے شجاع الدولہ سے درخواست کی کہ وہ اس وقت موجودہ رقم کا مطالبہ نہ کرے۔ جونہی حالات اچھے ہوئے یہ رقم آہستہ آہستہ ادا کر دی جائے گی۔ حافظ رحمت خاں کے دردناک لفظوں کا شجاع الدولہ اور کرنل چیمپئن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ۲۳۔اپریل ۱۷۷۴ء کو میرن پورہ کٹرہ میں لڑائی ہوئی۔ روہیلوں نے حملہ آوروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حافظ رحمت خاں لڑتا ہوا مارا گیا۔

حافظ رحمت خاں کی موت کے بعد علی محمد کا بیٹا فیض اللہ خاں روہیلوں کا سردار بنا۔ وہ اپنی فوج سمیت گڑھوال کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ فیض اللہ خاں نے شجاع الدولہ کے سامنے صلح کی شرطیں پیش کیں لیکن وارن ہیسٹنگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ روہیلوں اور شجاع الدولہ میں سمجھوتہ ہو جائے چنانچہ اس کی ہدایت کے بطابق کرنل چیمپئن نے شجاع الدولہ پر دباؤ ڈال کر اسے روہیلوں سے سمجھوتہ کرنے سے دور رکھا۔ لیکن ۷۔اکتوبر ۱۷۷۴ء کو شجاع الدولہ اور فیض اللہ خاں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ فیض اللہ خاں رام پور چلا گیا۔ معاہدے کے مطابق اس نے اپنی حفاظت کے لیے صرف پانچ ہزار سپاہی رکھے۔

نواب شجاع الدولہ اور انگریزی فوج نے روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے اور فیض اللہ خاں سے سمجھوتہ کرنے کی درمیانی مدت میں روہیل کھنڈ کے سینکڑوں گاؤں جلا دیئے۔ روہیلوں کی شکست کے بعد شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کے بیٹے مہابت خاں سے اس کے باپ کا خزانہ دریافت کیا جس پر مہابت خاں نے کہا کہ اس کے باپ کے پاس اپنی رعایا کی محبت کے سوا اور کوئی خزانہ نہیں تھا۔ اس پر شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کی بہو بیٹیوں کو خیموں میں قید کر کے ان کے گھروں کی

تلاشی لی۔ شجاع الدولہ نے نواب دوندے خاں کے بیٹوں کو گرفتار کر کے ان کی جائیداد ضبط کر لی۔ حافظ رحمت خان کے خاندان کو الہ آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔

مل کے الفاظ میں:

"ہر وہ شخص جس کا نام روہیلہ تھا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا۔"

میکالے روہیلوں کی تباہی کا اس طرح ماتم کرتا ہے:

"ایک لاکھ سے زاید انسان بے خانماں ہو کر وبائی علاقہ کی طرف بھاگ نکلے ... انھوں نے اپنی بیبیوں اور بیٹیوں کو انتہائی مصیبت میں دیکھا... ان کے دیہات جلا دیئے گئے۔ ان کے بچے ذبح کر دیئے گئے۔ ان کی عورتیں بے عزت کی گئیں۔"

لائل لکھتا ہے کہ:

"برطانیہ عساکر ایک ایسی قوم کے خلاف صف آرا ہوئے جس سے انہیں کوئی پرخاش نہ تھی۔"

برطانیہ کے پارلیمانی خطیب برک نے یوں کہا:

"جناب ہیسٹنگز اس امر پر نازاں ہیں کہ انھوں نے ظالم ترین نواب وزیر کے ھاتھ روھیلوں کو فروخت کو دیا۔ صفحہ ھستی پر نواب وزیر سے زیادہ قاھر انسان کی جستجو فضول ہے... ھیسٹنگز روھیلوں کے خلاف اپنے سینے میں عناد کا طوفان لیے ہوئے تھا۔ اس عناد کا سبب خواہ جمہوری 'ذاتی یا سیاسی ہو ھیسٹنگز نے ظالم نواب کے ہاتھ ایک قوم کو فروخت کر دیا۔ صرف چالیس لاکھ روپیہ کے عوض زرخیز میدان ایک وسیع ویرانہ میں تبدیل ہو گیا۔ ھیسٹنگز نے ایک شریف ' شجاع اور غیور قوم کے خلاف برطانی عساکر کو صف آرا کیا۔ جو روھیلے مادر وطن کے سینہ پر تڑپنے سے معذور رھے انھیں آغوش مادر سے دور پھینک دیا تاکہ وہ ھندوستان کے ایک سرے سے دوسرے تک برطانی بیدردی کے افسانے سناتے پھریں۔" صفحہ ھستی پر ایک بھی راست باز اور حساس انسان ایسا نہیں جو احترام و انصاف اور انسانیت و آشتی کے پیش نظر

جناب ہیسٹنگز کے اس فعل کی مذمت نہ کرے لیکن جناب ہیسٹنگز آپ حضرات کے سامنے اسے خوبی بتاتے ہیں۔ میں دوبارہ اس امر کو ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ واقعہ اپنے اندر بد ترین بھید چھپائے ہوئے ہے۔ جناب ہیسٹنگز نے روہیلوں کی تباہی سے روپیہ وصول کیا۔"

اٹھارویں صدی میں انگلستان کے بعض لوگوں میں اس امر کا احساس ہونے لگا کہ برطانوی قوم ہندوستان میں برطانوی حکومت کی ذمے دار ہے نہ کہ سوداگروں کی جماعت۔ کلاؤ نے بھی ۱۷۵۹ء میں پٹ کو لکھا کہ "اس قدر وسیع حکومت سوداگروں کے ایک جماعت کے بس کی بات نہیں۔ کمپنی قوم کی مدد کے بغیر حکومت کے نااہل ہے۔" اسی مکتوب میں کلاؤ بتاتا ہے کہ اگر برطانوی حکومت بنگال پر قابض ہو جائے تو اس کی آمدنی ٹیکس دینے والے انگریزوں کے بوجھ کو ہلکا کردے گی۔ پٹ نے کلاؤ کی اس خواہش کو "بہت ہی پرلطف معاملہ" کہہ کر پورا نہ کیا۔ پلاسی کے پندرہ سال بعد کمپنی کے فارغ شدہ ملازموں نے لندن میں مشرق کے تاجداروں کی شان و شوکت کا مظاہرہ کیا۔ ہندوستان میں دولت کے علاوہ اگر وہ کسی غیر چیز کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے تو وہ نواب کا لفظ تھا جسے ان نئے نوابوں نے "نباب" بنا دیا۔ سیاست دانوں نے چاہا کہ کمپنی کے نفع میں سے کچھ رقم شاہی خزانے میں جمع ہونی چاہیے۔ دوسری طرف کمپنی کے حصہ داروں نے شور مچایا کہ ملازموں کی نسبت انہیں زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ ۱۷۶۶ء سے پارلیمنٹ نے کمپنی کے معاملات میں دلچسپی لینی شروع کی۔ نیز یہ کہ کمپنی کے مقبوضات پر تاج برطانیہ کا قبضہ ہونا چاہیے۔ وزارت نے اس معاملہ کی طرف خاص توجہ نہ کی۔ چنانچہ ۱۷۶۷ء میں پارلیمنٹ اور کمپنی کے درمیان ایک ہلکا سا معاہدہ ہوگیا لیکن اس معاہدہ سے دونوں ناخوش تھے۔ ۱۷۶۹ء میں کورٹ آف ڈائرکٹرز کی طرف سے کمپنی کے تمام ہندوستانی مقبوضات کے نظم و نسق کی دریافت کے لئے کمپنی کے تین پرانے خادم وین شارٹ، کرنل فورڈ اور سکریفٹن عازم ہندوستان ہوئے۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے انہیں وسیع اختیارات دے کر بھیجا۔ یہ کمیشن ہندوستان نہ پہنچ سکا۔ راس امید کے بعد اس جہاز کا کچھ پتہ نہ چل سکا جس پر کمیشن کے ارکان سوار تھے۔ لندن میں کمپنی کی مخالفت زیادہ موثر ہوتی رہی۔ مخالفت کا یہ جذبہ انتہائے کمال کو پہنچ گیا جب ڈائریکٹروں نے

۱۷۷۲ء میں لارڈ نارتھ کو اطلاع دی کہ جب تک حکومت کمپنی کو دس لاکھ پونڈ قرض نہیں دیتی اس وقت تک کمپنی کے کاروبار بند رہیں گے۔ اسی سال خفیہ پارلیمانی کمیٹی کے کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ ان مجالس کی روئیدادوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۶ء تک کی مدت میں کمپنی کے ملازموں نے بنگالیوں سے ۲۱۶۹۶۶۵ پونڈ صرف نذرانہ کی صورت میں وصول کئے۔ کلاؤ کی جاگیر کی مالیت اس رقم میں شامل نہیں۔ اس کے علاوہ تلافی نقصانات کی صورت میں کمپنی نے ۳۷۷۰۸۳۳ پونڈ وصول کئے۔ ان دو مجالس کی روئیدادوں نے اس خیال کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا کہ کمپنی کو پارلیمنٹ کے ماتحت کام کرنا چاہیے۔ چنانچہ ۱۷۷۳ء میں ریگولیٹنگ ایکٹ منظور ہوا۔

اس ایکٹ کی رو سے کمپنی کے ڈائرکٹر مجبور ہو گئے تھے کو وہ کمپنی کے دیوانی، فوجی اور مالی امور سے متعلقہ خط و کتابت انگلستان کے وزیروں کے سامنے رکھیں۔ اسی ایکٹ کے تحت بنگال کے گورنر کو ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کا گورنر جنرل بنا دیا۔ گورنر جنرل کے مشورہ کے لئے چار ارکان کی ایک کونسل بنائی گئی۔ فیصلہ کثرت آراء پر چھوڑ دیا گیا۔ مساوی آرا کی صورت میں گورنر جنرل کو کاسٹنگ ووٹ کا حق دیا گیا۔ مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں گورنر جنرل اور کونسل کے ماتحت رکھا گیا۔ اسی ایکٹ کے ذریعہ کلکتہ میں عدالت عالیہ قائم کی گئی۔ یہ عدالت تاج انگلستان کے ماتحت تھی۔ کمپنی کا ملازموں کو ذاتی کاروبار اور تحائف قبول کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ ریگولیٹنگ ایکٹ ناقص اور نامکمل تھا۔

کونسل کے چار ارکان میں سے کلیورنگ، مون سن اور فرانسس انگلستان سے آئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں ہیسٹنگز کے خلاف متحد دکھائی دیتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کمپنی کے مظالم اور اس کی بدعنوانیوں میں کمی واقع ہو۔ باروِیل چونکہ کمپنی کا ملازم تھا اس لئے کونسل کا رکن ہونے کی صورت میں وہ ہیسٹنگز کا طرف دار اور ہمدرد رہا۔ ہیسٹنگز کے خلاف کونسل میں بہت سے الزامات پیش کئے گئے۔ ان میں سب سے اہم نند کمار کا وہ الزام تھا جس کی رو سے ہیسٹنگز نے منی بیگم سے بہت بڑی رقم رشوت کے طور پر وصول کی۔

کونسل نے ہیسٹنگز کو اپنے روبرو ایک مجرم کی حیثیت میں پیش کرنا چاہا۔ ہیسٹنگز نے کونسل میں پیش ہونے سے انکار کرتے ہوئے کونسل کو تحلیل کردیا۔ ابھی یہ معاملہ طے نہ پایا تھا کہ ایک ہندوستانی سوداگر نے نند کمار پر جعل سازی کا مقدمہ دائر کردیا۔ عدالت عالیہ نے نند کمار کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ نند کمار کی سزائے موت نے اس مقدمے کا خاتمہ کردیا۔

نند کمار کا صرف یہی جرم تھا کہ اس نے اپنے مکتوب کے ساتھ منی بیگم کا خط فرانس کو بھیجا جس میں بیگم نے اقرار کیا تھا کہ ہیسٹنگز نے اس سے رشوت کے طور پر لاکھوں روپیہ وصول کیا ہے۔ نند کمار نے اس خط میں لکھا تھا کہ رضا خاں نے دس لاکھ روپیہ ہیسٹنگز کو اور دو لاکھ روپیہ اسے دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فوراً بعد ہی رضا خاں کی تقصیر معاف کردی جاتی ہے۔ فرانس اور اس کے ہم خیال ارکان نے ہیسٹنگز سے روپیہ واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ روپیہ واپس کرنے سے یہ کہیں آسان تھا کہ نند کمار کو مجرم ثابت کیا جائے۔ جعل سازی کے الزام میں نند کمار کو گرفتار کرلیا گیا۔ ہیسٹنگز نے تمام معاملہ کلکتہ کی عدالت عالیہ میں جو ۱۷۷۴ء میں قائم ہوئی تھی پیش کردیا۔ میر عدالت سرا-بلجاا-یمی نے نند کمار کے مقدمے کی سماعت کی اور آخر اسی عدالت کے حکم سے نند کمار نے موت کی سزا پائی۔

مفروضہ جعل سازی کا جرم ۱۷۷۰ء میں ہوا لیکن عدالت عالیہ ۱۷۷۳ء میں قائم ہوئی۔ عدالت اپنی پیدائش سے قبل کے مجرموں کو سزا دینے کی مجاز نہ تھی اور اگر اس امر کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ نند کمار مجرم تھا تو پھر بھی سزا نوعیت جرم سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ ان ایام میں انگلستان کے قانون کے مطابق جعل سازی کی سزا پھانسی تھی لیکن نند کمار نہ تو انگریز تھا اور نہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم۔

وارن ہیسٹنگز نے روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کو اس لئے مسلط کردیا تھا کہ مرہٹوں کو بہار اور بنگال پر حملہ کرنے سے روکے رکھے۔ بمبئی گورنمنٹ کے ایک اقدام نے ۱۷۸۰ء میں انگریزوں اور مرہٹوں میں لڑائی کروادی۔ ہندوستان کی تاریخ میں اسے مرہٹوں کی پہلی لڑائی کہا جاتا ہے!

مہاراشٹر مرہٹوں کا ملک ہے۔ شمال میں ست پڑا کی پہاڑیوں سے اس کا آغاز

ہوتا ہے۔ مغرب میں سمندر ہے۔ اس ملک کی سب سے بڑی طبعی خصوصیت اس کا پہاڑی ہونا ہے۔ ساحل سمندر سے تیس یا چالیس میل کے فاصلے پر ان پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہیں ہندوستان کے جغرافیہ میں مغربی گھاٹ کا نام دیا گیا ہے۔ فوجی زاویہ نگاہ سے یہ ملک دنیا کے مضبوط ترین ملکوں میں سے ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مرہٹے ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے پندرھویں صدی کے اختتام پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پہلے ہندوستان کے مورخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ لفظ مرہٹہ سب سے پہلے فرشتہ نے استعمال کیا۔ سولھویں صدی کے وسط میں بیجاپور کے بادشاہ نے اپنی حکومت کے شعبہ مال کی زبان فارسی کی جگہ مرہٹی کردی۔ اسی بادشاہ نے اپنی فوج کی از سرنو تنظیم کی۔ اس نے بہت سے غیر ملکی سپاہیوں کو نکال کر ان کی جگہ مرہٹوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ ابتدا میں ان مرہٹہ سپاہیوں سے بہت معمولی کام لئے جاتے تھے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مرہٹے ہلکے توپ خانوں میں بہت مفید ہیں۔ چنانچہ ان کی خدمات کو توپ خانوں کے لئے حاصل کیا گیا۔ بیجاپور اور احمد نگر کی فوجوں میں ان کی تعداد کافی ہوگئی۔ گول کنڈہ کی فوج میں مرہٹوں کو جگہ دی گئی۔ ان مرہٹہ سپاہیوں نے بہت جلد ترقی کرلی۔ ان میں سے کئی ایک کو جرنیلوں کے عہدے دیئے گئے۔ انہیں دکن کے بادشاہوں کی طرف سے بڑی بڑی جاگیریں بھی دی گئیں۔ مہاراشٹر کے یہ فوجی سردار بہت تھوڑی مدت میں اپنی فوج میدان میں لاسکتے تھے۔ ان سرداروں کو دربار کی طرف سے راجا' نائک اور راؤ کے خطاب دیئے جاتے تھے۔ ان خطابوں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ راجپوتوں کی طرح مرہٹے شروع ہی سے ایک فوجی قوم نہیں تھے اور نہ راجپوتوں کی شجاعت اور بہادری ان میں تھی۔ وجاہت اور مردانہ حسن میں بھی راجپوت ان سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مرہٹوں کا ابتدائی وطن خاندیش تھا لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرہٹے ایران کے مغربی حصہ سے ہجرت کرکے مہاراشٹر میں آباد ہوئے۔ ایک قوم ہونے کے باوجود مرہٹوں میں قبائلی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں وطنیت اور نسل کا کوئی تعصب نہیں تھا۔ وہ دکن کے مختلف حکمرانوں کی فوج میں بھرتی ہوکر بڑی بہادری سے اپنوں ہی کے خلاف لڑتے تھے۔

مہاراشٹر کو سب سے پہلے سیواجی نے گمنامی سے نکالا۔ سیواجی کا باپ شاہ جی بھونسلہ احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ کے ہاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔ ملک عنبر کی فوج میں اسے دو ہزاری کا عہدہ حاصل تھا۔ احمد نگر کی زوال پذیر بادشاہت میں شاہ جی کے باپ مالوجی نے بہت زیادہ رسوخ حاصل کرلیا۔ بادشاہ کی طرف سے اسے راجا کا خطاب دیا گیا۔ شاہ کی طرف سے اسے بہت بڑی جاگیر دی گئی۔ دو قلعوں کی حفاظت کے لئے بھی اسے مقرر کیا گیا۔ مالوجی کی موت کے بعد شاہ جی نے دربار احمد نگر سے تعلق قائم کیا۔ دکن کی بہت سی لڑائیوں میں شاہ جی نے احمد نگر اور بیجاپور کا ساتھ دیا۔ ان خدمات کے صلہ میں اسے میسور میں بہت بڑی جاگیر دی گئی۔ سیواجی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ نے اس کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے فاضل پنڈت مقرر کئے لیکن اکبر کی طرح سیواجی اپنا نام تک لکھنا نہ سیکھ سکا۔ اس کے برعکس اس نے فن حرب میں مکمل اور پوری تعلیم حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے اپنے ساتھیوں سے مہاراشٹر میں آزاد حکومت قائم کرنے کے مشورے شروع کردئے تھے۔ سیواجی نے مہاراشٹر کے تمام پہاڑی راستوں سے واقفیت حاصل کرلی۔

بیجاپور کے حکمرانوں نے مہاراشٹر کے پہاڑی قلعوں کو مضبوط کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی تھی۔ اس زمانہ میں ان قلعوں کو بالکل نظرانداز کردیا گیا۔ سیواجی نے کسی نہ کسی طرح ان قلعوں میں سے ایک پر قبضہ کرلیا۔ یہ تورنہ کا قلعہ تھا۔ یہ قلعہ پونہ سے بیس میل مغرب میں تھا۔ سیواجی کے اس اقدام کے خلاف دربار میں شکایت کی گئی لیکن سیواجی نے شکایت کرنے والوں کو خاموش کردیا۔ سیواجی نے اس قلعہ میں مرہٹوں کا حفاظتی دستہ مقرر کرنے کے بعد اسے مضبوط کرنا شروع کیا۔ اس قلعہ کی کھدائی کے دوران میں سیواجی کے قبضہ میں ایک دفینہ آگیا۔ اس دولت سے اس نے بہت سا سامان جنگ خرید لیا اور اسی دولت سے اس نے رائے گڑھ کے قلعہ کو مضبوط کیا۔ شاہ جی کی جاگیر کا مالیہ چونکہ ادا کیا جاتا تھا اس لئے اس نے اپنے بیٹے سیواجی کو کرناٹک سے لکھا کہ وہ کیوں مالیہ ادا نہیں کرتا۔ اس پر سیواجی نے اپنے باپ کو لکھا کہ اس غریب ملک کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اب آپ کو کرناٹک کی جاگیر کی آمدن پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔

سیواجی نے اپنے باپ کی جاگیر کے دو قلعوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب سیواجی بیجاپور کی شاہی فوجوں سے لڑ کر طالع آزمائی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے فوج تیار کرلی۔ سیواجی نے ان سپاہیوں کی مدد سے ایک شاہی خزانے کو لوٹا۔ زاں بعد اس نے مغربی گھاٹ کے پانچ قلعوں پر بڑی تیزی سے قبضہ کرلیا۔ بیجاپور کے بادشاہ کو شبہہ ہوا کہ سیواجی کا اقدام شاہ جی کے اشاروں پر ہورہا ہے۔ شاہ جی کو گرفتار کرلیا گیا۔ اپنے باپ کی رہائی کے لئے سیواجی نے شاہ جہاں سے خط و کتابت کی۔ چونکہ سیواجی نے شہنشاہ کی رعایا پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اس لئے شہنشاہ نے مداخلت کرکے اسے رہا کردیا۔ باپ کی رہائی کے بعد سیواجی نے پھر اپنی سرگرمیوں کو شروع کردیا۔ سیواجی نے راجا چندر راؤ کے دربار میں قاتلوں کو قاصدوں کی صورت میں بھیجا۔ راجا پر یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ "قاصد تمہاری لڑکی سے میری شادی کے متعلق بات چیت کریں گے۔" ان قاصدوں نے راجا چندر راؤ کو قتل کردیا۔ کئی ایک دوسرے قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۶۵۶ء میں سیواجی نے شام راج نیت کو پیشوا کا خطاب دے کر اپنا وزیراعظم مقرر کیا۔ اب اس نے مغلوں کے علاقوں پر بھی چھاپے مارنے شروع کئے' لیکن مغل شہنشاہ کی پالیسی یہ تھی کہ بیجاپور کے خلاف زیادہ دباؤ ڈالا جائے۔ چنانچہ مغل شہنشاہ نے سیواجی کو اس کے مفتوحہ علاقے کا حکمران تسلیم کرلیا۔ اب اس نے بیجاپور کے علاقہ پر زیادہ شدت سے حملے شروع کردیے۔

افضل خاں کے قتل' اس کی فوج میں تباہی' قلعوں پر قبضہ اور مرہٹہ فوج کے بیجاپور کے دروازوں تک پہنچ جانے سے سیواجی کے علاقہ پر دو طرفہ حملہ کیا گیا لیکن پھر بھی بیجاپور کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۱۶۶۱ء میں بیجاپور کا بادشاہ سیواجی سے لڑنے کے لئے خود میدان میں نکلا۔ اس مرتبہ سیواجی کے لئے بادشاہ کا مقابلہ دشوار تھا لیکن کرناٹک کی بغاوت فرو کرنے لے لئے بادشاہ کو وہاں جانا پڑا۔ بیجاپور کے بادشاہ نے باجی گلور رائے کو اس مہم کا انچارج بنایا۔ سیواجی کو ان تبدیلیوں کا پتا چل گیا۔ چنانچہ اس نے موقعہ پر باجی گلور رائے اور اس کے افراد خاندان کو قتل کرنے کے بعد ان کا سارا سازوسامان لوٹ لیا۔ دو سال تک سیواجی مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق میں مصروف رہا۔ شاہ جی کی کوششوں سے سیواجی اور بیجاپور کے بادشاہ میں صلح ہوگئی۔ اس وقت تک سیواجی نے جو علاقہ فتح کیا تھا وہ دو سو پچاس میل لمبا اور

ایک سو پچاس میل چوڑا تھا۔

یہ صلح ان دنوں میں ہوئی جب شہنشاہ اورنگ زیب صحت کی بحالی کے لئے کشمیر جارہا تھا۔ سیواجی اور بیجاپور کی صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیواجی نے مغلوں کے علاقے پر حملے شروع کردیئے۔ جونر کے قریبی قلعوں پر سیواجی نے قبضہ کرلیا۔ مرہٹہ سپاہی اورنگ آباد کی دیواروں تک بڑھ آئے۔ اورنگ زیب نے شائستہ خاں کو دکن کے حالات پر قابو پانے کے لئے بھیجا۔ وہ اورنگ آباد سے اپنی فوج لے کر نکلا۔ مرہٹہ فوج اس کے حملوں کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹتی گئی۔ شائستہ خاں نے پونہ پر قبضہ کرلیا لیکن سیواجی فوجی چال سے شائستہ خاں کو ہراساں کرنا چاہتا تھا۔ شائستہ خاں اسی مکان میں مقیم تھا جہاں سیواجی پیدا ہوا تھا۔ سیواجی اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں اس مکان میں داخل ہوگئے۔ شائستہ خاں نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ اگلے دن مرہٹہ سواروں نے مغلوں کو شکست دے کر ان کا تعاقب کیا۔ شائستہ خاں کو شبہ ہوا کہ مغل فوج میں سیواجی کے جاسوس ہیں۔ چنانچہ اس نے جسونت سنگھ پر شک کرتے ہوئے شہنشاہ کو ایک عرض داشت بھیجی۔ یہ عرض داشت شہنشاہ کو اس وقت پہنچی جب وہ کشمیر کے لئے روانہ ہورہا تھا۔ شہنشاہ نے دونوں جرنیلوں کو واپس بلالیا اور اپنے بیٹے سلطان معظم کو دکن کا وائسرائے بناکر بھیجا۔ زاں بعد شہنشاہ نے جسونت سنگھ کو دکن کا نائب حاکم بناکر بھیج دیا۔

تاپتی کے کنارے سورت ہندوستان کی ایک پرانی بندرگاہ ہے۔ ۱۵۳۰ء میں پرتگالیوں نے اس بندرگاہ کو لوٹا تھا۔ ۱۶۱۲ء میں جہانگیر نے انگریزوں کو سورت میں فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔ سورت کی دولت کے افسانے سیواجی کے کانوں تک پہنچائے گئے۔ چنانچہ ۱۶۶۴ء میں سیواجی چار ہزار مرہٹہ سواروں کو لے کر سورت کی طرف بڑھا۔ وہ انگریزی اور ولندیزی فیکٹریوں پر قبضہ نہ کرسکا تاہم اس کے سپاہیوں نے سات دن تک سورت کو خوب لوٹا۔ سورت کی دولت کو سیواجی نے اپنے قلعہ رائے گڑھ میں پہنچادیا۔ واپسی پر اسے اپنے باپ کی موت کی اطلاع ملی۔ اب سیواجی نے اپنے لئے راجا کا لقب اختیار کیا۔ سیواجی نے ایک مضبوط بیڑہ بناکر مغلوں کے جہازوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس پر اورنگ زیب نے مغل فوج کو مرزا جے سنگھ اور دلیر خاں کی کمان میں سیواجی سے لڑنے کے لئے بھیجا۔

اس مرتبہ سیواجی نے مغل فوج سے لڑنے کی بجائے مرزا جے سنگھ کی معرفت مغل فوج میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ شہنشاہ نے سیواجی کو دربار میں طلب کیا۔ سیواجی ۱۶۶۶ء میں اپنے بیٹے سنبھاجی کو لے کر دربار شاہی کی طرف روانہ ہوا۔ جب سیواجی نے شہنشاہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا تو شہنشاہ نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دی اور اسے ایک معمولی سا فوجی عہدہ پیش کیا۔ اس پر سیواجی دربار سے باہر چلا گیا۔ شہنشاہ کے حکم سے اسے نظربند کردیا گیا لیکن سیواجی نظربندی سے بھاگ نکلا۔ متھرا پہنچ کر اس کے ساتھی اس سے مل گئے۔ اب اس نے بھیس بدل کر دکن کا سفر اختیار کیا۔ سیواجی نو مہینوں کی مصیبتوں کے بعد دکن پہنچا۔

سیواجی نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔ شہنشاہ نے چالیس ہزار فوج کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ سیواجی کو گرفتار کرکے لائے۔ اس فوج کا کمانڈر مہابت خاں تھا۔ مرہٹوں نے بیس ہزار سپاہیوں کو ہلاک کردیا۔ مرہٹوں نے پہلی مرتبہ باقاعدہ جنگ میں مغلوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں افغانوں اور ست نامیوں نے بغاوت کردی۔ افغانوں نے مغلوں کو شکست دی۔ ست نامیوں کی بغاوت کو شہنشاہ نے فرو کردیا لیکن اس بغاوت کا اورنگ زیب کے ذہن پر کچھ ایسا اثر پڑا جسے وہ عمر بھر زائل نہ کرسکا۔ اس کی نئی پالیسی سے راجپوت بھی ناراض تھے۔ راجپوتانہ کا مغربی حصہ شہنشاہ کا مخالف ہوگیا۔ اورنگ زیب راجپوتوں سے لڑنے کے لئے خود میدان میں نکلا۔ اس نے دکن، گجرات اور بنگال سے فوجیں بلالیں۔ شہزادہ معظم اور شہزادہ اکبر بھی اورنگ زیب کے ہمراہ تھے۔

اسی اثنا میں سیواجی نے اپنی فتوحات کو جاری رکھا۔ اس نے کئی ایک نئی بندرگاہوں اور نئے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ ۱۶۸۰ء میں سیواجی کی موت کے بعد اس کا بیٹا سنبھاجی اس کا جانشین ہوا۔ شہزادہ اکبر نے راجپوتوں سے مل کر اورنگزیب کے خلاف بغاوت کی تھی۔ بغاوت میں ناکام ہونے کے بعد وہ سنبھاجی کے پاس پہنچا لیکن سنبھاجی نے شہزادہ اکبر کی مدد کرنے سے انکار کردیا تھا۔ دکن کے معاملات پر قابو پانے کے لئے اورنگ زیب وہاں روانہ ہوا۔ گولکنڈہ، بیجاپور اور مرہٹوں کے خلاف لڑنے میں اس نے زندگی کے باقی ایام دکن میں صرف کردئے۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کو اس نے نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی فوجوں کے سپاہی سنبھاجی

کی فوج میں شامل ہوگئے۔ بعض نے ٹولیاں بنا کر لوٹ مار مچانا شروع کردی۔ مغل سپاہیوں کے ایک دستے نے سنبھاجی کو گرفتار کرلیا۔ شہنشاہ کے حکم سے اسے قتل کردیا گیا۔ اب مہاراشٹر کے تخت پر اس کا بیٹا ساہو بیٹھا۔ راجا رام اس کا اتالیق مقرر ہوا لیکن بہت جلد شہزادے اور اتالیق کو جان بچاکر ستارہ بھاگنا پڑا۔ اورنگ زیب نے ستارہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ آئندہ پانچ سال میں اورنگ زیب نے مرہٹوں سے تمام اہم قلعوں کو واپس لے لیا۔ شمال میں راجپوتوں اور جاٹوں نے بغاوتیں کررکھی تھیں۔ اورنگ زیب نے مغل فوج کے بہت بڑے حصے کو شمالی ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ اس فوج کی روانگی کے فوراً بعد مرہٹوں نے دکن، مالوہ اور گجرات میں لوٹ مچانی شروع کی۔ وہ شہروں کو لوٹتے، کھیتوں کو جلاتے، تباہ شدہ بستیوں کا دھواں مرہٹی راہ گزر کا پتا دیتا تھا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب نے احمد نگر میں وفات پائی۔ اورنگ زیب نے اگرچہ سلطان معظم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تاہم شہزادہ اعظم بھی تخت کا دعویدار بن کر میدان میں نکل آیا۔ آگرہ کے جنوب میں جنگ تخت نشینی کا فیصلہ سلطان معظم کے حق میں ہوا۔ اعظم اور اس کے بیٹے لڑائی میں مارے گئے۔ سلطان معظم نے اپنے مقتول بھائی کے رشتے داروں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ سلطان معظم نے بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ چند راجپوت راجوں نے مغل شہنشاہ کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔ چنانچہ بہادر شاہ راجپوتانہ کی طرف روانہ ہوا۔ دوران سفر میں اسے معلوم ہوا کہ سکھوں نے سرہند پر قبضہ کرلیا ہے۔ بہادر شاہ نے سکھوں کے لیڈر بندہ کو پہاڑیوں کی طرف بھگا دیا۔ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ نے لاہور میں وفات پائی۔

جہاں دار شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام شہزادوں کو قتل کرادیا۔ صرف فرخ سیر بچ نکلا۔ جہاں دار شاہ نے تخت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اپنی بیوی کے رشتے داروں کو فائز کیا۔ سید حسین اور سید عبداللہ فرخ سیر کے حامیوں میں سے تھے، اس نے ان سے امداد طلب کی۔ سید بھائیوں نے اس شہزادے کی، جو اس وقت بنگال کا حکمران تھا، مدد کی۔ شاہی فوجوں کو فرخ سیر اور سید بھائیوں نے شکست دی۔ جہاں دار قید ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ فرخ سیر اپنی کامیابی کے عناصر کو خوب جانتا تھا چنانچہ اس نے سید عبداللہ کو وزیر اور سید حسین کو امیرالامرا مقرر کیا لیکن بہت جلد

فرخ سیر نے سید بھائیوں کے قبضہ سے نکلنے کی کوشش کی۔ بندہ بہادر اب پہاڑوں سے میدان میں اتر آیا تھا۔ اس نے شاہی فوج کو شکست دینے کے بعد لوٹ مار شروع کردی۔ مغل فوج کو کمک پہنچ جانے کے بعد بندہ بہادر کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کرلیا گیا۔ دربار دہلی کے حالات بدل رہے تھے۔ سید حسین اور سید عبداللہ دونوں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ فرخ سیر کو گرفتار کرکے قتل کردیا گیا۔ چند مہینوں میں سید بھائیوں نے دو شہزادوں کو تخت پر بٹھادیا۔ اب یہ سید بھائی "شاہ گر" ہوچکے تھے۔ ان کے لئے کسی تیموری شہزادے کو تخت پر بٹھانا آسان ترین کام تھا۔ آخر ان شاہ گروں نے ۱۷۱۹ء میں روشن اختر کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے محمد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ محمد شاہ نے سید بھائیوں کے اقتدار سے رہائی حاصل کرنے کے لئے نہایت دانش مندانہ اقدام کیا۔ سید بھائی اس کے ارادوں سے بے خبر رہے یہاں تک کہ سید حسین کو قتل کردیا گیا۔ سید عبداللہ نے اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لینے کے لئے دہلی کا رخ کیا۔ آگرے اور دہلی کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں سید عبداللہ کو شکست ہوئی۔ اس فتح کے بعد بھی محمد شاہ کی پوزیشن مضبوط نہ ہوسکی۔ ملک میں بدستور بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی۔

اس زمانے میں مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بالاجی وشوا ناتھ کے تدبر سے ۱۷۲۰ء میں مرہٹوں اور محمد شاہ میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے سمبھا کے مقابلے پر ساہو کو مرہٹوں کا راجہ تسلیم کرلیا گیا۔ بالاجی وشواناتھ کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ پیشوا بنا۔ باجی راؤ کی پیشوائی میں سمبھا نے مالوہ کو لوٹا اور محمد شاہ سے اس علاقے میں چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا فرمان حاصل کیا۔ پیشوا نے زاں بعد آصف جاہ سے ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے بعد پیشوا نے ۱۷۳۴ء میں مالوہ پر قبضہ کرلیا۔ مالوہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب باجی راؤ نے محمد شاہ سے متھرا، الہ آباد اور بنارس کے شہروں کا مطالبہ کیا۔ شہنشاہ اگرچہ بہت کمزور ہوچکا تھا تاہم اس نے کمزوری کے عالم میں بھی باجی راؤ کے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کردیا۔ باجی راؤ کے اس مطالبے نے آصف جاہ کو بھی ہراساں کردیا۔ اب آصف جاہ کو احساس ہوا کہ کمزور شہنشاہ اس کے مفاد کے منافی ہے لہٰذا اس نے شہنشاہ کی قوت بڑھانے کے لئے اپنی سرگرمیاں جاری

کردیں۔ باجی راؤ بھی ان تدبیروں سے باخبر تھا۔ وہ جمنا کے جنوبی علاقے میں لوٹ مار مچا رہا تھا کہ سعادت خاں نے اسے شکست دی۔ باجی راؤ نے فوجی چال سے سعادت خاں کو دھوکہ دیتے ہوئے دہلی کا رخ کیا۔ اب مرہٹہ فوجیں دہلی کے دروازوں تک پہنچ چکی تھی لیکن باجی راؤ نے دہلی میں داخل ہونے کے بجائے دکن کا رخ کرلیا۔ جب وہ دکن جارہا تھا تو مغل فوج نے اس پر حملہ کیا لیکن باجی راؤ نے اسے شکست دی۔ اسی اثناء میں آصف جاہ کی فوج بھی دہلی کی حفاظت کے لئے پہنچ چکی تھی۔ محمد شاہ نے آصف جاہ کو مالوہ اور گجرات کے صوبوں کا بھی گورنر مقرر کیا۔ آصف جاہ مرہٹوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا لیکن باجی راؤ نے اسے شکست دی۔ اس پر آصف جاہ اور باجی راؤ میں ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے نربدا اور چنبل کا درمیانی علاقہ باجی راؤ کے سپرد کردیا گیا۔ آصف جاہ اس معاہدہ کی تصدیق کے لئے دہلی روانہ ہوا لیکن دہلی کو اب باجی راؤ کے معاہدے سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ کا سامنا تھا۔

روم کے بانیوں کی طرح نادر شاہ بھی ایک گڈریا تھا۔ نادر نے ایران کو متحد اور منظم کرنے کے لئے کارہائے نمایاں کئے۔ اس زمانے میں ایران پر افغانوں کا بہت زیادہ اقتدار تھا۔ افغان ہی ایران کے شاہ کو مقرر کرتے تھے۔ نادر نے فوج جمع کرنی شروع کی۔ اس نے ایرانیوں سے جس انداز میں اپیل کی وہ نہایت موثر تھی۔ چنانچہ نادر کی فوج میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اس نے ۱۷۲۹ء میں افغانوں کو شکست دی اور اصفہان پر قبضہ کرلیا۔ ایران کا بادشاہ اشرف' جسے افغانوں نے تخت اصفہان پر بٹھایا تھا' افغانستان کی طرف بھاگ نکلا۔ قندھار میں ایک بلوچی سردار نے اسے قتل کردیا۔ افغانوں کو ایران سے نکالنے کے بعد اس نے ترکوں کی طرف توجہ کی۔ خاندان صفوی کے کمزور ہوجانے کے بعد ترکوں نے مغربی ایران کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ نادر نے ترکوں سے تبریز واپس لے لیا۔ ۱۷۳۶ء میں اس نے ایران میں نمائندہ حیثیت رکھنے والوں کو ایک اجلاس میں طلب کیا۔ اس اجلاس میں نادر نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ دو سال بعد نادر شاہ نے قندھار پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بیٹے رضا قلی مرزا نے بلخ فتح کیا۔ نادر شاہ کے عروج کے بعد بہت سے ایرانی امرا ہندوستان چلے آئے تھے۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کابل

اور پشاور کے درمیان اس کی کوئی مزاحمت نہ کی گئی۔ کرنال تک اس کی فوجیں بغیر لڑائی کئے پہنچ گئیں۔ یہاں پہنچ کر اسے محمد شاہ کی فوجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانیوں نے مغلوں پر فتح پائی۔ نادر شاہ دہلی کی طرف بڑھا۔ اس کا مقصد صرف منقولہ جائداد پر قبضہ کرنا تھا۔ وہ غیر منقولہ وسیع میدانوں پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دہلی پر ایرانیوں کا قبضہ ہوچکا تھا لیکن نادر شاہ کا حکم تھا کہ کوئی ایرانی سپاہی کسی دہلوی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچائے۔ دو چار روز بعد دہلی میں نادر شاہ کے قتل کردیئے جانے کی افواہ پھیل گئی۔ اس پر دہلی والوں نے ایران کے منتشر سپاہیوں کو قتل کردیا۔ اگلے دن نادر شاہ گھوڑے پر سوار ہوکر دہلی کے بازاروں میں نکلا تاکہ اسے دیکھ کر شورش تھم جائے۔ وہ دہلی کے بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ اس پر بندوق چلائی گئی۔ اس پر نادر شاہ غصے میں آگیا۔ اس نے ایرانی سپاہیوں کو لوٹ مار کا حکم دے دیا۔ بچے' بوڑھے اور جوان بغیر امتیاز کے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ شہر میں آگ لگادی گئی۔ بارہ گھنٹے قتل عام ہوتا رہا۔ جب نادر شاہ نے ایرانی فوج کے نام امتناعی حکم جاری کیا تو پندرہ منٹ کے اندر اندر ایک اپنی سپاہی بھی شہر میں نہ رہا۔ چونکہ دہلی کے قتل میں بیس ہزار سپاہی حصہ لے رہے تھے اس لئے قتل ہونے والوں کی تعداد یقیناً" بہت زیادہ ہوگی۔ تخت طاؤس کے علاوہ چالیس کروڑ روپیہ نادر شاہ کے قبضہ میں آیا۔ نادر شاہ اٹھاون دن دہلی میں رہا۔ اس نے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے حکمرانوں کو فرمانوں کے ذریعہ آگاہ کیا وہ محمد شاہ کے خلاف بغاوت نہ کریں جب تک نادر شاہ دہلی میں رہا مرہٹوں نے محمد شاہ کے خلاف کسی سرگرمیوں کا اظہار نہ کیا اور نہ بالاجی راؤ نے محمد شاہ سے اس معاہدے کی تصدیق کے لئے کہا جو اس کے اور آصف جاہ کے درمیان ہوا تھا بلکہ اس نے محمد شاہ کو لکھا کہ "ہمارے خانگی جھگڑے بالکل معمولی ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں صرف ایک ہی دشمن ہے۔ اس موقعے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہوجانا چاہئے۔" لیکن جب نادر شاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اس نے پھر معاہدے کی تصدیق پر زور دیا۔ اب اس نے دکن پر یلغار کی لیکن آصف جاہ نے اسے شکست دی۔ اس شکست کے بعد وہ ۱۷۴۰ء میں مرگیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا بالاجی راؤ پیشوا بنا۔ اس نے سب سے پہلے مالیات کو درست کیا۔ مرہٹوں کے خانگی مسائل بہت زیادہ پیچیدہ ہورہے

تھے چنانچہ بالاجی دکن میں مرہٹوں کی سلطنت کو وسیع کرنے کے منصوبوں میں ناکام رہا۔ آصف جاہ نظام الملک کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں غازی الدین اور صلابت جنگ میں لڑائی ہوئی۔ غازی الدین نے بالاجی راؤ سے امداد طلب کی۔ بالاجی راؤ اپنی فوج لے کر نظام کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا کہ اسے مرہٹہ سرداروں کی اس سازش کا پتا چلا جس کی رو سے بالاجی کے اقتدار کو ختم کیا جا رہا تھا چنانچہ اسے مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔ جب بالاجی راؤ واپس جا رہا تھا تو تارا بائی نے اس کے خلاف بہت بڑی سازش کی۔ اس نے داماجی گائیکوار کو اپنی فوج سمیت ستارا آنے کی دعوت دی۔ جب یہ فوج ستارا میں داخل ہوئی تو پیشوا اپنے ساتھیوں سمیت ارلہ میں پناہ گزین ہوا اور بہت جلد ہی اس نے اپنی فوج جمع کر کے گائیکوار کو شکست دی لیکن تارا بائی اپنے آپ کو پیشوا کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی اثنا میں صلابت جنگ کی فوجی فرانسیسی جرنیل بسی کی کمان میں مرہٹوں کے علاقوں پر قبضہ جما رہی تھی۔ صلابت جنگ اور تارا بائی میں خط و کتابت بھی ہو رہی تھی۔ رگھوجی بھونسلا نے صلابت جنگ کی فوجوں کو مہاراشٹر میں مصروف پا کر دکن پر حملہ کر دیا۔ اب صلابت جنگ کو اپنی مملکت میں واپس ہونا پڑا۔

ہندوستان سے واپس جانے کے آٹھ سال بعد نادر شاہ قتل ہوا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کا جرنیل احمد خاں ابدالی اپنی فوج سمیت افغانستان چلا گیا۔ یہاں اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ افغانسان کے بہت سے قبیلوں نے اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے بہت جلد کابل اور قندھار پر قبضہ کر لیا۔ لاہور پر اس کا بہت زیادہ رسوخ دیکھ کر دہلی میں خطرے کا احساس ہوا۔ چنانچہ مغل شہزادہ احمد اور احمد شاہ ابدالی میں سرہند کے قریب لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں دونوں فوجوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی اثنا میں شہزادہ احمد کے باپ محمد شاہ نے وفات پائی۔ احمد شاہ نے سرہند کی لڑائی میں جو بہادری دکھائی تھی اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ شاید مغلوں کی حالت سنبھل جائے۔ لیکن شہزادے نے بہت جلد اپنے آپ کو عیاشیوں میں مبتلا کر دیا۔ پنجاب کے حاکم میر منو نے افغانوں کا مقابلہ کیا لیکن ناکام ہونے کے بعد اس نے لاہور اور ملتان کے صوبوں کو افغانوں کے حوالے کر دیا۔ مغل سلطنت کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی۔ جابجا آزاد حکمرانوں کے پیدا

ہو جانے سے سلطنت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ملتان اور لاہور پر احمد شاہ ابدالی کا قبضہ تھا۔ مرہٹوں نے مغل سلطنت کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ دکن ایک آزاد ملک بن چکا تھا۔

غازی الدین (نواب وزیر) نے لاہور کے قلعہ میں داخل ہو کر میر منو کی بیوہ کے زرومال کو لوٹ لیا۔ اس پر احمد شاہ ابدالی بہت غصہ میں آیا۔ اس نے لاہور کے قلعہ سے اس حفاظتی دستہ کو نکال دیا جسے غازی الدین مقرر کر گیا تھا۔ لاہور کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی پہنچا۔ دہلی میں نواب وزیر غازی الدین نے احمد شاہ ابدالی سے معافی مانگی۔ احمد شاہ نے غازی الدین کو معاف کر دیا لیکن اس کے سپاہیوں نے دہلی میں قتل عام کیا۔ شہر والوں کو لوٹا۔ دہلی کے بعد اس نے آگرہ کی دیواروں تک جاٹوں کے علاقہ کو تباہ کیا۔ بالاجی راؤ نے اگرچہ صلابت جنگ سے صلح کر لی تھی۔ لیکن اس نے موقعہ پاکر صلابت جنگ کے بڑے بھائی غازی الدین سے بھی صلح کرنے میں پیش قدمی کی۔ بالاجی راؤ کا بھائی رگھوبا ۱۷۵۵ء میں گجرات فتح کر چکا تھا۔ رگھوبا کی فوجیں دہلی کے دروازوں سے واپس ہو گئیں۔ جب ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی دہلی سے واپس ہوا تو وہ اپنے بیٹے تیمور کو لاہور کا حاکم بنا گیا۔ اس حاکم کا وزیر جہان خاں تھا۔ اس وزیر نے میر منو کے مشیر کار آدینہ خاں کو گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ اسے باغی قرار دے کر اس کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی گئی۔ سکھوں کی مدد سے اس نے افغان فوج کو شکست دی۔ جب آدینہ بیگ کو رگھوبا کی فتوحات کا پتا چلا تو اس نے رگھوبا سے امداد طلب کی۔ مرہٹوں نے سرہند کے حاکم کو شکست دی۔ مئی ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں نے لاہور فتح کر لیا۔ آدینہ بیگ کو لاہور میں مرہٹوں کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ آدینہ بیگ کی موت کے بعد ایک مرہٹہ کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ رگھوبا پنجاب سے چلا گیا۔ اس اثنا میں روہیلوں کی مدد کے لئے احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا رخ کیا۔ لاہور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ مرہٹہ سپاہی قتل کر دیئے گئے۔ احمد شاہ دہلی کی طرف بڑھا۔ مرہٹوں نے بھی حرکت کی۔ پانی پت کے میدان میں دونوں فوجوں نے خیمے لگا دیئے۔ افغان فوج میں چوالیس ہزار سوار، اڑتیس ہزار پیادے اور ستر توپیں تھیں۔ مرہٹہ فوج پچپن ہزار سواروں، پندرہ ہزار پیادوں اور دو سو توپوں پر مشتمل تھی۔ مرہٹوں کے توپ خانے

کا افسر اعلیٰ ابراہیم گاردی تھا۔ دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ گوبند راؤ اپنے دس ہزار سپاہی لے کر احمد شاہ ابدالی کے ذرائع رسل و رسائل منقطع کرنے کے لیے افغان فوج کے عقب کی طرف بڑھا لیکن افغانوں نے اس کو شکست دی۔ اس کا سر کاٹ کر ابدالی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس واقع کے بعد مرہٹوں نے تین دفعہ ابدالی کی فوجوں پر حملہ کیا۔ ان حملوں کی شدت بہت زیادہ تھی۔ ابدالی چونکہ ایک تجربہ کار جرنیل تھا اس لئے اس نے فوراً" مشتعل ہو کر جوابی حملے نہیں کئے بلکہ وہ موقعہ کا منتظر رہا۔ اس نے مرہٹوں کو محصور کرنے کی کوشش کی۔ ایک رات مرہٹہ فوج کے چند ہزار نوکر چاکر ضروری اشیا خریدنے کے لئے اپنے کیمپ سے نکل گئے۔ افغانوں نے ان کو گھیر کر قتل کردیا۔ اس پر مرہٹہ سپاہیوں نے اپنے افسروں سے لڑائی کا فوری فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اگلی صبح افغانوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اسی رات کی پچھلی گھڑی میں احمد شاہ کو مرہٹوں کے ارادوں کا پتا چل گیا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو اسی وقت تیار رہنے کا حکم دیا۔ اگلی صبح مرہٹوں نے ابدالی کی فوج پر حملہ کردیا۔ اس حملے کا آغاز ابراہیم گاردی نے کیا۔ اس نے اپنی توپوں کا رخ روہیلوں کی طرف کردیا۔ روہیلوں نے اس حملے کا مقابلہ کیا۔ تین گھنٹوں میں گاردی کے تین بٹالین تباہ ہوگئے۔ دوپہر تک مرہٹوں کی فتح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ دونوں فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں۔ دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ نیاموں سے تلواریں نکل آئیں۔ تین گھنٹوں کے بعد مرہٹہ فوج بھاگ نکلی۔ افغانوں نے بیس میل تک ان کا پیچھا کیا۔ اس لڑائی میں مرہٹوں کے بہت سے سردار مارے گئے۔ اس شکست نے پیشوا کا دل توڑ دیا۔ چنانچہ وہ چند ماہ بعد چل بسا۔

بالاجی راؤ کی وفات پر اس کا بیٹا مادھو راؤ پیشوا بنا۔ چونکہ وہ نابالغ تھا اس لئے اس کا چچا رگھوبا اس کا ولی مقرر کیا گیا۔ رگھوبا کے عہد میں پہلی مرتبہ پونا اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں عہد نامہ ہوا۔ اس عہد نامہ سے رگھوبا کا مقصد کمپنی سے گولہ بارود اور چند فوجی سپاہی حاصل کرنا تھا۔ رگھوبا کے زمانے میں مرہٹوں کو نظام کے حملے کا بہت اندیشہ تھا۔ کمپنی کے لئے اس سے بہتر موقعہ مداخلت اور کیا ہوسکتا تھا۔ کمپنی نے سلسٹ اور بسین کے معاوضہ میں فوجی مدد کا وعدہ کرلیا۔ چونکہ نظام دکن نے مرہٹوں پر حملہ نہ کیا اس لئے رگھوبا کو کمپنی کی مدد کی ضرورت نہ رہی۔ سلسٹ اور

لسین کمپنی کے قبضہ سے بچ گئے!

جب مادھو راؤ پیشوا بالغ ہوا تو اس نے نظم مملکت کو ابتر پایا۔ جوان اور ذہین پیشوا نے چچا کو بدعنوانیاں ختم کرنے کے لئے کہا لیکن بے سود' آخر پیشوا نے رگھوبا کو قید کرلیا۔ نوجوان پیشوا ۱۸ نومبر ۱۷۷۲ء کو ۲۸ سال کی عمر میں مر گیا۔ موت سے قبل وہ اپنے چچا رگھوبا کو قید سے رہا کرچکا تھا۔ مادھو راؤ لاولد تھا۔ اس کی بیوی بھی اس کی موت پر ستی ہو گئی۔ بستر مرگ پر مادھو راؤ نے اپنے بھائی نارائن راؤ کو پیشوا نامزد کیا۔ رگھوبا اس نئے پیشوا کا سرپرست مقرر ہوا۔ چچا کو انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ رگھوبا نے نارائن راؤ کو ۳۰ اگست ۱۷۷۳ء کو قتل کرادیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اس زمانے میں مرہٹوں' نظام دکن اور حیدر علی کے اتحاد سے بہت خائف تھی۔ چنانچہ مرہٹوں کو نظام اور حیدر علی سے علیحدہ رکھنے کے لئے حکومت بمبئی نے موسٹن کو دربار پیشوا میں بھیجا تھا۔ اس زمانہ میں کمپنی مرہٹوں سے بہت ڈرتی تھی کیوں کہ مرہٹے کمپنی کے سیاسی اقتدار کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مرہٹے الہ آباد' اودھ اور روہیل کھنڈ پر حملہ کرنا چاہتے تھے کہ ۱۷۷۳ء میں ان کے خانگی معاملات نے انہیں واپس جانے پر مجبور کردیا۔

موسٹن اپنا کام کرچکا۔ رگھوبا اب پیشوا تھا۔ رگھوبا موسٹن کا آلہ کار تھا۔ موسٹن نے رگھوبا کو مشورہ دیا کہ وہ نظام اور حیدر سے جنگ کرے۔ ان جنگوں میں رگھوبا نے اگرچہ شکست نہیں کھائی۔ تاہم ان جنگوں نے اسے کسی قسم کا فائدہ بھی نہ پہنچایا۔ نانا فرنویس کو اس امر کا یقین تھا کہ رگھوبا حکومت بمبئی کا آلہ کار ہے اور یہ کہ رگھوبا کی پیشوائی میں مرہٹوں کی تباہی لپٹی ہوئی ہے۔ رگھوبا کمپنی کی فوجی حمایت کو مرہٹی قوت کا سب سے بڑا سبب خیال کرتا تھا لیکن نانا فرنویس کے نزدیک کمپنی کی فوجی مدد مرہٹوں کی موت تھی۔

جب رگھوبا کو معلوم ہوا کہ فرنویس اور دوسرے مرہٹہ وزیر اس کے خلاف ہیں تو رگھوبا گجرات کی طرف بھاگ نکلا۔ رگھوبا نے بمبئی کونسل سے مدد کی درخواست کی۔ ارکان کونسل معاونت کے لئے رضامند تھے۔ انہیں رگھوبا سے کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی۔ وہ مرہٹوں کو کمزور دیکھنے کے خواہاں تھے۔ سب سے بڑھ کر وہ سلسٹ اور لسین پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے

ایک خط کے ذریعہ جو انہوں نے صدر اور بمبئی کونسل کو لکھا اس میں اس امر کی صاف طور پر وضاحت کردی گئی تھی کہ سلسٹ اور لسین پر کسی نہ کسی طرح سے قبضہ کرلیا جائے۔ سلسٹ اور لسین پر قابض ہونے کے لئے صدر اور ارکان کونسل نے رگھوبا کی مدد کا وعدہ کرلیا۔ رگھوبا نے سورت پہنچ کر ۶۔ مئی ۱۷۷۵ء کو عہد نامہ سورت کی رو سے سلسٹ اور لسین کے علاقے انگریزوں کے سپرد کردیے۔

مرہٹوں کی پہلی جنگ کا سبب عہد نامہ سورت ہے!

حکومت بمبئی کے کرنل کیٹنگ کو "رگھوبا کے تمام دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے" بھیجا۔ رگھوبا بھی کرنل کے ساتھ تھا۔ ورج کے مقام پر رگھوبا کی فوج بھی کیٹنگ سے مل گئی۔ اب حکومت بمبئی نے اس لشکر کو پونا کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا لیکن رگھوبا کے قدم پونا کی سرزمین تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی روک تھام کے لئے وزارت پونا نے بھی ایک مرہٹہ فوج بھیجی۔ اراس کے مقام پر رگھوبا اور اس کے حامیوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ متعدد برطانی افسر ہلاک اور زخمی ہوئے۔ چونکہ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا اس لئے مرہٹہ جرنیل اپنی فوج کو واپس لے گیا۔ کرنل کیٹنگ نے تعاقب کیا لیکن مرہٹوں کی فوج نربدا عبور کرچکی تھی۔ کرنل کیٹنگ بھی برسات کے خوف سے مزید تعاقب نہ کرسکا۔

جدید دستور کی رو سے مدراس اور بمبئی کی حکومتیں گورنر جنرل کی مرضی کے بغیر دیسی ریاستوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرسکتی تھیں۔ چونکہ حکومت بمبئی کو رگھوبا کی مدد کے لئے فوجی نقل و حرکت' دستور نو کی صریحا" خلاف ورزی تھی اس لے ہیسٹنگز نے کرنل اپٹن کو صلح کی غرض سے پونا بھیجا۔ وزارت پونا کے تمام ارکان پورندھر میں تھے اس لئے کرنل اپٹن ۲۸ دسمبر ۱۷۷۵ء کو وہاں پہنچا۔ وزارت پونا نے سلسٹ اور لسین پر برطانی قبضہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ کرنل اپٹن نے ہیسٹنگز کو تمام حالات سے آگاہ کردیا۔ ہیسٹنگز جنگ کے لئے تیار تھا۔ بھوسلا' سندھیا' ہولکر' حیدر اور نظام کو غیرجانبدار رہنے کی درخواست کی گئی۔ کلکتہ اور مدراس میں کمپنی کی فوجیں تیار کھڑی تھیں۔ کرنل اپٹن واپس جانے کی تیاری کررہا تھا کہ اچانک نانا فرنویس نے عہد نامہ پورندھر پر دستخط کردیے۔ اس عہد نامہ کی رو سے عہد نامہ سورت منسوخ قرار پایا۔

جب حکومت بمبئی کو عہد نامہ پورندھر کی دفعات کا علم ہوا کہ حکومت نے اس عہد نامہ کو اپنی توہین خیال کیا۔ حکومت بمبئی نے کلکتہ کونسل کے فیصلہ کے خلاف کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھا۔ اس نے حکومت بمبئی کے حق میں فیصلہ کردیا۔

حکومت بمبئی نے پونا کی طرف ایک فوج بھیجی۔ نانا فرنویس اس فوج کی نقل و حرکت سے خوب آگاہ تھا۔ چنانچہ پونا سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر تالی کے مقام پر مہاراشٹر کی فوجوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا۔ انگریزی فوجیں ان کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں۔ مرہٹوں نے ایک پرلطف تعاقب کے ذریعے کچھ سامان جنگ اپنے قبضے میں کرلیا۔ انگریزوں نے عہد نامہ وارگاؤں پر دستخط کرنے سے اپنی کمزوری کا اقرار کرلیا۔ کمپنی کے لندنی ارکان کو اس عہد نامہ نے اس قدر تکلیف دی کہ انہوں نے کارنک اور اس کے دوسرے فوجی افسروں کو ملازمت سے علیحدہ کردیا۔ ہیسٹنگز نے بھی عہد نامہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور گوڈرڈ کو انتقام لینے کے لیے بھیجا۔ گوڈرڈ ایک قابل تعریف کوچ کے ذریعے بنگال سے سورت تک پہنچا احمد آباد فتح کرنے کے بعد اس نے گائیکوار کو اپنا حامی بنالیا۔ اب گوڈرڈ پونا کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اس جنگ میں گوڈرڈ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

۱۷۷۹ء میں نظام نے انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل خارج کرنے کے لئے ایک محاذ قائم کیا۔ اس محاذ میں گائیکوار کے سوا تمام مرہٹہ سردار شامل تھے۔ حیدر علی بھی اس میں شریک تھا۔ اس محاذ کو کامیاب بنانے کے لئے نانا فرنویس نے انتہائی کوشش کی۔ اس نے شہنشاہ دہلی کو بھی اس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ نانا فرنویس نے مندرجہ ذیل خط اپنے وکیل مقیم دہلی کو لکھا:

> "معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ کے انگریز دہلی کے شہنشاہ کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرتے ہوئے شہنشاہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہیئے کہ شہنشاہ اور نجیب خاں کو مندرجہ ذیل حقائق سے آگاہ کردو۔"
>
> ٹوپی کاروں کا طرز طریق' نامناسب اور عیارانہ ہے۔ وہ ابتدا میں ہندی تاجداروں کو اپنے ساتھ متحد ہونے کے مفاد بتاتے ہیں لیکن آخرکار ان کی مملکتوں پر قابض ہوکر انہیں زندانوں میں بند کردیتے ہیں۔ مثال

کے طور پر شجاع الدولہ اور محمد علی خاں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ اہل مغرب کو اچھی طرح دباؤ ورنہ یورپ کے یہ اجنبی تمام علاقہ پر قابض ہوجائیں گے' اور یہ اچھا نہیں۔ شہنشاہ کو چاہئے کہ وہ عزت و ناموس کے لئے اس مسئلہ کی طرف توجہ کرے۔ دکن کے تمام تاجدار متحد ہوچکے ہیں۔ انہوں نے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے اپنی فوجیں تیار کرلی ہیں۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں انگریزوں سے جنگ آزما ہونے والی ہیں۔ "شمالی ہندوستان میں شہنشاہ اور نجیب خاں کو تمام قوتیں متحد کرنے کے بعد انگریزوں کا خاتمہ کردینا چاہئے۔ اس طرح سلطنت کی شان میں نمایاں اضافہ ہوگا۔"

نانا فرنویس پہلا مدبر ہے جس نے تمام ہندوستان کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی۔ نانا فرنویس کے اس اعلان کے خوف سے کمپنی نے مرہٹوں سے صلح کرلی۔ عہد نامہ سلبئی نے مرہٹوں کی پہلی جنگ کا خاتمہ کردیا۔

مہاراجا سندھیا کے واسطہ سے عہد نامہ سلبئی مرتب ہوا۔ اس عہد نامہ کی سترہ دفعات تھیں۔ اس کی رو سے انگریزوں نے وہ تمام علاقہ مرہٹوں کو واپس کردیا۔ جس پر انہوں نے عہد نامہ پورندھر کے بعد قبضہ کرلیا تھا۔ گوالیار پر مہاراجہ سندھیا کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ رگھوبا کی پنشن پچیس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کی گئی۔

مرہٹوں کی پہلی جنگ نے کمپنی کا خزانہ خالی کردیا۔ اسی خالی خزانہ کو پر کرنے کے لئے اس نے ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس نے اسے قانون کی گرفت میں پہنچا دیا۔ مرہٹوں کی پہلی جنگ کے بعد گورنر جنرل کو کسی ہندوستانی تاجدار سے جنگ کرنے کی جرات نہیں کرنی چاہئے تھی لیکن گورنر جنرل حیدر علی سے نبرد آزما ہونا چاہتا تھا کیوں کہ وہ اتحادیوں کو حیدر علی سے جدا کرچکا تھا۔

کمپنی کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے تنہا مرہٹوں ہی نے کوشش نہیں کی بلکہ حیدر علی بھی مرہٹوں کا شریک کار تھا۔ انگریزوں کو سب سے خوفناک جنگیں حیدر ہی سے کرنی پڑیں۔ حیدر انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ وہ اپنی موت تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ ذاتی فراست و شجاعت سے اس نے تاریخ میں اپنے لئے جگہ پیدا کی۔

اس مدت میں مدراس کی انگریزی حکومت بہت زیادہ بدنظمی کا شکار ہو رہی تھی۔ کرناٹک میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس "دو عملی" کو رائج کیا تھا اس نے بنگال سے ملتے جلتے تباہ کن نتائج پیدا کئے۔ نواب کرناٹک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ان کارندوں کے رحم و کرم پر تھا جنھوں نے اسے بھاری سود پر روپیہ قرض دے رکھا تھا۔ اس رقم کو ادا کرنے کے لئے نواب نے تنجور پر قبضہ کرنا چاہا۔ مدراس کے گورنر نے راجا کو گدی سے اتار کر تنجور کو نواب کے حوالے کردیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں نے مدارس کے گورنر کے اس اقدام کی تائید نہ کی اور گورنر کو معطل کردیا۔ نئے گورنر نے تنجور کو راجا کے حوالے کردیا۔ اس گورنر کے جانشین کو بددیانتی کے الزام میں ملازمت سے علیحدہ کردیا گیا۔ گنٹور پر کمپنی نے قبضہ کرکے نظام کو ناراض کردیا جس پر نظام نے تمام مرہٹہ سرداروں اور حیدر علی کو اپنے ساتھ ملاکر انگریزوں کے خلاف ایک محاذ قائم کرلیا۔ اسی محاذ کو وارن ہیسٹنگز نے معاہدہ سلبئی کے ذریعہ توڑ دیا تھا۔ اس نے گنٹور کا ضلع نظام کو واپس کرکے اسے بھی راضی کرلیا تھا۔ اب حیدر علی اکیلا تھا۔

میسور کی دوسری لڑائی کا تعلق بین الاقوامی سیاسیات سے بھی ہے۔ جب امریکہ کی نوآبادیوں نے برطانیہ کے خلاف بغاوت کردی تو اس وقت فرانس نے ان باغی نوآبادیوں کا ساتھ دیا تھا اس پر ۱۷۷۸ء میں برطانیہ نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کردیا اٹھارویں صدی کے شروع تک برطانیہ کے زیراثر شمالی امریکہ میں تیرہ نوآبادیاں قائم ہوچکی تھیں۔ یہ ریاستیں امریکہ کے ساحلی علاقوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان ریاستوں سے ہٹ کر امریکہ کے اصلی باشندوں کی پانچ بڑی ریاستیں تھی۔ شمالی ریاستوں کی نسبت جنوبی ریاستوں میں حبشی غلاموں سے زیادہ کام لیا جاتا تھا چونکہ امریکہ کے اصلی باشندے (ریڈ انڈین) غلاموں کی طرح کھیتی باڑی کرنے سے انکار کردیتے تھے اس لئے ان غلاموں کو افریقہ سے درآمد کیا جاتا تھا۔ امریکہ کی یہ ریاستیں اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف تھیں پھر بھی وہ اپنے مشترکہ دشمنوں کے مقابلے میں متحد تھیں۔ انہوں نے مل کر امریکہ کے باشندوں کو تباہ کیا۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد فرانس نے امریکہ سے دست برداری کا اعلان کردیا۔ اب ان ریاستوں کے سامنے صرف برطانی پارلیمنٹ سے رہائی حاصل کرنے کا مسئلہ تھا۔

جنگ ہفت سالہ کے بعد انگلستان نے بنگال کی طرح امریکہ کی دولت کو بھی لوٹنا چاہا لیکن آبادکاروں نے برطانی پالیمنٹ کے عائد کردہ ٹیکسوں کے خلاف احتجاج شروع کردیا۔ جنگ ہفت سالہ ہر اس مقام پر لڑی گئی جہاں انگریز اور فرانسیسی آباد تھے۔ امریکہ میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی نے شمالی امریکہ کی ان تیرہ برطانی نوآبادیوں کی جنگی تربیت کردی تھی۔ اب وہ برطانیہ کے خلاف بھی لڑ سکتی تھیں۔ ۱۷۷۳ء میں برطانی حکومت نے ان نوآبادیوں کو مجبور کردیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی چائے خریدیں۔ امریکی نوآبادیوں نے اس درآمد کے خلاف احتجاج کیا۔ ان نوآبادیوں نے کمپنی کی چائے کا بائیکاٹ کا فیصلہ کرلیا چنانچہ جب دسمبر ۱۷۷۳ء میں کمپنی کی چائے سے لدا ہوا جہاز بوسٹن کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا توان آبادکاریوں نے جہاز میں داخل ہوکر چائے کے بنڈلوں کو پانی میں پھینک دیا۔ امریکہ کی تاریخ میں یہ واقعہ "بوسٹن ٹی پارٹی" کہلاتا ہے۔ اگلے سال برطانیہ اور اس کی امریکی نوآبادیوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ یہ جنگ تقریباً" سات سال تک رہی۔ اسی جنگ کے دوران میں امریکی ریاستوں نے "اعلان آزادی" پیش کیا۔ ان تیرہ ریاستوں کو ملاکر ان کا نام "متحدہ ریاست ہائے امریکہ" رکھا گیا۔ان متحدہ ریاستوں کی جمہوریت کا پہلا صدر واشنگٹن تھا۔ اس وقت ان ریاستوں کی مجموعی آبادی پچاس لاکھ سے بھی کم تھی۔ امریکہ کے "اعلان آزادی" کی ہر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعلان اٹھارویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں اور مفکروں کے خیالات کا نتیجہ ہے۔

جونہی برطانیہ نے فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا انگریزوں نے فرانسیسیوں کے ہندوستانی مقبوضات پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ ماہی کی بندرگاہ پر بھی انگریزوں نے قبضہ کرلیا تھا اس لئے حیدر علی نے اس کے خلاف احتجاج کیا کیوں کہ یہ بندرگاہ حیدر علی کے لئے بہت مفید تھی، لیکن اس احتجاج کا مدراس کی انگریزی حکومت پر کچھ اثر نہ پڑا۔ اس سے پہلے جب مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تھا تو انگریزوں نے معاہدے کے مطابق حیدر علی کی مدد کرنے سے انکار کردیا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۷۷۹ء میں نظام نے انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تو حیدر علی بھی اس میں شریک ہوگیا تھا۔ جب مدراس کی انگریزی حکومت نے ماہی کی بندرگاہ

پر سے اپنا قبضہ اٹھانے سے انکار کردیا تو انگریزوں اور حیدر علی میں لڑائی چھڑ گئی۔ یہ لڑائی ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک ہوئی۔

حیدر علی نے کرناٹک پر دھاوا بول دیا۔ اس نے کرنل بیلی کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔ بکسر کا فاتح منرو بھی حیدر علی کے حملے کی تاب نہ لاسکا۔ وہ اپنی بہت سی توپوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ چند دنوں کے اندر اندر حیدر علی نے ارکاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اسی اثناء میں وارن ہیسٹنگز نے نظام اور سندھیا کو حیدر علی سے الگ کردیا لیکن حیدر علی نے لڑائی کو جاری رکھا۔ اب وارن ہیسٹنگز نے بنگال سے سر آئیر کوٹ کی کمان میں ایک فوج بھیجی جس نے ۱۷۸۱ء میں پورتونوو میں حیدر علی کو شکست دی لیکن حیدر علی نے بہت جلد اس شکست کا بدلہ لے لیا۔ اسی اثنا میں فرانسیسیوں کا ایک جنگی بیڑہ حیدر علی کی مدد کو پہنچ گیا۔ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کے بیٹے ٹیپو نے بھی کرنل بر یتھ ویٹ کو شکست دی۔ اسی اثنا میں حیدر علی اس دنیا سے چل بسا۔ ٹیپو نے لڑائی کو بدستور جاری رکھا۔ چونکہ ۱۷۸۳ء میں معاہدہ ورسائی کی رو سے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہوچکی تھی اس لئے فرانسیسیوں نے ٹیپو کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ کئی مہینوں تک لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن آخرکار انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے سامنے صلح کی شرطیں پیش کردیں جنہیں ٹیپو سلطان نے مان لیا۔ معاہدہ منگلور نے ۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری لڑائی کو ختم کردیا۔

میسور کی دوسری لڑائی کا سب سے اہم واقعہ حیدر علی کی موت ہے۔ پرانے زمانے کے بادشاہوں کی طرح حیدر علی رات کو بھیس بدل کر اپنی رعایا کے حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتا تھا۔ حیدر علی نے اپنی پولیس اور فوج کو اعلی پیمانے پر منظم کیا تھا۔ بہادرانہ کارناموں پر حیدر علی سپاہیوں کو بہت زیادہ انعام و اکرام دیتا تھا۔ حیدر علی کے عدل و انصاف کی داستانیں جنوبی ہند میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک جرم کی پاداش میں اپنے بیٹے ٹیپو کو اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے۔ حیدر علی کو نمبوتور میں مقیم تھا۔ ایک شام سیر کے لئے نکلا تو ایک بڑھیا نے اسے روک لیا۔ نواب نے وجہ دریافت کی۔ بڑھیا نے کہا کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اس کی لڑکی چھین لی ہے اور اس نے انصاف طلب کرنے کے لئے جو درخواست دی تھی اس پر تاحال غور نہیں کیا گیا۔ حیدر علی نے

تحقیقات شروع کی۔ معلوم ہوا کہ بڑھیا نے اپنی درخواست سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دی تھی۔ جب سردار سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی بیٹی کو طوائفوں سے بتلایا۔ اس نے سردار شاہ کو دوسو کوڑے لگا کر معزول کردیا اور سردار آغا شاہ کو سزائے موت دی۔ حیدر علی نے سرنگاپٹم میں رومانہ کے تماشوں کو رائج کیا۔ بہادر سپاہی زرہ بکتر پہن کر شیروں اور چیتوں سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتا تو اسے انعام دیا جاتا اگر شیر یا چیتا غالب دکھائی دیتا تو اسے گولی مار کر ہلاک کردیا جاتا۔ اس کی زندگی میں حیرت انگیز رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ محض دینی اختلاف کی بناء پر اس نے کسی شخص کو کسی قسم کی اذیت پہنچائی ہو۔ حیدر علی کی فوج میں غیر مسلموں کو بہت بڑے عہدے دیئے گئے تھے۔ اس کا مشیر خاص کھانڈے راؤ برہمن تھا۔ اس نے نہ صرف قدیم مندروں کی جاگیروں کو بحال رکھا بلکہ اس نے منادر کی جاگیروں میں اضافہ کیا۔ میسور کے مندروں میں آج تک حیدر علی کے فرامین محفوظ ہیں۔ میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کی سالانہ رپورٹیں اس دعوے کا بہترین ثبوت ہیں۔ سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر اسی کا تعمیر کردہ ہے۔ رواداری کی اس سے شان دار مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں جہاں متعدد منادر تعمیر کروائے وہاں اس نے ایک مسجد تعمیر نہیں کی۔ اس نے سلطنت کے تحفظ کے لئے قلعوں کا ایک جال بچھادیا۔ قلعہ بندی کے فن میں اس کو بہت دست گاہ حاصل تھی۔ وہ انگریزوں کو ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن خیال کرتا تھا۔ کمپنی اس کو اپنے اقتدار کے لئے سب سے بڑا سنگ گراں خیال کرتی تھی۔ وہ انگریزوں سے آخر دم تک لڑتا رہا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں:

> "انگریزوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لئے ہندوؤں' مرہٹوں' جاٹوں' گورکھوں اور سکھوں سے کئی جنگیں لڑنا پڑیں لیکن انہیں سب سے طاقت ور دشمن حیدر علی ملا جسے انگریز شکست نہ دے سکے۔ ۱۷۶۷ء سے ۱۷۸۲ء تک اس نے اپنی بہادری کا سکہ انگریزوں کے دل پر بٹھادیا۔ مدارس پر اس کا مشہور دھاوا ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت تک یاد رہے گا۔ اس کے دل میں اس قدر رحم اور وسعت تھی کہ

اس نے مدارس پر قبضہ نہیں کیا حالانکہ وہ نہایت آسانی سے مدراس پر قابض ہو سکتا تھا۔ اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان سے انگریزوں کا اقتدار ختم ہو جاتا۔ بعد کی جنگوں میں بھی اس کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے۔ حیدر علی کی موت میسور اور مہاراشٹر کے لئے بہت بڑا نقصان ثابت ہوئی۔ اس کی موت کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار ڈال کر انگریزوں سے ان کی پیش کردہ شرائط پر سالبئی کے مقام پر ان سے صلح کرلی۔ حیدر علی مذہبی تعصب سے بالکل مبرا تھا۔ اس جیسا کوئی اور جرنیل اس زمانے کے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ وہ تنہا ہندوستانی حکمران تھا جس نے اپنے ملک کی مدافعت کے لئے بحری طاقت قائم کی۔"

وارن ہیسٹنگز کو لڑائیاں جاری رکھنے کے لیے روپے کی ضرورت تھی۔ کمپنی کے خزانے میں خاک اڑ رہی تھی۔ لڑائیوں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اس نے سب سے پہلے بنارس کے راجا چیت سنگھ سے زبردستی روپیہ حاصل کرنا چاہا۔ ۱۷۷۵ء میں نواب اودھ نے ایک معاہدے کی رو سے راجا بنارس کی جاگیر کو کمپنی کے ماتحت کردیا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے بنارس کے راجا کو ہر سال کمپنی کو خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ بنارس کا راجا کمپنی کو خراج باقاعدہ ادا کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۷۷۸ء میں جب ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی چھڑی تو وارن ہیسٹنگز نے راجا چیت سنگھ سے خراج کی رقم کے علاوہ پانچ لاکھ روپیہ زاید طلب کیا۔ راجا چیت سنگھ نے اس زاید رقم کو بھی ادا کردیا۔ اگلے سال وارن ہیسٹنگز نے اسی زاید رقم کا پھر مطالبہ کیا۔ راجا چیت سنگھ نے اس کو لکھا کہ معاہدے کے مطابق وہ خراج کو باقاعدہ ادا کر رہا ہے۔ اس لئے وہ زاید رقم دینے سے قاصر ہے لیکن اس پر بھی اس نے چیت سنگھ کو زاید رقم ادا کرنے پر مجبور کردیا۔ ۱۷۸۰ء میں گورنر جنرل نے اس سے دو ہزار سواروں کی فوج طلب کی۔ چیت سنگھ نے فوجی مدد دینے سے انکار کردیا۔ اس پر وارن ہیسٹنگز نے راجا چیت سنگھ پر پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ کیا اور ایک فوج لے کر بنارس چل دیا۔ چیت سنگھ نے اس کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وارن ہیسٹنگز نے چیت سنگھ کو اس کے محل میں قید کردیا اور محل

کے اردگرد انگریزی فوج کا پہرہ بٹھادیا گیا۔ وارن ہیسٹنگز کے اس طرز عمل نے بنارس کی آبادی اور چیت سنگھ کے سپاہیوں کو مشتعل کردیا تھا۔ چنانچہ مشتعل ہجوم نے بنارس کے بازاروں میں انگریزی فوج کو قتل کردیا اور چیت سنگھ کے سپاہیوں نے ان پہرہ داروں کو قتل کردیا جنھوں نے چیت سنگھ کے محل کو گھیر رکھا تھا۔ چیت سنگھ نے بھاگ کر روم نگر کے قلعہ میں پناہ لی' وارن ہیسٹنگز بھی اپنے آپ کو مشکلات میں گھرا ہوا پاکر چنار کی طرف بھاگ نکلا۔ وہ جس پریشانی کے عالم میں بنارس سے بھاگ نکلا تھا اسے کسی نے اس طرح پیش کیا ہے:

"گھوڑے پہ ہودہ رکھا ہاتھی پہ زین
بھاگ گیورے یاں سے وارن ہیسٹین"

راجا چیت سنگھ اور انگریزی فوجوں میں کئی مہینے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ راجا نے رام نگر سے بھاگ کر بجے گڑھ کے قلعہ میں پناہ لی' لیکن انگریزی فوج نے اس قلعے پر قبضہ کرکے راجا چیت سنگھ کے سارے خزانے کو لوٹ لیا۔ کمپنی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آسکا۔ اس پر وارن ہیسٹنگز نے راجا چیت سنگھ کو گدی سے اتار کر اس کے ایک بھتیجے کو اس شرط پر گدی پر بٹھایا کہ وہ آئندہ دگنا خراج ادا کیا کرے۔ اس مہم میں کمپنی کے افسروں اور سپاہیوں نے تو خوب لوٹ مار کی لیکن وارن ہیسٹنگز کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

وارن ہیسٹنگز کو روپے کی ضرورت تھی' اس ضرورت کو اس نے دوسرے طریقوں سے پورا کرنا چاہا۔ چنار میں وارن ہیسٹنگز نے نواب اودھ آصف الدولہ سے ملاقات کی۔ اودھ میں انگریزی فوجوں کی موجودگی نے نواب اودھ کو کمپنی کا مقروض کردیا تھا۔ قرض کی اس بھاری رقم کو ادا کرنے کے لئے نواب آصف الدولہ نے وارن ہیسٹنگز کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ بیگمات اودھ (آصف الدولہ کی ماں اور دادی) کے خزانوں پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ چنانچہ آصف الدولہ نے بیگمات اودھ کی جاگیروں پر قبضہ کرنے اور ان کے خزانوں پر ہاتھ صاف کرنے کا تہیہ کرلیا۔ نواب نے انگریزی فوج کی مدد سے بیگمات پر مظالم توڑے۔ اس نے بیگمات سے پچھتر لاکھ روپیہ چھین کر کمپنی کو ادا کیا۔ برک کے الفاظ میں:

"بیگمات کی جاگیروں اور خزانوں پر غیر منصفانہ قبضے نے بیگمات کو نہ

صرف جسمانی مصائب کا شکار بنادیا بلکہ ان کی جنسیت پر بھی اثر انداز ہوا۔ پیشتراس کے کہ میں اپنا موضوع سخن جاری رکھوں آپ حضرات کو بیگمات کی حیثیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

نواب شجاع الدولہ کی صرف ایک بیگم تھی لیکن مشرق کے تاجداروں کی طرح شجاع الدولہ کے حرم میں بھی بیسیوں لونڈیاں تھیں۔ ان لونڈیوں کے بطن سے بیس لڑکے اور شاید اسی قدر لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس ملک کے رسم و رواج کے مطابق ان لڑکوں اور لڑکیوں کو بہت زیادہ شرف حاصل تھا۔ اس میں شک نہیں کہ (منکوحہ) بیگمات کی اولاد بلحاظ رتبہ ان سے بہت بلند ہے۔ غیر منکوحہ لونڈیوں کی اولاد اپنے خادموں سمیت خورد محل میں رہتی۔ ان کی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔

"حضرات! ایک تجارتی کمپنی کا نمائندہ جو اپنے تئیں اعلیٰ حضرت بنائے ہوئے ہے۔ ان افراد کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے جن کی (ان کے وطن میں) عزت مسلمہ ہے۔ ہیسٹنگز کہتا ہے کہ خورد محل کے مکین طبقہ اسفل سے متعلق تھے۔ میں آپ حضرات سے دریافت کرتا ہوں کہ ان کی حیثیت واہمیت کا اندازہ نواب آصف الدولہ لگا سکتا ہے یا ہیسٹنگز؟ حضرات! وارن ہیسٹنگز اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے دیوان عام یا دیوان خاص میں ایک لفظ تک بھی پیش نہ کرسکا۔ وارن ہیسٹنگز ان خواتین کی اس لئے توہین کرتا ہے کہ انہیں آپ کی نگاہوں سے گرادے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ مشترکہ انسانیت کی بنا پر ان سے ہمدردی کریں گے۔"

ان الفاظ کے بعد برک اس معاہدے کو پیش کرتا ہے جو آصف الدولہ اور کمپنی کے درمیان ہوا اور جس کی رو سے ان بیگمات کے مال و اسباب کی حفاظت کمپنی کے ذمے تھی۔

"ان ظالمانہ افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ خورد محل کے مکین انتہائی تنگی اور عسرت کے شکار ہوگئے... حضرات! ان بیگمات کو سپاہیوں کی نوک

سنگین ہی برداشت نہیں کرنی پڑی بلکہ اخلاقی طور بھی انہیں ذلیل کیا گیا ہے، حضرات! ان واقعات نے ایوان عام کے دل میں گھر کرلیا ہے۔"

ہیسٹنگز نے بنارس اور اودھ کے معاملات میں آٹھ ماہ صرف کردیئے۔ کلکتہ پہنچ کر ہیسٹنگز کو پٹ انڈیا بل کا علم ہوا۔ اس موقعہ پر ہیسٹنگز نے فاکس، برک اور فرانسس کے خلاف تلخ کلامی کی۔ ہیسٹنگز مستعفی ہونے کا ارادہ کرچکا تھا۔ ۱۷۸۵ء کے ابتدائی ایام میں اس نے استعفیٰ داخل کردیا۔ فروری ۱۷۸۵ء میں اس نے ہندوستان کے ساحلوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ کی منظوری کے سات سال بعد تک رائے عامہ امریکی اور فرانسیسی مسائل کی طرف متوجہ رہی۔ ۱۷۸۰ء کے بعد سیاستدانوں نے ہندوستانی مسائل کی طرف توجہ کی۔ امریکہ کھونے کے بعد وہ ہندوستان پر اپنا قبضہ مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ ۱۷۸۳ء میں فاکس نے انڈیا بل پیش کیا۔ اس کو ایوان عام کی منظوری حاصل ہوگئی لیکن یہ بل ایوان خاص کی منظوری حاصل نہ کرسکا۔ ۱۷۸۴ء میں انگلستان کے وزیراعظم ولیم پٹ نے انڈیا بل پیش کیا۔ دونوں ایوانوں نے اسے منظور کیا۔ اس بل کی رو سے چھ ارکان کی ایک مجلس اختیار بنائی گئی۔ یہ مجلس کمپنی کے مالی، دیوانی اور فوجی معاملات کی نگران تھی۔ صدر مجلس کمپنی کے معاملات کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ تھا۔ دیسی ریاستوں سے صلح و جنگ کے اختیارات بھی اس مجلس کو حاصل تھے۔ مدارس اور بمبئی کے گورنر، گورنر جنرل کے ماتحت قرار دے گئے۔ ان کی انفرادی حیثیت ختم کردی گئی۔ دیسی ریاستوں سے جنگ کرنے کی حکمت عملی کو برطانیہ کی پالیسی کے خلاف قرار دیا گیا۔ گورنر جنرل کو دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل انداز ہونے کی ممانعت کردی گئی۔ کمپنی کے ارکان اعلیٰ کو حق دیا گیا کہ وہ گورنر جنرل کو منتخب کرسکیں لیکن تقرر سے پہلے شاہی منظوری لازم قرار دی گئی۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان کی تعداد چار کی جگہ تین کردی گئی۔ گورنر جنرل کو ویٹو کا اختیار دیا گیا۔ گویا تجارتی امور کے علاوہ باقی تمام معاملات میں کمپنی حکومت برطانیہ کا ایک ماتحت شعبہ بن گئی۔

۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز انگلستان پہنچا۔ ۱۷۸۸ء تک ہیسٹنگز کے خلاف رائے عامہ نے ایک طوفان مچادیا۔ چنانچہ اسی سال پارلیمنٹ نے اسے قانونی گرفت

میں لے لیا۔ اس کے خلاف بیس الزامات کی بنا پر ایک مقدمہ چلایا گیا۔ وہ کئی سالوں تک ایک مجرم کی حیثیت میں انگلستان کے بڑے بڑے مقرروں کے خطیبانہ تیروں کا نشانہ بنتا رہا۔ سات سال ایوان خاص میں اس کے خلاف مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ایوان خاص نے اسے عائد کردہ الزامات سے بری قرار دیا۔ دولت کے وہ انبار جسے ہیسٹنگز بنگال سے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ مقدمے کے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہ نکلے۔

وارن ہیسٹنگز اس وقت بنگال کا گورنر مقرر ہوا تھا جب بنگال میں انگریزی حکومت برائے نام تھی۔ اس نے کمپنی کے نظم و نسق میں چند ایسی تبدیلیاں کیں جنہوں نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کردیا۔ مدراس اور بمبئی کی انگریزی حکومتوں کی غلطیوں کی وجہ سے جو مشکلات پیدا ہوچکی تھیں ان پر اس نے پورا پورا قابو پاکر اپنے تدبر کا ثبوت دیا۔ اس کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس نے جنوبی ہندوستان کے اس محاذ کو توڑا جسے ۱۷۷۹ء میں نظام نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے قائم کیا تھا۔ کمپنی کے خالی خزانے کو بھرنے کے لئے اس نے کئی ایک قابل اعتراض اور شرمناک اقدام کئے۔ امریکہ کی نوآبادیوں کے آزاد ہوجانے کے بعد اس نے ہندوستان میں انگریزوں کے سیاسی اقتدار کو قائم کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ وارن ہیسٹنگز کو علوم و فنون سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ فارسی اور بنگالی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے یورپی قافلوں کو سنسکرت پڑھنے کی ترغیب دی۔ اس نے کلکتے میں مدرسہ عالیہ قائم کیا۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بھی اسی کی قائم کی ہوئی ہے۔

جب ہندوستان پر انگریزوں کا سیاسی تسلط ہو رہا تھا تو اس وقت ہندوستان کی دولت انگلستان میں ایک بہت بڑے انقلاب کو پیدا کررہی تھی۔ چونکہ اس انقلاب نے دنیا کی تاریخ میں بہت اہم حصہ لیا ہے اس لیے اب ہم اس انقلاب کے اسباب و نتائج کا مطالعہ کرتے ہیں۔

باب ۱۲

صنعت اور تجارت

سولھویں صدی سے یورپ کے سوداگر سمندری راستے سے ہندوستان آنے شروع ہوئے۔ سترہویں صدی کے شروع میں انگلستان کے تاجر ہندوستان میں پھیلے۔ ان تاجروں کی تجارت اٹھارویں صدی کے شروع میں اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ ہندوستان سے جو مال انگلستان میں در آمد ہوتا تھا اسے قانوناً" ممنوع قرار دے کر ہندوستان کو انگلستان کی منڈی بنانے کے لئے جدوجہد شروع ہوگئی۔ کمپنی کے ذریعے ہندوستان کا تجارتی مال انگلستان کے علاوہ آئرستان' اسپین' فرانس اور جرمنی تک جاتا تھا۔ یورپ میں ہندوستانی کپڑا کالیکو کے نام سے مشہور تھا۔ سوتی کپڑے کے علاوہ ہندوستان کا ریشمی کپڑا بھی یورپ کو بھیجا جاتا تھا۔ کپڑے کے علاوہ ریشمی رومال' باناتی ٹوپیاں' چینی کے برتن' کھلونے اور تصویریں بھی انگلستان کو بھیجی جاتی تھیں۔ شورہ اور نیل بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ کمپنی کی معرفت ہندوستان سے بہت سی دوسری اشیاء بھی برآمد کی جاتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان' ہندوستانی مال کی منڈی بن گیا۔ انگلستان نے بہت کوشش کی کہ وہاں کا اونی کپڑا ہندوستان میں رائج ہوجائے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ پارلیمنٹ نے ۱۶۹۳ء کے فرمان میں کمپنی کے لئے یہ ضروری کردیا کہ وہ کم ازکم ایک لاکھ پونڈ قیمت کا اونی کپڑا ہرسال انگلستان سے برآمد کرتی رہے۔ ۳۔ جنوری ۱۶۹۴ء کو کمپنی کی طرف سے ایک مراسلے میں لکھا گیا:

"ہمیں نیا منشور ملا ہے۔ اس کے مطابق ہم پہلے سے زیادہ اونی کپڑا فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔ ہندوستان میں اس اونی کپڑے کی فروخت کی جو مقدار مقرر کی گئی ہے اس کا فروخت ہونا یہاں ناممکن ہے۔ چونکہ

ایران میں اس کپڑے کی کچھ مانگ ہوتی ہے۔ اس لئے تھوڑا سا اونی مال وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کی کھپت نہیں ہو سکتی۔ ہم اسے مفت تقسیم کریں یا اسے گوداموں میں دیمک کا شکار ہونے کے لئے پڑا رہنے دیں' اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔"

جب انگلستان میں کمپنی کے ذریعے ہندوستانی مال کی کھپت بہت بڑھ گئی تو اس سے کمپنی کے حصہ داروں کو تو بہت نفع ہوا لیکن انگلستان کی تجارت برآمد ختم ہو گئی اور انگلستان محض درآمد کرنے والا ملک بن گیا۔ اس پر انگلستان کے صناعوں نے پارلیمنٹ میں بے شمار درخواستیں کیں کہ انہیں تباہی سے بچایا جائے۔ کمپنی کی مخالفت انگلستان میں بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ انگلستان میں سودیشی کی تحریک نے زور پکڑنا شروع کیا۔ سودیشی کی حمایت میں تقریروں اور تحریروں کو کام میں لایا گیا۔ انگلستان کی عورتوں میں چونکہ ہندوستانی مال بہت مقبول تھا اس لئے ان سے ہندوستانی مال کی بائیکاٹ کی اپیل کی گئی۔ آخرکار انگلستان کی حکومت نے اس کی طرف توجہ کی۔ پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستان کی جس چیز نے ہمیں سب سے زیادہ تباہ کیا وہ کالیکو یعنی سوتی کپڑا ہے۔ اس نے ہمارے اونی کپڑے کو بالکل تباہ کردیا ہے۔ مقام افسوس ہے کہ ہندوستانی تو دولت لوٹ رہے ہیں لیکن عیسائی تباہ ہو رہے ہیں۔ آخر اس تجارت کا انجام کیا ہوگا؟ یقیناً" ہندوستان کے لوگ دولت مند ہو جائیں گے اور ہم مفلس ہو جائیں گے۔" ایک دوسرے ممبر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہندوستانی تجارت کی روک تھام ضروری ہے کیونکہ نہ صرف پارچہ بافی بلکہ انگلستان کی بہت سی صنعتیں ہندوستانی مال کی درآمد سے خطرات میں پڑ گئی ہیں۔ ہندوستانی مال نہ صرف انگلستان میں انگریزی مال کی جگہ استعمال ہوتا ہے بلکہ دوسرے ملکوں سے ہماری مصنوعات کو خارج کررہا ہے۔ اگر ہندوستانی مال کی درآمد کی روک تھام نہ کی گئی تو ہماری مصنوعات تباہ ہو جائیں گی۔" ہندوستان سے ریشمی کپڑے کی درآمد کے متعلق مسٹر شیلڈن نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "انگلستان میں جو ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی سے درآمد ہوتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا ہے۔ کیونکہ بنگال کا ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی کے ریشمی کپڑوں سے آدھی قیمت پر انگلستان میں پہنچ جاتا ہے اور پھر ان سے بہتر ہوتا

ہے۔"

ان تقریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگلستان میں ہندوستانی مال کے بائیکاٹ کی تحریک کتنے زوروں پر ہوگی۔ چونکہ یہ مال کمپنی کے ذریعے انگلستان پہنچتا تھا اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت بھی بڑھ گئی۔ انگلستان کے جولاہوں نے ایک مرتبہ تو کمپنی کے دفتر پر ہلہ بول دیا۔ کپڑا بننے والی عورتوں نے بھی پارلیمنٹ کو گھیر لیا۔ آخر انگلستان کی پارلیمنٹ نے ۱۷۰۰ء میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد بند کردی اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی کپڑے کے استعمال کو جرم قرار دیا گیا۔ یہ قانون اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ہندوستان کی تجارت اور صنعت تباہ نہ ہوگئی۔ جب ہندوستان برآمد کے قابل نہ رہا تو انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد پر سے پابندیاں ہٹالی گئیں۔ لیکن اس پر اتنا محصول لگایا جاتا کہ اس کا فروخت ہونا ناممکن بن گیا۔

پارلیمنٹ کے اس امتناعی حکم کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے مصنوعات برآمد کرنے کی جگہ یہاں سے خام پیداوار لے جانی شروع کی اور اس نے اپنے سرمایہ کو انگلستان میں صرف کردیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں انگریزی مال کی کھپت شروع کردی۔

وہ سرمایہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی تجارت سے پیدا کیا تھا انگلستان میں صنعتی انقلاب کا سبب بنا۔ سرولیم ڈگبی کے الفاظ میں "انگلستان کو صنعتی اقتدار صرف اس وجہ سے ہوا کہ بنگال اور کرناٹک کے خزانے استعمال کرنے کا اسے موقع مل گیا۔ ورنہ اس سے پہلے ہمارے ملک کی صنعت زوال پذیر تھی۔ لنکاشائر میں کاتنے اور بننے کا کام صفر کے برابر تھا... ہندوستان کی دولت کا انگلستان میں آنا اور اس کا ایک صنعتی ملک بن جانا کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں علت اور معلول کا تعلق ہے۔" پلاسی کی جنگ کے بعد مرشد آباد سے آٹھ لاکھ پونڈ کی رقم کلکتہ بھیجی گئی۔ چنانچہ کلکتہ میں ترقی ہونی شروع ہوئی۔ جنگ پلاسی کے بعد کپڑا بننے کی کلوں کے لئے ایجادات ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ۱۷۸۵ء میں انگلستان میں کپڑا بننے کی مشین مکمل ہوگئی۔ اگر ۱۷۵۰ء کے معاشی اور تجارتی انگلستان کا ۱۷۹۰ء کے انگلستان سے مقابلہ کیا جائے تو انگلستان پر جنگ پلاسی کے اثرات کا پتا چل جاتا ہے۔

باب ۱۴

کارن والس

(۱۷۸۶ء۔۔ ۱۷۹۳ء)

وارن ہیسٹنگز کی واپسی پر کمپنی نے سرجان میکفرسن کو عارضی طور پر گورنر جنرل مقرر کیا۔ میکفرسن تقریباً" بیس ماہ تک گورنر جنرل رہا۔ اس کے عہد میں مہاواجی سندھیا نے اپنے آپ کو شاہ عالم کا سرپرست قرار دے کر میکفرسن سے بنگال کا سالانہ خراج طلب کیا۔ میکفرسن نے اس کی ادائیگی سے انکار کردیا۔

امریکہ کی آزادی نے پٹ کی وزارت کو سرنگوں کر رکھا تھا۔ انگلستان کو اب امریکہ کے بدل کی ضرورت تھی۔ وزارت انگلستان نے مشرق میں اس نقصان کو پورا کرنے کی ٹھانی۔ انگلستان کو وسعت سلطنت درکار تھی۔ امریکہ یا ہندوستان' اس سے کیا سروکار۔ امریکی نو آبادی نے اگر انگلستان سے آزادی حاصل کرلی تو کیا ہوا؟ انگلستان نے اب ہندوستان کے پاؤں میں زنجیریں ڈالنے کا ارادہ کرلیا۔ اس ارادہ کی تکمیل کے لئے وہی شخص موزوں ہو سکتا تھا جس نے امریکہ کو واشنگٹن کے حوالے کیا۔ کارنوالس چونکہ امریکی جنگ آزادی کو دبانے میں ناکام رہا تھا اس لئے اسے ہندوستان میں برطانیہ کے لئے ایک وسیع سلطنت قائم کرنے کی غرض سے بھیج دیا گیا۔ کارنوالس ہندوستان میں سیاسی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے آیا۔

کارنوالس ستمبر ۱۷۸۶ء میں کلکتہ پہنچا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے خزانہ کو خالی اور کشت دہقان کو غیر مزروعہ پایا۔ کمپنی کے مظالم نے بنگال کے سرسبز اور زرخیز گاؤں ویران کردیئے تھے۔ بدنظمی نے کسانوں کو حسرت و یاس کی تصویریں بنا رکھا تھا۔ قحط نے سینکڑوں خاندانوں کے کلی افراد کو موت کی نیند سلادیا۔

مہاواجی سندھیا نے کارنوالس سے بھی بنگال کا سالانہ خراج طلب کیا لیکن اس

نے ادا کرنے سے انکار کردیا۔ کارنوالس نے نواب اودھ سے بدترین سلوک کیا۔ جب اس نے کارنوالس کو لکھا کہ اسے بیرونی حملے کا اندیشہ نہیں اس لئے برطانی فوج کی اس کے علاقہ میں چنداں ضرورت نہیں تو کارنوالس نے نواب کی اس درخواست پر غور تک نہ کیا۔ نظام دکن کے ساتھ اس کا سلوک مستحسن نہ تھا۔ انگلستان سے روانگی کے وقت کارنوالس سے کہا گیا تھا کہ وہ گنٹور کا علاقہ نظام سے چھین لے۔ کارنوالس نے نظام سے یہ علاقہ چھین لیا۔

حیدر علی کی وفات پر اس کے بیٹے ٹیپو نے جنگ کو جاری رکھا۔ اسی دوران میں انگریزوں کو ٹیپو کی فوجی قابلیت کا اندازہ ہوا۔ انگریز مجبور ہوگئے تھے کہ وہ ٹیپو سے صلح کریں۔ اس عہدنامہ کی رو سے جو تاریخ میں عہدنامہ منگلور کہلاتا ہے انگریزوں نے ٹیپو کو اپنا حلیف قرار دیا اور بوقت ضرورت دونوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنے کا عہد کیا۔ لیکن کارنوالس ٹیپو سے صرف اس لئے جنگ آزما ہونا چاہتا تھا کہ امریکی نقصانات کی تلافی ہوسکے۔ کارنوالس' واشنگٹن سے شکست کا داغ ٹیپو کے خون سے دھونا چاہتا تھا۔ چونکہ جدید آئین کی رو سے وہ ٹیپو سے جنگ آزما نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے اس نے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہا۔ جس سے ٹیپو کو یقین ہوجائے کہ کارنوالس اس کا دشمن ہے۔ کارنوالس نے نظام دکن کو اپنے حلیفوں کی ایک فہرست بھیجی لیکن ٹیپو کا نام عمد" اً اس فہرست سے اڑا دیا گیا۔ اب ٹیپو کو یقین ہوگیا کہ کارنوالس اس سے ضرور جنگ آزما ہوگا۔ کارنوالس نے نظام اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ جب ٹیپو ٹراونکور پر حملہ آور ہونے کی فکر میں تھا اس وقت کارنوالس اس کے خلاف صف آرا ہوا۔ کارنوالس گم شدہ شہرت کے حصول کے لئے ٹراونکور کی حمایت پر اتر آیا۔ کارنوالس کی حمایت "کمزور کی مدد کرو" کی بنا پر نہ تھی اسے ٹیپو سے ضرور نبرد آزما ہونا تھا۔ کارنوالس نے پارلیمانی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ٹیپو سے جنگ کی!

کارنوالس کو کسی بہانہ کی جستجو تھی۔ یہ مفروضہ کہ ٹیپو ٹراونکور پر حملہ کرنا چاہتا ہے کافی تھا۔ مرہٹوں اور نظام کو ٹیپو کے خلاف صف آرا ہونے کی دعوت دی گئی۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ مفتوحہ علاقہ کی تقسیم میں وہ مساوی شریک ہوں گے ٹیپو کو ختم کرنے کے لئے انگریز' نظام' مرہٹے سب متحد ہوگئے۔ اس اتحاد ثلاثہ کے مقصد کو

مزید کامیاب بنانے اور رائے عامہ کی اخلاقی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی مفروضہ چیرہ دستیوں کو اس انداز میں دور دور تک پہنچا دیا کہ خود اپنے بھی اس سے متاثر ہونے لگے۔ فورٹ ولیم کی دیواروں پر کھڑے ہو کر اعلان کردیا گیا کہ "ٹیپو سفاکی میں چنگیز اور ہلاکو سے کہیں زیادہ ہے۔"... ٹیپو کی جنگی تیاریوں کو حکومت مدراس' کارنوالس سے بہتر سمجھ سکتی تھی لیکن کارنوالس نے حکومت مدراس سے اس معاملہ میں مشورہ نہ لیا۔ ٹیپو نے حکومت مدراس کو صاف طور پر لکھ بھیجا کہ وہ ٹراونکور پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ نیز وہ جنگ کے لئے تیار نہیں۔ کارنوالس نے ٹیپو سلطان کے خلاف اس لئے اعلان جنگ نہیں کیا کہ وہ ٹراونکور پر حملہ آور ہونے کی فکر میں تھا بلکہ صرف اس لئے کہ ٹیپو جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ کارنوالس نے گورنر مدراس کو لکھا:

"حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس عمدہ موقعہ سے اس شہزادہ کی قوت میں کمی کردیں جو ہر معاملہ میں ہماری ملت کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ اس وقت ہمیں یقین ہے کہ ہندوستانی ریاستیں ہماری مدد کریں گی... لیکن ٹیپو کو فرانس سے کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی اور اگر ٹیپو کی موجودہ حالت کو اس وقت تک برقرار رکھا گیا جب فرانس اس کی مدد کے قابل ہو جائے تو اس سے آئندہ جنگ یقینی ہے۔"

کارنوالس کا ٹیپو کے خلاف اعلان جنگ نامنصفانہ اور غیرعادلانہ ہے۔ مدراس کے گورنر' جنرل میڈوز نے ٹیپو کو ایک حقارت آمیز خط لکھا۔ ٹیپو نے نہایت نرم الفاظ میں گورنر کی غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میڈوز کا مقصد ٹیپو سے جنگ کرنا تھا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندی مقبوضات کا حاکم اعلیٰ اور مدراس کا حاکم دونوں ٹیپو سے جنگ آزما ہونے کا تہیہ کریں تو اس صورت میں آئین و اخلاق کی کوئی دفعہ انہیں اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ٹیپو جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے اسکی توہین کی گئی۔ اس کے غیض و غضب کو دل خراش جملوں سے اکسایا گیا۔ ٹیپو کو مجبور کردیا گیا کہ وہ کمپنی سے جنگ کرے۔ ٹیپو نے میڈوز کو شکست دی۔ کارنوالس میدان میں اتر آیا۔ وسیع ذرائع' ناٹا و نظام کی فوجوں اور دیگر حربی سہولتوں کی موجودگی میں ٹیپو کو شکست دینا چنداں مشکل نہ تھا۔ بنگلور کو

اتحادیوں نے فتح کرلیا۔

بنگلور کی فتح کے بعد کارنوالس سرنگاپٹم کو مسخر کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ ٹیپو کی جنگی تیاریاں ناکافی تھیں اس لئے وہ نامہ و پیام کے ذریعے صلح کی درخواست کرتا رہا لیکن کارنوالس ٹیپو کو شکست دے کر واشنگٹن کی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ امریکی جنگ حریت کے سالار کا انتقام دکن کے ایک حکمران سے لیا جا رہا ہے۔ جب کارنوالس کی فوجیں سرنگاپٹم کے سواد میں تھیں اس وقت ٹیپو نے کارنوالس کے لئے پھلوں کے چند ٹوکرے بھیجے جنہیں کارنوالس نے بغیر چھوئے واپس کردیا۔ سرنگاپٹم کے قریب آری کیسرہ کے مقام پر ٹیپو کو شکست ہوئی لیکن بہت جلد سلطان نے اس شکست کا بدلہ لے لیا۔ اب کارنوالس بنگلور میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اتحادیوں نے سلطان کو سرنگاپٹم میں محصور کرلیا۔ ٹیپو نے پھر صلح کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر اس کی درخواست پر غور کیا گیا۔ ۲۳۔ فروری ۱۷۹۲ء کو ٹیپو اور کارنوالس نے عہدنامہ سرنگاپٹم پر دستخط کئے۔

اس عہدنامہ کی رو سے:

"ٹیپو کو ریاست میسور کا نصف حصہ اتحادیوں کے حوالے کرنا پڑا۔
ٹیپو کو تین کروڑ تیس ہزار روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنا تھا۔ شرائط کی تکمیل ہونے تک ٹیپو اپنے بیٹوں کو بطور یرغمال بھیج دے۔ مالابار' کورگ ڈنڈی گل اور بارہ محل کے اضلاع انگریزوں کے قبضے میں آئے۔
میسور کا جنوب مشرقی حصہ نظام کو ملا۔
میسور کا شمالی مغربی علاقہ مرہٹوں کا ہاتھ آیا۔"

اس جنگ میں وزارت انگلستان کی نہ صرف اخلاقی ہمدردی کارنوالس کے ساتھ تھی بلکہ انگلستان نے لاکھوں روپیہ کمپنی کو قرض دیا۔ ان امور سے اس بات کا اندازہ لگانا نہائت آسان ہے کہ وزارت انگلستان' امریکی نقصانات کی تلافی کے لئے ہندوستان میں اپنی سلطنت وسیع کرنا چاہتی تھی۔

مال غنیمت کی تقسیم اس انداز سے کی گئی کہ ٹیپو کی سرحدیں ساحل سمندر سے دور ہوگئیں' کارنوالس ہندوستان کی کسی ریاست کی بحری طاقت گوارہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس تقسیم نے میسور کو بحری طاقت ہونے سے روک دیا۔

تاریخ ہند کے بیشتر برطانوی مورخ کارنوالس کو ہندوستان کا "مصلح اعظم" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کارنوالس کی اصلاحات پر قلم اٹھاتے ہوئے باسو کہتا ہے: "نظام حکومت اور نظم و نسق کے پیش نظر کارنوالس اس مدح و ستائش کا حق دار نہیں جو تاریخ ہند پر قلم اٹھانے والوں نے اسے دے رکھی ہے۔ ہندوستان پر اس نے برطانوی زاویہ نگاہ سے حکومت کی نہ کہ ہندوستانی زاویہ نظر سے' اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے اس نے ہندوستانیوں کو ذلیل و خوار کیا۔ وہ برطانیہ کو ہندوستان میں قوت مقتدرہ بنانے میں کامیاب ہوا۔ اعتماد اور ذمہ داری کے تمام عہدوں سے ان نے ہندوستانیوں کو نکال دیا۔ اس معاملہ میں وہ کلاؤ اور وارن ہیسٹنگز سے بھی بازی لے گیا۔ اس نے ہندوستانیوں کو نہ صرف فوجی عہدوں سے محروم کیا بلکہ شعبہ نظامت سے بھی۔"

کارنوالس نے فوج کے انگریزی عہدیداروں کی تنخواہوں میں نمایاں اضافہ کیا اور ہندوستانیوں کو سول سروس سے محروم کردیا۔ اس طرح اس نے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل کردی جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوئے۔ کارنوالس کی عدالتی اصلاحات بھی تمام تر حکومت کے لئے تھیں نہ کہ رعایا کے لئے۔ کلاؤ نے بنگال کی دیوانی حاصل کرنے کے بعد زر لگان کا وہی طریقہ رائج رکھا جو مغلوں کے عہد میں جاری تھا۔ وارن ہیسٹنگز نے زمین کو کمپنی کی ملکیت قرار دیتے ہوئے پہلے پانچ پانچ سال کے لئے اور پھر سال بسال زمین نیلام کے ذریعے ٹھیکوں پر دینے کا طریق رائج کیا۔ کمپنی اس بندوبست سے بھی مطمئن نہ تھی اور (اس طرز بندوبست کو اپنی) آمدنی کی کمی کا ایک سبب سمجھتی تھی۔ اس لئے جب لارڈ کارنوالس گورنر جرنل بن کر آیا تو ۱۷۹۳ء میں اس نے وزارت انگلستان کی منظوری سے بنگال' بہار' اڑیسہ کی زمینوں پر قابض زمینداروں کے حقوق تسلیم کرلئے اور ہمیشہ کے لگان کی ایک شرح مقرر کردی۔ چونکہ لگان شرح ہمیشہ کے لئے مقرر ہوگئی اس لئے تاریخ میں اس بندوبست کو بندوبست دوامی کہتے ہیں۔

بندوبست دوامی کے رائج ہوتے ہی حکومت کو فصلوں کی تباہی اور زمینوں کی زرخیزی سے واسطہ نہ رہا۔ حکومت کو صرف مقررہ لگان وصول کرنے کی فکر ہوتی۔ اسی بندوبست دوامی نے زمینداروں کو مالک بنادیا حالانکہ اس سے قبل ان کی

حیثیت محض لگان جمع کرنے والوں کی تھی۔ حکومت نے اس طرح بڑے بڑے زمینداروں کو اپنا حامی بنالیا۔ بندوبست دوامی نے زمینداروں کو وسیع اقطاع ارضی کا مالک بنا دیا لیکن اس بندوبست میں کسان کے لئے کوئی امر بھی تسلی بخش نہیں۔ اس کی تمام دفعات کسان کے لئے غیر مفید ہیں۔ بندوبست دوامی نے زمینداروں کو یہ حق بخش دیا کہ وہ حکومت کو ہمیشہ کے لئے ایک ہی شرح کے مطابق لگان ادا کریں اور کسان کو وہ اس شرح سے کہیں زیادہ اجرت پر کاشت کاری کے لئے اپنی زمین دے سکیں۔

کارنوالس سات سال تک ہندوستان رہا۔ اس مدت میں اس نے بنگال' بہار' اڑیسہ پر کمپنی کو مسلط کردیا' مغل شہنشاہ کا خراج بند کردیا' وزارت انگلستان کی مدد سے ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ کیا' فرانسیسیوں کو ہندوستان سے بالکل نکال دیا۔

۱۷۹۳ء میں پارلیمنٹ کی طرف سے کمپنی کو نیا چارٹر ملا جس کی رو سے کمپنی کو مزید بیس سال کے لئے ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہو گئی۔ اس فرمان میں اس امر کی وضاحت کردی گئی تھی کہ انگریزی قوم کمپنی کی مداخلانہ حکمت عملی اور اس کی نصرت جویانہ سرگرمیوں کو اپنی خواہش اور عزت کے خلاف خیال کرتی ہے۔ پارلیمنٹ کا یہ اعلان ہندوستان کے ساتھ ہمدردانہ جذبات کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ انقلاب فرانس کی ان موجوں کی روک تھام کے لئے تھا جو ساحل انگلستان سے ٹکرا رہی تھیں۔

باب ۱۴

انقلاب فرانس

فرانس کی سرزمین قدرت کے عطیات کا بہترین نمونہ ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے فرانس کی اہمیت صرف انگلستان سے کم ہے، شاید ہسپانیہ سے بھی۔ فرانس کا محل وقوع دفاع اور تجارت دونوں کے لئے مناسب اور موزوں ہے۔ اس کی بندرگاہیں گنتی میں کم ہونے کے باوجود مفید اور کارآمد ہیں۔ اس کے دریا تجارتی کشتیوں کے لئے باد مراد کا حکم رکھتے ہیں۔ جنوب میں پائیری نیز کا پہاڑی سلسلہ فرانس کے لئے اتنا ہی مفید ہے جتنا ہندوستان کے لئے ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ۔ فرانس کے جنوب مشرق میں ایلپس اس کی کافی حفاظت کرتا ہے۔ فرانس کی مشرقی سرحدیں مدتوں سے بحث طلب چلی آتی ہیں۔

فرانس (گال) چار سو سال تک رومیوں کے زیر اقتدار رہا۔ رومیوں نے فرانس کو طرز حکومت سے آشنا کیا۔ فرانس پر رومیوں کی حکومت بہت زیادہ جابرانہ نہیں تھی۔ رومیوں کے دور حکومت میں فرانسیسی لوگ بہت زیادہ غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کئے جاتے تھے۔ گالی امراء رومی مجلس مشاورت میں شامل ہوتے۔ گال نے رومی تہذیب اختیار کرلی۔ گال کی زبان اور معاشرت رومی ہو گئی۔ رومی معاشرت کے ساتھ رومی مذہب نے بھی گال میں مداخلت کی۔ گال نے عیسائیت قبول کرلی۔ تین سو برس تک (۵۰ ق م۔ ۲۵۰) رومی حکومت پرامن رہی۔ تیسری صدی کے نصف سے رومی سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔ ۹۸۷ء۔ ۱۳۲۸ء سے فرانس میں کاپت خاندان حکمران رہا۔ اس خاندان کے تین بادشاہ فلپ اگٹیس (۱۱۸۰ء۔ ۱۲۲۳ء) لوئی یازدہم (۱۲۲۶ء۔ ۱۲۷۵ء) اور فلپ چہارم (۱۲۸۵ء۔ ۱۳۱۴ء) درمیانی زمانے کے مشہور حکمران ہیں۔ ان بادشاہوں کے بعد

فرانس کا تاج وراثت میں ملنے لگا۔ بادشاہ کی قوت کو کلیسا کی حمایت سے بہت زیادہ تقویت پہنچی۔ صلیبی جنگوں نے خود مختار بادشاہوں کے لئے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ نظام جاگیرداری نے بادشاہت کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ فرانس میں اب بادشاہت ہی کو اختیار تھا کہ وہ اپنا سکہ چلائے' اپنی علیحدہ فوج رکھے' رعایا کے لئے ازخود قوانین مرتب کرے۔ اس نئے نظام سے پیرس پارلیمنٹ اور سٹیٹس جنرل دو نئے ادارے پیدا ہوئے۔

جنگ صد سالہ نے فرانس کے ارتقاء میں بہت مدد دی۔ فرانسیسی حکومت کی حدود وسیع اور بادشاہت استوار ہو گئی۔

لوئی چہاردھم نے اپنے عظیم الشان کام کی تکمیل کے لئے انتہائی درجہ قابلیت صرف کی۔ حکومت کا ایک خاص نظریہ قائم کیا گیا۔ بادشاہت کی ذمے داریوں کا احساس ہوا۔ لوئی چہاردہم ایوان بادشاہت کا ہارون' اکبر سلیمان اور الزبتھ کی طرح ایک رفیع ستون تھا۔ اس کا دربار محمود غزنوی کی طرح حکیموں' شاعروں اور فلسفیوں کی آماجگاہ تھا۔ فرانس کا تمدن یورپ کے بلند طبقوں میں بے حد مقبول و محبوب تھا۔ لوئی کا ہر سانس بادشاہت کی فضا میں تھا۔ اس کی عظمت و رفعت اور بلندی نے کبھی سنجیدگی کے دامن کو نہ چھوڑا۔ فریڈرک اعظم کی طرح اس کی پیشانی ہمیشہ عرق آلود رہتی۔ "محنت سے انسان حکومت کر سکتا ہے۔ محنت ہی کے لیے حکومت کی جاتی ہے۔ بادشاہت کی خواہش اور محنت سے گریز خدا کی ناسپاس گزاری اور انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔" یہ الفاظ لوئی چہاردھم کی زبان سے سنے گئے۔ لوئی کے پیش نظر فرانس کی داخلی تنظیم اور خارجی عظمت تھی۔ وہ فرانس کو مغرب کی سیاسی زمین کا محور بنانا چاہتا تھا۔ فرانس اس کے نزدیک ادب و دانش کا بین الملی مرکز تھا۔

لوئی فرانس کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں "سٹیٹس جنرل" سے کبھی کسی مقرر کی صدا نہ اٹھی۔ پارلیمنٹ کے دروازوں پر شاہی قفل لگادیئے گئے۔ صوبائی آزادی ختم ہو چکی تھی۔ لوئی چہاردھم فخریہ کہتا: "میں ریاست ہوں۔" ۱۶۸۳ء کے بعد لوئی چہاردھم کی سلطنت کا سورج ڈھلنا شروع ہوا۔ لوئی چہاردھم کی پایائیت کا فرانس میں وہی درجہ ہے جو ہنری ہشتم کا

انگلستان میں۔ "میرے بعد طوفان" کہتے ہوئے لوئی چہاردھم نے ۱۷۱۵ء میں جان دی۔ رشلو اور لوئی چہاردھم نے شخصی حکومت کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ اسٹیٹس جنرل بالکل ختم ہوچکی تھی۔ لوئی پانزدھم کے عہد میں فرانسیسی بادشاہت کو زوال آنا شروع ہوا۔ اس کے جانشین کو پھانسی پر لٹکادیا گیا۔ انقلاب فرانس کے اسباق لوئی شانزدھم کے عہد حکومت سے قبل فرانس کی تمدنی، معاشرتی، دینی اور سیاسی زندگی میں تلاش کرنے چاہئیں۔

لوئی چہاردھم بلاشبہ فرانس کا سب سے بڑا بادشاہ تھا لیکن اس کی یہی "عظمت" انقلاب فرانس کا باعث بنی۔ جاگیرداری کے خاتمہ کے بعد فرانس میں بادشاہت مضبوط ہوگئی۔ جاگیردارانہ نظام حکومت کے خاتمہ کے بعد فرانس میں جو نئی طرز حکومت قائم ہوئی اس کا تمام تر اقتدار شاہی کونسل میں مرکوز تھا۔ یہی کونسل تمام اداروں اور شعبوں کی اجارہ دار تھی۔ یہ کونسل عدالت عالیہ تھی کیونکہ اسے تمام عدالتوں کے خلاف قلم اٹھانے کا اختیار تھا۔ مجلس قانون ساز کا کام بھی اسی شاہی کونسل سے لیا جاتا کیونکہ سٹیٹس جنرل کا سترہویں صدی کے بعد کوئی اجلاس نہیں ہوا تھا۔ مال اور نظامت بھی شاہی کونسل کی حکومت تھی۔ محاصل میں کمی اور زیادتی کا حق بھی اسی کونسل کو تھا۔ سرزمین فرانس کا پانچواں حصہ کلیسا کے قبضہ میں تھا۔ امراء کی طرح کلیسا بھی محاصل کے بوجھ سے آزاد تھا۔ مجلس کلیسا جس کا اجلاس ہر پانچ سال بعد ہوتا، ہر بار بادشاہوں سے اپنے لئے مراعات حاصل کرتی۔ علاوہ ازیں مقامی حکام سے ہر وقت کلیسا فائدہ اٹھاتا۔ کلیسا کے اختیار میں سیاسی اقتدار بھی تھا۔ تمام درسگاہیں کلیسا ہی کے زیر ہدایت تھیں۔ احتساب کے کلی اختیارات بھی کلیسا کے ہاتھوں میں تھے۔ پادری دولت میں تاجروں کو شرماتے۔ کیمبر رائے کالاٹ پادری پچھتر ہزار انسانوں پر حکومت کر رہا تھا۔ طولو کے لاٹ پادری کی آمدنی چون ہزار پونڈ سالانہ تھی۔ رون، ٹرائے اور ستراس بورژ کے پادریوں کے محلات شاہی محلوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے کلیسا کے خلاف آواز بلند کی گئی چونکہ کلیسا آزادی رائے کا دشمن تھا۔ اس لیے آزاد مفکروں نے کلیسا کی رہنمائی تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ انقلاب فرانس کے دوران میں چند پادریوں کے قتل پر آنسو بہائے جاتے ہیں، کیوں؟ کیا ان دینی

پیشواؤں کے وہ مظالم جو انھوں نے پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر توڑے' بھلائے جا سکتے ہیں؟ انقلاب فرانس انتقام تھا ان اصلاح پسندوں کا' جن کے ننگے جسموں پر کوڑے لگائے گئے' جنھیں آگ میں کودنے کا حکم دیا گیا' جن کی گردنوں پر چاقو چلائے گئے' جنھیں بازاروں میں کتوں کی طرح گھسیٹا گیا' جن کے منہ میں ابلتا ہوا پانی ڈالا گیا' جن کے ہاتھوں پر دھکتے ہوئے انگارے رکھے گئے' جن کے کانوں میں بارود بھرا گیا۔ انقلاب فرانس میں قتل ہونے والے چند پادریوں کے قاتل وہی لوگ تھے جن کی ماؤں کی بے حرمتی کی جا چکی تھی اور جن کے باپ قتل ہو چکے تھے انگلستان کے انقلاب اور اس کے فلسفیوں کے خیالات نے بھی فرانسیسیوں کے سینوں میں استبداد کے خلاف آگ بھڑکا دی۔ بکلے ہمیں بتاتا ہے کہ لوئی چہاردہم کی موت اور انقلاب فرانس سے پہلے شاید ہی کوئی اہم فرانسیسی ہوگا جو انگلستان نہ جا چکا ہو۔ اعلیٰ طبقہ کی طرح طبقہ متوسط بھی شاہی مراعات کا حامل تھا۔ اس طبقہ کے افراد حکومت کے مختلف شعبوں کے عہدے خرید کر فائدہ اٹھاتے۔ دونوں طبقوں کی یہ کیفیت ہو تو محاصل کا بوجھ باقی ماندہ آبادی کے سوا اور کون اٹھا سکتا تھا۔ سرکاری عہدے دار ہر سال دیہاتی آبادی کو مجبور کرتے کہ وہ سڑکیں بنائیں اور پل تیار کریں لیکن اجرت کے لیے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائیں۔ ان کے چہرے محنت اور بھوک سے اترے ہوتے۔ ان کا لباس کہنیوں اور گھٹنوں سے پھٹا ہوتا۔ سرد ہوائیں ان کے ہونٹوں کو نیلا کر دیتیں۔ فرانسیسی کسانوں کے کھیت شکار گاہوں کا کام دیتے ان مظالم نے فرانس میں بھک منگوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ انھیں جیلوں میں بھیج دیا جاتا۔ ۱۷۶۷ء میں پچاس ہزار بھیک منگے گرفتار کیے گئے۔ لیکن دس سال بعد ان کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔

لوئی پانزدھم کی موت کے بعد ۱۰ مئی ۱۷۷۴ء کو لوئی شانزدھم تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت لوئی کی عمر بیس اور ملکہ فرانس کا سن اٹھارہ سے زیادہ نہیں تھا۔ جب لوئی شانزدھم کے سر پر پہلی مرتبہ تاج رکھا گیا تو اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا: "تاج مجھے تکلیف دیتا ہے۔" لوئی اپنا زیادہ وقت شکار میں صرف کرتا۔ قفل سازی اس کا شغل تھا۔ کیا وہ اپنے ایوان تقریر کے لئے بھی کوئی قفل تیار کر رہا تھا؟ لوئی کے خیال میں رعایا کے لئے خدا کی طرح بادشاہ کی اطاعت بھی فرض تھی۔ لوئی ذہنی

اعتبار سے ایک پست انسان تھا۔ اس کی ملکہ انطونیہ سیاسی معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھی۔ اس کی یہ مداخلت انقلاب کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ لوئی کی تخت نشینی کے وقت فرانس میں ذہنی انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ فرانس کے فلسفی اور ادیب اپنا کام کر چکے تھے۔ لوئی کے ابتدائی ایام حکومت ہی میں آزاد خیالی نے اپنے لئے جگہ پیدا کر لی تھی۔ لوئی کے لئے انقلاب کو روک دینا ناممکن تھا۔ فرانس کا شاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ عوام عاجز آ چکے تھے۔ نظم و نسق کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ تاج کی طرف سے سرکاری عہدے فروخت ہوتے تھے۔ فرانس کی ساری آبادی تین طبقوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اہل کلیسا' امرا اور عوام۔ پہلا طبقہ' دوسرا طبقہ اور تیسرا طبقہ اہل کلیسا اور امرا بڑے مزے میں تھے لیکن عوام انتہائی درجہ افلاس اور مصیبت میں زندگی کاٹ رہے تھے۔ تباہ حال اور غریب تمام ٹیکسوں کا بار اٹھائے ہوئے تھے۔ حکومت ان ٹیکسوں کی وصولی کا ٹھیکہ نیلام کرتی۔ لہٰذا ٹھیکیدار ٹیکس وصول کرتے وقت کون سا ظلم روا نہ رکھتے ہوں گے؟

ایک محصل فرانس کے کسی گاؤں میں پہنچ چکا ہے۔ "ٹیکس دو" اس نے غریب کسانوں سے کہا: "حضور کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا' ٹیکس کہاں سے دیں۔" ایک کسان نے جواب دیا۔ "کپڑے اتار لو۔" محصل نے اپنے ملازموں سے کہا۔ محصل نے اس غریب کو سردی سے مرجانے کے لیئے زندہ چھوڑ دیا۔

یہی محصل ایک بڑھیا کے ہاں پہنچ کر ٹیکس کا مطالبہ کرتا ہے۔ "میرے پاس کوئی پیسہ نہیں' رحم!" اس نے کہا۔ "اس بڑھیا کے برتن قرق کر لو۔" محصل نے حکم دیا۔ بڑھیا ان الفاظ کو سنتے ہی اپنے "جام سفال" سے چمٹ گئی لیکن "جام جم" کے محافظ کے حکم سے اس بڑھیا کے ہاتھ کاٹ دئے گئے۔ جب ایک فرانسیسی افسر سے کہا گیا کہ لوگوں کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں کہ وہ باسی روٹی تک خرید سکیں۔ "وہ گھاس پر زندہ رہیں۔" اس نے جواب دیا۔ انقلاب فرانس کے ابتدائی ایام میں اس افسر کے منہ میں گھاس ٹھونس کر اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

فرانس کے کسی دوسرے گاؤں میں چلئے! چند کسان اپنے ہاتھوں سے زمین کھود رہے ہیں۔ "پاگل ہو گئے ہیں کیا؟" نہیں تو! دفینہ تلاش کر رہے ہیں؟ نہیں! تو پھر؟ ہل قرق ہو چکے' ہاتھ باقی ہیں۔

تیسرے طبقے میں چند نودولت سرمایہ دار بھی تھے۔ یہ لوگ اگرچہ خوشحال تھے لیکن عوام کی بے چینی سے ان کے دل میں حکومت کے کاروبار پر قابض ہونے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ وہ عوام کی ہمدردی کا نقاب اوڑھ کر انقلاب پسندوں کے رہنما بن گئے۔ انقلاب فرانس کی تاریخ میں یہ نئے سرمایہ دار بورژوا کہلاتے ہیں۔

لوئی نے انقلاب کو روکنا چاہا لیکن انقلاب کا سیلاب تاج و تخت کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ لوئی نے چاہا کہ اصلاحات سے فرانس کے تاج و تخت کو بچالے۔ چنانچہ اس نے "اصلاحات" کا دروازہ کھول دیا۔ فرانس کی صوبائی مجالس قانون کو بحال کردیا گیا۔ لوئی نے قلمدان وزارت ترجو کے حوالے کیا جس نے نہایت جانفشانی سے فضول اخراجات کم کرنے کی کوشش کی۔ فرانس کے ہر ایک شعبے میں نئ زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگیں۔ شاہی دربار کے اخراجات کم کردیئے گئے۔ ٹیکس وصول کرنے میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ تجارتی اجارہ داری کی گرفت ڈھیلی کی گئی۔ زراعتی ترقی کے لئے جدید اصول تراشے گئے۔ فرانس کی حدود میں غلے کی آزاد تجارت کو رائج کردیا گیا۔ لوئی شانزدھم کا عہد حکومت اقتصادی مسائل کے لئے ایک تجربہ گاہ تھا۔ جس میں یکے بعد دیگرے مختلف فلسفیوں، مفکروں اور مدبروں نے تجربے کئے۔ ترجو کے بعد نیکر تجربہ گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ نیکر نے اپنے افکار کی صحت کے جواز میں ایک کتاب لکھی جس کی اسی ہزار جلدیں چند دنوں میں ختم ہوگئیں۔ شاہی فرمانوں کے ذریعے فرانس کے تمام صوبوں میں مجالس قانون ساز بنادی گئیں۔ ان احکام نے فرانس میں جدید طرز حکومت کے لئے راستہ صاف کردیا۔ ان مجالس نے صوبوں کے مطلق العنان حاکموں کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دیں۔ دیہاتی آبادی میں بھی اس قسم کی چھوٹی چھوٹی مجلسیں بنادی گئیں۔ نفاذ اصلاحات کے باوجود ایک سال بعد انقلاب کا رونما ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصلاحات کی خیرات بادشاہت کے خزانوں سے اس وقت نکالی گئی جب عوام بغاوت پر آمادہ ہوچکے تھے۔ اور رعایا معمولی مراعات کے خشک ٹکڑوں پر زندہ رہنے کے لئے تیار نہ تھی۔ لوئی اور اس کے خواجہ تاش بھول گئے کہ بری حکومت کے لئے سب سے برا وقت وہ ہوتا ہے جب اصلاحات و افلاس متصادم ہوں۔

اگرچہ ترجو اور نیکر دونوں ناکام ہوئے تاہم نیکر نے اپنے لئے نمایاں مقبولیت

حاصل کرلی۔ نیکر کے زوال کے بعد قدامت پسندی نے اپنے لئے راستہ صاف کرنا چاہا۔ اصلاحات کا دروازہ بند کردیا گیا۔ میریا انطونیہ کی فضول خرچی اپنا رنگ لائے بغیر کیوں کر رہ سکتی تھی۔

۱۷۸۳ء میں کلونی نے قلمدان وزارت سنبھالا۔ چار سال تک میریاانطونیہ اور دربار کی عنایت سے وہ اپنے عہدے پر بدستور قائم رہا۔ اس زمانے میں بھی دولت پانی کی طرح بہتی رہی۔ ہر روز حکومت فرانس کی مالی حالت خراب ہو رہی تھی۔ حکومت کی بدعنوانیوں سے تنگ آکر کلونی نے فروری ۱۷۸۷ء میں عمائد فرانس کو اجلاس کی دعوت دی۔ اس اجلاس میں پادریوں' امیروں اور دیگر عہدے داروں نے شرکت کی۔ کلونی نے نہایت جرأت سے ان کے سامنے تمام اعدادوشمار پیش کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ دس سال میں حکومت پانچ کروڑ پونڈ قرض لے چکی ہے۔ جب کلونی نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی مراعات ترک کردیں اور باقاعدہ ٹیکس ادا کرتے رہیں تو ان کی زبان کلونی کی مخالفت کے لئے وقف ہو گئی۔

کلونی کے بعد لمونی دی برین آتا ہے۔ اس نے بھی مجبور ہو کر کلونی کی بعض تجاویز پر عمل کرنا چاہا۔ پارلیمنٹ نے وزیر کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ تمام صوبوں میں مجالس مقرر کردی جائیں لیکن نئے ٹیکس لگانے کی سخت مخالفت کی۔ بادشاہ نے پارلمینٹ کے ممبروں سے سختی کا سلوک کیا۔ پارلیمنٹ نے اس امر کو فراموش کرتے ہوئے کہ وہ بھی طبقہ اولی کا ایک ادارہ ہے' حکومت سے مجلس شوری کے انعقاد کا مطالبہ کیا۔ سرمایہ داری' افلاس کی نمائندگی کا دعوی کررہی تھی۔ امارت نے غربت کی وکالت کا دم بھرنا شروع کیا۔

حکومت نے چاہا کہ سختی سے اپنے ارادوں میں کامیاب ہو لیکن حکومت کے کانوں میں ہر سمت سے مخالفت کی آواز آرہی تھی۔ آخرکار بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ وہ مجلس شوریٰ کو دعوت دے گا۔ اگست ۱۷۸۸ء کو نیکر کے سپرد وزارت کردی گئی۔ عوام میں بادشاہت کی اس شکست سے خوشی کی لہردوڑ اٹھی۔

فرانس میں حکومت کے خلاف جذبات پرورش پارہے تھے۔ پیرس نے مناظروں اور مباحثوں کے ہال کی صورت اختیار کرلی۔ حکومت کو ہر روز اپنی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس کی تاخیر نے حکومت کو کافی

نقصان پہنچایا۔ اس درمیانی مدت میں تقریروں اور رسالوں نے لوگوں کے دلوں کو حکومت سے متنفر کردیا۔ سائیس کے ایک رسالے نے عوام پر بہت اثر کیا۔ اسی اثناء میں حکومت نے مختلف جماعتوں کو اس امر کی دعوت دی کہ وہ اپنی اپنی مشکلات' "مجلس طبقات" میں پیش کریں۔ اس شاہی اعلان سے حکومت کے بھید ظاہر ہو گئے۔

عوام کے نمائندوں کی تعداد اگرچہ دگنی کردی گئی تھی تاہم بادشاہ اور نیکر یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ فرانس کی تین جماعتیں علیحدہ علیحدہ رائے دیں گی یا ایک مشترکہ اجلاس میں۔ جب تک اجلاس مشترکہ نہ ہو عوام اس رعایت سے کیوں کر فائدہ اٹھاسکتے تھے؟ آخری وقت تک اس مسئلہ کا کوئی حل پیش نہ کیا گیا۔ مجلس طبقات کے اجلاس کی تاریخ ۵۔ مئی ۱۷۸۹ء میں مقرر کی گئی۔ ہال کی آرائش بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ سٹیج کے وسط میں بادشاہ کا تخت نظر آتا ہے۔ تخت کے پاس ہی میریاانطونیہ کی آرام کرسی ہے۔ اردگرد امیروں اور وزیروں کی نشست گاہ ہے۔ دائیں طرف پادریوں کے لئے بنچ ہیں۔ بائیں طرف طبقہ امرا کے نمائندوں کی جگہ ہے۔ گیلری تماشائیوں کے لئے ہے۔

درباری' امیر' وزیر اور پادری داخل ہوتے ہیں۔ عوام دو گھنٹے تک اسی عمارت کی دربانی پر مجبور کئے گئے۔ ڈیوک آف آرلینز اور نیکر کے داخل ہوتے وقت مرحبا' مرحبا کی صدائیں اٹھتی ہیں۔ میرابیو بھی داخل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ مسکراتے ہوئے تخت اور کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ تخت کے سامنے بادشاہ جب عوام کے نمائندوں کو دیکھتا ہے تو اس کی روح لرز جاتی ہے۔ فرانس کے ان عامیوں کے سامنے تاج و تخت کانپ رہا ہے۔

میرابیو' رابسپئر' گیولی تن' سائیس اور بیلی کے علاوہ ان میں اور بہت سخت جان اور صاف دل نمائندے نہ دکھائی دیتے ہیں۔ طبقہ امرا کے نمائندوں میں لافیطی' لالی' چارلس اور تونری نظر آتے ہیں۔ دینی نمائندوں کی جماعت میں ابھی میورے کا نام قابل ذکر ہے۔ بادشاہ تقریر کرتا ہے۔ اس کے الفاظ مہمل اور بے معنی ہیں۔ مجلس طبقات کی امیدیں پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔

تیسرے طبقے نے پادریوں اور امیروں سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ

شامل ہو کر ایک ایوان بنائیں۔ لیکن دینی پیشواؤں اور امیروں نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ مجلس کا انعقاد اصلاحات کا پیش خیمہ تھا چھ ہفتے تک اسی معاملے پر بحث و تمحیص کرتی رہی۔ اسی اثناء میں پیرس کی آبادی میں جوش و خروش بتدریج بڑھ رہا تھا۔ تیسرے طبقے کے نمائندوں کا یہ مطالبہ تھا کہ "مجلس طبقات" کے ارکان کا مشترکہ اجلاس ہونا چاہئے لیکن ایک ماہ تک اہل کلیسا اور طبقہ امرا کے نمائندوں نے تیسرے طبقے کے نمائندوں کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ تنگ آکر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں طبقوں کے نمائندوں کو مشترکہ اجلاس کی آخری دعوت دی جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو ان نمائندوں کے بغیر مجلس طبقات کا کام شروع کردیا جائے۔ پادروں اور امیروں کے نمائندوں پر اس دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانہ ۱۷۔ جون ۱۷۸۹ء کو تیسرے طبقہ کے ان نمائندوں نے ایک علیحدہ مجلس قومی قائم کرلی اور عوام کے حقوق کے متعلق ایک اعلان کردیا۔ فرانس کے عوام کی تمام ترہمدردیاں مجلس قومی سے وابستہ ہوچکی تھیں۔ لوئی اس نے مجلس قومی کو ختم کردینے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ۲۰ جون ۱۷۸۹ء کو مجلس قومی کے لئے ہال کے دروازے بند کردئے گئے۔ کیا اعلان آزادی کے لئے کسی اسمبلی ہال کا ہونا بہت ضروری ہے؟ مجلس قومی کے ارکان ٹینس گھر میں جمع ہوگئے۔ اس پرانی اور ٹوٹی ہوئی عمارت میں فرانس کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا:

"ہر حالت میں مجلس قومی رہے گی خواہ اس کا انعقاد کسی مقام پر ہو۔ کوئی طاقت مجلس قومی کو اس کے کام سے باز نہیں رکھ سکتی۔ مجلس قومی اس امر کا عہد کرتی ہے کہ جب تک بنیادی نظام نافذ نہ ہوجائے وہ اپنے منصب سے ہرگز نہیں ہٹے گی۔"

فرانس کا یہ ٹینس گھر ہر زمانے کے انقلاب پسندوں کی زیارت گاہ رہے گا۔ فرانس کی حکومت نے مجلس قومی کو اس ٹینس گھر سے محروم کردیا۔ دوسرے دن ٹینس گھر پر پولیس کا پہرہ تھا۔ ایک طرف مجلس قومی کے ارکان آزادی کے لئے جدوجہد کررہے تھے۔ مگر دوسری طرف ملوکیت اور امارت متحد ہوچکی تھی۔ ۲۳۔ جون کو "شاہی اجلاس" منعقد ہوا۔ تینوں طبقوں کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ لیکن طبقہ امراء نے لوئی سے ساز باز کرلی تھی۔ چنانچہ اس شاہی اجلاس میں

مجلس قومی کے نمائندوں کے اس مطالبہ کو مسترد کردیا گیا کہ مجلس طبقات میں تینوں طبقات کا مشترکہ اجلاس ہوگا۔ شاہی اجلاس برخاست ہوا لیکن مجلس قومی کے ارکان ہال سے باہر نہ نکلے۔ چنانچہ مجلس قومی کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں اعلان کردیا گیا کہ "جو کوئی مجلس قومی کے ارکان پر ہاتھ اٹھائے گا وہ موت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ مجلس قومی کے اس فیصلہ نے لوئی کو خوف زدہ کردیا۔ چنانچہ ۲۷۔ جون ۱۷۸۹ء کو لوئی کے حکم سے تینوں طبقوں میں اتحاد ہوگیا۔ لیکن لوئی شانزدہم انگلستان کے چارلس اول کی طرح جمہوری اصول تسلیم کرلینے کے بعد ان سے منحرف" ہونے کا آرزو مند تھا۔ دونوں کے لئے تقدیر کا ایک ہی فیصلہ تھا۔ ۱۲۔ جولائی ۱۷۸۹ء کو لوئی نے نیکر کو برخاست کردیا۔ اسی اثنا میں لوئی کی غیر ملکی فوج پیرس پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ۔ ۱۳۔ جولائی ۱۷۸۹ء کو مجلس قومی نے بادشاہ سے درخواست کہ وہ غیر ملکی سپاہیوں کو ہٹادے لیکن لوئی نہ مانا۔ ۱۳۔ جولائی اپنے آغوش میں انقلاب لئے سوگئی۔ ۱۴۔ جولائی:

نوجوان کیملی ہاتھ میں پستول لئے ہوئے "مسلح ہوجاؤ" کا نعرہ لگاتا ہے۔ اس نے فوجی نشان کی جگہ درخت کی ایک شاخ کاٹ کر اپنی ٹوپی پر لگالی۔ نوجوان انقلاب پسندوں کا ہجوم اس کے اردگرد جمع ہے۔ انقلاب پسند اسلحہ فروشوں کی دکانوں پر ٹوٹ پڑے۔ سوائے بندوقوں اور کارتوسوں کے یہ انقلاب پسند دوسری چیز کو نہ چھوتے۔ پیرس کی نگہداشت اس کے بیٹوں کے سپرد کردی گئی۔ زندان لافرانس کے دروازے کھول دیئے گئے کیونکہ اس جیل میں صرف مقروض مقید تھے۔ پیرس میں مکمل نظم و نسق رہا۔ پیرس میں بسنے والوں کے لئے قحط نازل ہوا۔ روٹی کے لئے گھنٹوں نان بائیوں کی دکانوں پر انتظار کرنا پڑتا۔ حالات نازک ترین صورت اختیار کررہے تھے تاہم پیرس ہر قسم کی شرارتوں سے پاک رہا ہے۔ کسی عورت کی عصمت پر حملہ نہ کیا گیا۔ بھوکے پیرسی روٹی کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے لیکن چوری کی جرأت نہ کرتے۔ انھیں دنوں ایک شہری کو دوسرے شہری کی ایک مرغی چرانے کے جرم میں پھانسی پر لٹکادیا گیا۔

جب ان شہریوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خانقاہ میں بہت بڑی مقدار میں آٹا جمع ہے تو ان میں سے چند اسی خانقاہ کا رخ کرتے ہیں۔ حریت و مساوات کا نعرہ

لگاتے ہوئے شہری راہبوں کے مسکن میں داخل ہوجاتے ہیں۔ راہبوں کے منڈے ہوئے سروں پر آٹے کی بوریاں رکھ دی گئیں۔ منڈی میں پہنچ کر تمام لوگوں میں آٹا تقسیم کردیا گیا۔ انقلاب پسندوں کے پاس اسلحہ کی کمی تھی۔ چنانچہ کمیٹی کے حکم سے چھتیس گھنٹوں میں پچاس ہزار کلہاڑے تیار ہوگئے۔

لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک خاص مقام پر تیس ہزار بندوقیں ہیں۔ شہریوں کا ہجوم مسلح ہونے کی غرض سے اس طرف جاتا ہے۔ شہری سپاہیوں کی صورت اختیار کرتے ہوئے بستائل کا رخ کرتے ہیں۔

"بستائل"

فرانس کا سیاسی جیل!

ہاں وہی بستائل جہاں آزادی کی ہر آواز دفن ہوجاتی' جہاں آزادی کی تڑپ فنا کردی جاتی۔ بستائل وہی زندان ہے جس کے متعلق لاطو نے لکھا کہ "وہ ایک لاکھ گھنٹوں سے مصیبت کا شکار ہورہا ہے" جسے جیل کی سردی نے اندھا کردیا' جو ہمیشہ بیڑیوں میں جکڑا رہتا۔ لاطو کی طرح ہزاروں قیدی بستائل میں رات دن فرانسیسی تاج کے لئے بددعا کرتے۔

اسی بستائل کی تباہی کے لئے پیرس کے لئے لوگ آمادہ ہورہے تھے۔ "بستائل چلو بستائل!" ہر پیرسی کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ دی لانی بستائل کی حفاظت پر معمور تھا۔ پانچ گھنٹہ کی لڑائی کے بعد بستائل مسخر ہوگیا۔ فاتح قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ تمام قیدی رہا کردیئے گئے۔ پیرس ایک بڑے خیمہ کی مانند تھا جس کے ایک دروازہ پر "آزادی" اور دوسرے پر "واشنگٹن" لکھا ہوا تھا۔ پیرس باغی ہوچکا تھا۔ انقلاب شروع ہوگیا۔

ورسائی میں جام و سبو سے باتیں ہورہی تھیں۔ درباریوں نے لوئی کو تمام معاملات سے بے خبر رکھا۔ آدھی رات گزرنے پر ایک درباری لوئی کی خواب گاہ میں داخل ہوکر اسے واقعات کی خبر کرتا ہے۔

"یہ غدر ہے۔" لوئی نے کہا۔

"جہاں پناہ' یہ انقلاب ہے؟" درباری نے جواب دیا۔ ۱۵۔ جولائی ۱۷۸۹ء کو لوئی نے مجلس قومی کے جلسے میں شرکت کرکے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ پیرس اور

ورسائی سے فوجوں کو ہٹنے کا حکم دیتا ہے لیکن اگلے دن وہ شاہ پسندوں کے زیر اثر دکھائی دیتا ہے۔ اب پیرس والوں کا یہ مطالبہ تھا کہ اگر بادشاہ نے مجلس قومی سے صلح کرلی ہے تو وہ پیرس کیوں نہیں آتا؟ چنانچہ ۱۷۔ جولائی ۱۷۸۹ء کو وہ ورسائی سے پیرس روانہ ہوا۔ ہجوم نے بادشاہ کا استقبال کیا لیکن "قوم زندہ باد" کے نعروں میں ایک مرتبہ بھی "بادشاہ زندہ باد" کا نعرہ بلند نہ ہوا۔ پیرس میونسپلٹی کی عمارت پر بادشاہ کا جلوس ختم ہوگیا۔ میونسپل ہال میں چند تقریریں ہوئیں۔ بادشاہ واپس ہوا۔ عوام نے "بادشاہ زندہ باد" کے نعروں میں لوئی کو رخصت کیا۔ لوئی رات کے نو بجے ورسائی پہنچا۔ لیکن اس وقت تک متعدد شہزادے اور درباری بھاگ چکے تھے۔ پیرس سارے فرانس کی رہنمائی کررہا تھا۔ فرانس کے طول و عرض میں انقلاب ہوچکا تھا۔ ایک ہفتہ پیشتر انقلاب پسندوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ اب ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ دو لاکھ -- نہیں! پانچ لاکھ -- دس لاکھ -- بیس لاکھ --- پچاس لاکھ ---- سارا فرانس!

فرانس مسلح ہورہا تھا۔ لیکن مجلس قومی اپنے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے فرانس کے مستقبل پر غور کررہی تھی۔ ۴۔ اگست ۱۷۸۹ء تک "اعلان حقوق" پر غور ہوتا رہا۔ آخری مجلس قومی نے اعلان کردیا کہ:

> "تم آزاد اور برابر برابر ہو۔ تمہارا اتحاد مشترکہ مفاد کے لئے ہے۔ اے بادشاہ! اپنے تخت سے نیچے اتر' آئندہ تیرا منصب محض میر عدالت ہوگا اور انتخاب کا حق آزاد قوم کو ہوگا۔ اے کسان! بیدار ہو اور اپنی آنکھوں سے دوسرے انسانوں کو دیکھ۔ وہ تجھ سے افضل نہیں۔ تیری جبین پر نقش حکمرانی موجود ہے۔ تو بھی قوم کا ایک فرد ہے اور حاکیت کی عنان قوم کے ہاتھ میں ہے۔
>
> (۱) تمام لوگ آزاد اور مساوی پیدا ہوئے ہیں۔
> (۲) سماج کی غرض و غایت انسان کے فطری حقوق کی حفاظت ہے۔
> (۳) حاکمیت کے تمام تر اختیارات قوم کو ہیں۔
> (۴) دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر جو چاہے کرنا آزادی ہے۔
> (۵) قانون کا مقصد ضرر رسانی کا قلع قمع ہے۔

(۶) قانون رضائے عامہ کا نام ہے۔ تمام شہریوں کو اپنے نمائندوں کے ذریعے قانون بنانے کا حق ہے۔

(۷) کسی شہری کو بلاوجہ گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔

(۸) تحریر و تقریر کی آزادی انسان کے بہت بڑے حقوق ہے۔

(۹) انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک قومی فوج کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کو اس کے ذاتی عقائد کی بناء پر تکلیف نہیں دی جائے گی۔

(۱۱) سماج کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر سرکاری عہدہ دار کے کام کا محاسبہ کرسکے۔

(۱۲) ذاتی ملکیت کے حق سے کسی شخص کو محروم نہیں کیا جائے گا"

مجلس قومی کے اس اعلان نے صدیوں کے سماجی امتیازات کا خاتمہ کردیا۔ مجلس قومی کے اس اعلان کا مقصد جمہوریت کو آئینی شکل دینا تھا۔ چنانچہ مجلس قومی کے اس اعلان نے اہل فرانس کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی لیکن لوئی نے مجلس قومی کے اعلان حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اب مجلس قومی کے سامنے ایک اور اہم سوال درپیش تھا اور وہ یہ کہ مجلس قانون ساز کا نگران کون ہو۔ میرابیو کی اعتدال پسندی سے مجلس قومی نے اس امر کو تسلیم کرلیا کہ بادشاہ کو یہ حق ہے کہ وہ ان قوانین کے نفاذ کو روک دے جسے وہ نامناسب اور غیر موضوع خیال کرے۔ مجلس قومی کی انتہائی درجہ فراغ دلی بھی لوئی کے انکار کو اقرار میں نہ بدل سکی۔ وہ بدستور اپنی ضد پر قائم رہا۔

میرابیو شاہ پرست تھا لیکن اس کے نزدیک بادشاہت جمہور کے تابع ہونا چاہئے۔ اس کے خیال میں فرانس کے لئے بہتر طرز حکومت شخصی تھی لیکن وہ بادشاہ کے اختیارات کو بہت کم کرنا چاہتا تھا۔ وہ عوام' پارلیمنٹ اور تخت کے مابین صلح کا خواہاں تھا۔

۱۷۸۵ء کی ہر تحریک میں اس کی ہردل عزیزی اور عظمت کار فرما تھی۔ ۲۳ جون کو اس نے بادشاہ کے نمائندے کی ان الفاظ میں مخالفت کی: جاؤ اپنے بھیجنے

والوں سے کہ دو کہ ہم رعایا کے حقوق کی حفاظت کے لئے یہاں کھڑے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوت ہمارے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔ ۱۵ جولائی کو اس نے ان فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جو اسمبلی کو خوف زدہ کر رہی تھیں۔ ۲۴ ستمبر کو اس نے نیکر کی مالی اصلاحات کی تائید کی' اور ۳۰ اکتوبر کو اس نے کلیسا کی جائیداد کی ضبطی پر ایک "پرجوش" تقریر کی۔

میرابیو کی تجاویز کو شاہ و ملکہ کے فرار نے پایا تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔ تاہم کاس ترائیز کے حادثے نے میرابیو کو ہر دل عزیز بنا دیا۔ وہ اسمبلی کا صدر منتخب ہوا۔ اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ وہ اپنی آنکھیں کھو چکا تھا۔ اکتوبر ۱۷۹۰ء میں وہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ اسمبلی' جکوبن اور اس کی آنکھوں نے اس کی زندگی بے لطف کر دی۔ جنوری ۱۷۹۱ء میں وہ زیر علاج تھا۔ کام کی زیادتی اور ناموافق حالات نے اس کے قوی کو بالکل مضمحل کر دیا لیکن اسے کام کرنا تھا۔ وہ کام کرتا رہا۔

میرابیو نے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اپنے معالج سے کہا:

"اب معترض ہونے کا وقت نہیں رہا۔ میں جو کہتا ہوں اسے جلد کر دکھاؤ کیونکہ ہم بہت جلد ختم ہونے والے ہیں۔ تم جس قدر عیوب کی اصلیت سے آگاہ ہو اسی قدر تمہیں اسے مٹانے کی زیادہ فکر کرنا چاہئے۔ کیا تم میرے ساتھ متفق نہیں ہو؟ تمام صحیح الدماغ انسان میرے ہم نوا ہیں . . . میں نے استبداد کے خلاف جنگ کی اور تم خوب جانتے ہو کہ میں اب بھی اس کے ساتھ لڑ رہا ہوں۔ میرا مقدس فرض قانون اور آئینی حکومت کی امداد رہا ہے۔ میں نے تخیلات و تفکرات اور جرائم میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ میرے دوست' مجھے آج مرنا ہے۔ خوشبو لگاؤ' بستر پر پھول بکھیرو' اور کسی گانے والی سے کہو کہ وہ ایسا راگ چھیڑے جس سے میں ہمیشہ کی نیند سو جاؤں۔"

اس کے جنازے میں ایک لاکھ اشخاص شامل ہوئے۔

پیرس کے بھوکے اور ننگے عوام نے ورسائی کے شاہی محل کو گھیر لیا۔ اب لوئی نے مجلس قومی کے اعلان پر دستخط کر دیئے اگلے دن لوئی ورسائی چھوڑ کر پیرس چلا گیا۔ مجلس قومی بھی پیرس میں منتقل ہو گئی۔ لوئی چہاردہم کا ورسائی بے رونق

ہو گیا۔ اس کا پوتا طلسم خانہ سے نکل کر حقیقت سے دوچار ہو چکا تھا۔ انقلاب پسندوں کی سب سے بڑی دشمن ملکہ فرانس بھی لوئی کے ساتھ تھی۔ وہ پیرس کے زمانہ قیام میں ایک بہت بڑی سازش کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس زمانے میں مجلس قومی کے ارکان نے بہت سی سازشوں کا پتہ لگایا۔ پادشاہ اور ملکہ انقلاب پسندوں کے دو رہنماؤں اور فیلی اور میرابیو سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ ان ملاقاتوں کے پیش نظر عوام کو ان کے رہنماؤں سے بدظن کرنا تھا۔ اسی اثنا میں تاج اور کلیسا کے تعلقات بہت استوار ہو گئے۔ پادریوں نے مجلس قومی کے فیصلوں کو نہ صرف ماننے سے انکار کردیا بلکہ مذہب کے نام پر انقلاب پسندوں کے مقابلہ کے لئے اکسایا۔ ملک کے طول و عرض میں خانہ جنگی شروع ہو گئی لیکن انقلاب پسندوں نے اس خانہ جنگی پر جس طرح قابو پایا اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ "محافظ وطن فوج" کے رضاکار ہر جگہ قیام امن کے لئے دکھائی دیتے تھے۔ فوجی سپاہی بھی انقلاب پسندوں کے ساتھ مل گئے۔ قیام امن کے بعد فیصلہ ہوا کہ پیرس میں "یوم اتحاد" منایا جائے۔ پادشاہ اور ملکہ نے بھی اس تقریب میں شرکت کی لیکن حالات بدل چکے تھے۔ لوئی پیرس سے بھاگ نکلا۔ اگلے دن وہ ایک قیدی کی حیثیت میں تھا۔ ۱۱ دسمبر ۱۷۹۲ء کو لوئی کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ دو بجے لوئی اسمبلی ہال میں پہنچا ہال میں مکمل سکوت تھا۔ پادشاہ اس خوفناک خاموشی سے گزرتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ کرسی وہی تھی، جس پر خود لوئی بحیثیت پادشاہ جدید دستور کی پیروی کا حلف اٹھا چکا تھا۔ بریری میر عدالت تھا۔ مہر سکوت بریری کی آواز سے ٹوٹ گئی: "لوئی! فرانسیسی قوم تمہیں مجرم قرار دیتی ہے۔ تم یہاں اپنے جرم کی نوعیت کی سماعت کے لئے حاضر ہوئے ہو۔ لوئی بیٹھ جاؤ!"

لوئی کے خلاف ستاون الزامات تھے ان میں بعض کی اس نے تردید کی اور بعض کا اقرار۔ عدالت میں اس نے اپنی تحریروں سے انکار کردیا۔

"اس کا نئے نظام سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مجھے اس وقت ایسا کرنے کا حق تھا۔"

"اس کا تعلق وزیروں سے ہے۔"

"مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔"

"یہ مجھے یاد نہیں۔"

ان مختصر لفظوں میں لوئی اعتراضوں کا جواب دیتا رہا۔ صرف ایک دفعہ وہ نہایت تمکنت سے بولا جب اسے دس اگست کی خونریزی کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

پانچ بجے کے بعد مقدمہ ملتوی کردیا گیا۔ لوئی قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے رات کا کھانا نہایت اطمینان سے کھایا۔

لوئی نے اپنے لئے وکیلوں کی درخواست کی چنانچہ اسے اجازت مل گئی کہ وہ اپنے لئے وکیل تجویز کرے۔ لوئی نے ترانشی اور تارجی تجویز کئے۔ تاجری نے بڑھاپے کا بہانا کرتے ہوئے گرا ہوا تاج اٹھانے سے انکار کردیا۔ اس کی عمر پچاس برس سے زائد نہ تھی۔ بہانہ ایک بیہودہ حرکت تھی۔ ترانشی نے جو تارجی سے عمر میں دس برس زیادہ تھا بادشاہ کی درخواست قبول کرلی۔ ایک نوجوان وکیل ویزی نے بھی ۱۷ دسمبر کو اپنی خدمات پیش کردیں۔ بریری کو معلوم ہوا کہ بوڑھا ملشربینر اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے چنانچہ بریری نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا۔ ملشربینر نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بادشاہ کی ولالت کرنا چاہتا ہے۔ "دیگر حالات میں خود لوئی کی وکالت کرتا۔" بریری نے جواب دیا۔

۱۴ دسمبر سے ۲۵ دسمبر تک لوئی اور اس کے وکیل جواب دعویٰ تیار کرتے رہے۔ ۲۶ دسمبر کو لوئی اسمبلی کی عدالت میں پیش ہوا ویزی تین گھنٹے تقریر کرتا رہا اس کے آخری الفاظ یہ تھے:

"بیس برس کی عمر میں لوئی تخت پر بیٹھا۔ اس عمر میں اس نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ وہ منصف اور کفائت شعار تھا۔ وہ ہمیشہ عوام کا دوست ثابت ہوا۔ لوگوں نے تباہ کن ٹیکس کی شکائت کی۔ اس نے ٹیکس اڑا دیئے۔ عوام نے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس نے اپنے غلام آزاد کردیئے۔ عوام نے عدالتوں میں اصلاحات کا مطالبہ کیا جسے لوئی نے پورا کردیا۔ اس نے ہزاروں فرانسیسیوں کو شہری حقوق عطا کئے۔ اس نے لوگوں کو آزادی بخشی۔ ایثار اور قربانی میں وہ عوام سے بھی آگے بڑھ گیا اور اب بھی عوام اس سے دریافت کرتے ہیں...."

لوئی نے مندرجہ ذیل الفاظ عدالت میں بطور بیان دیئے:

"میرے متعلق میرے وکیل بہت کچھ کہہ چکے۔ مجھے ان الفاظ کا دہرانا مقصود نہیں۔ میں آپ کے سامنے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میرا ضمیر مجھے لعن طعن نہیں کر رہا اور یہ کہ میرے وکیلوں نے جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے افسوس ہے کہ خونریزی کا ذمہ دار مجھے قرار دیا گیا۔"

۱۶ جنوری ۱۷۹۳ء کو دربعدالت پھر وا ہوا۔ ہال کے باہر انسانوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ ہال کے اندر فرانسیسی عورتیں نظر آتی تھیں۔ نمائندوں کے ووٹوں کا شمار شروع ہوا۔ "موت" یا "جلاوطنی" یہی دو الفاظ ان کی زبانوں پر تھے۔ جیروندی پارٹی کے تمام ممبروں کی زبان پر موت کا لفظ تھا۔ ۶ ووٹوں کی زیادتی سے لوئی کو موت کا حکم سنایا گیا۔ لوئی نے فرانسیسی قوم کے نام اپیل کی۔ ایک نیا مباحثہ شروع ہوا۔ ۲۰ جنوری تک سب کچھ مکمل ہو گیا۔

"چوبیس گھنٹوں کے اندر سزائے موت!"

"میں معصوم اور بے گناہ ہوں۔ مجھ پر الزام لگائے گئے۔ میں فتویٰ موت کے مصنفوں کو معاف کرتا ہوا خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس خون ناحق کے انتقام فرانس سے کبھی نہ لیا جائے۔" لوئی کے آخری الفاظ تھے۔

مجلس قوم نے ایک کنونشن کی صورت اختیار کر لی تھی چنانچہ جنوری ۱۷۹۳ء میں کنونشن کے سامنے بادشاہت کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔ اعتدال پسند بادشاہ کو بچانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں وہ صرف اسی طرز عمل سے امیروں اور غریبوں کی ٹکر روک سکتے تھے لیکن لوئی انقلاب پسندوں کا دشمن ہو چکا تھا۔ اس کی تقدیر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ۲۱ جنوری ۱۷۹۳ء کو لوئی قتل کر دیا گیا۔ لوئی کے قتل کے بعد اعتدال پسندوں اور جیکوبنوں میں اس زمانے کے مجلسی اور معاشرتی مسائل کے متعلق اختلافات بڑھتے گئے۔ اعتدال پسند ہر مسئلہ میں عوام کے مفاد کی مخالفت کرتے اور جیکوبن ایک مکمل انقلاب کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں اتحادیوں کی فوجیں پیرس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب انقلابی فوجیں کامیاب ہوئیں تو کنونشن نے جیکوبن پارٹی کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا۔ ۲ جون ۱۷۹۳ء میں اعتدال پسند ارکان کو کنونشن سے نکال دیا گیا۔ یہ خارج شدہ اعتدال پسند انقلابیوں کے خلاف کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ خانہ جنگی!

اعتدال پسندوں کی شکست کے بعد جیکوبنوں نے ایک نیا آئین حکومت مرتب کیا۔ اس آئین کو ۱۷۹۳ء کا آئین کہتے ہیں۔ اس نئے آئین نے حق رائے دہی کو عام کردیا۔ اس امر کا اعلان کردیا گیا کہ مساوات آزادی' امن اور ملکیت کا تحفظ سوسائٹی کا سب سے بڑا فرض ہے۔ اس نئے آئین کے بعد بھی خانہ جنگی بدستور جاری رہی۔ چنانچہ کنونشن نے فیصلہ کیا کہ قیام امن کے بعد نئے آئین کو نافذ کیا جائے گا۔ اب فرانس پر نئی انقلابی آمریت کی حکومت تھی۔ یہ حکومت اپنی سخت گیری کی وجہ سے قائم نہیں تھی بلکہ اس کا انحصار مزدوروں اور کسانوں پر تھا۔ کنونشن کی معاشی اور مجلسی پالیسی بہت وسیع تھی۔ کسانوں کے تمام قرضے منسوخ کردیئے گئے۔ زمین کو کسانوں میں تقسیم کردیا گیا۔ کنونشن دیہات میں ایک اشتمالی نظام قائم کرنا چاہتی تھی۔ زرعی مسائل کو انقلاب پسندانہ انداز میں حل کرنے کے بعد کنونشن نے ذاتی ملکیت کو ختم کئے بغیر سرمایہ داروں کے مفاد پر حملہ کردیا۔ ستمبر ۱۷۹۳ء میں کھانے پینے کی چیزوں کا نرخنامہ منظور ہوا۔ مزدوروں کے لئے کم سے کم اجرت مقرر کردی گئی۔ کنونشن نے بے کاری ختم کرنے کے لئے بہت سے قانون منظور کئے۔ بوڑھوں کے لئے پنشن مقرر کی گئی۔ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے کنونشن نے تعمیرات کا کام شروع کردیا۔

مجلسی' معاشی اور سیاسی پروگرام پر عمل کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مضبوط حکومت کی ضرورت تھی۔ کنونشن اگرچہ ایک حکمران جماعت تھی لیکن وہ اپنے پروگرام کو مجلس مفاد عامہ اور مجلس تحفظ عامہ کے ذریعے عملی صورت دیتی۔ ان دو مجالس میں تمام انقلابی قوتیں مرکوز تھیں۔ کنونشن کی حکومت اگرچہ سخت گیر تھی لیکن یہ سختی صرف ان لوگوں پر کی جاتی تھی جو "تباہی کے ذمہ دار' تاج کے حامی' آزادی کے دشمن اور عوام کے بدخواہ ہوتے تھے۔ کنونشن کا "دور ہیبت" امیروں اور غریبوں میں ایک طبقاتی جنگ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کنونشن کی انقلابی عدالت میں ہم کوچک بورژوا اور کسانوں کو سزائے موت پاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ اس قسم کے لوگ تھے جو عوام کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

۱۷۹۴ء کے موسم گرما میں یہ "دور ہیبت" پھل لایا۔ انقلابی فوجوں نے

دشمنوں کو شکست دی۔ اعتدال پسندوں کا قلع قمع کردیا گیا لیکن اس وقت تک مجلس مسائل حل نہیں ہوئے تھے۔ بھوک کا دیو فرانس پر چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ اب جیکوبن پارٹی کے انقلاب پسندوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ جیکوبن پارٹی کی تشکیل کا اندازہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جیکوبن پارٹی

دست	راست	دست	چپ
دینتن	رابس پیرے	شاتے	ژاک رو

دینتن سرمایہ داروں کا حامی اور وکیل تھا۔ رابس پیرے شہری اور دیہاتی کوچک بورژوا کا نمائندہ تھا۔ شاتے تباہ شدہ کوچک بورژوا کا ترجمان تھا۔ ژاک رو مزدوروں اور کسانوں کا نمائندہ تھا۔ جیکوبن پارٹی کا ہر رکن ان چار رہنماؤں میں سے کسی ایک کا پیرو تھا۔ دینتن کے حامی ذاتی ملکیت کے طرف دار تھے۔ رابس پیرے ایک زرعی جمہوریت کا حامی تھا۔ ۱۷۹۴ء کے آغاز میں رابس پیرے کے زیر اثر کنونشن نے بہت سے نئے احکام جاری کئے۔ رابس پیرے کے حامیوں نے "وجود اعلیٰ کا مسلک" کے ذریعے اپنا پروگرام مکمل کرلیا تھا۔ ژیک رو کا پروگرام اشتمالیت سے بہت زیادہ قریب تھا لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

۱۷۹۳ء کے سرما اور ۱۷۹۴ء کے گرما میں کنونشن کی مختلف پارٹیوں کے اختلافات بہت بڑھ گئے۔ یہ اختلاف انقلاب کو بچانے کے بعد تعمیری کاموں کی نوعیت اور اجراء کے متعلق پیدا ہوا۔ ژاک رو کے حامی ختم ہوچکے تھے۔ رابس پیرے کے ساتھیوں کے شاتے کی جماعت سے بھی رہائی حاصل کرلی۔ دست چپ کے اعتدالی (شاتے) اور انتہائی (ژاک رو) افراد سے رہائی حاصل کرنے کے بعد رابس پیرے کے سامنے اب صرف دینتن کی جماعت تھی۔ اپریل ۱۷۹۴ء میں دینتن اور اس کے ساتھیوں کو بھی تختہ دار پر لٹکادیا گیا۔

اپریل ۱۷۹۴ء میں کوچک بورژوا کی حکومت تھی۔ رابس پیرے اس حکومت کا رہنما تھا۔ رابس پیری نے اپنا مجلسی اور معاشی پروگرام شروع کردیا۔ چند ماہ میں رابس پیری نے اپنے مخالفوں کو پھانسی پر لٹکادیا لیکن بہت جلد رابس پیرے کو اسی تختہ دار کی طرف سفر کرنا پڑا۔ ۲۷۔ جولائی ۱۷۹۴ء کو رابس پیرے کی گردن گلوکش

کے نیچے تھی۔ رابس پیرے کے قتل کے بعد فرانس کے انقلاب کی تاریخ ختم ہوتی ہے۔ مخالف انقلاب تحریک شروع ہوئی۔ کوچک بورژوا کی جگہ سرمایہ دار نے لے لی۔ کوچک بورژوا کی آمریت کو کیوں زوال آیا؟

انقلاب کے زمانے میں فرانس کی حالت بہت بدل گئی تھی۔ انقلاب کا آغاز مئی ۱۷۸۹ء میں ہوا۔ رابس پیرے جولائی ۱۷۹۴ء میں قتل ہوا۔ اس دوران میں فرانس کی دیہاتی آبادی میں بہت بڑا تغیر رونما ہوچکا تھا۔ کسان مالکان اراضی کی ایک جماعت بن چکے تھے۔ جاگیردار اور زمیندار ختم ہوچکے تھے۔ فرانس کے کسان اس سے زیادہ انقلاب نہیں چاہتے تھے۔ وہ مطمئن ہوچکے تھے۔ لیکن شہروں میں کوچک بورژوا (چھوٹے چھوٹے تاجر اور دکان دار) سرمایہ داروں کی صورت اختیار کرچکا تھا۔ دولت کی زیادتی نے اس نئی جماعت کے دل میں حاکمیت کا خیال پیدا کردیا۔ رابس پیرے کی جماعت (کوچک بورژوا) سے کسانوں کی ہمدردی کٹ چکی تھی۔ شہروں کے مزدور اتنے جتھ بند نہیں تھے کہ وہ کوچک بورژا آمریت کو بچاسکتے۔ کسانوں کے اطمینان، انتہاپسندوں کی خفیہ دشمنی، شہری مزدوروں کی عدم تنظیم اور نئے سرمایہ دار طبقے کی تخلیق نے کوچک بورژوا آمریت (رابس پیرے) کو ختم کردیا۔ ۱۷۹۵ء سے ۱۷۹۹ء تک فرانس میں بورژوا جمہوریت تھی۔ یہ بورژوا جمہوریت فرانس کی تاریخ میں نظامت کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ۱۷۹۹ء میں جنرل نپولین بوناپاٹ نے اس بورژوا جمہوریت کا خاتمہ کردیا۔

باب ۱۵

جان شور

(۱۷۹۳ء۔ ۱۷۹۸ء)

سرجان شور کے عہد حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا خزانہ خالی تھا اس لئے وہ مجبور تھا کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں دخل نہ دے۔ اس نے عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کرلی۔ جب مرہٹوں نے نظام کی ریاست پر حملہ کیا تو نظام نے معاہدہ کے مطابق انگریزوں سے امداد مانگی لیکن گورنر جنرل نے مدد دینے سے صاف انکار کردیا۔ مرہٹوں نے ۱۷۹۵ء میں نظام کو شکست دی' اب نظام سے انگریزوں سے مایوس ہوکر اپنی فوجوں کی تربیت کے لئے فرانسیسی افسروں کی طرف رجوع کیا۔ اودھ کے حالات نے سرجان شور کو موقع دے دیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خزانے کو بھرسکے۔ آصف الدولہ کی موت کے بعد سرجان شور نے اودھ کے معاملات میں دخل دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت کو بہتر کردیا۔

اودھ کے حکمرانوں کا مورث اعلی سید محمد امین تھا۔ وہ نیشاپور سے ہندوستان میں آیا جہاں فرخ سیر نے اسے ایک فوجی عہدہ پیش کیا۔ اس نے دربار دلی کو سید بھائیوں سے نجات دلانے میں شہنشاہ کی بہت مدد کی۔ ۱۷۲۰ء میں اسے آگرے کا حاکم مقرر کیاگیا۔ اس موقع پر شہنشاہ نے اسے سعادت خاں کا خطاب دیا۔اس زمانے میں اودھ بغاوتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ نواب سعادت خاں نے بغاوتوں کو فرو کیا۔ اس پر شہنشاہ نے سعادت خاں کو اودھ کا صوبے دار مقرر کیا۔ نواب سعادت خاں کی وفات (۱۷۳۹ء) کے بعد اس کا بھانجا صفدرُ جنگ اودھ کا صوبے دار مقرر ہوا۔ صفدر جنگ نے اودھ کو دلی کے سیاسی اقتدار سے بہت حد تک آزاد کرلیا تھا۔

۱۷۵۶ء میں شجاع الدولہ اپنے باپ صفدر جنگ کا جانشین بنا۔ شجاع الدولہ کے عہد میں مغلوں کی سلطنت بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ دلی کی مرکزی حکومت ختم ہوتی چلی جارہی تھی۔ ادھر ادھر آزاد ریاستیں قائم ہو رہی تھیں۔ ادھر ادھر آزاد ریاستیں قائم ہو رہی تھیں۔ شجاع الدولہ نے اودھ کی راجدھانی فیض آباد کو بہت بڑا تجارتی شہر بنادیا۔ اس نے فیض اباد میں سامان جنگ بنانے کے کئی کارخانے کھولے۔ ۱۷۷۵ء میں آصف الدولہ اپنے باپ کا جانشین بنا۔

آصف الدولہ کی موت (۱۷۹۷ء) پر اس کا بیٹا وزیر علی مسند نشین ہوا۔ سرجان شور نے اس کی مسند نشینی کو رسمی طور پر تسلیم کرلیا لیکن بعد میں اس نے آصف الدولہ کے بھائی سعادت علی کو مسند پر بٹھانا چاہا۔ سعادت علی بنارس میں قید تھا۔ چنانچہ سرجان شور بنارس روانہ ہوا۔ سعادت علی نے ہر شرط پر مہر ثبت کردی۔

۲۱۔ جنوری ۱۷۹۸ء کو سعادت علی نواب وزیر بنادیا گیا۔ اسی دن سعادت علی اور سرجان شور کے درمیان سترہ دفعات پر مشتمل ایک معاہدہ ہوا۔ صرف ایک دفعہ کی رو سے دس لاکھ روپیہ نقد اور الہ اباد کا قلعہ کمپنی کے قبضے میں چلا گیا۔ نیز اسی معاہدے کی رو سے مملکت اودھ سے تمام یورپی لوگوں کو سوائے کمپنی کے ملازموں کے باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ ان لوگوں کو مملکت اودھ سے اس لئے نکالا گیا تھا کہ سرجان شور کے مظالم انگلستان اور دوسرے یورپی ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ جائیں۔ سرجان شور کو وارن ہیسٹنگز کا انجام خوب یاد تھا۔

اب ہمیں نواب وزیر علی کو جنگلوں' بیابانوں اور کوہستانوں میں رومانی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔ اس شہزادے کے متعلق مورخوں نے اس قدر غلط فہمیاں پیدا کردی ہیں کہ ان کا ازالہ کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ نواب وزیر آصف الدولہ کے ہاں ۳۳ سال کی عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ نواب وزیر نے نوزائیدہ کے مستقبل سے آگاہ ہونے کے لئے منجموں کو دربار میں طلب کیا۔ منجموں نے نواب وزیر سے کہا کہ زائچہ میں غفلہ اور قبض الخارج جمع ہونے سے شکل حمرہ پیدا ہوگئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادے کی تقدیر میں کوہستانوں' جنگلوں اور

بیابانوں میں آوارہ سرگرداں پھرتا ہے۔ نواب نے خواہ مخواہ منجموں کو زحمت دی۔ اسے چاہیئے تھا کہ کمپنی کے کسی افسر سے اپنے بیٹے کا مستقبل معلوم کرلیتا۔ بچے کا نام وزیر علی رکھا گیا۔ نواب آصف الدولہ کا بھائی سعادت علی چونکہ نوابی کا امیدوار تھا اس لئے اس نے اس بچے کی پیدائش کو اپنی موت خیال کیا۔ وزیر علی کو حرامی بچہ مشہور کرنے میں سعادت علی کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اس قسم کی حکایتیں جب گورنر جنرل کے کانوں تک پہنچی تو اس نے نواب آصف الدولہ سے اس کے وارث کے متعلق دریافت کیا۔ نواب نے وزیر علی کو اپنا وارث قرار دیا۔ ۱۷۹۷ء میں نواب وزیر علی کو آصف الدولہ کی موت پر وزیر علی مملکت اودھ کو انگریزی اثر و رسوخ سے پاک کرنا چاہتا تھا اس لئے سرجان شور سعادت علی کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔ پانچ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد وزیر علی کو معزول کردیا گیا۔ اس قلیل مدت میں اس کے فوجوں کی تربیت اور تنظیم کی طرف خاص توجہ کی تھی۔ معزول ہونے کے بعد وزیر علی کو بنارس پہنچا دیا گیا۔ تین لاکھ روپیہ سالانہ وزیر علی کا وظیفہ مقرر ہوا۔ وزیر علی کو بنارس میں چند ماہ ہی گزرے تھے کہ گورنر جنرل نے اسے کلکتے میں طلب کیا۔ وزیر علی کمپنی کے وکیل مقیم بنارس کے پاس گیا اور شکایت کی کہ گورنر جنرل اسے کلکتے میں کیوں طلب کرتا ہے؟ وکیل نے ایک اسیر کی شکایت کی پروانہ کی اور جلاوطن نواب کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آیا۔ وزیر علی اس توہین کو برداشت نہ کرسکا' اس نے خنجر سے وکیل کا کام تمام کردیا۔ اس واقعہ سے شہر میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ وزیراعلی اپنے جاں نثاروں سمیت اعظم گڑھ کی طرف روانہ ہوا۔ اعظم گڑھ کے حکمران نے وزیر اعلی کو گھاگھرا تک پہنچا دیا۔ اب یہ کاروان گورکھ پور کے جنگلوں میں پناہ گزیں ہوا۔ وزیراعلی چاہتا تھا کہ نیپال پہنچ جائے لیکن انگریزی اور سعادتی فوجوں نے اس کا بڑی سختی سے پیچھا کر رکھا تھا۔ ان جنگلوں میں بارہا وزیراعلی کے ساتھیوں نے دشمنوں کو شکستیں دیں۔ وزیراعلی نے کئی سال ان جنگلوں میں صرف کردیئے۔ کرنل کالنز کو وزیر علی کی گرفتاری پر مقرر کیا گیا۔ ایک روز کالنز اپنے خیمے کے باہر سیر کر رہا تھا کہ اسے دور سے گرد اٹھتی ہوئی دکھائی دی۔ کالنز نے سپاہیوں کو تیار رہنے کا حکم دیا اور خود اسی سمت نگاہ لگائے رکھی۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ صرف ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑائے اس کی طرف بڑھ

رہا ہے تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس سوار کی نقل و حرکت پر غور کرتے رہیں۔ اتنے میں سوار سپاہیوں کے قریب آکر رک گیا: "مجھے کرنل سے ملنا ہے۔" اس نے کہا۔ "بہت خوب۔" سپاہی چلا اٹھے۔ جب کرنل کو اس واقع سے آگاہ کیا گیا تو اس نے سوار کو طلب کیا۔ سوار کرنل سے آنکھیں ملاتے ہی پکار اٹھا: "تنہائی، تنہائی۔" "صاحب! یہاں کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ آپ راز دل کہہ دیں۔ "دیوار ہم گوش دارد! تنہائی۔" کرنل اور سوار باغ میں چلے گئے۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سوار نے کرنل سے کہا۔ "آپ اس مقام پر کیوں خیمہ زن ہیں۔" کمپنی کا حکم ہے کہ وزیر علی کو گرفتار کیا جائے" "لیکن اتنا لاؤ لشکر، کیا معنی؟" "گرفتاری میں مدد دینے کے لئے۔" وزیر علی کی گرفتاری بہت مشکل ہے۔" سوار نے کہا "کیوں؟" کرنل نے پوچھا۔

"وہ ایک بہادر سپاہی ہے۔"

"میں نے بھی یہی سن رکھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟" "چند کارتوس۔"

"کس کے لئے۔"

"وزیر علی کو گرفتار کرنے کے لئے۔"

"یہ لو دس کارتوس۔"

"تشکر۔" مسکراتے ہوئے۔

"آپ کا نام۔"

"وزیر علی۔"

"آپ نے مجھے کارتوس دیے۔ اس لئے آپ کی جان بخشی کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے سوار جنگلوں کی طرف چل نکلا۔

"ایک بہادر سپاہی۔" کرنل نے دبی زبان سے کہا۔

اس واقعہ کے بعد کرنل نے انتہائی کوشش کی کہ وزیر علی کو گرفتار کرسکے لیکن اسے اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کرنل نے راجا جے نگر کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اسے وزیر علی کی گرفتاری پر مامور کیا۔ راجا نے وزیر علی کو اپنے محلات میں زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ متواتر مصائب نے وزیر علی کو آرام کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا۔ جب وزیر علی جے نگر کے محل میں پہنچے تو

اس نے کرنل کی فوجوں کو اطلاع دے کر وزیر علی کو گرفتار کرادیا۔ وزیر علی کا تمام مال و اسباب ضبط کرلیا گیا۔ وزیر علی کو کلکتہ کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔ کسی ہندوستانی کو وزیر علی سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے اپنے الفاظ میں:

جوں سبزہ رندے اگتے ہی پیروں کے تلے ہم
اس گردش افلاک سے پھولے نہ پھلے ہم
ارماں بہت رکھتے تھے ہم دل کے چمن میں
بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سائے کے تلے ہم
ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے
نرگس کے نہالوں میں تھے آصف کے پلے ہم
زندان مصیبت میں بھلا کس کو بلائیں
رہتے ہیں وزیر ہی سے دن رات ملے ہم"

سرجان شور نے نواب سعادت کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس نے اودھ کی سیاسی آزادی کو ختم کردیا۔ نواب اودھ کی حفاظت کو کمپنی کی فوجوں کے حوالے کرتے ہوئے کمپنی کو ۷۶ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنا منظور کرلیا۔

کارن والس کے طرز عمل نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی افسروں کو غیر آئینی نفع بازی سے محروم کردیا تھا چنانچہ ۱۷۹۵ء میں بنگال آرمی کے انگریزی افسروں نے بغاوت کرکے بنگال کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہا۔ فوجی افسروں کی اس بغاوت سے ڈر کر سرجان شور نے فوجی افسروں کے بہت سے مطالبات مان لئے۔ اس بغاوت پر قابو پانے میں سرجان شور نے جو روش اختیار کی تھی اس کے پیش نظر اسے ۱۷۹۸ء میں انگلستان بلالیا گیا۔

اب انگلستان نے اپنے سیاسی تقاضوں کی بنا پر اور مشرق میں نپولین کے اثر و رسوخ کو روکنے کے لئے لارڈ ویلزلی کو گورنر جنرل مقرر کیا۔

باب ۱۶

انگلستان پر ایک نظر

ملک الزبتھ کی وفات کے بعد انگلستان پر سٹوارٹ خاندان ۱۷۱۴ء تک حکمران رہا۔ اس خاندان کا آغاز جیمز اول سے ہوا اور اس کا خاتمہ ملکہ این پر۔ جیمز اول کے عہد حکومت میں بہت سے انگریز امریکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے وہاں ایک نو آبادی قائم کی۔ یہ نو آبادیاں آہستہ آہستہ بڑھتی گئیں یہاں تک کہ انہوں نے انگلستان سے آزادی حاصل کرلی۔ جیمز اول نے شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں سر تھامس رو کو بھیجا تھا۔ جہانگیر نے انگریزوں کو سورت میں فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی۔ جیمز اول چونکہ میری ملکہ سکاٹ لینڈ کا بیٹا تھا اس لئے کیتھولکوں کو خیال تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا لیکن جیمز اول نے اس کی مدد کی جگہ ان کی مخالفت کی اس پر کیتھولکوں نے جیمز اور اس کی پارلیمنٹ کو بارود سے اڑ دینے کی سازش کی۔ وقت سے پہلے اس سازش کا انکشاف ہو گیا۔ اب جیمز نے کیتھولکوں پر مزید پابندیاں عائد کردیں۔ جیمز مطلق العنان کی حیثیت سے حکومت کرنا چاہتا تھا لیکن پارلیمنٹ اسے ایسا نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس پر بادشاہ اور پارلیمنٹ میں تنازعہ شروع ہوا۔ جیمز اپنی رعایا کو "بادشاہ کے آسمانی ہونے" کا از سر نو درس دینا چاہتا تھا لیکن پارلیمنٹ ازمنہ وسطی کے اس شاہی تصور کو دوبارہ زندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جیمز نے پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔ جیمز اول کے بعد چارلس اول بھی اپنی رعایا سے "بادشاہ کو سایہ خداوندی" تسلیم کرانے میں مصروف ہو گیا۔ اپنے باپ کی مانند چارلس اول بھی پارلیمنٹ کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتا تھا۔ جب اس نے ہسپانیہ اور فرانس کے خلاف اعلان جنگ کیا تو اسے روپیہ حاصل کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے اجلاس کی ضرورت کا احساس ہوا۔ پارلیمنٹ نے روپیہ کی منظوری دینے سے پہلے "عریضہ حقوق" کو منظور کرانا چاہا۔ چارلس نے اس عریضہ کی دفعات کو مان لیا لیکن وقت آنے پر اس نے عریضہ حقوق کے ہر حرف کی خلاف ورزی کی۔ جب پارلیمنٹ

نے چارلس اول کے اختیارات میں مداخلت کی تو اس نے پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔ اب اس نے اپنی مرضی کے مطابق ٹیکس لگانے شروع کئے۔ جب رعایا نے ٹیکس ادا کرنے سے انکار کیا تو اس نے پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کیا۔ اس مرتبہ پارلیمنٹ نے بادشاہ کے اختیارات کو ختم کردیا۔ اس پر چارلس اول اور پارلیمنٹ میں ایک طویل لڑائی شروع ہوئی۔ پارلیمنٹری پارٹی کی فوج کے جنرل کرامویل نے شاہی فوجوں کو شکست دی۔ چارلس اول کو گرفتار کرلیا گیا۔ رمپ نے اسے موت کی سزا دی۔

اب انگلستان میں جمہوریت قائم ہوئی۔ اس جمہوریت کا آمر کرامویل تھا۔ کرامویل نے کیتھولکوں کو شدید سزائیں دیں۔ کرامویل نے انگریزی بیڑے کو ترقی دینے کے لئے ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے انگلستان کی بندرگاہوں میں دوسرے ملکوں کا مال صرف انگریزی جہازوں یا برآمد کرنے والے ملک کے جہازوں میں لایا جاسکتا تھا اس قانون کے بیشتر انگریز تاجر ہالینڈ کے جہازوں کو کرایہ پر لیتے تھے لیکن اب وہ ایسا نہیں کرسکتے تھے لہٰذا ہالینڈ اور انگلستان میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ہالینڈ کو شکست ہوئی۔ کرامویل نے فرانس سے تعاون کرکے ہسپانیہ کو شکست دی۔ اس کی موت کے بعد پارلیمنٹ نے چارلس دوم کو ہالینڈ سے بلوا کر اسے انگلستان کے تخت پر بٹھادیا۔ چارلس دوم نے کرامویل کی نعش قبر سے نکلوا کر اسے صلیب پر لٹکادیا۔ چارلس دوم نے پارلیمنٹ کو بحال کیا۔ چارلس دوم کے عہد حکومت میں طاعون سے لاکھوں انسان مارے گئے۔ طاعون کے رفع ہوجانے کے بعد لندن کے ایک میلے میں آگ لگ گئی۔ لکڑی کے مکانوں نے آہستہ آہستہ آگ پکڑلی یہاں تک کہ لندن کا تیسرا حصہ جل کر راکھ ہوگیا۔ اس آتش زدگی کے بعد لندن میں نیا فن تعمیر رائج ہوا۔ چارلس دوم کے عہد میں ایوان عام میں وھگ اور ٹوری کے نام سے دو سیاسی پارٹیاں بن گئیں۔ چارلس کی ماں چونکہ فرانسیسی تھی اس لئے وہ فرانس کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس نے فرانس کے بادشاہ کے ساتھ سازش بھی کی۔ اس نے پرتگال کی شہزادی سے شادی کی۔ بمبئی کا جزیرہ اسے جہیز میں ملا۔ اس نے یہ جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دے دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی جیمز دوم تخت نشین ہوا۔ وہ پروٹسٹنٹوں کا دشمن تھا۔ اس نے کیتھولکوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اس پر پروٹسٹنٹ بگڑ گئے۔ انہوں نے آرنج کے شہزادہ ولیم کو بلا

بھیجا۔ جیمز مایوس ہو کر فرانس بھاگ گیا۔ جیمز دوم کی تخت سے علیحدگی نے پارلیمنٹ کو بہت مضبوط کر دیا تھا۔ اب بادشاہ کے لئے پارلیمنٹ کی مرضی کے خلاف کوئی قانون منظور کرانا دشوار ہو گیا۔ ولیم سوم نے "اعلان حقوق" کو بھی تسلیم کر لیا۔ اس اعلان کے ذریعے انگلستان کے بادشاہ کا پروٹسٹنٹ ہونا ضروری ہو گیا۔ نیز وہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں لگا سکتا تھا۔ اسی عہد میں پریس پر سے پابندیاں اٹھالی گئیں۔ بنک آف انگلینڈ بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔ پارٹی سسٹم پر حکومت کی تشکیل کا آغاز بھی اسی عہد میں ہوا۔ ۱۷۰۷ء میں انگلستان اور سکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹیں متحد ہو گئیں۔ دونوں ملکوں کے نشانوں کو ملا کر "یونین جیک" بنایا گیا۔ ملکہ این کی وفات کے بعد ۱۷۱۴ء میں انگلستان میں ہینور خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔

اس خاندان کا پہلا بادشاہ جارج اول انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا تھا۔ وہ وزارت کے اجلاس میں بھی شریک نہیں ہوتا تھا۔ اس نے وزیراعظم کو کابینہ میں اپنا نمائندہ بنا دیا۔ پارٹی سسٹم کے بعد انگلستان کا سب سے پہلا وزیراعظم رابرٹ والپول تھا۔ اس کے عہد میں انگلستان نے تجارت سے بہت روپیہ کمایا۔ اس روپے کو تجارتی کمپنیوں پر صرف کیا گیا۔ لیکن بہت سی تجارتی کمپنیوں کے دیوالیہ ہو جانے سے ملک کو بہت مالی نقصان پہنچا۔ والپول نے ان دیوالیہ کمپنیوں سے حصہ داروں کو ایک تہائی رقم دلائی۔ اس نے ایوان عام کے اختیارات میں اضافہ کیا۔ وہ پولینڈ کی جنگ تخت نشینی سے الگ رہا لیکن وہ ہسپانیہ کے خلاف لڑا جس میں انگریزوں کو شکست ہوئی۔ انگلستان اور ہسپانیہ ابھی لڑ رہے تھے کہ آسٹریا کی جنگ تخت نشینی شروع ہو گئی۔ جنگ ہفت سالہ کو معاہدہ پیرس نے ختم کر دیا۔ جنگ ہفت سالہ کے دوران میں ولیم پٹ انگلستان کا وزیراعظم تھا۔ جارج سوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۷۶۰ء میں بائیس سال کی عمر میں جارج سوم تخت نشین ہوا۔ اس نے وہگ پارٹی کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے ٹوریوں سے سازباز کی۔ انتخابات میں ٹوری ممبروں کی اکثریت ہونے پر لارڈ نارتھ کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

لارڈ نارتھ ۱۷۷۰ء سے ۱۷۸۲ء تک انگلستان کا وزیراعظم رہا۔ جارج سوم

(۱۷۶۰ء۔ ۱۸۲۰ء) کے عہد حکومت میں امریکہ کی انگریزی نو آبادیوں نے آزادی حاصل کی۔ ۱۷۸۳ء میں انگلستان نے امریکہ کی آزادی کو تسلیم کرلیا۔ امریکہ کی جنگ آزادی ختم ہونے سے پہلے ہی لارڈ نارتھ مستعفی ہوچکا تھا۔ جارج سوم نے بہت سی مشکلات کاسامنا کرنے کے بعد ۱۷۸۳ء میں ولیم پٹ (کوچک) کو وزیراعظم مقرر کیا۔ پٹ کی عمر اس وقت چوبیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ اگرچہ اپنے باپ کی طرح بہت ذہین نہیں تھا لیکن اپنے باپ کی نسبت دوسروں کے ساتھ مل کر بہتر کام کرنا جانتا تھا۔ وہ ۱۷۸۳ء سے ۱۸۰۱ء تک انگلستان کا وزیراعظم رہا۔ پٹ کوچک کا سب سے بڑا حریف فاکس تھا۔ پٹ کی وزارت میں انگلستان کسانوں اور سوداگروں کے ملک کی جگہ ایک صنعتی ملک بن گیا۔ نئی سڑکیں بنوائی گئیں اور کئی ایک نئی نہریں کھودی گئیں۔ کوئلے اور لوہے کی کانوں کے آس پاس بہت سے نئے شہر آباد ہونے لگے۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس میں انقلاب ہوگیا۔ چار سال بعد انگلستان نے فرانس سے لڑائی شروع کردی۔ یہ لڑائی تقریباً" بیس سال تک جاری رہی۔ نپولین نے انگلستان پر سمندری حملہ کرنا چاہا لیکن نیلسن نے ۱۸۰۵ء میں ہسپانیہ کے جنوب مغربی ساحلوں کے قریب فرانسیسی بیڑے کو شکست دی۔ فرانسیسی بیڑے کی اس شکست کے بعد انگلستان کی سمندری قوت بڑھنے لگی۔ جب جارج سوم نے آئرلینڈ کے کیتھولک عیسائیوں کو شہری حقوق دینے سے انکار کردیا تو ولیم پٹ وزارت سے مستعفی ہوگیا۔ لیکن تین سال بعد جارج سوم نے ولیم پٹ کو پھر وزیراعظم مقرر کردیا تاکہ وہ فرانس کے خلاف لڑائی جاری رکھ سکے۔ ۱۸۰۶ء میں پٹ کی موت کے بعد فاکس کو انگلستان کا وزیراعظم مقرر کیاگیا۔ فاکس نے نپولین کے خلاف لڑائی کو جاری رکھا۔ فاکس کی موت کے بعد انگلستان کی وزارت ٹوریوں کے قبضے میں چلی گئی۔

نپولین بوناپاٹ ایک بہت بڑی مشرقی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مصر کی مہم کے دوران میں ٹیپو سلطان اور مرہٹہ سرداروں سے خط و کتابت کے ذریعے میل جول قائم کیا۔ جب نپولین قاہرہ سے ٹیپو سلطان کے نام خط لکھ رہا تھا تو اس وقت ہندوستان کے انگریزی مقبوضات کاگورنر جنرل لارڈ ویلزلی' ٹیپو سلطان اور مرہٹوں سے لڑنے کی تیاریاں کررہا تھا۔

باب ۱۷

لارڈ ویلزلی
(۱۷۹۸ء۔۔۱۸۰۵ء)

سرجان شور کی واپسی پر انگلستان کے وزیر اعظم پٹ کی نگاہ انتخاب کارنوالس پر پڑی۔ کارنوالس نے بھی ہندوستان کا گورنر جنرل ہونا قبول کیا۔ وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا چاہتا تھا کہ آئرستان کے معاملات نے مجبور کردیا کہ پٹ کسی اور کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنائے۔ چنانچہ لارڈ ویلزلی کو ہندوستان بھیجا گیا۔ عازم ہند ہونے سے پہلے وہ ایک ہفتہ وزیراعظم کے ہاں مہمان رہا۔ کلکتہ جاتے ہوئے ویلزلی اپریل ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچا۔ اسی دن ٹیپو کے سفیر ماریشس سے منگلور پہنچے۔ ویلزلی دربار میسور میں فرانسیسی اثر و رسوخ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ مدراس سے کلکتہ تک وہ ٹیپو کو شکست دینے کی تجویزیں تراشتا رہا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ٹیپو سے جنگ آزما ہونے کے لئے تنہا کمپنی کی فوجیں ناکافی ہیں۔ ویلزلی نظام کو اپنے ساتھ شریک کئے بغیر ٹیپو سے جنگ نہیں کرسکتا تھا۔ یکم نومبر ۱۷۹۸ء کو جو عہدنامہ نظام اور ویلزلی میں ہوا اس نے نظام کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ اس عہدنامے کی رو سے نظام کو تمام فرانسیسی افسر جو اس کی سپاہ کو منظم کررہے تھے نکال دینے پڑے۔ بسی ڈیری سسٹم کا سب سے پہلا شکار نظام دکن کو ہونا پڑا۔ یہ سسٹم ہندوستان کی آزاد ریاستوں کو فنا کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا۔ اس سسٹم کی رو سے سسٹم قبول کرنے والی ریاستوں کو انگریزی فوجوں کے اخراجات کے لئے اپنی اپنی ریاست کا کچھ حصہ کمپنی کے سپرد کرنا تھا۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاست کو امدادی فوج اپنی حدود ریاست میں رکھنی تھی۔ سسٹم قبول کرنے والوں میں اگر کوئی فساد رونما ہو تو کمپنی ثالث کے فرائض سرانجام دے گی۔ نیز اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

سسٹم قبول کرنے والی ریاست غیر برطانی افسروں کو ملازم نہیں رکھ سکتی۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاست کی مدد کمپنی کے ذمہ ہوگی!

میسور ایک آزاد ریاست تھی۔ ویلزلی میسور کے حکمران کو سسٹم میں شریک ہونے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ ویلزلی کی یہ خواہش کہ دربار میں کوئی فرانسیسی نظر نہ آئے ایک مضحکہ خیز مطالبہ تھا۔ چونکہ ویلزلی جانتا تھا کہ ٹیپو اس کے بنائے ہوئے قرطاس کی تصدیق نہیں کرے گا اس لئے اس کے انکار کو بنائے مخاصمت قرار دے کر اس کے خلاف اعلان جنگ ہوسکے گا۔

۸۔ نومبر ۱۷۹۸ء کو ویلزلی نے ٹیپو کو ایک اہانت آمیز مکتوب لکھا۔ اس مکتوب کے جواب کے انتظار کے بغیر ویلزلی نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا کہ وہ میسور پر ٹوٹ پڑنے کے لئے ہر لحہ تیار رہیں۔ ویلزلی میدان جنگ سے قریب تر ہونے کے لئے ۳۱۔ دسمبر ۱۷۹۸ء کو مدراس پہنچا۔ اسی مقام پر ویلزلی کو ٹیپو کی طرف سے اس خط کا جواب ملا۔ ۹۔ جنوری ۱۷۹۸ء کو ویلزلی نے ایک طویل خط ٹیپو کو لکھا اور ساتھ ہی اس امر کا مطالبہ کیا کہ خط کا جواب ایک دن کے اندر اندر آنا چاہئے۔ اس خط نے ٹیپو کے سینے میں آگ لگادی۔ اس نے انگریزوں سے لڑنے کا ارادہ کرلیا۔ ٹیپو نے وقت مقررہ کے اندر ویلزلی کے خط کا جواب نہ دیا۔ ویلزلی نے اپنی فوجوں کو "مملکت خداداد" میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔ جنرل ہیرس برطانی فوج کا کمان دار اعلی تھا۔

ویلزلی نے ایک ایسی جماعت میسور میں بھیجی جو جابجا ٹیپو کے خلاف عوام کو ابھارتی۔ توپ و تفنگ اور گولہ بارود ناکافی تھے کیا؟

جنرل ہیرس' جنرل سٹوارٹ اور آرتھر ویلزلی کی کمان میں مختلف سمتوں سے ٹیپو کے خلاف لڑنے کے لئے فوجیں بھیجی گئیں۔ ٹیپو نے انتہائی کوشش کی کہ ان فوجوں کو آپس میں ملنے نہ دے لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ٹیپو نے صلح کی تجویز پیش کی لیکن انگریزوں نے ایسی ذلت آمیز شرائط پیش کیں جنہیں سلطان قبول نہیں کرسکتا تھا۔ اب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا۔ انگریزی توپ خانے کی شدید گولہ باری نے قلعہ میں شگاف کردئے۔ سلطان مردانہ وار دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب قلعہ فتح ہوگیا تو انگریزی فوجیں سلطان کو گرفتار کرنے کے لئے قلعہ میں داخل

ہوئیں۔

کشتگان ویلزلی کے ایک ڈھیر میں ایک متبسم نعش دکھائی دی۔ یہ تھا دکن کا شیر!

شہزادہ ٹیپو دن رات مطالعہ میں مصروف رہتا۔ جب حیدر علی کو اس کا علم ہوا تو وہ ایک دن شہزادے کے دارالمطالعہ میں داخل ہوا۔ شہزادہ اس انہماک سے کتاب پڑھنے میں مصروف تھا کہ اسے اپنے باپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ اگر حیدر علی اپنے فرزند کے شوق مطالعہ سے مرعوب ہو کر واپس چلاجاتا تو آج سلطان ایک ادیب اور مفکر کی حیثیت سے زندہ ہوتا۔ اس کی کتابیں ہر تعلیم یافتہ شخص کی الماری کی زینت کو بڑھاتیں لیکن حیدر علی کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا بیٹا دن رات مطالعہ میں مصروف رہنے کے بعد ہسپانیہ کے ایک اموی خلیفہ کی طرح علم و ادب میں نام پیدا کرے۔ چنانچہ اس نے شہزادے کے مطالعہ میں مداخلت کی۔ منہمک ٹیپو' نوجوان عالم' آداب بجالایا۔

"جان پدر! سلطنت کے لئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔" باپ کے اس جملے نے بیٹے کی زندگی بدل دی۔ ٹیپو اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا۔ باپ ایسی جرأت اور شجاعت پیدا کی۔ میدانِ جنگ میں شہید ہوا۔ حیدر علی کے ان الفاظ نے خدا معلوم شہزادے پر کس قدر اثر کیا ہوگا۔ اکیس سال کی عمر میں ٹیپو مرہٹوں کے مشہور اور قابل جنرل ترک راؤ کا میدان جنگ میں مقابلہ کرتا ہے۔ جنرل بیلی کو شکست دینے میں ٹیپو کا بہت بڑا حصہ تھا۔ میسور کی چاروں جنگوں میں ٹیپو سلطان نے حصہ لیا۔ میسور کی چوتھی جنگ میں سرنگاپٹم کی حفاظت کرتے ہوئے سلطان' شہید ہوا۔

سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی پالیگاروں کا خاتمہ کردیا۔ زمین کو کسانوں کی ملکیت قرار دیا۔ زمین پر کسانوں کا دوامی قبضہ تسلیم کرلیا گیا۔ زمین صرف اس کی تھی جو ہل چلائے۔ ٹیپو نے احکام جاری کردیئے تھے کہ جو شخص زمین کے لیے درخواست کرے اس کی ضرورت کے مطابق مفت زمین دی جائے گی۔

ٹیپو نے لاکھوں انسانوں کو خوش کیا۔ ان کے جائز حقوق انہیں عطا کیے۔ لیکن پالیگار اس کے دشمن ہوگئے۔ کیا چند پالیگاروں کی ناجائز شکایات کی بنا پر ٹیپو کو ظالم و

جابر کہہ سکتے ہیں؟ وہ کسانوں کا دوست تھا۔ اس نے کسانوں کو خوشحال کردیا۔ جاگیرداری ختم کرنے کے بعد "سلطنت خداداد" کی جو حالت تھی اسے ایک انگریز کی زبان سے سنئے: "ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ اس کے جبر و استبداد کی وجہ سے اس کی ساری رعایا اس سے بیزار ہے لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے نئے شہر آباد ہو رہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں اپنے بادشاہ کی محبت ہے۔ فوج کی تنظیم اور جدید آلات حرب و ضرب کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ میسوری فوج یورپ کے مہذب سے مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے۔"

ایک اور برطانی مورخ لکھتا ہے: "جب انگریزی فوجیں ٹیپو کی سلطنت میں داخل ہوئیں تو تمام رعایا کو خوشحال دیکھا گیا۔ ملک سرسبز اور زراعت بہتر۔ رعایا سلطان کے نام پر فدا ہے۔ جب انگریزی فوج سرنگاپٹم میں داخل ہوئی تو اہل شہر نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے رکھ دی تاکہ وہ سلطنت خداداد کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو ہر دل عزیز تھا۔"

میسور اور انگریزی علاقوں کی رعایا کی خوش حالی کا مقابلہ برٹش پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے مندرجہ ذیل الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے:

"میسور ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز علاقہ ہے۔ یہاں ٹیپو کی حکمرانی ہے۔ میسور کے باشندے ہندوستان میں سب سے زیادہ خوشحال ہیں۔ اس کے برعکس انگریزی مقبوضات صفحہ عالم پر ایک بدنما دھبوں کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں کی رعایا قانونی شکنجوں میں جکڑی ہوئی پریشان حال ہے۔"

ٹیپو سلطان نے پولیس کو اس طرح منظم کیا تھا کہ اسے اس امر سے آگاہی رہے کہ اس کا فرض خدمت خلق ہے نہ کہ عوام پر جبر کرنا۔ سرحدوں پر غیر ملکی جاسوسوں کی نقل و حرکت دیکھنے کے لئے خفیہ پولیس بنائی گئی۔ جس مقام پر چوری ہوجاتی وہاں کے پولیس افسر کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا۔ اگر مجرم گرفتار نہ ہوسکتا تو پولیس کے افسروں کی تنخواہ سے اس نقصان کی تلافی کی جاتی۔ ان مقامات پر جہاں

ڈاکوؤں کے حملے کا خطرہ رہتا تھا وہاں کے رہنے والوں کو آتشیں اسلحہ رکھنے کی عام اجازت دی جاتی۔ ٹیپو سلطان کی پولیس کے لئے ماہانہ تنخواہ مقرر تھی۔ عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ ہر شہر میں قاضی اور ہر گاؤں میں پنچائیت مقدموں کا فیصلہ کرتی۔ اگر فریقین میں سے کسی ایک کو ابتدائی عدالتوں کے فیصلے پر شک ہوتا تو مقدمہ صدر عدالت (ہائی کورٹ) میں دائر کیا جاتا۔ سلطان نے افسران ضلع کے نام حکم جاری کر رکھا تھا کہ وہ ہر سال سرنگاپٹم میں جمع ہو کر انتظامی امور کے متعلق مشورہ کیا کریں۔ "سلطنت خداداد" میں "ڈاک کا انتظام بہت اعلیٰ تھا۔

ٹیپو سلطان کی شخصیت اس لئے ہندوستان میں بہت بلند ہے کہ وہ پہلا حکمران ہے جس نے انقلاب پسندوں کے احتجاج کے بغیر "سلطنت خداداد" میں "مجلس وطنی" کا قیام عمل میں لایا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کے تمام شعبوں کو رعایا کے سپرد کرتے ہوئے ٹیپو کی حیثیت محض ایک آئینی تاج دار کی رہ جائے۔ اس مجلس کو اس لئے ناکام ہونا پڑا کہ یہ مروجہ سیاسی تخیل سے بالکل جدا چیز تھی۔

سلطان کی بری اور بحری فوجوں کا انتظام قابل داد تھا۔ فوج کے محکمے میں گیارہ بڑے بڑے شعبے تھے۔ سلطنت کے کل رقبہ کو بائیس فوجی اضلاع میں منقسم کیا گیا تھا۔ ٹیپو نے اپنی بحری قوت کی طرف بہت زیادہ توجہ کی کیوں کہ سلطان جانتا تھا کہ صرف بحری قوت کے استحکام کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف حصوں پر انگریزوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ سلطان ایک ایسا جنگی بیڑہ بنانے کی فکر میں تھا جو دکن کے ساحل کی پوری طرح سے حفاظت کرسکے۔ ہندوستان کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے سلطان چاہتا تھا کہ بصرہ' بوشہر' عمان اور عدن میں ہند، تانی جہازوں کے بحری اسٹیشن بنائے جائیں۔ سلطان نے تجارت کو فروغ دینے کے لئے بہت جدوجہد کی اس کی کوششوں سے "سلطنت خداداد" میں تجارت' صنعت اور حرفت نے بہت زیادہ ترقی کی۔ ٹیپو نے جہاں جاگیرداری کو ختم کیا تھا وہاں اس کی جانشیں سرمایہ داری کے عیوب سے بھی خوب آگاہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے جو بنک جاری کئے تھے ان میں چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ منافع دیا جاتا تھا۔ "تمام سلطنت میں رعایا' تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت کے لئے بنک جاری تھے۔ ان میں مخصوص بات یہ تھی کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائیدہ پہنچایا جاتا تھا۔ چنانچہ

پانچ سو روپیہ جمع کرنے والوں کو پچاس فی صد سالانہ نفع اور پانچ سو سے پچاس ہزار تک پچیس فیصد سالانہ نفع اور اور پانچ ہزار سے زیادہ رقم جمع کرانے والوں کو بارہ فی صد نفع ملتا تھا۔ ان بینکوں کے ماتحت سرکاری دکانیں ہوتی تھیں جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کے پاس فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع حاصل ہوتا تھا اسے بنکوں کے ذریعے حصہ داروں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

کسی ملک کی آزادی کا اندازہ اس کی خارجہ پالیسی سے لگایا جاسکتا ہے۔ آزاد حکومتوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جن غیر ملکوں سے چاہیں اپنے تعلقات بڑھائیں اور گھٹائیں۔ ٹیپو سلطان ایک آزاد تاج دار تھا۔ اسے اپنی خارجہ پالیسی پر پورا قابو تھا۔ سلطان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس نے غیر ملکی طاقتوں سے دوستانہ روابط پیدا کرنے میں غلطی کی ایک بہت بڑی حماقت ہے۔ سلطان کی ساری زندگی اس امر میں صرف ہوئی کہ کمپنی کے خلاف ایک محاذ قائم کیا جائے لیکن حیدر آباد اور پونا نے اسے ہمیشہ مایوس کیا۔ جب اسے اس امر کا یقین ہوگیا کہ نظام اور مرہٹے کمپنی کی چالوں کو نہیں سمجھتے تو اس نے اندرونی معاملات سے مایوس ہوکر بیرونی پالیسی کی طرف توجہ کی۔ سلطان کو اس امر کا یقین تھا کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ کو مشرق قریب کے اسلامی ملکوں پر ایک نہ ایک دن قابض ہونا پڑے گا۔ کمپنی چونکہ ٹیپو سلطان کی دشمن تھی اس لئے دشمن کو ختم کرنے کے لئے اس نے ابتدا میں شاہ فرانس اور بعد میں نپولین سے خط و کتابت کی۔ ٹیپو ایک آزاد تاج دار تھا۔ اسے غیر ملکی تاج داروں یا حکومتوں سے خط خط و کتابت اور معاہدوں کی پوری آزادی تھی۔ ٹیپو نے سلطان ترکی کی خدمت میں جو سفارت بھیجی تھی اس میں جن امور کے لئے دوستانہ انداز میں درخواست کی گئی تھی ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) بصرہ کی بندرگاہ خداداد کی حکومت کو اجارہ پر دی جائے اور اس کے معاوضہ میں سلطان ترکی کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو وہ اسے اجارہ پر دی جاسکتی ہے۔

(۲) سلطان ٹیپو ترکی کی مدد کے لئے جس قدر فوج روانہ کرے گا اس کے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کرے گی۔

(۴) سلطان ترکی چند اسلحہ سازوں کو سلطنت خداداد کے کارخانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دے۔

میسور اقوام مشرق کو بے دار کرنے کی فکر میں تھا لیکن مشرق سو رہا تھا۔ ٹیپو نے چاہا کہ تجارت و صنعت کے فروغ سے مشرق کو مغرب کی استبدادی تجارت سے بچائے لیکن شاہان مشرق ٹیپو کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اسی زمانے میں برطانیہ نے باب عالی میں رسوخ حاصل کرلیا تھا۔ ٹیپو کی اسکیم کا ناکام رہنا یقینی تھا۔ کئی ماہ تک سفارت کے ارکان کو انتظار کرنا پڑا۔ آخر سفارت کو باریابی کی اجازت مل گئی۔ ٹیپو کے سفیر نے جب سلطان کو حالات سے آگاہ کیا تو اس "مرد بیمار" نے "شیر میسور" کی اسکیم کا مضحکہ اڑایا۔ برطانیہ کی حکمت عملی نے سلطان ترکی کو ٹیپو سلطان سے علیحدہ کردیا۔ سلطان ترکی نے نہ صرف سفارت کی اسکیم کو رد کیا بلکہ ایک ٹیپو سلطان کے نام ایک طویل مکتوب لکھا جس میں فرانسیسیوں کے خلاف گالیوں کی بوچھاڑ تھی اور اس کے برعکس ٹیپو کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ فرانس سے اپنے تعلقات منقطع کرنے کے بعد برطانیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے!

عثمانیوں سے مایوس ہونے کے بعد ٹیپو نے ایران میں سفارت بھیجی۔ ابتدا میں اس سفارت کو بہت زیادہ کامیابی ہوئی لیکن ویلزلی نے تہران اور سرنگاپٹم کو متحد نہ ہونے دیا۔ ویلزلی کا بھیجا ہوا جاسوس دربار ایران کی توجہ افغانستان کی طرف مبذول کراچکا تھا۔ ایران سے مایوس ہونے کے بعد ٹیپو نے زمان شاہ والی افغانستان کی خدمت میں سفارت بھیجی۔ زمان شاہ نے نہ صرف ٹیپو کا خیرمقدم کیا بلکہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے اپنی فوجوں سمیت عازم ہند ہوا۔ اسی موقع پر ویلزلی نے سکھوں کو اکسایا تھا کہ وہ شاہ زمان سے جنگ کریں لیکن سکھ ویلزلی کی چالوں میں نہ آئے لیکن شاہ ایران ویلزلی کی چالوں کو نہ سمجھ سکا۔ زمان شاہ ہنوز' سرحد ہندوستان پر قدم نہ رکھنے پایا تھا کہ شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کردیا۔ شاہ زمان واپس ہوا۔

ابھی معاہدہ منگلور (۱۷۸۴ء) کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ نظام اور پیشوا نے متحد ہوکر سلطان خداداد پر حملہ کردیا۔ نظام اور پیشوا کے عدم تدبر پر سلطان حیران تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ نظام اور پیشوا' کمپنی سے مل کر سلطنت خداداد

کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اپنی حفاظت کے لئے جہاں اس نے اور ذرائع اختیار کئے وہاں اس نے فرانس سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے شاہ لوئی کے دربار میں ایک سفارت بھیجی۔ اس سفارت کے ذریعے سلطان نے نہائت معقول اور مناسب شرطوں پر شاہ لوئی سے ایک معاہدہ کرنا چاہا لیکن شاہ لوئی اس وقت اپنی فوجوں کو جنوبی ہندوستان میں کیونکر بھیج سکتا تھا جب کہ پیرس نے ایک ایسے خیمے کی صورت اختیار کرلی تھی جس کے ایک دروازے پر آزادی اور دوسرے پر انقلاب لکھا جارہا تھا۔ شاہ لوئی اپنی مشکلات کی بنا پر ٹیپو کو فوج مدد نہ دے سکا البتہ اس نے ٹیپو سے دوستانہ تعلقات قائم کرلئے۔ ٹیپو نے چند سال بعد جمہوریت فرانس کی طرف ایک سفارت بھیجی۔ جب سفیروں کا جہاز پورٹ لوئی ماریشس میں لنگر انداز ہوا تو جزیرے کے ساتھ فرانسیسی حاکم اعلیٰ نے سلطان کے سفیروں کا نہ صرف استقبال کیا بلکہ ایک اعلان کے ذریعے عوام کو ٹیپو سلطان کی مدد پر آمادہ کیا۔ فرانسیسی حاکم اعلیٰ جنرل ملارتی نے سلطان کے خطوط کو پیرس بھیج دیا لیکن برطانوی جاسوسوں نے اس نقل و حرکت سے برطانیہ کو آگاہ کردیا۔ چنانچہ راستہ میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کردیا۔ جہاز تباہ و برباد ہو گیا۔ سلطان کے خطوط بھی ضائع ہو گئے۔ اس حادثہ کے بعد بھی سلطان نے ہمت نہ ہاری بلکہ ایک اور سفارت روانہ کی۔ فرانس کی نظارت نے اس سفارت کا شاندار استقبال کیا۔ اس سفارت کے جواب میں نپولین نے قاہرہ سے سلطان کو مندرجہ ذیل مکتوب روانہ کیا:

"میرے عظیم الشان سلطان! عزیز ترین دوست ٹیپو سلطان! غالباً آپ کو یہ اطلاع پہنچ چکی ہوگی کہ ہماری فوج نے ان دنوں بحیرہ قلزم کے ساحل پر ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میری اور میری فوج کی دلی تمنا ہے کہ آپ کو برطانیہ کے پنجہ سے رہائی دلا سکوں۔ پیشتر اس سے کہ میں آپ تک پہنچوں آپ کے ملک کی سیاسی حالت کا مطالعہ نہائت ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنی ایک قابل اعتماد عہدہ دار کو میری پاس بھیج دیں تاکہ پوری معلومات حاصل کر سکوں۔"

ٹیپو نے سلطان ترکی کو ایک مکتوب بھیجا اور اس مکتوب کی ایک ایک نقل شاہ

ایران اور شاہ افغانستان کو بھیج دی گئی۔ ان دنوں شاہ زمان درانی افغانستان کا بادشاہ تھا۔ جب شاہ زمان کو ٹیپو کا مکتوب ملا تو اس کے وزیر ملا عبدالغفار خان نے منشی رام سہائے کے ذریعے دہلی میں ٹیپو کے وکیل مول چند کو مکتوب دکن کا جواب پہنچا دیا۔ مول چند نے شاہ زمان کا جواب دربار میسور میں بھجوادیا۔ کابل اور سرنگاپٹم کے سیاسی روابط کی یہ ابتدا تھی۔ سلطان کے سفیر میر محمد رضا شاہ اور میر حبیب اللہ منگلور سے جہاز پر سوار ہوکر کراچی سے کوئٹہ 'چمن اور قندھار ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ سفارت کابل کے حالات ہنوز پردۂ اخفا میں ہیں۔ تاہم اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان چاہتا تھا کہ شاہ عالم کو تخت دہلی سے اتار کر کسی بہادر شہزادے کو تخت نشین کیا جائے۔ جب دہلی کا تخت استوار ہو جائے تو افغان لشکر دکن کی طرف پیش قدمی کرے اور خود سلطان اپنی فوجوں سمیت شمالی ہندوستان کی طرف بڑھے یہاں تک کہ دونوں لشکر "دشمنوں" کا خاتمہ کرتے ہوئے کسی اچھے مقام پر مل جائے۔

شاہ زمان نے سلطان کی تجویز کے مطابق ۱۷۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے سر جان شور کو اپنے حملہ سے آگاہ کردیا نیز شاہ زمان متوقع تھا کہ برطانوی گورنر جنرل شاہ عالم کو مرہٹوں سے علیحدہ کرنے میں اس کی مدد کرے گا۔ جدید گورنر جنرل ویلزلی نے اپنی تمام تر کوشش افغانستان میں فتنہ و فساد برپا کرنے میں صرف کردی تاکہ شاہ زمان خانگی مشکلات میں الجھ کر ہندوستان کا خیال اپنے ذہن سے نکال دے۔ چنانچہ سب سے پہلے ویلزلی نے سکھوں کو شاہ زمان کے خلاف اکسانا شروع کیا لیکن سکھ ویلزلی کے کہنے سننے سے شاہ زمان کے خلاف صف آرا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ویلزلی سکھوں کو شاہ زمان کے خلاف اکسا کر افغانوں کو دہلی پہنچنے سے روکنا چاہتا تھا اور ظاہر ہے سکھوں کی زیادہ قوت اس افغانی مداخلت ہی میں صرف ہوجاتی۔ کمپنی کے اقتدار کے خلاف تمام ہندوستان میں ایک لہر دوڑ اٹھی۔ وزیر علی معزول شاہ اودھ اور نواب بنگال کے نسبتی بھائی شمس الدولہ نے بھی شاہ زمان کو حملے کی دعوت دی۔ مہدی علی خاں کی مدد سے ویلزلی ایران اور افغانستان کی سرحدوں میں شورش پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مہدی علی خاں نے شاہ ایران کو شاہ زماں کے امیدوار تاج و تخت بھائی محمود کی اعانت پر آمادہ کرلیا۔

۱۷۹۸ء میں شاہ زمان کو ہستانوں سے نکل کر میدانوں میں داخل ہوا۔ اس کی

فوج کے سینکڑوں بوڑھے سپاہی پانی پت کی تیسری جنگ میں افغانوں اور مرہٹوں کو خون و آتش سے کھیلتا دیکھ چکے تھے۔ ادھر شاہ زماں لاہور پہنچا ادھر محمود ایران سے نکل کر ہرات پر حملہ آور ہوا شاہ زمان واپس ہوا محمود کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ تاج و تخت کے لئے دونوں بھائی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ محمود کامیاب ہوا۔ شاہ زماں کو اندھا کردیا گیا۔ شاہ زماں کی واپسی نے شاہ عالم وزیر علی اور شمس الدولہ کی امیدوں کو خاک میں ملادیا۔ شاہ زمان کی واپسی نے ویلزلی کو ٹیپو کے خلاف جنگ کرنے کا موقع بہم پہنچادیا۔ ویلزلی اس کی مراجعت پر اظہار مسرت کرتا ہوا بمبئی کے گورنر کو لکھتا ہے: "شاہ زمان کی مراجعت کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا بھائی بلخ کی سرحد پر نمودار ہوا تھا۔ رفتار حوادث سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمود کی نقل و حرکت غالباً" آپ کے وکیل مہدی علی خاں کی کوشش کا نتیجہ ہے.... اگر آپ کو مہدی علی خاں کی لیاقت اور قابلیت کے متعلق پورا اطمینان ہو تو میرے خیال میں دو لاکھ دس ہزار روپے کی رقم اس خدمت کے معاوضہ میں زیادہ نہیں۔"

جنب جنرل بارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہنچائی گئی تو وہ خوشی سے چلا اٹھا:

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔"

سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد امریکی مورخ برڈز اوڈ کلف نے سلطان کے مزار کے قریب بیٹھ کر انگریزی زبان میں جو نوحہ لکھا تھا اس کا اردو ترجمہ روزنامہ "انقلاب" کے ایک سالنامے سے نقل کیا جاتا ہے:

"خون کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن!\
تیرا شعلہ بجھادیا گیا۔\
اور اقتدار شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا!\
تیری مسند جلال کے گرد،\
جھرمٹ تھا،\
بے شمار سچے اور جگردار غازیوں کا\
آفتاب کی شعاعیں،\
جب پہاڑ کی چوٹیوں سے جھانکنے لگیں،

تو آج،

ان غازیوں میں صرف وہی رہ گئے،

جو تیرا ماتم کر رہے ہیں

اللہ! اللہ!

اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل،

ہمارے سروں پر جھکے ہوں،

موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے

جو سرمایہ دار ہو،

سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی

اے آسمان جہاد کے ستارے!

تو غروب ہو گیا

لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں،

جنھیں،

ناموری نہ طوفان پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں

میں غرق فراموش کر دیا۔

جو

مغرور اور سربلند دشمنوں کے سامنے،

خاک مذلت پر سر بسجود ہو گئے،

معافی اور جان بخشی کے لئے۔

نہیں!

تو خاک و خون کے بستر پر سو گیا۔

فروزاں و سوزاں آفتاب کی طرح،

جس کی غضب ناک شعاعیں

اس وقت نمودار ہوں۔

جب اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر،

سطوت کے جان سوز شعلوں کی لپک'
اور خون آشام تلواروں کی زہرہ گداز جھنکار'
فضا میں لبریز ہو رہی تھی'
اور مرنے والے
جلد جلد' توڑ رہے تھے'
آخری دم۔
تو شہنشاہ کی زندگی ٹھکرا کر'
میدان میں کودا'
اور شہید ہو گیا'
ایک سپاہی کی طرح۔
اللہ! اللہ!
اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل'
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں
موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے
جو سرمایہ دار ہو'
سالہاسال کے اندوہ انفعال کی۔"
تیرا بہادر اور قومی باپ'
جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا۔
تجھے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔
اس نے دیکھا
کہ تجھ میں اس کی روح جہاد تڑپ رہی ہے'
یہ دیکھ کر
اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی
اس نے دیکھا کہ
تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے
اور تیری تلوار

دشمن کے لئے سرخرو ہو رہی ہے

اس نے دیکھا کہ

تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے

اور تیرے گل رنگ زخم،

سب کے سب سینے پر ہیں۔

اللہ! اللہ!

اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل،

ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں!

موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے،

جو سرمایہ دار ہو،

سالہاسال کے اندوہ و انفعال کی۔"

"اہل جنت نے،

نخل طوبیٰ کے نیچے،

اپنی زمردیں خلوتوں میں،

شہید کے لئے،

سدا بہار پھولوں کا

ایک شاندار ہار گوندھا۔

اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے،

گوھریں رومال ہلا ہلا کر،

خلد بریں کی شفاف فضاؤں میں،

مجاہدین کے سلطان اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ! اللہ!

اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل،

ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں،

موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے،

جو سرمایہ دار ہو،

سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی۔"

مندرجہ ذیل مرثیہ کنٹر زبان میں لکھا گیا۔ جیمز مل نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا اور "تاریخ سلطنت خداداد" کے مصنف نے اسے اردو کا جامہ پہنایا:

آہ!
ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ،
کس قدر جلد غائب ہو گئی!
آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر!
کتنی تیزی سے پلٹ گئی،
دولت اور طاقت کی بلندی سے،
زوال کی بستی میں۔
اس کے ظفر موج بھریرے،
اوج آسمان سے ٹکراتے تھے۔
اس کے قاہر لشکر،
سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔
آہ! مالک کائنات نے،
اپنے تبسم کریمانہ کی نظریں،
ان کی طرف سے ہٹائیں،
اور وہ سب گزر گئے۔"
"ہمارے سلطان کی بستیاں
دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں،
پہاڑی قلعے،
اپنی سربلندی سے،
چاروں طرف،
ہیبت پھیلا رہے تھے۔
اس کی فوجیں بے شمار تھیں۔
اس کے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کے لئے

بے قرار تھے۔
ایک لمحہ میں سب گزر گئے۔"
"ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے'
زندہ پتھروں اور بڑی بڑی چٹانوں'
میں سے تراشے ہوئے تھے'
انھیں قلعوں میں سے ہوائی بان'
چاروں طرف اپنی روشنی پھیلاتے'
اور توپوں کے دھانے
رعد کی طرح گرجتے'
انھیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے'
بلندی پر چمکتے نظر آتے'
سربلند پھریرے ہوا میں لہراتے'
آہ!
چشم زدن میں سب گزر گئے۔"

ٹیپو سلطان پر فتح پانے کے بعد ویلزلی نے حیدر علی کی اولاد میں سے کسی کو میسور کا حکمران نہیں بنایا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ حیدر علی کے خاندان کا کوئی فرد بھی انگریزوں کا دوست ثابت نہیں ہوگا۔ ویلزلی نے میسور کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کرلیا' نظام کو بھی زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا مل گیا۔ باقی بچے ہوئے علاقے کو راجا میسور کے خاندان کے ایک بچے کے سپرد کردیا گیا۔ نظام کو جو علاقے ملے تھے انھیں نظام نے انگریزوں کی امدادی فوج کے اخراجات کے بدلے میں واپس کردیا۔ ویلزلی نے مرہٹوں کو بھی چند شرطوں کا میسور کا تھوڑا سا علاقہ دینا چاہا لیکن انھوں نے شرطیں ماننے سے انکار کردیا۔

کمپنی نے اپنے اقتدار کی بنیاد کرناٹک ہی میں رکھی۔ لیکن ویلزلی کے زمانے میں کمپنی کی پالیسی تبدیل ہوتے ہی کرناٹک کے حکمرانوں کی اہمیت بھی کم ہوگئی۔ ویلزلی نے کرناٹک پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ۲۴۔ اپریل ۱۷۹۹ء کو ویلزلی نے نواب کرناٹک کو اس کے "جرائم" سے آگاہ کیا۔ ۱۳۔ مئی ۱۷۹۹ء کو نواب نے

مفروضہ جرائم کی تصدیق سے انکار کرتے ہوئے ویلزلی کو جواباً" ایک طویل مکتوب بھیجا۔ لیکن ویلزلی کا یہی فیصلہ تھا کرناٹک پر کمپنی کا قبضہ ہو۔ ہنری ڈنڈس اور گورنر جنرل کی خط و کتابت سے دونوں کے عزائم کا بطریق احسن پتا چلتا ہے لیکن عمدۃ الامراء کی زندگی میں ویلزلی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی اچانک موت کے بعد نواب کے جانشین نے شہری اور فوجی انتظامات کمپنی کے حوالے کردیے۔ جنوبی ہندوستان میں تنجور کی مرہٹہ ریاست کا وجود سترھویں صدی کے نصف سے پایا جاتا ہے۔ ۱۶۷۵ء میں ونکوجی نے تنجور کو اپنی ریاست کا مرکزی شہر بنایا۔ ونکوجی نے ۱۶۷۶ء تک حکومت کی۔ ۱۶۷۶ء میں سیواجی جنوبی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ونکوجی مقابلہ کی تاب نہ لاکر جنگلوں میں آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ سیواجی کے کہنے سے ونکوجی اپنے ارادے سے باز رہا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں:

"کورومنڈل ساحل پر انگریزوں کے اولین رفقا میں سے تنجور کا راجا تھا۔ ۱۷۴۲ء میں اندرونی انقلاب کے سبب اصلی حکمراں کو معزول کردیا گیا۔ اب پرتاب سنگھ تنجور کا حکمران تھا۔ مدراس کے اصحاب اقتدار چونکہ تنجور کے اندرونی مسائل سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اس لئے انھوں نے جدید حکمراں کو تسلیم کرنے میں تامل نہ کیا۔ انھوں نے نئے راجا سے حسب معمول خط و کتابت جاری رکھی۔ نیز سات سال تک باہمی رفاقت کا اظہار ہوتا رہا یہاں تک کہ معزول راجا ساہوجی نے حصولِ تخت کے لئے کمپنی سے مدد کی درخواست کی۔ ساہوجی نے کامیابی کی صورت میں اخراجات جنگ کے علاوہ دیوی کوٹا کی جاگیر اور قلعہ کمپنی کو دینا طے کیا۔ انہوں نے اس درخواست کو منظور کرلیا۔ پرتاب ان کا رفیق تھا۔ انھوں نے حال ہی میں فرانسیسیوں کے خلاف اس سے مدد طلب کی تھی۔ ان کے پاس جنگ کے لئے کوئی وجہ نہ تھی۔ ان امور کے باوجود انھوں نے پرتاب کے خلاف ایک فوج روانہ کردی۔ پہلی مہم ناکام رہی۔ دوسری مہم بھیجی گئی۔ انھوں نے دیوی کوٹا پر قابض ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ ان کے پیش نظر دیوی کوٹا کا قلعہ تھا نہ کہ راجا کی تخت نشینی۔" میلکم لکھتا ہے کہ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد انھوں نے پرتاب سے گفت و شنید کی.... یہ تسخیر ہندوستان کی ابتدا تھی۔ تنجور کے ساتھ کمپنی کے تعلقات کی یہ ابتدا تھی۔ انتہا بھی اسی قسم کی ہونی چاہئے۔ ۱۷۵۰ء میں تنجور کے

ایک معزول حکمران کی حمایت میں کمپنی کی تلوار نیام سے باہر نکل آتی ہے۔ لیکن ۱۷۹۹ء میں تنجور کے راجا کی وفات پر اس کے متبنی کو راجا کا وارث تسلیم نہیں کیا جاتا۔

انگریزوں نے سب سے پہلے سورت میں اپنی فیکٹری قائم کی۔ ۱۷۵۹ء میں انگریز سورت کے قلعہ پر قابض ہو گئے۔ سورت کے حکمرانوں کی حیثیت اب کٹ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ کٹ پتلیوں کے اس نا مرغوب کھیل نے رعایا کے دلوں کو مکدّر کر رکھا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں ایک ولندیزی سیاح لکھتا ہے: "تمام قوانین پر انگریزوں کا قبضہ ہے۔ یورپی اور ہندوستانی ان کے دست نگر ہیں۔ اس معاملے میں شہر کا حاکم اعلیٰ ایک ادنیٰ شہری سے مختلف نہیں' اسے انگریزی احکام ہر حال میں ماننے پڑتے ہیں۔ انگریز جمہور پر یہ امر واضح نہیں ہونے دیتے کہ حاکم سورت ان کا مطیع یا دست نگر ہے۔" ویلزلی سورت کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ بہانہ سازی کی کمی نہ تھی۔ نواب سے دیسی فوج ہٹانے اور اس کی جگہ انگریزی فوج رکھنے کے لئے کہا گیا۔ نواب نے کمپنی کے ان مطالبات پر غور کرنے سے انکار کر دیا لیکن کمپنی "عشق و پیکار میں ہر شے روا ہے" پر کار فرما تھی۔ کمپنی نے دوسری مرتبہ اپنے مطالبات کو اس شدت سے پیش کیا کہ نواب کو ماننے ہی بنی۔ عہد نامہ کی دفعات پر غور ہو رہا تھا کہ ۸۔ جنوری ۱۷۹۹ء کو نواب نے وفات پائی۔ ایک ماہ بعد اس کا بچہ اپنے باپ سے جاملا۔ متوفی نواب کے بھائی ناصرالدین نے وراثت کا مطالبہ کیا۔ ویلزلی نے اسے تاج و تخت سے محروم کر کے اپنی روایات کو زندہ رکھا۔

لارڈ ویلزلی نے نواب وزیر (سعادت علی خاں) کو مجبور کر دیا کہ وہ ایک نیا معاہدہ کرے جس کی رو سے اسے گورکھپور' روہیل کھنڈ اور دوآب کو کمپنی کے حوالے کرنا تھا تاکہ ان علاقوں کی آمدنی سے ان انگریزی فوجوں کے اخراجات پورے کئے جائیں جو اودھ میں موجود تھیں۔ نواب نے لارڈ ویلزلی کے اس مطالبے کے خلاف احتجاج کیا لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ۵۔ نومبر ۱۷۹۹ء کو گورنر جنرل نے نواب وزیر کو لکھا کہ انگریزی فوج کے تیرہ ہزار سپاہی اودھ کی حفاظت کے لئے ناکافی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ نواب وزیر اپنی فوجوں کو توڑ کر اودھ میں مزید انگریزی فوج رکھے۔ نیز یہ کہ انگریزی فوجوں کے اخراجات کے لئے گورکھپور'

روہیل کھنڈ اور دو آب کے علاقے کمپنی کے حوالے کردیے جائیں۔ نواب وزیر نے اس نئے جال سے نکلنے کی بہت کوشش کی۔ اس نے لکھنؤ کے انگریز ریزیڈنٹ کرنل سکاٹ سے کئی ملاقاتیں کیں۔ جب کرنل سکاٹ نے اس کی بات نہ مانی تو نواب وزیر نے اعلان کردیا کہ وہ مسند سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے۔ نواب وزیر کی منظوری حاصل کئے بغیر ویلزلی نے انگریزی فوج کو اودھ میں بھیج دیا اور ساتھ ہی نواب وزیر کو لکھ بھیجا کہ اس فوج کے اخراجات اسے برداشت کرنے پڑیں گے۔ گورنر جنرل نے ویلزلی کو لکھنؤ بھیجا تاکہ نواب وزیر کو نیا معاہدے ماننے پر مجبور کردیا جائے۔ ہنری ویلزلی ستمبر۱۸۰۱ء میں لکھنؤ جا پہنچا۔ نواب وزیر نے معاہدے کی شرطیں ماننے سے انکار کردیا اس پر ویلزلی لکھنؤ کی طرف چل دیا لیکن راستے میں اسے معلوم ہوا کہ نواب وزیر نے معاہدے پر دستخط کردیے ہیں۔ اس معاہدے نے اودھ کی رہی سہی سیاسی آزادی کو ختم کردیا۔ اس معاہدے کے بعد ویلزلی نے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو ان فائدوں سے آگاہ کیا جو کمپنی کو اس نئے معاہدے سے حاصل ہوتے تھے۔ لکھنؤ پہنچ کر ویلزلی نے نواب وزیر سے ملاقات کی۔

نواب وزیر نے گورنر جنرل سے مطالبہ نہیں کیا تھا کہ اسے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے مزید انگریزی فوج کی ضرورت ہے لیکن اس پر بھی گورنر جنرل نے زائد انگریزی فوج کو اودھ میں بھیج دیا۔ انگریزی فوجوں کے اخراجات کے لئے اودھ کے علاقے طلب کرنا ۱۷۷۸ء کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ نواب وزیر معاہدے کے مطابق قسطیں ادا کررہا تھا۔ کمپنی کی کوئی رقم نواب وزیر کے ذمے نہیں تھی۔ معاہدہ لکھنؤ (۱۸۰۱ء) پر دستخط کرنے کے لئے نواب وزیر کو مجبور کیاگیا تھا۔ یہ معاہدہ ۱۷۸۷ء اور ۱۷۹۸ء کے معاہدوں کی خلاف ورزی تھا۔ ان معاہدوں میں اس امر کی وضاحت کردی گئی تھی کہ کمپنی اودھ کے اندرونی انتظام میں دخل نہیں دے گی۔

جب ویلزلی ہندوستان کے انگریزی مقبوضات کا گورنر جنرل ہوکر آیا تو اس وقت مرہٹوں کی داخلی سیاست میں پیچیدگیاں اور نااتفاقیاں پیدا ہوچکی تھیں۔ جسونت راؤ ہلکر اور دولت را ـ ؤ سندھیا میں لڑائیاں ہورہی تھیں۔ پیشوا باجی راؤ دوم کے دربار میں اگرچہ نانا فرنویس کا بہت زیادہ اثر تھا لیکن پیشوا اپنے وزیراعظم

کے اس اثر کو زائل کرنے میں مصروف تھا۔ بھونسلہ اور گائیکو کمپنی کی طرف زیادہ مائل تھے۔ مرہٹہ سرداروں میں اتفاق نہیں تھا۔ پیشوا اگرچہ مرہٹوں کا سب سے بڑا سردار تھا لیکن اس کی سرداری برائے نام تھی۔

میسور کی تباہی اور نظام کو سبسی ڈیری سسٹم میں شامل کرنے کے بعد ویلزلی مرہٹوں کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ نظام کے سبسی ڈیری سسٹم میں شامل ہوجانے کے بعد مرہٹے اس رقم سے محروم ہوگئے جسے وہ چوتھ کے نام پر نظام سے وصول کرتے تھے۔ اب نظام سے چوتھ وصول کرنے کا مطالبہ کرنا انگریزوں سے لڑائی مول لینا تھا۔ ان حالات میں انگریزوں اور مرہٹوں کا آپس میں لڑنا چند دن کی بات تھی۔ ویلزلی نے مرہٹوں کی قوت کو توڑنے کے لئے سب سے پہلے پیشوا باجی راؤ دوم کو سبسی ڈیری سسٹم میں شامل ہونے کی دعوت دی لیکن نانافرنویس کے ہوتے ہوئے پونا دروار میں ویلزلی کی دال نہ گل سکی۔ نانافرنویس اٹھارویں صدی کے آخری چوتھائی میں مرہٹوں کا سب سے بڑا مدبر تھا۔ پیشوا نارائن راؤ کے قتل کے بعد نانافرنویس ہی نے رگھویا کو پیشوا نہ بننے دیا۔ نانا فرنویس کے تدبر نے معاہدہ سلبئی کے ذریعے مادھوراؤ نارائن کو انگریزوں سے پیشوا تسلیم کروایا تھا۔ ۱۷۸۶ء میں اس نے تمام مرہٹہ سرداروں کو ٹیپو سلطان کے خلاف متحد کرکے سلطان کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ ۱۷۹۵ء میں نانافرنویس نے مرہٹہ سرداروں کو متحد ہوکر نظام کو شکست دی تھی۔ میسور پر انگریزی قبضے کے بعد جنوبی مہاراشٹر کے جاگیرداروں نے پیشوا کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ نانافرنویس نے جاگیرداروں کی اس بغاوت میں کمپنی کا ہاتھ محسوس کیا۔ اس نے ان جاگیرداروں کے خلاف فوج بھیجی ہی تھی کہ ۱۳۔ فروری ۱۸۰۰ء کو وہ اس دنیا سے چل بسا۔ نانافرنویس کی موت کے بعد مرہٹہ سرداروں میں جھگڑے شروع ہوگئے۔ دولت راؤ سندھیا اور جسونت راؤ ہلکر پونا دربار کو اپنے زیر اثر لانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ پیشوا نے سندھیا کی طرف داری کی لیکن ۱۸۰۲ء میں جسونت راؤ ہلکر نے پونا کی لڑائی میں پیشوا اور سندھیا کی متحد فوجوں کے شکست دی۔ پیشوا باجی راؤ دوم نے بھاگ کر انگریزوں کے ہاں پناہ لی۔ جسونت راؤ ہلکر نے ونک راء کو پیشوا کی گدی پر بٹھا دیا۔

شکست خوردہ پیشوا ۱۶ دسمبر ۱۸۰۲ء کو بسین پہنچا جہاں اس کی گردن میں بسی ڈوری کا طوق ڈال دیا گیا۔ باجی راؤ نے عہد نامہ بسین کی دفعات میں سب کچھ کھودیا۔ یہ عہد نامہ کمپنی کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس عہد نامہ نے نہ صرف پیشوا کو آزادی سے محروم کیا بلکہ دوسری مرہٹہ ریاستوں کے سامنے ایک بہت بڑا خطرہ کھڑا کردیا۔ ویلزلی نے جلاوطن پیشوا کو پونا لانے میں اس لئے تاخیر کی تاکہ پیشوا اس کی مرضی کے مطابق شرائط قبول کرلے۔ نیز وہ اس امر سے خوب آگاہ تھا کہ پیشوا کی تخت نشینی مرہٹوں کے خلاف اعلان جنگ تھی۔ چنانچہ وہ اسی اثنا میں جنگ کے لئے تیار ہورہا تھا۔ جب تیاری پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تو پیشوا کو پونا جانے کا حکم ملا۔

ان شرائط کو ماننے کے بعد باجی راؤ کو مسند پر بیٹھنا نصیب ہوا:

(۱) پیشوا اپنے ہاں کمپنی کی امدادی فوج رکھے گا۔

(۲) پیشوا غیر برطانی افسروں کو اپنی فوجوں میں ملازم نہیں رکھے گا۔

(۳) کمپنی کی رضامندی کے بغیر پیشوا کسی دیسی ریاست سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرے گا۔

(۴) نظام اور گائیکواڑ سے جھگڑے کی صورت میں پیشوا کمپنی کو ثالث تسلیم کرے گا۔

(۵) کمپنی کی امدادی فوج کے اخراجات کے لئے پیشوا احاطہ بمبئی کے بعض اضلاع کمپنی کے حوالے کرے گا۔

مسند پیشوائی باجی راؤ کے لئے کانٹوں کا بستر ثابت ہوئی۔ وہ ایام جلاوطنی میں غلامی کے بوجھ کا اندازہ نہ لگاسکا۔ پونا پہنچ کر باجی راؤ کو غلامی کے ناقابل برداشت ہونے کا پتا چلا۔ پیشوا اس آگ میں جل رہا تھا جس کا ایندھن معاہدہ بسین کی دفعات تھیں۔ پیشوا نے سندھیا اور بھونسلہ کو پونا آنے کی دعوت دی۔ سندھیا اور بھونسلہ اپنی فوجوں سمیت پونا روانہ ہوئے۔ ویلزلی نے انھیں تہدید آمیز خطوط لکھے۔ ان خطوط کے ذریعہ سندھیا اور بھونسلے کو پونا جانے سے منع کیا گیا تھا۔ سندھیا اور بھونسلہ سے اس قسم کی خط و کتابت بے معنی تھی۔ چونکہ پیشوا نے انہیں پونا بلایا تھا اس لئے ان دونوں کی جگہ پیشوا سے اس قسم کی خط و کتابت ہونی چاہئے

تھی۔ ویلزلی کو چاہئے تھا کہ وہ پیشوا سے بازپرس کرتا لیکن ایسا کرنا اس کی پالیسی کے خلاف تھا۔ ویلزلی نے سندھیا کے ساتھ طویل مراسلت کا سلسلہ شروع کیا تاکہ اس اثنا میں وہ جنگی تیاریاں کرلے۔ جب ویلزلی نے دیکھا کہ کمپنی کی فوجیں صرف ایک اشارے کی منتظر ہیں تو اس نے اپنے بھائی آرتھر ویلزلی کو جنگ اور صلح کے اختیارات دیئے۔ چنانچہ اس نے ۶۔ اگست ۱۸۰۳ء کو سندھیا اور بھونسلہ کے خلاف ہندوستان کے طول عرض میں سازشوں کے جال بچھادیئے۔ سندھیا اور راجا برار کے مقابلہ کے لئے کمپنی کی فوجیں چھ مختلف محاذ قائم کئے ہوئے تھیں۔ جنرل سٹوارٹ سرحد میسور پر' آرتھر ویلزلی پونا میں' کرنل سٹیون سن حیدر آباد میں جنرل لیک شمالی ہندوستان میں' کرنل کیمپ بل شمالی مدراس میں اور کرنل مرے گجرات میں' سندھیا اور بھونسلہ سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔ آرتھر ویلزلی اور جنرل لیک سب سے اہم جنگوں میں شریک ہوئے۔ آرتھر ویلزلی ۷۔ اگست ۱۸۰۳ء کو احمد نگر روانہ ہوا۔ چار روز بعد احمد نگر کا قلعہ اس کے قبضے میں تھا۔ ۱۸ اگست کو جنرل ویلزلی احمد نگر سے روانہ ہوا۔ ۲۴۔ اگست کو اس نے گوداوری کو عبور کیا۔ وہ کرنل سٹیون سن سے اورنگ آباد میں ملنا چاہتا تھا۔ جب سندھیا اور بھونسلہ کو احمد نگر کی تسخیر اور ویلزلی کے کوچ کی خبر ملی تو وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔ ۲۳۔ ستمبر ۱۸۰۳ء کو سندھیا اور آرتھر ویلزلی کی فوجوں میں جنگ ہوئی۔ سندھیا کے یورپی افسروں نے غداری کی اور میدان آرتھر ویلزلی کے ہاتھ رہا۔ جنگ میں سندھیا کی فوجوں کے ایک بھی یورپی افسر کا زخمی نہ ہونا اس دعوے کے لئے کافی دلیل ہے۔ آرتھر ویلزلی کے الفاظ میں "کسی موقع پر بھی سندھیا کی فوجوں کے یورپی افسروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔" سندھیا اور بھونسلہ کی شکست خوردہ فوجوں کے تعاقب کی جرأت نہ آرتھر ویلزلی میں تھی اور نہ کرنل سٹیون سن میں لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ سندھیا اور بھونسلہ کی فوجیں ایک دوسرے سے جدا ہوگئی ہیں۔ تب کرنل سٹیون سن نے سندھیا کی نقل و حرکت کا مطالعہ کرنے کے لئے اس کا تعاقب کیا اور جنرل ویلزلی بھونسلہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ آرگام کی جنگ میں ویلزلی پھر کامیاب ہوا۔ ۱۱۔ دسمبر ۱۸۰۳ء گوال گڈھ کا قلعہ بھی آرتھر ویلزلی کے قبضے میں چلا گیا۔ قلعہ گوال گڈھ کی تسخیر کے ساتھ ہی آرتھر ویلزلی کی مہمات دکن کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

سندھیا اور بھونسلہ کی کمپنی سے صلح ہوگئی۔ پون گڈھ اور سانبل پور کی تسخیر سے گجرات اور اڑیسہ پر کمپنی کا قبضہ ہوگیا۔

۷۔ اگست ۱۸۰۳ء کو جنرل لیک کانپور سے روانہ ہوکر ۲۸۔ اگست کو کمپنی کی سرحد تک جاپہنچا۔ جنرل لیک، سندھیا کی مملکت پر حملہ آور ہوا۔ ۲۹۔ اگست کو جنرل لیک علی گڑھ پر قابض ہوگیا۔ اب لال قلعہ کی دیواروں پر برطانی عَلم لہرانے کے لئے لیک دہلی کی طرف بڑھا۔ لوئی بارجن دہلی میں سندھیا کی فوجوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ لیک کو داخلہ دہلی سے قبل اس فرانسیسی جرنیل سے نبرد آزما ہونا تھا۔ لیک نے دلی پر حملہ کرنے سے پہلے سندھیا کے خلاف سازش کی۔ شاہ عالم نے لوئی بارجن کی مخالفت اور لیک کی حمایت کی۔ شاید وہ اس خیال سے جنرل لیک کا طرف دار ہوگیا ہوکہ لیک کامیابی کے بعد اسے "مغل اعظم بنادے گا۔" ہندوستان کے برائے نام شہنشاہ کو معلوم نہیں تھا کہ "اعظم" بنتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ ۲۴۔ ستمبر ۱۸۰۳ء کو لیک آگرہ روانہ ہوا۔ ۱۷۔ اکتوبر کو لیک آگرہ کے قلعہ پر قابض ہوگیا۔ لیک کی شمالی مہمات کا خاتمہ لاسواری کی جنگ پر ہوتا ہے۔ لاسواری کی جنگ ہندوستان کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ہے۔ اس لڑائی میں کمپنی کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہوجاتا اگر سندھیا کی فوجوں کے غیر ملکی افسر سندھیا سے غداری نہ کرتے۔ کمپنی اور سندھیا دونوں صلح پر مائل تھے۔ کمپنی نے نئے معاہدے کے ذریعے سندھیا اور بھونسلہ کو ان کی زرخیز زمینوں سے محروم کردیا۔ نیز کمپنی کی اطاعت کا طوق ان کی گردن میں ڈال دیا گیا۔ پیشوا کی گردن سے سبسی ڈائری سسٹم کا طوق اتارنے کے لئے سندھیا کس قدر بے تاب تھا! یہی سندھیا اب اسی زہر کے پیالے کو اپنے لبوں سے لگارہا ہے۔

ہلکر جو اس وقت تک خاموش تھا اب اپنے طور پر انگریزوں سے لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے ان راجپوت ریاستوں پر حملے کئے جو انگریزوں کے اثر میں تھیں۔ ہلکر نے انگریزوں سے جوتھ کا مطالبہ بھی کیا۔ ویلزلی نے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے ہلکر کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ ہلکر نے اپنے اس خیال کے پیش نظر کہ سندھیا کی فوجوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ اس کی فوجوں کے یورپی افسروں کی غداری ہے۔ اپنی فوج کے تمام یورپی افسروں کو قتل کرادیا۔ یہی

وجہ ہے کہ ہلکر سندھیا کی نسبت زیادہ دیر تک کمپنی سے لڑتا رہا۔ ہلکر کے خلاف جنگی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ہلکر کی قوت ختم کرنے کے لئے ویلزلی نے تین مقامات پر فوجی اڈے قائم کئے۔ سب سے زیادہ فوج جنرل لیک کے ماتحت شمالی ہندوستان میں تھی۔ دکن کی فوج کرنل ویلس کے زیر کمان تھی۔ گجرات میں کرنل مرے انگریزی فوجوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ ہلکر نے اگرچہ اپنی فوجوں کے تمام یورپی افسر قتل کر دیے تھے تاہم انگریزوں کی طرف سے اس کے ذمہ دار افسروں کو منحرف کرنے کی کوشش جاری رہی۔ امیر خاں سب سے پہلے ہلکر سے الگ ہو گیا۔ لیک نے جنرل مونسن کو ہلکر کے مقابلہ کو بھیجا۔ جنرل مونسن یکم جولائی ۱۸۰۴ء کو درہ مکندرہ کی راہ سے مملکت ہلکر میں داخل ہوا لیکن بہت جلد اسے واپس ہونا پڑا۔ جنرل مونسن کی واپسی ایک بہت بڑی شکست تھی۔ انگریزوں کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ بڑی مشکل کے ساتھ جنرل مونسن آگرہ پہنچا۔ اس پسپائی کی خبر پا کر لارڈ ویلزلی نے کہا: میں اس حادثے کے سیاسی نتائج سے لرز جاتا ہوں۔"

ہلکر فتح و نصرت کا علم لہراتا ہوا متھرا تک جا پہنچا۔ اس کی آمد پر انگریزوں نے متھرا خالی کر دیا۔ ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح ہلکر متھرا میں ستانے کے لیے رک گیا۔ اسی اثنا میں اس کے دکنی اور مالوی مقبوضات پر انگریز قابض ہو گئے۔ ہلکر متھرا آ رہا تھا لیکن اس کا مد مقابل جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ تین ستمبر کو کانپور سے روانہ ہو کر ۲۲۔ ستمبر کو لیک آگرہ پہنچا۔ یکم اکتوبر کو وہ متھرا روانہ ہوا۔ ہلکر اسی اثنا میں دہلی روانہ ہو چکا تھا۔ ہلکر کے دہلی پہنچنے سے قبل لیک دہلی فتح کر چکا تھا۔ ہلکر دہلی فتح کرنے میں ناکام رہا۔ لیکن سایہ کی طرح اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ہلکر نے سہارن پور کی راہ لی۔ لیکن بہت جلد ہلکر بھرت پور کی طرف روانہ ہوا۔ شکاری کتے کی طرح لیک نے تعاقب جاری رکھا۔ ہلکر اپنی فوج سمیت ڈیگ کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ ۱۵۔ دسمبر تک آگرے سے قلعہ شکن توپیں پہنچ گئیں۔ ۲۳۔ دسمبر کو وہ ڈیگ کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ ہلکر بھرت پور کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ ڈیگ کا قلعہ بھرت پور کی ریاست میں واقعہ تھا۔ ڈیگ کی تسخیر پر بھی بھرت پور کے حکمران رنجیت سنگھ نے ہلکر کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ڈیگ کی شکست و ریخت کے ساتھ ہی راجا تمام مملکت کو اپنے ہاتھ سے کھو چکا تھا۔ صرف بھرت پور اس کے قبضہ

میں تھا۔ گرد و نواح پر کمپنی قابض ہوچکی تھی۔ بھرت پور کا محیط تقریباً" آٹھ میل تھا۔ شہر کے ارد گرد ایک کچی فصیل تھی۔ فصیل کے باہر پانی سے بھری ہوئی ایک خندق تھی۔ بھرت پور کا مشہور قلعہ شہر کی مشرقی جانب تھا لیکن ۲۹۔ دسمبر ۱۸۰۴ء کو ڈیگ سے روانہ ہو کر ۳۔ جنوری ۱۸۰۵ء کو بھرت پور پہنچا۔ چار روز بعد فصیل پر آگ برسائی گئی۔ لیک تین بار حملہ آور ہوا لیکن اسے ہر بار شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ "سب ٹھیک ہے۔" لیک نے تینوں مرتبہ گورنر جنرل کو لکھا۔

بھرت پور میں کمپنی کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہلکر اور بھرت پور کے ہاں کوئی یورپی افسر نہ تھا۔ لیک نے راجا بھرت پور سے صلح کی درخواست کی جسے راجا نے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ کیا۔ ہلکر مارچ ۱۸۰۰ء میں بھرت پور سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں جب کورٹ آف ڈائرکٹرز کو مونسن کی شکست کی اطلاع ملی تو اس نے لارڈ ویلزلی کو واپس بلانے میں تیزی کی۔ اس کے جانشین لارڈ کارن والس نے کلکتہ پہنچ کر ہلکر سے لڑنا بند کردیا۔ سر جارج بارلو کے عہد میں ہلکر اور کمپنی میں معاہدہ ہوگیا۔

ویلزلی کے عہد میں کمپنی کے ملازموں اور عہدے داروں پر بہت سی ذمے داریاں عائد ہوچکی تھی۔ ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کمپنی کے ملازم اور عہدے دار ہندوستانی زبانوں سے واقف ہوں۔ کمپنی کے ملازم سولہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں انگلستان سے ہندوستان کی طرف چل دیتے' یہ نوجوان اپنے وطن میں بھی واجبی سی تعلیم حاصل کرسکتے تھے۔ ہندوستان کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں ہوتا تھا' وہ ہندوستان کی زبانوں' اور اس کے حالات سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ نوجوان ہندوستان پہنچتے تو اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا نہیں کرسکتے تھے نہ انگلستان میں ان کی تعلیم کے لیے کوئی انتظام تھا اور نہ ہندوستان میں انہیں ٹریننگ دینے کے لیے کوئی کالج موجود تھا۔ ویلزلی نے انڈین سول سروس میں بھرتی ہونے والے انگریزوں کے لیے ایک کالج قائم کردیا۔ ویلزلی کو اس امر کا پورا پورا یقین تھا کہ کمپنی کے ڈائریکٹر اس کالج کی منظوری دے دیں گے۔ ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کے قاعدے اور ضابطے خود مرتب کیے۔ ویلزلی خاص خاص موقعوں پر کالج کے طالب علموں میں انعام بانٹنے کے لیے جاتا اور ان

کے سامنے تقریر کرتا۔ اس کالج نے بہت تھوڑی مدت میں ذہین اور محنتی افسر پیدا کیے لیکن کمپنی کے ڈائریکٹروں نے اس کالج کو جاری رکھنے کی اجازت نہ دی۔ ویلزلی نے اپنی کونسل کی تائید کے ساتھ کورٹ آف ڈائریکٹرز کے اس فیصلے کے خلاف عرض داشت بھیجی اور اس کے ساتھ ہی کالج کو ۳۱۔ دسمبر ۱۸۰۳ء تک جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر کمپنی کے ڈائریکٹروں نے فورٹ ولیم کالج کو صرف کمپنی کے کارکوں کی تربیت اور مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے محدود کردیا۔ چند سال بعد کمپنی کے ڈائریکٹروں نے انڈین سول سروس میں بھرتی ہونے والوں کی ٹریننگ کے لیے ہیلی بری میں ایسٹ انڈیا کالج کھول دیا۔

فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گلکرائسٹ نے آسان ہندوستان میں کتابیں لکھنے اور لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ کمپنی کے ملازموں کو ہندوستانی زبان سکھانے کے لیے قصے کہانیوں کی بہت سی کتابیں فورٹ ولیم کالج سے شائع کی گئیں۔ تاریخ اخلاق اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں چھاپی گئی تھیں۔ گلکرائسٹ نے اردو کو آسان صورت میں پیش کرکے آنے والے مصنفوں کو ایک نئی راہ بتائی۔

ویلزلی نے ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کو پہلے سے زیادہ مضبوط بنادیا۔ اس نے ٹیپو سلطان کی مملکت پر قبضہ جمایا۔ اس نے ہندوستان میں فرانس کے اثر و رسوخ کو مٹادیا۔ نظام اور اودھ کو کمپنی کے زیر اثر کردیا گیا۔ اس نے پیشوا کو کمپنی کی امداد کا سہارا لینے پر مجبور کیا۔ سندھیا اور راجا برار کی قوت کو ویلزلی ہی نے ختم کیا۔ کرناٹک، تنجور اور سورت کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کرکے ویلزلی نے ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ کیا۔ اس نے ہندوستان کی انگریزی حکومت کو ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی قوت بنادیا۔

ویلزلی کے بعد لارڈ کارنوالس کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا لیکن کارنوالس ہندوستان پہنچنے کے چند مہینے بعد ۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء کو اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی موت کے بعد سر جارج بارلو کو ہندوستان کا عارضی گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔

باب ۱۸

جارج بارلو
(۱۸۰۵ء۔ ۱۸۰۷ء)

انگلستان کی ہدایات کے مطابق جارج بارلو نے ہندوستانی معاملات میں دخل نہ دینے کی پالیسی اختیار کرلی۔ اس نے گوالیار کو سندھیا کے حوالے کردیا۔ راجپوت ریاستوں کی مدد سے بھی اس نے ہاتھ اٹھالیا۔ اس نے ہلکر کے ساتھ بھی سمجھوتہ کرلیا۔ اس سمجھوتے نے ہلکر کو موقع دے دیا کہ وہ راجپوت ریاستوں کے بارے میں جو روش چاہے اختیار کرے۔

جارج بارلو کے عہد کا ایک اہم واقعہ ویلور میں دیسی سپاہیوں کی بغاوت ہے۔ مدراس کے گورنر نے اپنے حکم سے دیسی سپاہیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع کو تبدیل کرنا چاہا لیکن ویلور کے دیسی سپاہوں نے بغاوت کردی۔ باغی سپاہیوں نے ایک سو تیرہ انگریز سپاہیوں اور چودہ انگریز افسروں کو قتل کردیا۔ باغی سپاہیوں پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔

ویلور کے دیسی سپاہیوں کی بغاوت کے اسباب معلوم کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا اس نے اس بغاوت کا سبب انگریز فوجی افسروں کی بدعنوانی بتایا لیکن فوج کے انگریز افسروں نے اس بغاوت کی ذمہ داری ٹیپو سلطان کے بیٹوں پر لگادی جو ویلور میں قید تھے۔ اس واقعہ کے بعد مدراس کے گورنر کو واپس بلاکر اس کی جگہ جارج بارلو کو مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ لارڈ منٹو نے جارج بارلو کی جگہ لی۔

باب ۱۹

لارڈ منٹو
(۱۸۰۷ء۔ ۱۸۱۳ء)

لارڈ منٹو کے عہد حکومت میں ٹراونکور کے راجا کے وزیر ویلو تمپی نے چند انگریز سپاہیوں کو قتل کرنے کے بعد ریزیڈنٹ پر حملہ کیا۔ اس شورش پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔ مدراس آرمی کے انگریز افسروں کی بغاوت کو بھی فرو کردیا گیا۔ کالنجر اور اجے گڑھ کے قلعوں پر بھی قبضہ کیا گیا۔ منٹو ہی کے عہد حکومت میں کمپنی کو پنجاب سے واسطہ پڑا۔ ۱۸۰۹ء میں کمپنی اور مہاراجا رنجیت سنگھ میں ایک معاہدہ ہوا جس میں ستلج کو مہاراجا کی مملکت کی حد مقرر کیا گیا۔ اس معاہدہ کے بعد کمپنی کے مقبوضات کی سرحد جمنا سے بڑھ کر ستلج کے کناروں تک پہنچ گئی۔ نپولین اور زار میں جو معاہدہ ہوا تھا اس سے برطانیہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ نپولین چند مشرقی ملکوں کو انگلستان کا مخالف بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ منٹو نے ۱۸۰۸ء میں جان میلکم کی قیادت میں ایک مشن ایران بھیجا۔ اسی اثناء میں حکومت برطانیہ نے بھی ایران میں اپنا سفیر بھیج دیا۔ حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے ان سفارتی مشنوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ اس پر لارڈ منٹو نے مجبور ہوکر ان شرطوں کو مان لیا جو برطانوی سفیر اور شاہ ایران میں طے پائی تھیں۔ اس معاہدے کے مطابق شاہ ایران نے یہ بات مان لی کہ اگر کسی یورپی فوج نے ایران کی راہ سے ہندوستان تک پہنچنا چاہا تو شاہ ایران اس فوج کا مقابلہ کرے گا۔ اس قسم کے ارادوں کے ساتھ الفنسٹن کی قیادت میں ایک مشن افغانستان بھیجا گیا' چونکہ شاہ شجاع کو افغانستان چھوڑنا پڑا تھا اس لئے یہ مشن کامیاب نہ ہوسکا۔ تیسرا مشن سندھ کے امیروں کے ہاں بھیجا گیا جنھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے علاقوں سے فرانسیسیوں کو نکال دیں گے۔ لارڈ منٹو نے

مشرق میں فرانسیسیوں کے اثر و رسوخ کو مٹانے کے لئے سفارتی سرگرمیوں کے علاوہ ان کے خلاف جارحانہ اقدام بھی کیا۔ اس نے فرانسیسیوں کی دو نو آبادیوں ماریشس اور بوربون پر قبضہ کرنے کے علاوہ جاوا پر بھی قبضہ کرلیا کیوں کہ اس زمانے میں ہالینڈ اور فرانس میں دوستی تھی۔ وائینا کانگریس (۱۸۱۵ء) کے بعد ماریشس کے علاوہ بوربون اور جاوا پر سے انگریزوں نے اپنا قبضہ ہٹالیا۔

نپولین بہت جلد فرانس کا شہنشاہ بن گیا۔ فرانس کی پیدا کی ہوئی چار جمہوریتوں میں بادشاہت قائم کردی گئی۔ ۱۸۰۴ء نپولین نے بولون میں ایک بہت بڑی فوج جمع کی تاکہ انگلستان کو فتح کیا جائے۔ نپولین نے اس خیالی فتح کی خوشی میں بولون میں فتح کا مینار تک بنوالیا تھا۔ اسی اثنا میں نپولین نے جنوبی جرمنی میں جو جارحانہ طرز عمل اختیار کیا تھا اس نے آسٹریا اور روس کو برطانیہ کا اتحادی بن جانے کی راہ پیدا کردی تھی۔ اگلے سال برطانیہ کے سمندری بیڑے نے فرانسیسیوں کو دو سمندری لڑائیوں میں شکست دی۔ ان شکستوں کے بعد نپولین نے یورپی فتوحات کی طرف توجہ کی۔ اس نے آسٹریا اور پروشیا کو شکست دی۔ آسٹریا اور پروشیا کے ہار جانے کے بعد روس کسی وقت بھی نپولین سے ٹکرا سکتا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں اس نے پولینڈ میں دو مرتبہ روسیوں کو شکست دی تھی لیکن ابھی تک نپولین نے روس کی سرزمین کو نہیں چھوا تھی۔ نپولین نے روس کے نوجوان زار' الگزنڈر اول کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اسے کامیابی ہوئی۔ فرانس اور روس کے شہنشاہوں نے تلسٹ میں ملاقات کی۔ ۸۔ جولائی ۱۸۰۷ء کو دونوں شہنشاہوں نے تلسٹ کے معاہدے پر دستخط کئے۔ اس ملاقات میں زار اور شہنشاہ نے پروشیا اور آسٹریا کے مسائل پر بات چیت کی۔ انھوں نے عثمانی سلطنت کو آپس میں بانٹ دینے کی شرطیں طے کرلیں۔ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں کو فتح کرنے کے منصوبے باندھے گئے۔ بات چیت کے دوران زار نے نپولین سے پوچھا کہ یورپ کیا ہے؟ "ہم یورپ ہیں" نپولین نے جواب دیا۔ دونوں شہنشاہ عالم خیال میں ڈوبے ہوئے برطانیہ کے سمندری بیڑے کی حقیقتوں سے غافل تھے۔

۱۸۰۶ء میں ایران اور روس میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اس موقع پر ایران نے فرانس سے امداد لینے کے لئے اپنے سفیر کو پیرس بھیجا۔ اس ایرانی سفارت کی

پیرس میں بڑی آؤ بھگت کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ ایران اور فرانس میں دوستانہ معاہدہ کرنے کے لئے پیرس سے ایک سفارتی مشن کو تہران بھیجا جائے گا برطانیہ نے بھی ایران میں اپنی سفارت قائم کر دی کیوں کہ برطانیہ کو اندیشہ تھا کہ فرانس، ایران کے ذریعے برطانیہ کے ایشیائی مقبوضات پر دھاوا بول سکتا ہے۔ جنوری ۱۸۰۸ء میں ہندوستان میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے فرانسیسی فوج ایران کی طرف بڑھ رہی ہے اور یہ کہ فرانسیسی فوج کے تین سو افسر تہران پہنچ چکے ہیں۔ ۲۔ فروری ۱۸۰۸ء کو منٹو نے اپنے ایک خفیہ خط میں لکھا تھا کہ "جب تک فرانس یورپی لڑائیوں میں مصروف ہے اس وقت تک ان علاقوں میں فرانسیسی فوجوں کا پہنچ جانا ناممکن سی بات ہے لیکن اگر ایک مرتبہ روس، ترکی اور ایران کے تعاون سے فرانسیسی فوج ایران کی مملکت میں داخل ہو گئی تو پھر فرانس کی بہت سی فوجوں کا ایران میں داخل ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ ایران کو اپنا اڈہ بنانے کے بعد فرانسیسی فوج کمپنی کے ہندوستانی مقبوضات کی طرف بڑھ سکتی ہے۔" برطانیہ کے وزیر اعظم نے بھی منٹو کو ایک خط میں ان نئے خطروں سے آگاہ کیا تھا۔ ترکی کے بارے میں نپولین کی پالیسی میں فوری تبدیلی نے منٹو کی پالیسی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کے اپنے الفاظ میں "یورپی ترکی کی تقسیم کی تجویز کا مقصد براہ راست ہندوستان تک پہنچنا ہے لیکن میرے خیال میں یورپ سے ترکوں کا اخراج ہندوستان پہنچنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ عثمانی حکومت اور ترکی قوم ایسے اقدام کے خلاف نفرت اور غصے کا اظہار نہ کرے اور اگر عثمانی سلطنت کو تقسیم کر دیا گیا تو اس صورت میں بھی فرانسیسی فوج کو دریائے سندھ کی جگہ بالفورس پر روکنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ترک خوف زدہ ہو کر فرانسیسیوں کو اپنے ایشیائی مقبوضات میں سے گزرنے کی اجازت دے دیں لیکن اس صورت میں بھی فرانسیسی فوج کو ان ملکوں میں سے گزرنا پڑے گا جو ان سے نفرت کرتے ہیں۔" منٹو ہندوستان پر فرانسیسیوں یا روسیوں اور فرانسیسیوں کی متحدہ چڑھائی کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں سے غافل نہیں تھا۔ منٹو نے لیڈی منٹو کو ایک خط میں لکھا تھا کہ "میں اس حملے کے مقابلے کی پوری تیاری کر رہا ہوں۔ فرانسیسی بڑی تیزی کے ساتھ ایران اور دوسرے مشرقی ملکوں سے تعلقات قائم

کر کے ہندوستان کی طرف بڑھ رہے۔ ہندوستانی ریاستوں میں بھی ان کی موجودگی پائی جاتی ہے لیکن اس دوڑ میں بھی ہم فرانسیسیوں سے آگے نکل جائیں گے۔" منٹو کی یہ پالیسی تھی کہ فرانسیسیوں کی اس مجوزہ پیش قدمی کا مقابلہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کی سرحدوں سے بہت دور کیا جائے۔ "میرا یہ خیال ہے کہ اگر لڑنا ہی پڑا تو ہمیں اپنی سرحدوں سے بہت دور لڑنا چاہئے۔ اگر ایران نے فرانس کا ساتھ دینا چاہا تو اس صورت میں ہم ایران میں اپنے ساتھی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔" ان حالات کی موجودگی میں منٹو نے کرنل میلکم کو ایران میں ہندوستان کی برطانوی حکومت کا سفیر بنا کر بھیجنا چاہا۔ اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ ایران کو فرانس کی دوستی سے باز رکھا جائے۔ اس مشن کی ناکامی کی صورت میں کرنل میلکم ایران کے تازہ حالات سے منٹو کو آگاہ کر سکتا تھا۔ منٹو نے کرنل میلکم کو ایران کی فوجی اہمیت بتاتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ "ہم ایران ہی میں فرانس کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میری سب سے پہلی خواہش یہ ہے کہ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا دربار ایران ہمیں اس امر کی اجازت دے سکتا ہے کہ جوں ہی فرانسیسی فوج ایران میں داخل ہو ہم اس کا مقابلہ کریں۔ میں تم سے یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہ فرانسیسیوں کی مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں کتنی فوج کی ضرورت پڑے گی؟ میرے خیال میں پچیس ہزار سپاہی کافی ہیں۔" ایران کو فرانس سے علیحدہ کرنے اور ایران کی طرز حکومت کے بارے میں پوری پوری واقفیت حاصل کرنے کی ہدایات لے کر کرنل میلکم ایران چل دیا۔

معاہدہ تلسٹ نے روس اور فرانس میں دوستی پیدا کر دی تھی۔ اس معاہدے کے بعد ایشیائی ملکوں کے متعلق زار اور نپولین میں سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ روس اور فرانس دونوں نے اپنے اپنے سفیر تہران میں بھیج دئے تھے۔ ایرانی حکومت کے نمائندوں نے کرنل میلکم کا بوشہر میں استقبال کیا۔ لیکن روس اور فرانس کے سفیروں کا تہران میں اتنا زیادہ اثر تھا کہ کرنل میلکم کے لئے تہران کا رخ اختیار کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ان حالات میں کرنل میلکم نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بوشہر سے کلکتہ واپس ہو جائے گا۔ منٹو کو جس سفارت سے بہت زیادہ امید تھی وہ ناکام ثابت ہوئی۔ سرجان میلکم کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ "میلکم نے ایران کی راجدھانی میں

ہمارے دشمنوں کے اثر کو بہت غالب پایا۔ جب ہم سو رہے تھے تو وہ ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ہم نے ان کے لئے کھلا میدان چھوڑ دیا اور انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ میلکم نے ان حالات کا صحیح جائزہ نہیں لیا تھا۔ انہوں نے ہمارے اس اثر پر بھروسہ لگایا جو ہمیں آٹھ سال پہلے ایران کے دربار میں حاصل ہو چکا تھا۔ اس نے روسیوں کی پیش قدمی کو بھی مدنظر نہیں رکھا تھا۔ ایرانیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ انگریزوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جو کچھ انہوں نے ہم سے مانگا تھا ہم نے انہیں دیا ہے کیا؟ اب ہم کون ہوتے ہیں جو ایران سے یہ کہیں کہ وہ ایک مضبوط سفارت کو اپنے ملک سے نکال دے۔"

اسی اثنا میں نپولین نے سپین اور پرتگال کو ملا کر اپنے بھائی جوزف کو ان ملکوں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس پر سپین میں بغاوت ہوگئی۔ سر آرتھر ویلزلی نے پرتگال میں اپنی فوج اتار کر فرانسیسی فوج کو پرتگال سے نکال دیا۔ اس شکست نے جرمنی اور آسٹریا میں نپولین کی مخالفت کو پہلے سے تیز کردیا۔ زار کے طرز عمل میں بھی فرق آنے لگا۔ ان حالات میں فرانس کے لئے لال قلعہ کی دیواروں پر ترنگا پھریرا لہرانا ناممکن تھا۔ منٹو نے فرانسیسی حملے کی روک تھام کے لئے خلیج فارس میں مہم بھیجنے کا خیال چھوڑدیا۔ برطانوی حکومت کے سفیر نے ایران اور انگلستان میں جو معاہدہ کیا تھا اس کی بہت سی شرطوں پر ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اگرچہ شدید نکتہ چینی کی تھی لیکن اس معاہدے کو برطانوی حکومت نے مان لیا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے ایران اور افغانستان میں لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں شاہ انگلستان اس میں فریقین کی خواہش کے بغیر اس میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ ایران اور انگلستان میں یہ معاہدہ ہو رہا تھا اور کمپنی افغانستان کے ساتھ یہ معاہدہ کررہی تھی کہ اگر ایران نے افغانستان پر حملہ کیا تو کمپنی افغانستان کی مدد کرے گی۔

ایران میں سفارت بھیجنے کے ساتھ ساتھ منٹو نے فرانسیسی یا روس اور فرانس دونوں کے حملے کی روک تھام کے لئے پنجاب' افغانستان اور سندھ کے ساتھ دفاعی معاہدے کرنے کے لئے اپنے سفیر بھیجے۔

منٹو نے چارلس مٹکاف کو لاہور بھیجا تاکہ مہاراجا رنجیت سنگھ کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مہاراجا کو ستلج پار کی فتوحات سے روکا

جائے۔ چارلس مٹکاف کے ہمراہ نہ صرف ایک فوجی دستہ تھا بلکہ اس کی ساتھ منشیوں اور محرروں کی ایک جماعت تھی جس کا کام پنجاب کی سیاسی' جغرافیائی اور فوجی حالات کے بارے میں ایک خفیہ رپورٹ مرتب کرنا تھا۔ ۱۲۔ اگست ۱۸۰۸ء کو چارلس مٹکاف دلی سے چل پڑا۔ ۱۲۔ ستمبر کو ستلج کے قریب چارلس مٹکاف اور مہاراجا رنجیت سنگھ میں ملاقات ہوئی۔ جب چارلس مٹکاف نے ہندوستان پر فرانسیسی حملے کے امکانات پر بات چیت کی تو مہاراجا نے اس شرط پر تعاون کرنا چاہا کہ اسے ستلج پار کی ریاستوں کو پنجاب میں شامل کرنے کا موقعہ دینا چاہئے۔ جب چارلس مٹکاف نے مہاراجا رنجیت سنگھ کو اس قسم کا موقع دیئے جانے کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی تو مہاراجا رنجیت سنگھ نے ستلج پار کی ریاستوں پر حملہ کرنے کے لئے نقل و حرکت شروع کردی۔ اس پر کمپنی کی حکومت اور پنجاب کے حکمران میں پھر بات چیت ہونے لگی۔ کمپنی اس وقت پنجاب سے نہیں لڑنا چاہتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ستلج پار کی ریاستوں کو بھی اپنی حفاظت میں رکھنا چاہتی تھی۔ جب چارلس مٹکاف کو کلکتہ سے نئی ہدایات ملیں تو وہ اس وقت امرت سر میں تھا۔ جب مہاراجا رنجیت سنگھ امرت سر سے لاہور روانہ ہوا تو چارلس مٹکاف بھی مہاراجا کے ساتھ ساتھ چل دیا۔ لاہور پہنچ کر چارلس مٹکاف اور مہاراجا رنجیت سنگھ میں پھر ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں چارلس مٹکاف نے پرانی شرطوں کو پھر دہرایا۔ مہاراجا کمرے سے باہر چلاگیا۔ چند منٹ بعد کمپنی کے سفیر نے کھڑکی سے دیکھا کہ مہاراجا اپنے خاص گھوڑے پر سوار اسے ادھر سے ادھر سرپٹ دوڑا رہا ہے۔ "صلح یا جنگ؟ معاہدہ کو مان لوں یا اسی گھوڑے پر سوار ہوکر میدان جنگ میں کود پڑوں۔" اسی قسم کے خیالات مہاراجا کے ذہن میں آتے ہوں گے۔ یہ کش مکش دیر تک رہی۔ کئی مہینوں کے بعد ۲۵۔ اپریل ۱۸۰۹ء کمپنی اور حکومت پنجاب میں معاہدہ ہوگیا۔ اس معاہدہ نے برٹش انڈیا کی سرحدوں کو جمنا سے ستلج کے کناروں تک پہنچا دیا۔

۱۸۰۸ء میں منٹو نے اپنے ایک سفارتی مشن کو افغانستان بھیجا۔ افغانستان کے شمال میں وادیء جیحون اور مشرق میں وادی سندھ ہے۔ مغرب میں وہ ایران کا ہمسایہ ہے۔ جنوب میں وہ بلوچستان سے ملا ہوا ہے۔ افغانستان مدتوں سے بہت سی

قوموں کا مسکن چلا آتا ہے۔ سولہویں صدی ق۔م میں جب آریوں کی ایک شاخ پنجاب کی طرف بڑھی تو اس شاخ کے بہت سے قبیلے افغانستان ہی میں بس گئے۔ چھٹی صدی ق۔م میں ایران کے شہنشاہ سائرس نے افغانستان کے بہت سے حصے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس نے بلوچستان کی راہ سے سندھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ داریوش اول (۵۲۱ سے ۴۸۵ ق۔م) نے سائرس کی فتوحات میں اضافہ کیا۔ داریوش کی سلطنت جن بیس صوبوں میں تقسیم کی گئی تھی ان میں سے چھ صوبے افغانستان میں تھے۔ ان میں سے چار صوبوں کے بارے میں اوستا میں اشارے پائے جاتے ہیں۔ داریوش ہی کے عہد میں ایرانی فوج نے افغانستان سے گزر کر پنجاب اور سندھ کے بہت سے اضلاع پر قبضہ کرلیا تھا۔ داریوش کی سلطنت سندھ کے کناروں سے مقدونیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے یونانیوں کی ایک تہائی شہری ریاستوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ داریوش کے جانشین زرکیز نے ایتھنز پر حملہ کیا۔ سالامیز کی سمندری لڑائی میں (۴۸۰ ق۔م) ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد بھی ایران ڈیڑھ سو سال تک دنیا کی تاریخ میں نہایت اہم پارٹ ادا کرتا رہا۔ اردشیر "دراز دست" کی موت کے بعد داریوش دوم ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد حکومت (۴۲۴۔ ۴۰۴ ق۔م) میں سلطنت کے مختلف حصوں پر بغاوتیں ہونے لگیں۔ اردشیر دوم نے ۳۷۴ ق۔م میں مصر پر حملہ کیا لیکن ایرانی فوج واپس ہونے پر مجبور کردی گئی۔ اردشیر سوم کے عہد حکومت میں پنجاب نے ایرانی حکومت کا جوا اتار پھینکا۔ اردشیر سوم کی موت (۳۳۸ ق۔م) کے بعد داریوش سوم ایران کے تخت پر بیٹھا۔ داریوش کے عہد میں مقدونیہ کے بادشاہ سکندر نے ایران پر حملہ کیا۔ داریوش کو شکست دینے کے بعد اس نے ہرات پر قبضہ کرلیا۔ ہرات سے وہ باختر کی طرف بڑھا۔ داریوش کے ایک قاتل سے انتقام لینے کے لئے اس نے سیستان کا رخ کیا۔ سیستان سے وہ قندھار پر لپکا۔ اب اس نے کابل پر دھاوا بولا۔ اب اس نے پھر باختر پر چڑھائی کی۔ باختر پر اس کا قبضہ تھا۔ یونانیوں نے جیحون کو پار کرلیا۔ سمرقند ان کے قبضہ میں تھا۔ مقدونیہ اور سمرقند میں ساڑھے تین ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ ایرانی سلطنت کے وسطی ایشیائی صوبوں کو فتح کرنے میں دو سال صرف ہوگئے۔ اب وہ شمالی پنجاب میں داخل ہوا۔ ٹیکسلا کے

حکمران نے مقدونی فاتح کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ ٹیکسلا میں یونانی فوج کا ایک دستہ چھوڑنے کے بعد سکندر جہلم کی طرف بڑھا۔ جہلم کے دوسرے کنارے پر پورس اپنی فوج لئے کھڑا تھا۔ پنجابیوں اور یونانیوں میں مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے۔ بیاس کے کناروں سے سکندر کو واپس ہونا پڑا۔ اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت اس کے جرنیلوں میں بٹ گئی۔ ادھر چندر گپت نے شمالی ہندوستان کو فتح کرلیا۔ سلوکس نے جس کے قبضہ میں بابل سے افغانستان کے علاقے تھے چندر گپت سے لڑا چاہا لیکن بعد میں اس نے چند گپت سے دوستی کرلی۔ چندر گپت کے جانشین بندو سارا کی موت کے بعد اشوک (۲۷۳۔۲۳۲ ق۔م) نے افغانستان کے بعض حصوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ افغانستان کے بعض صوبوں پر باختر کے یونانی حکمرانوں کا قبضہ رہا۔ اشوک کے عہد میں افغانستان میں بودھ مت نے زور پکڑا۔ باختر کے یونانی بادشاہوں نے آہستہ آہستہ سارے افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ دوسری صدی ق۔م کے وسط میں ایک یونانی جنرل منندر نے کابل سے متھرا تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ منندر کی موت کے تھوڑی مدت بعد افغانستان اور پنجاب میں یونانیوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوگیا۔ اسی اثنا میں وسطی ایشیا کے قبائل ایک دوسرے کے بعد افغانستان کے بہت سے حصوں پر قبضہ جماتے رہے۔ یہاں تک کہ ۶۵۲ء میں بصرہ کے عرب حاکم نے عبدالرحمن کو سیستان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ سیستان پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے کابل پر چڑھائی کرکے وہاں کے کوشان حکمران کو قید کرلیا۔ اسی اثنا میں عربوں نے ہرات اور مرو پر بھی قبضہ کرلیا۔ عربوں نے وسطی ایشیا کی فتوحات کے لئے سیستان کو اپنا فوجی مرکز بنایا۔ اسی اثنا میں کابل پر کوشان خاندان کے حکمران قابض رہے۔ نویں صدی کے آخر میں عربوں نے کابل کو فتح کیا۔ عباسیوں کے زوال کے بعد ان کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ایک ترکی غلام الپتگین نے اس افراتفری میں غزنی پر قبضہ کرلیا۔ ۹۷۶ء میں سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ غزنی کے اس نئے حکمران نے اپنی سرحدوں کو وسیع کیا۔ ۹۷۹ء میں پنجاب کے حکمران جے پال نے غزنی پر حملہ کیا۔ لیکن غزنی اور پنجاب میں کوئی فیصلہ کن لڑائی نہ ہوسکی۔ ۹۸۸ء میں جے پال اور سبکتگین پھر ایک دوسرے سے لڑے۔ سبکتگین نے کابل اور اس کے نواحی علاقوں پر

جو جے پال کے ماتحت تھے قبضہ کرلیا۔ سبکتگین کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمود تخت پر بیٹھا۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے' اس نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ محمود غزنوی نے غزنی کو اپنے عہد کا ایک مشہور شہر بنا دیا۔ اس نے غزنی میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم کی۔ اس کے دربار میں عالموں اور فاضلوں کی کمی نہیں تھی۔ محمود کی موت کے بعد اس کے دو بیٹوں میں تخت کے لئے لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں مسعود نے غزنی کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ لاہور کے گورنر احمد کے طرز عمل سے مسعود کو شبہ ہوا کہ وہ لاہور میں اپنی آزاد حکومت قائم کرانا چاہتا ہے۔ اس پر مسعود نے اپنے جنرل تلک پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ تلک نے احمد کو شکست دی۔ مسعود کے عہد حکومت میں سلجوقیوں کی فتوحات بڑھتی چلی گئیں۔ ۱۰۴۰ء میں سلجوقیوں نے مسعود کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد مسعود کے لئے افغانستان میں سلجوقیوں کی پیش قدمی کو روکنا مشکل ہوچکا تھا۔ لاہور پہنچ کر ایک نئی فوج تیار کرنے کے لئے مسعود غزنی سے چل دیا۔ حسن ابدال کے قریب اس کے حفاظتی دستے نے بغاوت کرکے اسے قید کرلیا۔ اپنے باپ محمود کی طرح مسعود نے بھی اپنے اردگرد بڑے بڑے نامور عالموں کو جمع کررکھا تھا۔ جب مسعود کے بیٹے مودود کو اپنے باپ کے قتل کئے جانے کا پتا چلا تو وہ بلخ سے نکل کر غزنی کی طرف بڑھا۔ اپنے باپ کے قاتلوں کو شکست دینے اور انھیں قتل کرنے کے بعد مودود نے لاہور کا رخ کیا۔ سلجوقیوں کی فتوحات نے ہندوستان کی ریاستوں کے حکمرانوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے۔ دلی کے حکمران نے نگرکوٹ پر قبضہ کرلیا۔ اب بہت سے راجوں نے مل کر لاہور پر چڑھائی کی لیکن شکست کھاکر واپس ہوئے۔ اپنی موت سے ایک سال پہلے مودود نے اپنے بیٹے محمود کو پشاور اور منصور کو لاہور کا حکمران مقرر کیا تھا۔ مودود کی موت کے ساتھ ہی افغانستان میں غزنویوں پر زوال آنے لگا۔ اپنی سلطنت کے شمالی اور مغربی صوبوں کو گنوادینے کے بعد اب غزنویوں نے مشرق کی طرف دھیان کیا۔ مودود کی موت کے دس سال بعد ۱۰۵۹ء میں ابراہیم نے غزنی کے تخت پر قبضہ کیا۔ سلجوقیوں کے ساتھ صلح کرکے اپنی شمالی اور مغربی سرحدوں سے مطمئن ہوجانے کے بعد ابراہیم نے پنجاب میں اپنے اقتدار کو مضبوط کیا۔ مسعود سوم نے ۱۰۹۹ء سے ۱۱۱۴ء تک حکومت کی۔ اس کا دور حکومت پر امن تھا۔ چار سال کی

خانہ جنگی کے بعد بہرام نے سلطان سنجر کی امداد سے غزنی کا تخت حاصل کیا۔ بہرام (۱۱۱۸ء۔ ۱۱۵۳ء) نے پنجاب کے باغی گورنر کو ملتان کے قریب شکست دی۔ بہرام ہی کے عہد حکومت میں غزنی پر قبضہ کرکے شہر کو آگ لگادی۔ بہرام جان بچاکر لاہور چلا آیا۔ جب سلطان سنجر نے علاء الدین کو قید کرلیا تب بہرام نے غزنی پہنچ کر دوبارہ تخت پر قبضہ کرلیا۔ بہرام کے جانشین خسرو شاہ کو غزنی سے لاہور جانا پڑا۔ اس نے ۱۱۶۰ء میں لاہور ہی میں وفات پائی۔ غوریوں نے خسرو شاہ کے جانشین کو ۱۱۸۶ء میں شکست دے کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔ لاہور پر قبضہ کرنے کے چار سال بعد معزالدین نے ستلج پار کرکے بھٹنڈا پر قبضہ کرلیا۔ ۱۱۹۲ء میں معزالدین شمالی ہندوستان کے بہت بڑے حصے پر قابض ہوچکا تھا۔ معزالدین کی موت کے بعد ایبک نے غور سے تعلقات توڑ کر دلی میں اپنی ایک آزاد سلطنت قائم کرلی۔ یلدوز نے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ محمود' غور کے تخت پر بیٹھ گیا۔ غزنی اور غور نے مل کر ہرات کو دوبارہ فتح کیا۔ یلدوز اور محمود کی ملی جلی فوجوں کو خوارزم کے بادشاہ محمد خاں نے ترکستان میں شکست دی۔ اس شکست کے بعد یلدوز کے لئے غزنی پر قابض رہنا بھی مشکل ہوگیا۔ اب اس نے ہندوستان پر چڑھائی کی لیکن التمش نے اسے تھانیسر کے قریب شکست دی۔ یلدوز کی اس شکست کے بعد افغانستان پر خوارزم کے بادشاہ نے قبضہ کرلیا۔ محمد خوارزم شاہ کی سلطنت میں بخارا' سمرقند' خوقند' کاشغر' افغانستان اور بلوچستان شامل تھے۔ ۱۲۱۹ء میں چنگیز خاں نے خوارزم شاہی سلطنت کے اس تمام علاقے پر قبضہ کرلیا جو جیحون کے شمال میں تھا۔ خوارزم شاہ نے نیشاپور میں پناہ لی۔ منگولوں نے اس کا پیچھا کیا۔ خوارزم شاہ نے بحیرہ خزر کے ایک جزیرے میں پہنچ کر اپنی جان بچائی لیکن وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس کی موت (۱۲۲۰ء) کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین نے منگولوں سے لڑنے کے لئے ایک فوج تیار کی۔ جلال الدین نے ایک لڑائی میں منگولوں کو شکست دی۔ اس شکست نے چنگیز خاں کو بہت زیادہ مشتعل کردیا۔ اب وہ خود خوارزمی شہزادے سے لڑنے کے لئے میدان میں نکلا۔ چنگیز خاں نے سندھ کے کنارے تک جلال الدین کا پیچھا کیا۔ منگولوں نے سارے افغانستان پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۲۵۱ء میں پنجاب کے گورنر شیر خاں نے افغانستان پر حملہ کرکے غزنی اور کابل کو دلی کی سلطنت میں شامل کیا لیکن منگولوں

نے بہت جلد کابل اور غزنی پر پھر قبضہ کرلیا۔ چودھویں صدی کے وسط میں غوریوں کے ایک خاندان نے منگولوں کے ماتحت غزنی میں ایک نئی بادشاہت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے چوتھے بادشاہ غیاث الدین غوری نے منگولوں کو افغانستان سے نکال دیا۔ غوریوں کے اس حکمران خاندان کو تیمور نے ختم کردیا۔ تیمور اور بابر کی درمیانی مدت میں افغانستان کے مختلف حصوں پر تیموری شہزادے قابض رہے۔ اس مدت میں ہرات نے بہت زیادہ ترقی کی۔ تیموریوں نے ہرات کو مشرق کا ایک بہت بڑا شہر اور تہذیب و تمدن کا ایک اہم مرکز بنادیا تھا۔ اس دور میں ہرات نے شاعروں' عالموں' فلسفیوں اور مورخوں کی ایک نامور جماعت پیدا کی۔ تیمور کی سلطنت کو ایک مرکز پر لانے کے لئے اس کے پڑپوتے ابو سعید میرزا نے ایک کامیاب کوشش کی لیکن اس کی موت کے بعد تیموری سلطنت کئی ایک ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ ۱۵۰۴ء میں بابر نے کابل پر قبضہ کرلیا۔ اب اس نے سمرقند کو فتح کرنا چاہا۔ سمرقند پر کبھی بابر قابض ہوجاتا اور کبھی اسے ازبیک فتح کرلیتے۔ ایک لمبی اور مسلسل جدوجہد کے بعد بابر کو جیحون کے شمالی علاقوں سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ اب اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ۱۵۲۶ء میں اس نے پانی پت میں ہندوستانی فوج کو شکست دے کر دلی اور آگرے پر قبضہ کرلیا۔ اب بابر ہندوستان کا شہنشاہ تھا۔ شہنشاہ نے اپنے بیٹے کامراں کو افغانستان کا گورنر مقرر کیا۔ بابر کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہمایوں اس کا جانشین ہوا۔ کابل' غزنی اور قندھار میں کامراں نے ایک آزاد بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ کامران نے پنجاب پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسی اثنا میں شیر شاہ نے ہمایوں کو پریشان کردیا تھا۔ ہمایوں نے اپنی سلطنت کے بچاؤ کے لئے کامران سے امداد مانگی۔ کامران نے امداد دینے سے انکار کردیا۔ اس نے پنجاب کو شیر شاہ کے حوالے کردیا اور خود کابل چلاگیا۔ کامران نے بدخشاں کو فتح کرکے پنجاب کی کمی پوری کرلی۔ اب وہ افغانستان کا آزاد بادشاہ تھا۔ شیرشاہ کے ساتھ اس کا سمجھوتہ ہوچکا تھا۔ اس کا بڑا بھائی ہمایوں ایک پناہ گزین تھا۔ دوسرے دو بھائی ہندال اور عسکری اس کے وفادار تھے۔ ہمایوں کی سرگرمیوں نے کامران کے لئے نئی مشکلات پیدا کردیں۔ ایرانی فوج کی مدد سے ہمایوں نے قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد کابل پر چڑھائی کردی۔ کامران اپنی راجدھانی چھوڑ کر سندھ کی طرف بھاگ نکلا۔ اب

ہمایوں کابل کا بادشاہ تھا۔ ادھر ہمایوں بدخشاں کی مہم میں مصروف ہوا' ادھر کامران نے کابل پر اچانک حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ ہمایوں واپس ہوا۔ کامران پھر بھاگ نکلا۔ کابل میں اپنی قوت منظم کرنے کے بعد ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کرکے کھوئے ہوئے تخت کو دوبارہ حاصل کرلیا۔ ہمایوں نے شہزادہ محمد حکیم کے اتالیق منعم خاں کو کابل کا گورنر مقرر کیا لیکن ادھر ہمایوں پنجاب میں داخل ہوا ادھر اس کے بھتیجے سلیمان نے بدخشاں سے نکل کر کابل پر قبضہ کرلیا۔ ایرانیوں نے قندھار کو فتح کرلیا سلیمان نے بہت جلد کابل کو خالی کردیا۔ منعم خاں اگرچہ کابل کا گورنر تھا لیکن حکومت کی باگ ڈور کم سن محمد حکیم کی ماں ماہ جوجک کے ہاتھ میں تھی۔ ہمایوں کا جانشین شہنشاہ اکبر اپنے عہد حکومت کے ابتدائی برسوں میں افغانستان کی طرف زیادہ توجہ نہ کرسکا۔ اس مدت میں کابل میں جو واقعات ہوئے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کابل کی حکومت بہت حد تک آزاد تھی۔ منعم خاں کے چلے جانے کے بعد ماہ جوجک نے شاہ ابوالمعالی سے اپنی بیٹی فخرالنساء کی شادی کرنے کے بعد اسے وزیراعظم بنالیا۔ لیکن ۱۵۶۳ء میں شاہ ابوالمعالی نے ماہ جوجک جو ہٹاکر کر کابل کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ بدخشاں کے حکمراں' سلیمان کے لئے یہ سیاسی تبدیلی مفید نہیں تھی۔ شہزادہ محمد حکیم نے شاہ ابوالمعالی کی اتالیقی میں چلے جانے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے کابل کے سیاسی حالات کو اپنے موافق بنانا چاہا۔ سلیمان کابل پر قبضہ کرکے اپنی بیٹی کی شادی محمد حکیم سے کرنے کے بعد ایک بدخشانی سردار امید علی کو اس کا وزیر مقرر کرکے واپس چلاگیا۔ اگلے سال محمد حکیم نے امید علی کو وزارت سے الگ کردیا۔ اس پر سلیمان نے کابل پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ محمد حکیم نے بھاگ کر پنجاب میں پناہ لی۔ ان دونوں شہنشاہ اکبر لڑائیوں میں مصروف تھا۔ محمد حکیم نے چاہا کہ لاہور پر قابض ہوجائے۔ اسی اثنا میں شہنشاہ بھی سرہند تک پہنچ چکا تھا۔ محمد حکیم ڈر کے مارے کابل کی طرف بھاگ نکلا۔ اس نے بہت آسانی سے کابل پر قبضہ کرلیا۔ شہنشاہ نے محمد حکیم کو معاف کردیا۔ دس سال تک محمد حکیم کابل کا حکمراں رہا لیکن اس کے بعد اس نے بنگال اور بہار کے افغان سرداروں سے سازش کرکے پنجاب پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس زمانے میں راجا مان سنگھ لاہور کا حاکم تھا۔ محمد حکیم پنجاب کی طرف بڑھا لیکن راجا مان سنگھ نے آگے بڑھ کر محمد حکیم کو شکست

دی۔ لیکن محمد حکیم کو کمک پہنچ گئی۔ راجا مان سنگھ نے رہتاس کے قلعہ کو مضبوط کرنے کے بعد لاہور کی راہ لی۔ محمد حکیم نے رہتاس کو چھوڑتے ہوئے راجا مان سنگھ کا لاہور تک پیچھا کیا۔ شہنشاہ پھر پنجاب کی طرف بڑھا۔ محمد حکیم پہلے کی طرح پھر کابل کی طرف بھاگ نکلا۔ شاہی فوج نے شہزادہ سلیم کی کمان میں جلال آباد پر قبضہ کرلیا۔ شہزادہ مراد کابل کی طرف بڑھا۔ محمد حکیم بھاگ نکلا۔ اس نے شہنشاہ سے معافی مانگی۔ اسے معاف کردیا گیا۔ کابل کو مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ اس نئے صوبہ کا پہلا گورنر راجا مان سنگھ تھا۔ شہنشاہ اکبر نے کشمیر کی فتح کے بعد ان افغان قبیلوں کو فتح کرنا چاہا جو سندھ کے کناروں سے کابل تک پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ کئی سال تک ان آزاد قبیلوں اور شاہی فوجوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ راجا بیربل ان لڑائیوں ہی میں مارا گیا۔ اپنی موت سے تین سال پہلے شہنشاہ اکبر نے قندھار فتح کرلیا تھا۔ اکبر نے شاہ بیگ کو قندھار کا حکمران مقرر کیا۔ اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد حکومت کے شروع ہی میں ایرانیوں نے قندصار کا محاصرہ کرلیا لیکن شاہ بیگ نے انھیں شکست دی۔ ۱۶۰۶ء میں جہانگیر نے کابل کا دورہ کیا۔ واپسی پر اس نے شاہ بیگ کو افغانستان کا گورنر مقرر کیا۔ دو سال بعد شاہ بیگ کو جہانگیر کی طرف سے خان دوراں کا خطاب ملا۔ جہانگیر کی موت سے چند سال پہلے ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۶۳۷ء تک قندھار پر ایران ہی کا قبضہ رہا۔ اسی سال شاہ جہاں نے قندھار کو پھر مغلیہ سلطنت میں شامل کیا۔ شاہ جہاں ہی کے عہد میں شاہی فوجوں نے بدخشاں، بلخ اور افغانی ترکستان پر بھی قبضہ کرلیا تھا لیکن شاہی فوجوں کو ازبکوں کی سرگرمیوں سے تنگ آکر ان علاقوں کو خالی کرنا پڑا۔ ۱۶۴۷ء میں ایرانیوں نے پھر قندھار پر قبضہ کرلیا۔ قندھار ہمیشہ کے لئے مغلیہ سلطنت سے کٹ گیا۔ شاہ عباس دوم کے عہد میں قندھار کے آس پاس کے افغان قبائل ایرانی حکومت سے مطمئن رہے۔ ۱۶۶۶ء میں شاہ سلیمان ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی موت (۱۶۹۴ء) تک قندھار میں کوئی خاص سیاسی واقعہ نہیں ہوا۔ شاہ سلیمان کے جانشین سلطان حسین کے عہد حکومت میں قندھار کے گورنر گرجیں خاں نے غلزئی قبائل پر تشدد کیا جس سے قبائل میں سیاسی بے چینی پیدا ہوگئی۔ میرویس کی قیادت میں افغانوں نے ۱۷۰۹ء میں قندھار پر قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں

کابل اور پشاور کے درمیانی علاقوں کے قبیلوں نے دلی کی حکومت کے خلاف کئی بار بغاوت کی۔ خوشحال خاں خٹک کی وصیت سے افغانوں کے جذبہ آزادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کم کتر نہیں
قہستاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گرد سمند

(اقبال)

ادھر غلزئی قبیلے نے قندھار پر قبضہ کیا ادھر ابدالیوں نے ایرانیوں کو ہرات سے نکال دیا۔ قندھار اور ہرات کو ایرانیوں سے خالی کرنے کے بعد افغانوں نے ایران فتح کرنے کی مہم شروع کردی۔ میرویس کے جانشین محمود نے کرمان پر قبضہ کرلیا۔ ۱۷۲۲ء میں محمود کی فوجوں نے اصفہان کے قریب ایرانیوں کو شکست دی۔ افغان فوجیں قزوین تک بڑھتی چلی گئیں۔ محمود کی موت کے بعد اس کے جانشین اشرف نے فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اسی اثنا میں ترکوں نے اصفہان پر حملہ کیا۔ لیکن افغانوں نے انھیں شکست دی۔ ۱۷۲۷ء میں اشرف سارے ایران پر قابض ہوچکا تھا۔ شاہ حسین کا بیٹا شاہ طہماسپ ماژندران میں پناہ گزین تھا۔ ماژندران ہی میں نادر قلی نے ایرانی فوج کے بچے کھچے دستوں کو منظم کیا۔ اس نے اپنے جھنڈے تلے بہت سے ترکی قبیلے جمع کرلئے۔ اشرف خان نے نادر قلی سے لڑنے کے لئے خراسان کا رخ کیا لیکن نادر قلی سے شکست کھانے کے بعد اسے اصفہان لوٹنا پڑا۔ نادر قلی نے افغانوں کا پیچھا کیا۔ دوسری لڑائی میں بھی اس نے افغانوں کو شکست

دی۔ شاہ حسین کو چونکہ قتل کیا جاچکا تھا اس لئے نادر قلی نے شاہ طہماسپ کو اصفہان کے تخت پر بٹھایا۔ تیسری لڑائی میں نادر نے ایران میں افغانی اقتدار کو ختم کردیا۔ اس لڑائی کے چند دن بعد اشرف خاں کو ایک ایرانی نے قتل کردیا۔ (۱۷۳۰ء)۔ نادر نے ترکوں اور رومیوں سے بھی کئی ایک علاقے واپس لئے۔ نادر نے شاہ طہماسپ کو معزول کرکے اس کے چھوٹے بچے کو تخت پر بٹھادیا۔ ۱۷۳۶ء میں اس کی موت کے بعد نادر نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔ اسی سال نادر شاہ نے قندھار پر قبضہ کیا۔ غزنی اور کابل ہوتا ہوا وہ ہندوستان میں داخل ہوگیا۔ دلی سے واپسی پر اس نے بخارا اور خیوا کو فتح کیا۔ ۱۷۴۷ء میں اس کے ایک محافظ نے اسے قتل کردیا۔ نادر شاہ کی فوج میں ابدالی قبیلے کا ایک نوجوان احمد خاں ایک بہت بڑا افسر تھا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد خاں نے نادر شاہ کے خزانے پر قبضہ کرلیا۔ احمد خاں نے بہت جلد کابل' قندھار' ہرات' سندھ' ملتان' کشمیر اور پشاور پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ اب وہ احمد شاہ تھا۔ احمد شاہ نے درانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کی سلطنت ستلج سے خراسان تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے بیس سال تک حکومت کی۔ تیمور شاہ کے جانشین شاہ زماں نے احمد شاہ کی سلطنت کے ہندوستانی حصوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے ۱۷۹۵ء میں پنجاب پر حملہ کردیا لیکن اس کے بھائی محمود کی سرگرمیوں نے اسے واپس ہونے پر پھر مجبور کردیا۔ تیسری مرتبہ اس نے ۱۷۹۸ء میں پنجاب پر حملہ کیا لیکن اسے ملکی امور نے لوٹنے پر مجبور کردیا۔ اسی اثنا میں انگریزوں نے انوپ شہر میں ایک چھاؤنی قائم کی تاکہ افغانوں کے آئندہ حملے کی روک تھام کی جاسکے۔ کلکتہ کے گورنر جنرل نے کپتان میلکم کو سفیر بنا کر اس لئے ایران بھیجا تھا تاکہ شاہ زمان کی توجہ کو ہندوستان سے ہٹا کر اس کے ایرانی صوبوں کی طرف پھیر دی جائے۔ اس سفارت نے شاہ زماں اور اس کے بھائی محمود کے تعلقات کو بہت زیادہ خراب کردیا۔ محمود اور شاہ زماں میں لڑائی ہوئی۔ شاہ زماں کو گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۸۰۳ء میں اس کے بھائی نے اسے اندھا کردیا۔ شاہ محمود کو شاہ شجاع نے تخت سے اتاردیا۔ معاہدہ تلسٹ سے پیدا ہونے والے اندیشوں کی روک تھام کے لئے برٹش انڈیا کے گورنر جنرل لارڈ منٹو نے ۱۸۰۸ء میں اپنے ایک سفارتی

مشن کو افغانستان بھیجا۔

یہ مشن اکتوبر ۱۸۰۸ء میں الفنسٹن کی سرکردگی میں دلی سے روانہ ہوا۔ بیکانیر سے ہوکر یہ مشن ملتان پہنچا۔ اس زمانے میں ملتان' شاہ کابل کے ماتحت تھا۔ مشن چند دنوں کے لئے ملتان رک گیا۔ چونکہ شاہ کابل قندھار میں تھا اس لئے مشن نے اس سے خط و کتابت شروع کردی۔ افغان سرداروں نے کابل اور انگریزوں میں دوستانہ تعلقات پیدا کئے جانے کو شک اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ شاہ کابل نے بڑی دقت کے بعد مشن سے پشاور میں ملاقات کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اس پر الفنسٹن نے گورنر جنرل سے درخواست کی کہ شاہ کابل سے بات چیت کرنے کے لئے اس کے اختیارات بڑھا دیے جائیں۔ شاہ شجاع کو اس امر کا انتہائی اندیشہ تھا کہ انگریز پنجاب' سندھ' کشمیر اور افغانستان کے اندرونی جھگڑوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ افغانستان کے اندر شاہ شجاع کے بھائیوں نے شورش پیدا کر رکھی تھی اس لئے شاہ شجاع اور کمپنی میں اسی صورت میں سمجھوتہ ہوسکتا تھا کہ کمپنی اسے فوجی اور مالی مدد دے۔ گورنر جنرل کو الفنسٹن کا خط پہنچنے سے پہلے کمپنی کی خارجہ پالیسی میں نمایاں تبدیلی ہوچکی تھی۔ اب کمپنی کو اس امر کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ وہ افغانستان کو ایران کے خلاف استعمال کرے۔ لیکن اس پر بھی گورنر جنرل نے الفنسٹن کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ ہندوستان کی طرف بڑھنے والی فرانسیسی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے افغانستان سے دفاعی معاہدہ کرنے میں آزاد ہے۔ ملتان سے چل کر اس مشن نے دریائے سندھ کو پار کیا۔ کوہستان سلیمان کے دامن کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا یہ مشن کوہاٹ پہنچا۔ پشاور میں شاہ شجاع نے مشن کا استقبال کرنے کے لئے دربار لگایا۔ شاہ کابل جس تخت پر بیٹھا ہوا تھا وہ ہیروں اور موتیوں سے جڑا ہوا تھا۔ شاہ شجاع نے اپنے گلے میں جو ہار پہن رکھا تھا اس میں کوہ نور خاص طور پر نمایاں تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد الفنسٹن نے شاہ شجاع سے کئی بار ملاقات کی۔ الفنسٹن کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افغانوں کی مہمان نوازی اور ان کے سیاسی فہم سے بہت متاثر ہوا تھا۔ افغان سرداروں نے الفنسٹن سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ کسی یورپی طاقت کا ساتھ دینے سے پہلے فرانس اور انگلستان دونوں کے نظریوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ الفنسٹن نے ایک موقعہ پر افغان سرداروں سے کہا تھا کہ

۱۷۸۵ء کے بعد برطانوی حکومت کے خلاف کوئی بغاوت نہیں ہوئی تو ایک سردار نے امریکہ کی جنگ آزادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الفنسٹن کو تھوڑی دیر کے لئے خاموش کر دیا۔

۲۶ اپریل ۱۸۰۹ء کو الفنسٹن نے لارڈ منٹو کو ایک خط کے دوران میں لکھا کہ "شاہ کابل کے حالات نے غیر موافق صورت اختیار کر لی ہے۔ کچھ مدت پہلے اس کے حالات بہتر بنتے دکھائی دیتے تھے۔ اس زمانے میں بات چیت کا سلسلہ جاری رہا اور ۱۹ اپریل کو معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے آپ کو شاہ کابل کی مالی امداد کرنی پڑے گی تاکہ وہ فرانسیسیوں اور ایرانیوں کا مقابلہ کر سکے۔ شاہ نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ اپنے ملک سے فرانسیسیوں کو ہمیشہ کے لئے نکال دے گا۔ چند دن ہوئے یہ اطلاع ملی تھی کہ شاہ محمود کی فوجیں کابل پر چڑھائی کرنے والی ہیں۔ چونکہ شاہ محمود اور شاہ شجاع میں پشاور کے پاس ہی لڑائی ہونے والی ہے اس لئے میں نے شاہ کابل سے اجازت چاہی تھی۔ جوں ہی شاہ شجاع نے کابل کا رخ کیا مجھے شاہ کے دربار سے رخصت ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ اس کے بعد میں اٹک پہنچ کر لڑائی کے نتیجے کا انتظار کروں گا۔ اگر لڑائی میں شاہ محمود جیت گیا تو پھر اس کے ساتھ ان ہی شرطوں پر معاہدہ کر لینا کوئی مشکل نہیں ہو گا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنے پر قریباً" تین لاکھ روپے خرچ آئیں گے۔ میں شاہ محمود سے بات چیت کرنے کے احکام کا منتظر ہوں۔"

۱۴۔ جون کو مشن پشاور سے رخصت ہوا۔ ایک مہینے کے اندر اندر شاہ شجاع شکست کھا کر افغانستان سے بھاگ نکلا تھا۔ اسی اثنا میں انگریزوں اور ایران میں معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے الفنسٹن کو شاہ محمود کے ساتھ بات چیت کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ کمپنی اور کابل میں جو معاہدہ ہوا تھا اسے شاہ شجاع کی شکست نے بے کار بنا دیا۔ کمپنی اور سندھ کے درمیان بھی ایک دفاعی معاہدہ کیا گیا تھا۔ منٹو کی سفارتی سرگرمیوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان سفارتوں کے ذریعے کمپنی کو ان ملکوں کے حالات کا پتہ چل گیا۔ الفنسٹن کی "تاریخ کابل"" کرنل میلکم کی "تاریخ ایران" اور ہنری پوٹن جر کی "بلوچستان" منٹو کی سفارتی سرگرمیوں ہی کے دوان میں تیار کی گئی تھیں۔ پہلی دو کتابوں کی اشاعت کمپنی کے خرچ پر ہوئی تھی

اسی اثنا میں یورپ سے کلکتہ میں یہ خبر پہنچی کہ آرتھر ویلزلی' پرتگال میں فرانسیسی فوج کو شکست دے چکا ہے۔ جنگ ویمیرو میں آرتھر ویلزلی کی کامیابی نے ہسپانیہ کے حوصلے بلند کردئے تھے۔ انگلستان کی طرح ہندوستان کی انگریزی حکومت نے بھی فرانسیسیوں کی اس شکست پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ منٹو نے ۲ فروری ۱۸۰۹ء کو ایک خط میں لکھا کہ "شہر میں ایک بہت بڑی خبر پہنچ چکی ہے۔ انگلستان سے جو جہاز ۱۷ ستمبر ۱۸۰۸ء کو چلا تھا وہ آج یہاں پہنچا ہے۔ یہ جہاز ویزلی کی پرتگال میں فتح کی خبر لے کر آیا ہے۔ دنیا پر ایک نیا سورج طلوع ہو چکا ہے۔"

۱۸۰۹ء کے شروع میں ایک فوجی سردار امیر خاں نے برار پر حملہ کردیا۔ راجا برار کمپنی کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا لیکن اس پر بھی منٹو نے عدم مداخلت کی پالیسی کو ترک کرتے ہوئے راجا برار کی امداد کی۔ منٹو کے اپنے الفاظ میں: "سوال یہ نہیں کہ راجا برار کی مدد کرنا ضروری ہے یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ طاقت ور مسلمان سردار کو اس امر کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ راجا برار کی ریاست کے کھنڈروں پر اس علاقے میں اپنی حکومت کرے جو ہمارے ساتھی نظام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر امیر خاں اور نظام دونوں مل کر کمپنی کے لئے خطرہ بن جائیں۔" کمپنی نے اپنے مفاد کے لئے امیر خاں کا مقابلہ کیا اور اسے برار سے نکال دیا۔

اسی سال کمپنی نے خلیج فارس میں اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے ایک نئی مہم شروع کی۔ یہ نئی مہم خلیج فارس کے سمندری ڈاکوؤں کے سدباب کے نام پر کی گئی۔ اس مہم نے ایران میں برطانوی تجارت کے لئے راستہ صاف کردیا۔ اسی اثنا میں منٹو کو مدراس جانا پڑا۔ کیونکہ مدراس آرمی اور گورنر مدراس میں اختلافات بہت حد تک بڑھ گئے تھے۔

حکومت مدراس کے فوجی اور سول افسروں کا جھگڑا خطرناک صورت اختیار کرچکا تھا۔ ۱۷۶۵ء میں کلاؤ نے بنگال آرمی کے انگریز افسروں کی بغاوت کو دبا دیا تھا لیکن ہر دس سال میں فوجی افسروں کی بغاوت کہیں نہ کہیں دکھائی دیتی ہے۔ مدراس آرمی کے انگریز افسروں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے منٹو کو مدراس جانا پڑا۔ گورنر جنرل کی مدافعت نے بنگال آرمی کے افسروں کی بغاوت کو فرو کردیا۔

لارڈ منٹو کے عہد حکومت کے شروع میں برطانوی مدبروں کے ذہن پر یہ اندیشہ چھایا ہوا تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے لیکن منٹو کے عہد حکومت کے آخر میں راس امید کے مشرق میں فرانس کا اقتدار ختم ہوچکا تھا۔ جب فرانس نے پرتگال پر قبضہ کیا تو کلکتہ گورنمنٹ کو یہ احکام ملے کہ وہ پرتگال کے تمام مشرقی مقبوضات پر قبضہ کرلے۔ جب فرانس نے ہالینڈ پر قبضہ کیا تو ہالینڈ کے تمام مشرقی مقبوقات پر بھی فرانس ہی کا اقتدار ہوگیا تھا۔ کمپنی نے بوربون اور ماریشس کے جزیروں پر قبضہ کرنے کے بعد منٹو جاوا کی مہم پر روانہ ہوا۔ جاوا پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ بٹاویا سے واپس ہوتے وقت منٹو نے کہا تھا کہ "یہ امر یقینی نہیں ہے کہ جاوا پر انگلستان کا قبضہ مستقل ہوگا۔"

منٹو کے عہد حکومت میں فورٹ ولیم کالج کی طرف سے کئی ایک کتابیں چھاپی گئیں۔ اسی زمانے میں سنسکرت کی کتابوں کی اشاعت کے لئے جو ذاتی پریس لگایا گیا تھا فورٹ ولیم کالج کی طرف سے اس کی مدد کی گئی۔ ۱۸۰۸ء میں منٹو نے فورٹ ولیم کالج میں تقریر کرتے ہوئے ملائی اور پشتو کی اہمیت کو واضح کیا تھا چنانچہ بہت جلد فورٹ ولیم کالج میں پشتو کی ڈکشنری اور پشتو گریمر چھاپی گئیں۔ منٹو نے بنارس کالج کے لئے چند اصلاحات تجویز کی تھیں۔ وہ کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کے تعلیمی نصاب کو بھی بدلنے کا آرزومند تھا۔

کمپنی کو برطانوی حکومت کی طرف سے ۱۷۹۳ء میں بیس سال کے لئے جو چارٹر ملا تھا اس کی تجدید ۱۸۱۳ء میں کی گئی۔ جب کمپنی کے چارٹر کا مسئلہ درپیش تھا تو اس وقت برطانیہ کے ایک طبقے کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے لیکن کمپنی کے ڈائریکٹر کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ آخرکار دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے کمپنی کے لئے چین کی تجارتی اجارہ داری وقف کردی اور ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کی عام اجازت دے دی گئی۔ ۱۸۱۳ء کے نئے چارٹر میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں تعلیم پھیلانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ منظور کیا گیا۔ کلکتہ کے لئے ایک بشپ مقرر کیا گیا۔ یہ چارٹر بیس سال کے لئے منظور کیا گیا تھا۔

باب ۲۰

لارڈ ہیسٹنگز
(۱۸۱۳ء - ۱۸۲۳ء)

فرانس کی قوت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ فرانس اور روس کی فوجوں کا مل کر ایران کی راہ سے ہندوستان پر چڑھائی کرنا ایک خواب ہو چکا تھا۔ اب ہندوستان کے انگریز گورنر جنرل کے لئے ہندوستان میں عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کرنا ضروری نہیں تھا۔ کمپنی کو ہندوستان کے دیسی حکمرانوں کی چاپلوسی کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہیسٹنگز کے اپنے لفظوں میں "ہمارا مقصد ہندوستان پر برطانوی حکومت کا غلبہ ہونا چاہئے۔" غلبے کی اس خواہش کا سب سے پہلے نیپال کو نشانہ بنایا گیا۔

نیپال کے شمال میں تبت' مشرق میں سکم' جنوب اور مغرب میں ہندوستان ہے۔ یہ علاقہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے۔ شروع میں منگول قبیلوں نے نیپال کو آباد کیا۔ جب ہندوستان میں بودھ مت کا زور ہوا تو نیپال کے ان منگول قبیلوں نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ بارھویں صدی میں وادی گنگا کے چند راجپوت اور برہمن قبیلے نیپال میں داخل ہوئے۔ ان قبیلوں نے نیپال کے چند علاقوں کو فتح کرکے گورکھا کو اپنی راجدھانی بنالیا۔ راجدھانی کے نام کی نسبت سے یہ حملہ آور گورکھالی یا گورکھے کہلائے۔ نیپال میں گورکھوں کا سیاسی اقتدار بڑھتا رہا یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں وہ سارے نیپال پر قبضہ کرنے کے بعد مشرق اور مغرب کی طرف بڑھنے لگے۔ انھوں نے کمایوں' دہرہ دون اور سرمور پر قبضہ کرنے کے بعد بالائی ستلج کے کناروں پر قلعہ بندیاں شروع کردی تھیں لیکن مہاراجا رنجیت سنگھ نے انھیں مغرب کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ شمال کی راہ چینیوں نے '

روک رکھی تھی۔ وہ صرف وادی گنگا کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ انھوں نے بٹوال اور شوراج پر قبضہ کرلیا۔ کمپنی نے ان اضلاع کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ان کے انکار پر ہیسٹنگز نے نیپال کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ چونکہ ہیسٹنگز گورنر جنرل کے ساتھ ہی ہندوستان کی انگریزی فوج کا کمانڈر ان چیف بھی تھا اس لئے اس نے نیپال کی مہم کی خود نگرانی کی۔

انگریزی فوج کو چار ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا۔ سب سے بڑے ڈویژن کی کمان میجر جنرل مارلے کے ہاتھ میں تھی۔ اس ڈویژن کو نیپال کی راجدھانی کھٹمنڈو کی طرف بڑھنا تھا۔ باقی کے تین ڈویژن جو جنرل ووڈ' جنرل گلیسی اور جنرل آکٹرلونی کے ماتحت تھے۔ ان ڈویژنوں کو مختلف سمتوں سے نیپال میں داخل ہونا تھا۔ انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے جنرل امر سنگھ پوری تیاریاں کرچکا تھا۔ جنرل آکٹرلونی اور جنرل گلسپی کے ڈویژن سب سے پہلے آگے بڑھے۔ آکٹرلونی کو اس فوج کے ساتھ لڑنا تھا جس کی کمان امر سنگھ کررہا تھا۔ امر سنگھ نے ملاؤں کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ جنرل گلسپی دھرہ دون پر قبضہ کرنے کے بعد مغرب کی سمت گھوم کر آکٹرلونی کو مدد پہنچانا چاہتا تھا۔ دہرہ دون کی حفاظت بل بہادر کے ذمے تھی۔ بل بہادر نے دہرہ دون کے قریب ہی کالنگا کے ایک پہاڑی گاؤں میں مورچہ لگا رکھا تھا۔ گلسپی کے لئے ضروری تھا کہ وہ آکٹرلونی کی امداد کرنے سے پہلے اس قلعہ پر قبضہ کرے۔ گلسپی کا خیال تھا کہ وہ چند دنوں کے اندر اندر کالنگا کو سر کرلے گا۔ دن' ہفتوں اور ہفتے مہینوں کی صورت میں گزر گئے لیکن بل بہادر بدستور مقابلہ کرتا رہا۔ جنرل گلسپی نے کالنگا پر تین بار حملہ کیا۔ اسے ہر بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ جنرل گلسپی اور بہت سے انگریز افسر اس لڑائی میں مارے گئے۔ آخرکار انگریزی فوج کو قلعہ شکنی کے تمام سامان پہنچ گئے۔ کالنگا کا پھر محاصرہ کرلیا گیا۔ صرف تین سو سپاہی حفاظت کے لئے باقی رہ گئے تھے۔ تھرمابلی کے تین سو اسپارٹی سپاہیوں کی طرح کالنگا کے تین سو گورکھوں نے بھی بہادری کا ثبوت دیا۔ محافظ ایک ایک کرکے جان دینے لگے۔ ان بہادروں پر پانی کے تمام ذرائع مسدود کردیئے گئے۔ دو سو بیس بہادر مرچکے ہیں۔ انگریزی توپیں قلعہ پر آگ برسا رہی ہیں۔ جواب میں بھی آگ پھینکی جارہی ہے۔ محاصرے کا آخری دن آن پہنچا۔ قلعہ پر سے کوئی آگ برستی ہوئی دکھائی نہیں

دیتی۔ ختم ہوگئے' کئی ایک نے سوچا ہوگا۔ گرڑ گرڑ' قلعے کا دروازہ کھلتا ہے۔ ستر ننگی تلواریں چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ سب سے آگے بل بہادر ہے۔ وہ سب ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ ایک سو چالیس ہاتھ ندی میں داخل ہو چکے ہیں۔ پانی پیا' مشورہ کیا اور غائب ہوگئے۔ کالنگا کے قلعہ کو زمین کے ساتھ ہموار کردیا گیا لیکن وہ بلند مقام نہیں گرایا جاسکتا جہاں بل بہادر اپنے بہادروں سمیت کھڑا مسکرا رہا ہے!

بل بہادر کی ہمت نے انگریزی فوج کے حوصلے پست کردئے تھے۔ مغربی اور مشرقی ڈویژنوں میں بددلی پیدا ہو چکی تھی۔ جنرل مارلے کی فوج کھٹ منڈو کی طرف بڑھنے میں ناکام رہی۔ گورکھوں نے جنرل مارلے کو اتنا پریشان کیا کہ وہ سرحدی چوکیوں کو چھوڑ کر جنوری ۱۸۱۵ء میں پیچھے ہٹ گیا۔ کمک ملنے پر وہ پھر آگے بڑھا۔ اب اس کی فوج میں تیرہ ہزار سپاہی تھے لیکن گورکھوں نے اسے اتنا تنگ کیا کہ وہ ۱۰۔ فروری ۱۸۱۵ء کو اپنے ہیڈ کوارٹر داناپور کی طرف بھاگ نکلا۔ انگریزی فوج کے مشرقی ڈویژن کو بھی شکست کھاکر گورکھ پور میں پناہ لینی پڑی۔

سات سو میل کے لمبے محاذ کا بچاؤ گورکھوں کے لئے بھی نئی نئی مشکلات پیدا کررہا تھا۔ ان مشکلات کو بڑھانے کے لئے اتنے لمبے محاذ کو انگریزوں نے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ آکٹرلونی نے آگے بڑھ کر کئی ایک چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ امر سنگھ نے ملاؤں میں بڑی جرات کا ثبوت دیا لیکن آکٹرلونی نے ۱۰ مئی ۱۸۱۵ء کو ملاؤں پر قبضہ کرلیا۔ امر سنگھ نے ہتھیار ڈال دئے۔ صلح کی بات چیت ناکام ہونے کے بعد پھر لڑائی ہونے لگی۔ اسی اثنا میں نیپال کی مدد کے لئے چین سے ایک فوج بھیجی جاچکی تھی۔ آکٹرلونی آگے بڑھا۔ ۲۷۔ فروری ۱۸۱۶ء کو مکران پور کے قریب لڑائی ہوئی۔ حکومت نیپال کی درخواست پر آکٹرلونی نے فوجی سرگرمیاں روک دیں۔ ۳۔ مارچ ۱۸۱۶ء کو کمپنی اور انگریزوں میں صلح ہوگئی۔ معاہدہ سگولی کے مطابق گورکھوں نے سکم خالی کردیا۔ ترائی کے علاوہ دریائے کالی کے مغرب میں واقع گڑھوال اور کمایوں کے علاقے انگریزوں کو واپس کردیے۔ اسی معاہدے کی ایک شرط کی رو سے کھٹ منڈو میں انگریزی ریزیڈنٹ رہنے لگا۔ معاہدہ سگولی نے انگریزی فوج کو بھرتی کا ایک نیا میدان دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے سرسبز'

دلکش اور خوبصورت پہاڑی علاقے کمپنی کے پاس چلے گئے۔ نیپال کی لڑائی میں جو کچھ خرچ ہوا وہ اودھ کے غازی الدین کو "بادشاہ" کا خطاب دے کر وصول کرلیا گیا۔

کمایوں میں بار بار بندوبست کرنے سے اس علاقے کے پہاڑی کاشتکاروں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کا اندازہ کرشنا پانڈے کی اس ہجو سے لگایا جاتا ہے جو اس علاقے کے لوگوں کو اب تک یاد ہے۔

"کلکتہ بٹی پھرنگی آئیو   جاڑ جماڑ کا بوجا باند لائیو
لارٹ گورنر باڑ باڑا بھوپ   ملک لٹن سن انیک روپ
پھرنگی راجا کلی اب تار   آپن پاپ لے اورن مار
پھرنگی راجے کی اکل دیکھ   کڑی باڑی بیچ بیراستب لیکھ
پتلا کے ٹکڑا کو چپڑاس کیئو   ملک کو سونا رود پالٹ لٹ لیو
کرشنا پانڈے . لی کل کھولو   ملک کمایوں کو ڈھونگر ڈھونگر ہولو"

ترجمہ: کلکتہ سے فرنگی آئے' چوری اور جھوٹ کا بوجھ لائے۔ بہت بڑا راجا یعنی لاٹ گورنر ملک کو نئے طریقوں سے لوٹنے آیا ہے۔ حکمران لوہے کے زمانے کا اوتار ہے۔ وہ اپنے گناہ کے بدلے دوسروں کو مارتا ہے۔ فرنگی راجے کی عقل دیکھ جو یہ کہتا ہے کہ اپنا گھر اور باغ بیچ اور فارغ خطی لکھ۔ اس نے پیتل کے ٹکڑے کی چپراس بنوائی اور سونا چاندی لوٹ لیا۔ کرشنا پانڈے نے کل جگ کا یہ بھید ظاہر کیا ہے کہ کمایوں کا ملک مٹی میں مل جائے گا۔

نیپال کی لڑائی میں انگریزی فوجوں کی شکست اور دشواریوں نے انگریزوں کے سیاسی اقتدار اور تھوڑی مدت کے لئے کم کردیا تھا۔ اس مدت میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کئی ایک ہنگامے ہوئے۔ ان ہنگاموں پر قابو پانے کے لئے کمپنی کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پنڈاروں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔

پنڈارے مرہٹوں کی خاص فوج کا نام تھا۔ یہ لوگ ایام امن میں کھیتی باڑی کرتے اور زمانہ جنگ میں گولی بندوق سے کھیلتے۔ پنڈاروں میں ہر ملت کے افراد

شریک تھے۔ لیکن عام طور پر ان کے سردار افغان تقدیر آزما ہوتے تھے۔ اس قسم کے متعدد تقدیر آزما سیواجی کی فوجوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ نصروان سب میں مشہور تھا۔ اس کی وفات پر اس کی بیٹا چیکن اپنے آبائی فرائض سرانجام دیتا رہا۔ چیکن کے بعد غازی الدین اجین پر حملہ کرتے وقت مارا گیا۔ غازی الدین کا بڑا بیٹا گاردی خاں ملہار راؤ ہلکر کے لشکر میں شریک ہوگیا۔ گاردی کی وفات پر اس کا بیٹا لال خاں اور لال خاں کی وفات پر اس کا بیٹا امام بخش پنڈاروں کا سردار مقرر کردیا۔ پنڈاروں کے یہ شاخ ہلکر شاہی کہلاتی تھی۔ ہلکر کے علاوہ سندھیا کے پاس بھی پنڈاروں کی کمی نہ تھی۔ غازی الدین کا دوسرا بیٹا شاہ باز سندھیا کے ہاں چلاگیا تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ہیرا پنڈاروں کا سردار مقرر ہوا۔ اس کے دونوں بیٹے محمد اور دوست محمد پنڈاروں کے مشہور سردار تھے کمپنی کو ان سے جنگ کرنی پڑی۔ مشہور پنڈارے سردار چیتو اور کریم بخش بھی سندھیا کی فوجوں میں شامل تھے۔ کمپنی کو خطرے تھا کہ کہیں پنڈاروں کی مختلف جماعتوں اور مرہٹوں میں اتحاد نہ ہوجائے۔ چونکہ اس قسم کا اتحاد کمپنی کے منافی تھا اس لئے پنڈاری بربریت اور وحشت کے افسانے چار دانگ عالم میں مشہور کردیے گئے۔ پنڈاروں کی قوت کو زائل کرنے کے لئے "راجستھان" کے مصنف نے راجپوتوں کو مرہٹوں کے خلاف اکسایا۔ پنڈاروں کی قوت چونکہ منتشر تھی اس لئے وہ زیادہ دیر کمپنی کی فوجوں کامقابلہ نہ کرسکے۔ صرف چیتو آخری دم تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ پنڈاروں کے اس سردار کا خاتمہ جنگل کے ایک خونخوار چیتے نے کردیا۔

پنڈاروں کے ساتھ لڑائی کے دوران کمپنی کو ان حکمرانوں کے خلاف بھی لڑنا پڑا جن کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ کئی ایک حکمرانوں کے قلعوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ کئی ایک کو معزول کیاگیا اور کئی ایک ایسے بھی تھے جنھیں قید کرلیاگیا۔ سندھیا نے پنڈاروں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی۔

عہد نامہ بسین کے بعد باجی راؤ دوم اس کوشش میں تھا کہ وہ اپنے آپ کو انگریزی اثر سے آزاد کرلے۔ جب پیشوا باجی راؤ دوم کے وزیر نے گائیکواڑ کے سفیر گنگا دھر شاستری کو پونا میں قتل کردیا تو اس وقت پونا کے انگریز ریزیڈنٹ نے پیشوا کو مجبور کیاکہ وہ اپنے وزیر کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے ساتھ ہی بسی ڈیری

سسٹم میں شامل ہو کر پیشوائی کے لقب کو چھوڑ دے۔ باجی را۔ؤ کے لئے ان شرطوں کو ماننا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ اس نے ۱۸۱۷ء میں برٹش ریزیڈنسی کو آگ لگادی۔ کرکی کی لڑائی میں اسے شکست ہوئی۔ شکست کھانے کے بعد وہ جنوب کی طرف بھاگ نکلا۔ اسی اثنا میں ناگ پور کے راجا آپا صاحب بھونسلہ اور ہلکر نے بھی انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ آپا صاحب نے شکست کھانے کے بعد اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔ اس کی فوج نے جس میں عربوں کی کافی تعداد تھی ناگ پور میں انگریزوں کے خلاف لڑائی کو جاری رکھا لیکن اسنے بھی شکست کھائی۔ ہلکر کی فوجوں نے بھی شکست کھائی۔ مرہٹوں کی تیسری جنگ کی آخری لڑائیاں انگریزوں اور پیشوا باجی راؤ دوم کے درمیان آشتی اور کوری گاؤں میں لڑی گئیں۔ ۱۸۱۹ء میں انگریزوں نے اسیر گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ باجی راؤ نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔ باجی راؤ کی مملکت پر کمپنی نے قبضہ کرلیا۔ پیشوائی کا منصب اڑا دیاگیا۔ سیواجی کے خاندان کے ایک فرد کو ستارا کی گدی پر بٹھلا دیا گیا۔ آپا صاحب بھونسلہ کو بھی گدی سے اتار دیاگیا۔ ہلکر نے سیسی ڈیری سسٹم کے معاہدے پر دستخط کردیے۔ وہ راجپوتانہ کے مسائل سے الگ ہوگیا۔

ہیسٹنگز نے بنگال میں عدالتوں کی تعداد کو بڑھایا اور اس کے ساتھ ہی دیسی افسروں کے اختیارات بھی وسیع کئے۔ لارڈ کارنوالس نے انتظامی اور عدالتی امور کو الگ الگ کردیا تھا لیکن وارن ہیسٹنگز کے عہد میں دیسی زبانوں کے نئے سکول جاری کئے گئے۔ پریس پر سے پابندیاں ہٹادی گئیں۔ مدراس میں کسانوں کو بڑے بڑے زمینداروں سے کسی حد تک بچانے کے لئے "رعیت واڑی" کے سسٹم کو جاری کیاگیا۔

جب لندن میں ہیسٹنگز کے خلاف یہ الزام لگایاگیا ہے کہ اس نے حیدرآباد دکن کی ایک ساہوکار فرم پامر اینڈ کمپنی کے معاملات میں بے احتیاطی برتی ہے تو اس نے یکم جنوری ۱۸۲۳ء کو اپنے عہدے سے استعفٰی دے دیا۔ نئے گورنر جنرل لارڈ ایمہرسٹ کے آنے تک کلکتہ کونسل کا سب سے پرانا ممبر ایڈم عارضی گورنر جنرل کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔

باب ۲۱

لارڈ ایمہرسٹ
(۱۸۲۳ء۔۱۸۲۸ء)

نئے گورنر جنرل کے تقرر میں انگلستان کے داخلی واقعات کی وجہ سے کافی دیر ہوگئی۔ فاکس کی موت کے بعد جارج سوم کے باقی عہد حکومت میں برانوی وزارت پر ٹوری پارٹی قابض رہت۔ ٹوری وزارت نے نپولین کے خلاف جنگ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۴ء تک ڈیوج آف ولنگٹن' پرتگال اور ہسپانیہ میں فرانسیسیوں کے خلاف لڑتا رہا۔ اس نے فرانسیسیوں کو ہسپانیہ سے نکال دیا۔ ۱۸۱۲ء میں نپولین نے روس پر حملہ کیا۔ اس نے اگرچہ ماسکو پر قبضہ کرلیا لیکن برف باری کے خوف سے اسے واپس ہونا پڑا۔ ماسکو سے نپولین کی واپسی سے اس کا زوال شروع ہوتا ہے۔ یورپ کے جن ملکوں پر اس نے قبضہ کررکھا تھا وہ ایک ایک کرکے اسکے خلاف ہونے لگے۔ ۱۸۱۴ء میں نپولین تخت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اسے البا میں نظربند کردیا گیا۔ لیکن اگلے سال اس نے فرانس پہنچ کر پھر اقتدار حاصل کرلیا۔ سارا یورپ نپولین کے خلاف متحد ہوچکا تھا۔ اتحادیوں کی فوج نے سارے فرانس کو گھیرلیا۔ نپولین نے اچانک اس فوج پر حملہ کردیا جس میں انگریز سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس فوج کی کمان ڈیوک آف ولنگٹن کے ہاتھ میں تھی۔ ولنگٹن نے واٹرلو کی لڑائی میں نپولین کو شکست دی۔ نپولین کو سینٹ ہلینا میں جلاوطن کردیا گیا۔

جارج چہارم کے عہد حکومت (۱۸۲۰ء۔ ۱۸۳۰ء) میں بھی برطانیہ کی وزارت پر ٹوریوں ہی کا قبضہ رہا۔ ٹوریوں کے لیڈر اگرچہ اصلاحات کے سخت مخالف تھے لیکن بعض ٹوری لیڈر ولیم پٹ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ ٹوریوں کے اس گروہ کا

لیڈر جارج کیننگ تھا۔ ۱۸۲۰ء میں جارج کیننگ' بادشاہ اور کابینہ سے بعض اختلافات کی بنا پر سیاسیات سے الگ ہوگیا تھا۔ ہیسٹنگز کے مستعفی سے ہوجانے کے بعد جارج کیننگ کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنانا چاہا لیکن اس کی طرف سے کسی قسم کی گرم جوشی کا اظہار نہ پاکر خارجہ مقرر کردیا گیا۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے لارڈ ولیم بنٹنک کو گورنر جنرل بنانا چاہا لیکن لارڈ امہرسٹ کو زیادہ مستحق خیال کیا گیا۔

امہرسٹ کو ۱۸۰۶ء میں چین کا برطانوی سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن اسے اپنے مقاصد میں سخت ناکامی ہوئی تھی۔ امہرسٹ نے اگست ۱۸۲۳ء میں ایڈم سے چارج لیا۔ اسی اثنا میں بری فوج نے چٹاگانگ کے قریب ایک جزیرے پر قبضہ کرلیا۔ شمالی کی جانب بری فوج نے آسام کے کافی حصے کو فتح کرلیا تھا۔ فروری ۱۸۲۴ء میں گورنر جنرل نے برما کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔

ہندوستان اور چین کے درمیان واقعہ ہونے کی وجہ سے برما پر ان دونوں ملکوں کی تہذیب کا کافی اثر پڑا لیکن ہندوستانی اور چین کے دونوں طرف اونچے پہاڑوں کے سلسلوں نے برمیوں کی قومی خصوصیات کو برقرار رکھا۔ برما کے مشرق میں چین' ہند چینی اور سیام ہیں۔ شمال کی طرف وہ پہاڑی سلسلہ ہے جہاں تبت' چین اور آسام ملتے ہیں۔ برما کی ابتدائی تاریخ ان منگول قبیلوں کی لڑائیوں کی تاریخ ہے جو برما میں وقتاً" فوقتاً" داخل ہوتے رہے۔ جنوبی ہندوستان کے آباد کاروں نے برمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اس کتاب کا مصنف پروم' پیگو' اراکان اور تناسرم میں ایسے کھنڈر دیکھ چکا ہے جو ایک ایسے زمانہ کی تاریخ کو لئے ہوتے ہیں جب جنوبی ہندوستان کی تہذیب برما کو متاثر کررہی تھی۔ پروم کا ایک حکمران خاندان پانچ سو سال تک برما کے کافی حصے پر قابض رہا۔ اس خاندان کے زوال کے بعد برما کی راجدھانی پگن میں چلی گئی۔ پگن خاندان کے بادشاہ اناورا تھا (۱۰۴۴ء - ۱۰۷۷ء) نے سارے برما پر قبضہ کرلیا۔ جب سیلون کے بودھوں نے ہندوؤں کے ہاتھوں سختی جھیلی تھی تو اسی بادشاہ نے سیلون میں بہت سے راہب اور کئی ایک کتابیں بھیجی تھیں۔ اناورا تھا ہی کے عہد میں بودھ مت کی تمام کتابیں پالی زبان میں لکھی جانے لگیں۔ اناورا تھا کا نام اب تک نہروں کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے آبپاشی کے لئے کھدوائی تھیں۔ تقریباً" ڈیڑھ سو سال تک پگن بودھ تہذیب کا مرکز بنا رہا۔

اس مدت میں پگن میں کئی ایک بڑے بڑے گپوڈے تعمیر ہوئے۔ تیرھویں صدی کے وسط میں جب تاتاریوں نے چین کے ایک صوبے ینان پر قبضہ کرلیا تھا تو انہوں نے پگن سے خراج مانگا۔ اسی اثنا میں شان قبیلوں کے حملوں نے پگن کی سیاسی قوت کمزور کردی تھی۔ شان قبیلوں نے برما کو ایک دوسرے سے دوسرے سرے تک روند ڈالا۔ سارا ملک آوا' ٹانگو' پیگو اور کئی ایک دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ آوا کی برمی ریاست زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ سولھویں صدی کے وسط میں شان قبیلوں نے آوا کو فتح کرلیا۔ ٹانگو بہت جلد برمی خواہشات کا مرکز بن گیا۔ ٹانگو خاندان (۱۵۳۱ء ۔ ۱۷۵۲ء) کے بادشاوں نے بہت جلد پیگو' پروم اور مرتبان کو فتح کرکے اراکان اور سیام پر بھی حملے کئے۔ اسی خاندان کے حکمرانوں نے شان کی ریاستوں کو فتح کیا۔ سیامیوں اور برمیوں کی لڑائیوں نے زیریں برما کو بے آباد کردیا تھا۔ آوا خاندان (۱۷۵۲ء۔ ۱۸۸۵ء) کے حکمرانوں نے سیامیوں کو شکست دے کر انھیں بالائی برما سے نکال دیا۔ واگون پر قبضہ کرکے اس کا نام رنگون رکھا گیا۔ اس خاندان نے ایک مرتبہ پھر سارے برما کو متحد کردیا تھا۔ اسی خاندان کے حکمرانوں کو انگریزوں سے لڑنا پڑا۔

مدراس اور بنگالی کی بری فوجیں انڈمان سے جمع ہوکر ایراودلی کے دھانے کی طرف بڑھنے لگیں۔ مشرق کی مہموں میں کمپنی نے پہلی مرتبہ سٹیمر استعمال کیا۔ ۱۱۔ مئی ۱۸۲۴ء کو انگریزی فوجوں نے رنگون پر قبضہ کرلیا۔ یکم دسمبر کو بندولا کی کمان میں برمی فوج رنگون پہنچ گئی۔ اس سے پہلے جنرل بندولا رامو میں کمپنی کی فوج کو شکست دے چکا تھا۔ کمپنی کی فوج کا برسات میں اگرچہ کافی نقصان ہوچکا تھا لیکن کمک ملنے کے بعد کمپنی کی فوج کی تعداد تین ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ بندولا نے رنگون کو واپس لینے کی بہت کوشش کی لیکن اسے پسپا ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں خشکی کی راہ سے برما میں داخل ہونے کے لئے جنرل رچرڈز نے آسام پر قبضہ کرلیا۔ اس برمی فوج کے ایک حصے نے چار اور منی پور کی راہ سے آوا تک پہنچنا چاہا لیکن ناکامی ہوئی۔ اسی فوج کا دوسرا حصہ جنوری ۱۸۲۵ء میں اراکان کی راہ سے آوا تک پہنچنے کے لئے چٹاگانگ سے آگے بڑھا۔ اس دستے نے اراکان کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا لیکن سال کے ختم ہوتے ہی موسم کی خرابی سے تنگ آکر اس فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

بندولا کی پسپائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فروری ۱۸۲۵ء میں برطانی فوج نے بسین پر قبضہ کرلیا۔ اب برطانی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا جہاں بندولا نے مورچہ بندی کرر کھی تھی۔ لڑائی میں بندولا کے مارے جانے کے بعد اس قلعہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ چند دنوں کے بعد پروم پر انگریزی قبضہ ہونے کے ساتھ ہی سمجھوتے کے لئے عارضی طور پر لڑائی بند کردی گئی۔ بات چیت کے دوران کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ جنوری ۱۸۲۶ء میں برطانی فوج نے میلوں پر قبضہ کرلیا۔ برطانی فوج یا ندابو تک پہنچ گئی جہاں سے آوا تک چار دن کا سفر تھا اب پھر صلح کی بات شروع ہوئی۔ معاہدہ یا ندابو کی رو سے برمیوں نے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کردیا' اراکان اور تناسرم پر کمپنی نے قبضہ کرلیا۔ برمی حکومت نے ایک کروڑ روپیہ تاوان دینا منظور کیا۔

کمپنی نے دیسی سپاہیوں کے آسائش و آرام اور ان کے عقائد کی داغ بیل ڈالی لیکن دیسی سپاہیوں برطانی حکومت کے لئے کس قدر مفید تھے؟ اس سوال کا جواب ایوان عام کے اس اجلاس سے واضح ہوتا ہے جو ۱۸۳۲ء میں منعقد ہوا۔ دیسی سپاہیوں میں بنگالیوں کی حالت ناقابل بیان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنگالی سپاہیوں کو کمپنی کی حکومت کے خلاف بہت سی شکایات تھیں۔ بنگالی سپاہی کو اپنی رہائش کی کے لئے ایک کٹیا تیار کرنی پڑتی تھی اس کے برعکس برطانوی سپاہی نہایت آسائش سے بارکوں میں رہتے تھے۔ دیسی سپاہیوں کے مصائب پر کمپنی نے کبھی غور نہ کیا۔ چنانچہ مرور زمانہ کے ساتھ ان کے مصائب میں اضافہ ہوتا گیا۔ جنگ برما میں چونکہ مزید سپاہیوں کی ضرورت تھی اس لئے بارک پور کے دیسی سپاہیوں کو برما کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ انہیں کلکتہ سے رنگون تک بحری سفر کرنا ہے تو انھوں نے اس حکم کو ماننے میں تامل کیا۔ وہ صرف ہندوستان ہی میں لڑنے کے لئے بھرتی ہوئے تھے اور برما کا حدود ہندوستان سے باہر ہونا ظاہر ہے۔ جب انھیں کوچ کا حکم ملا تو وہ اپنے تھیلوں کے بغیر پیش ہوئے۔ اس سوال پر کہ ایسا کیوں کیا گیا انھوں نے نئے تھیلے دیے جائیں۔ نیز انھوں نے کہا کہ رنگون جانے کے لئے انھیں مزید الاؤنس ملنا چاہئے کیونکہ بنگال کی نسبت برما میں اشیا کا نرخ گراں تھا۔ کمپنی کے افسروں نے دیسی سپاہیوں کی شکایات پر غور کرنا اپنی توہین خیال

باب ۲۲

ولیم بنٹنک

(۱۸۲۸ء ۔ ۱۸۳۵ء)

کمپنی کے ہندوستانی مقبوضات کا نیا گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنک اٹھارہ سال پہلے مدراس کا گورنر رہ چکا تھا۔ ویلور کی فوجی بغاوت کے ضمن میں اسے انگلستان واپس بلالیا گیا تھا۔ انگلستان پہنچ کر اس نے کمپنی کے ڈائریکٹروں کے سامنے ایک اپیل کی جسے مسترد کردیا گیا۔ کمپنی کی ملازمت سے الگ ہونے کے بعد اس نے انگلستان کی فوج میں شامل ہوکر ہسپانیہ اور سسلی کی لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ اٹھارہ سال کے بعد کمپنی کے ڈائریکٹروں نے اسے ہندوستان کا گورنر جنرل بناکر بھیجا۔

ولیم بنٹنک جولائی ۱۸۲۸ء میں کلکتہ پہنچا۔ برما کی لڑائی نے کمپنی کی مالیاتی ذرائع کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ نئے گورنر جنرل کے نزدیک سب سے اہم کام آمد اور خرچہ میں توازن پیدا کرنا تھا۔ نئے گورنر جنرل کے لئے نئی لڑائیوں سے گریز کرنا ایک طبعی امر تھا۔ ۱۸۲۸ء میں کمپنی کے بجٹ میں ایک کروڑ روپے کا گھاٹا تھا۔ اس گھاٹے کو پورا کرنا ولیم بنٹنک کا سب سے پہلا کام تھا۔ کمپنی کی کورٹ آف ڈائریکٹر کی طرف سے گورنر جنرل کو مالیات کے بہتر بنانے کی ہدایت تو دی گئی تھی لیکن ڈائریکٹروں نے کوئی خاص پروگرام وضع نہیں کیا تھا۔ ان کی طرف سے صرف "بھتے" میں تخفیف کا مشورہ دیا گیا تھا۔ ولیم بنٹنک نے سب سے پہلے بھتے میں کمی کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔

جب کمپنی نے ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو اس نے فوجی افسروں کے لئے بھتہ منظور کیا۔ یہ رقم مختلف صورتوں میں مختلف ہوتی تھی۔ کمپنی

کے مقبوضات سے باہر لڑنے والے فوجی افسروں کو "ڈبل بھتہ" ملتا تھا' لیکن عام اور پر امن حالات میں بھی فوجی افسروں کو تنخواہ کے علاوہ بھتہ ملتا تھا۔ لارڈ ہیسٹنگز اور لارڈ ایمہرسٹ کے عہد حکومت میں بھی کمپنی کے ڈائریکٹروں نے بھتے میں کمی کرنے کی تجویز پیش کی تھی لیکن انھوں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں نے ولیم بنٹنک کو یہ حکم دے کر بھیجا تھا کہ وہ بھتے کی مقررہ رقم کو آدھا کردے۔ چنانچہ گورنر جنرل نے بنگال آرمی کے پانچ ہیڈکوارٹروں میں مقیم فوجی افسروں کے بھتے کو آدھا کردیا۔ فوجی افسروں نے حکومت کے خلاف بہت زیادہ نفرت کا اظہار کیا۔ کمانڈر ان چیف نے بھی گورنر جنرل کے اس اقدام کے خلاف کورٹ کو چھٹی لکھی لیکن کورٹ نے اپنے فیصلے کو نہ بدلا۔ ولیم بنٹنک نے اس طرح دو لاکھ روپیہ سالانہ بچالیا۔ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۰ء تک کلکتہ کے اخباروں نے بھتہ کی حمایت میں مضمون لکھے۔ ان مضمونوں میں گورنر جنرل پر کڑی نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ ٦۔ ستمبر ۱۸۳۰ء کو گورنر جنرل نے سب اخباروں پر پابندی لگادی کہ وہ بھتے کے مسئلہ پر کورٹ آف ڈائریکٹرز کے فیصلے کی مخالفت میں کچھ نہیں لکھ سکتے۔

کمپنی کی مالی حالت سدھارنے کے لئے ولیم بنٹنک نے نظم و نسق کے دفتروں میں ہندوستانیوں کو جگہ دی۔ اس سے پہلے ان اداروں میں صرف گوروں ہی کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ چونکہ ملازموں کو زیادہ تنخواہ دینی پڑتی تھی اس لئے ان کی جگہ کم تنخواہ پر کام کرنے والے ہندوستانیوں کی خدمات حاصل کرلی گئیں۔ ولیم بنٹنک نے سب اخراجات کا اندازہ لگانے اور اخراجات میں ہر امکانی کمی سوچنے کے لئے دو کمیٹیاں مقرر کیں۔ بنگال' بمبئی اور مدراس کے احاطوں میں فوجی ملازموں کی تنخواہوں میں کمی کردی گئی۔ شمال مغربی صوبہ جات میں مال گزاری کا نیا بندوبست کرنے سے کمپنی کے خزانے میں کافی روپیہ جمع ہونے لگا۔ کمپنی کی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے ولیم بیٹنک نے مالوہ کی افیم کی برآمد پر قبضہ کرلیا۔

کمپنی کی آمد بڑھانے اور خرچہ گھٹانے کے ساتھ ساتھ ولیم بنٹنک نے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے سب سے پہلے ٹھگی کے انسداد کی طرف توجہ کی۔ ولیم بنٹنک کے عہد سے بہت پہلے ٹھگوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوچکی تھی جس کا کام مختلف حیلوں بہانوں سے عام لوگوں اور خاص کر مسافروں کو جان سے مار کر ان کے

کیا۔ اسی اثنا میں کلکتہ سے انگریزی فوج بارک پور پہنچ گئی۔ انگریزی سپاہیوں نے دیسی سپاہیوں کو گولی کا نشانہ بنادیا۔ اس آتش بازی سے جو زندہ بچے انھیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ ان بدنصیب سپاہیوں کا خون تیس سال تک انتقام کے لئے پکارتا رہا۔

لارڈ امہرسٹ کے عہد حکومت میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں کمپنی کے خلاف باشتیں کی گئیں۔ مالوا، ست پڑا، کٹور، شولا پور اور کچھ میں کمپنی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد ہوئی۔ کمپنی کے لئے سب سے بڑا خطرہ بھورت پور کے راجا نے پیدا کردیا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں بھرت پور نے جسونت راؤ ہلکر کا ساتھ دے کر جنرل لیک کو شکست دی۔ بیس سال تک کمپنی اور بھرت پور کے تعلقات دوستانہ رہے لیکن اس کے بعد کلکتہ کونسل نے بھرت پور کے داخلی امور میں دخل دے کر دوستانہ تعلقات کو دشمنی میں بدل دیا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد کمپنی کی فوج نے بھرت پور فتح کرلیا۔

جنگی سرگرمیوں سے رہائی ہانے کے بعد امہرسٹ نے کان پور میں بندھیل کھنڈ اور اودھ کے سرداروں سے ملاقات کی۔ جنوری ۱۸۲۷ء میں امہرسٹ نے آگرہ میں دربار لگایا۔ اس دربار میں گولیار اور اندور کے نمائندوں نے بھی امہرسٹ سے ملاقات کی۔ آگرہ میں دربار لگانے کے بعد امہرسٹ دلی سے ہوتا ہڑا شملے حکومت ہند کی گرمائی راجدھانی بن گیا۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء میں امہرسٹ کلکتہ پہنچ گیا۔

گورنر جنرل نے کلکتہ پہنچ کر کمپنی کے ڈائریکٹروں کے ان مراسلات پر بحث کی جن کا تعلق برطانوی ہندوستان میں نئے قانون کو جاری کرنے سے تھا۔ عدالتی امور میں جو اصلاحات تجویز کی گئی تھیں وے عملی صورت اختیار نہ کرسکیں کیوں کہ برما کی لڑائی کی وجہ سے کمپنی کا خزانہ نہ صرف خالی ہوچکا تھا بلکہ کمپنی حکومت کی مقروض ہوچکی تھی۔ کمپنی کی حکومت کو مقروض کرنے کے بعد فروری ۱۸۲۸ء میں امہرسٹ واپس چلاگیا۔ نئے گورنر جنرل کے انے تک کلکتہ کونسل کے ایک رکن بٹرورتھ بیلی عارضی طور پر گورنر جنرل کا کام کرتا رہا۔

مال و اسباب پر قبضہ کرنا ہوتا تھا۔ ولیم بنٹنک کے عہدِ حکومت میں ٹھگوں کی سرگرمیاں بہت تیز ہوگئی تھیں۔ ٹھگوں کے مختلف گروہ حیدر آباد سے اودھ اور بندھیل کھنڈ سے راجپوتانے تک سارے وسطی ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ٹھگوں کی ٹولیاں تجارتی راستوں پر سفر کرتیں۔ یہ لوگ بظاہر بھلے' بے ضرر اور غیر مسلح دکھائی دیتے۔ مسافروں کو ان سے میل ملاپ پیدا کرنے میں زیادہ وقت نہیں کرنی پڑتی۔ کئی کئی دنوں تک ٹھگوں کو ان کے ساتھ سفر کرنا پڑتا۔ ان کی کسی حرکت سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ قاتل اور لٹیرے ہیں لیکن جوں ہی انہیں موقع ملتا وہ اپنے شکاروں کو مار کر ان کا مال و اسباب چھین کر لے جاتے۔ ٹھگوں کا سب سے خوفناک آلہ ایک پھندا تھا۔ اس پھندے سے بچ نکلنا محال ہوتا تھا۔۱۸۲۹ء میں گورنر جنرل نے ایف۔ سی۔ اسمتھ اور اس کے اسٹنٹ میجر سلیمن کو ٹھگوں کے انسداد کے اختیارات دیئے۔ چھ سال میں دو ہزار ٹھگ گرفتار کئے گئے۔ ان میں سے پندرہ سو کو موت کی سزا دی گئی۔ ٹھگی کے انسداد میں حیدر آباد' اودھ 'گوالیار اور دوسری ریاستوں نے حکومتِ ہند کے ساتھ پورا تعاون کیا۔

ٹھگی کے انسداد کے فوراً بعد ولیم بنٹنک نے ستی کو قانوناً" بند کردیا۔ ستی سے مراد کسی ہندو عورت کا اپنے خاوند کی نعش کے ساتھ ہی زندہ جل مرنا ہے۔ ٹھگی کے انسداد میں گورنر جنرل کو عوام اور ریاستوں کا تعاون حاصل تھا وہاں ستی کو قانوناً" بند کردینے میں اسے بہت سے مشکلات کا سامنا تھا۔ بنگال کے ہندوؤں میں سے دوارکا ناتھ ٹیگور اور رام موہن رائے نے ستی کی رسم کو مٹانے کے لئے ہندو عوام کی مخالفت کے باوجود گورنر جنرل کا ساتھ دیا۔ ولیم باشنک کے ہندوستان آنے سے چند سال پہلے ستی کی رسم کو بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن لارڈ ہیسٹنگز اور لارڈ ایمہرسٹ کو یہ خطرہ تھا کہ اگر اس رسم کو قانوناً" بند کردیا گیا تو بنگال آرمی کے سپاہی بغاوت کردیں گے۔ ولیم باشنک نے بنگال آرمی کے بعض افسروں سے دریافت کیا کہ ستی کی رسم کو بند کردینے کا بنگال آرمی پر کیا اثر ہوگا۔ ان افسروں نے گورنر جنرل کو یقین دلایا کہ بنگال آرمی کے سپاہیوں کو اس رسم سے کوئی خاص دلچسپی نہیں اور یہ کہ اگر حکومت نے اسے بند کردیا تو سپاہیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ولیم بنٹنک کی ستی کو جرم قرار دیئے جانے کی سرکاری یادداشت

نے ایک مہینے بعد۔ ۷۔ دسمبر ۱۸۲۹ء کو کلکتہ گزٹ میں اسے قانونی صورت دی گئی۔ ایک سال بعد اس قانون کا اطلاق مدراس اور بمبئی کے احاطوں پر بھی ہونے لگا۔ اس قانون کے جاری کردیے جانے کے بعد حکومت کو کسی قسم کی بدامنی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس نئے قانون کے خلاف بہت کم لوگوں نے احتجاج کیا۔

ولیم بنٹنک جنگ سے گریز نہ کرسکا۔ اس کے عہد حکومت میں کورگ کا وسیع علاقہ کمپنی کی مملکت میں شامل کرلیا گیا۔ مدراس کو گورنری کے زمانہ میں ولیم بنٹنک کی آنکھ کورگ پر تھی۔ وہ کورک کو ایک برطانی نو آبادی بنانا چاہتا تھا۔ اس نے کچھار کو بھی کمپنی کی مملکت میں شامل کرلیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے کورک اور کچھار کے علاوہ کوئی علاقہ کمپنی سے ملحق نہیں یا۔ اس امر میں بھی شک کی گنجائش نہیں کہ ولیم بنٹنک نے میسور کے الحاق کے لئے بھی انتہائی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میسور کاالحاق نظام دکن کو خوش کئے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ راجے کو کل اختیارات سے محروم کرتے ہوئے میسور کو برطانی افسروں کے رحم و کرم پر چھوڑدیا۔ ولیم بنٹنک نے اودھ کے داخلی معاملات میں بھی دخل دیا۔ گورنر جنرل کی اس حرکت سے خائف ہوکر شاہ اودھ چاہتا تھا کہ وہ اپنا سفیر انگلستان بھیجے لیکن ولیم بنٹنک نے شاہ اودھ کی اس خواہش کا جس طرح خون کیا اس کا تذکرہ "دی۔ ری۔ لُس" نے یونیورسل ریویو بابت اپریل ۱۸۴۷ء میں اس طرح کیا ہے:

"دس بارہ برس گزرے کہ کلکتہ میں یہ خبر گرم تھی کہ کمپنی شاہ اودھ کو تاج و تخت سے دست بردار کرتے ہوئے اس کی زرخیز زمینوں اور زاردار خزانوں پر قابض ہونا چاہتی تھی نیز کمپنی کی یہ خواہش تھی کہ شاہ اودھ کا وظیفہ مقرر کردیا جائے۔ کمپنی اس سے پیشتر بھی بعض ہندوستانی تاج داروں سے ایسا ہی سلوک کرتی چلی آئی جنکی زمینوں پر اسے قبضہ کرنا ہوتا۔ شاہ اودھ نے اس قسم کے رویہ سے خوف زدہ ہوکر تہیہ کیا کہ انگلستان میں ایک سفیر بھیجے جو رائے عامہ کو اس کے حق میں آمادہ کرسکے۔ اس مقصد کے لئے شاہ اودھ نے کرنل دوبائے کو انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی اس امر کی تیاریاں ہورہی تھیں کہ ہندوستان کی برطانی حکومت نے شاہ اودھ کے خیالات تبدیل کرنے اور روانگی سفیر کو ملتوی کرنے کی سعی کی۔ جب کرنل دوبائے روانگی کے لئے تیار ہورہا تھا تو اس کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا

گیا۔ تاہم کرنل ایک دیسی معاون کے ساتھ انگلستان روانہ ہوگیا۔ ولیم بنٹنک نے دوبائے کی علیحدگی کے احکام شاہ اودھ سے حاصل کرکے انگلستان بھجوادیے۔ کرنل دوبائے مایوں اور اس کا ہندوستانی معاون بے یار و مددگار غیر ملکی سفر کی صعوبتیں اٹھاتا ہوا پونا تک پہنچا۔ ولیم بنٹنک کے رویہ سے مایوس ہوکر دوبائے فرانس چلاگیا لیکن وہاں بھی ولیم بنٹنک نے اس باعزت اور شان دار انسان کو شاہ فرانس کی ملازمت میں داخل نہ ہونے دیا۔"

لارڈ ولیم بنٹنک کے عہد حکومت میں بھی اینگلو انڈین مدبروں کے ذہن پر روسی حملے کا بھوت سوار تھا۔ ان مدبروں کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ کمپنی کو ہندوستان میں اپنے مقبوضات نہیں بڑھانے چاہئیں۔ دوسری جماعت اس خیال کی حامی تھی کہ پنجاب اور سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد کابل اور ہرات میں تجارتی ایجنسیاں قائم کرنی چاہئیں۔ گورنر جنرل نے سندھ اور پنجاب کی فتوحات کی جگہ ان ملکوں سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے چاہے۔ مہاراجا رنجیت سنگھ اور کلکتہ کونسل کے تعلقات پچھلے بیس سال سے دوستانہ تھے۔ پنجاب سے مزید دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لئے الگزنڈر برنز' ولیم چہارم کا ایک خط اور چند انگریزی گھوڑے لے کر جولائی ۱۸۳۱ء کے مقام پر ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا نتیجہ ایک سال بعد تجارتی میں بھی تجارتی معاہدہ ہوچکا تھا۔

ولیم بنٹنک اور مہاراجا رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کو کابل کا تخت دلانے کے لئے بھی بات چیت کی تھی۔ مہاراجا سے مالی مدد حاصل کرنے کے بعد شاہ شجاع چند سو سپاہیوں کے ساتھ لدھیانہ سے چل پڑا۔ شکار پور (سندھ) پہنچ کر اس کی فوج کے سپاہیوں کی تعداد تیس ہزار ہوگئی۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کی طرح امرائے سندھ نے بھی شاہ شجاع کی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن انھوں نے شاہ شجاع کی بڑھتی ہوئی فوجی قوت کے ڈر سے اسے جلدی سے جلدی سندھ پار کرنے کے لئے کہا۔ کل کے دوست آج دشمن بن گئے۔ جنوری ۱۸۳۴ء میں روہڑی میں شاہ شجاع اور سندھیوں میں لڑائی ہوئی۔ سندھیوں نے شکست کھانے کے بعد شاہ شجاع کی پوری طرح سے مدد کی۔ شاہ شجاع نے قندھار کی راہ لی۔ شاہ شجاع نے قندھار کا محاصرہ کررکھا تھا کہ امیر دوست محمد خاں اپنی فوج سمیت وہاں پہنچ گیا۔ کئی دن تک لڑائی

ہوتی رہی ۔ آخرکار شاہ شجاع میدان سے بھاگ نکلا۔ وہ بلوچستان اور سندھ سے ہوتا ہوا پھر لدھیانے پہنچ گیا۔ شمالی ہندوستان میں ولیم بنٹنک کی پالیسی یہ تھی کہ برطانوی ہندوستان کی حفاظت کے لئے دریائے سندھ سے ایک خندق کا کام لیا جائے۔ پنجاب اور سندھ کو اس خندق کی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ ملایا جائے۔ ولیم بنٹنک افغانستان کو ہندوستان اور روس کے درمیان ایک بفرسٹیٹ بنانے کے لئے شاہ شجاع کی مدد پر آمادہ ہوا تھا۔

ولیم بنٹنک کی نگاہیں مشرق بعید پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ اس نے سنگاپور کو ایشیا کا جبل الطارق بنانے کی طرف نمایاں توجہ کی۔ سنگاپور اور پانانگ کی آبادی بڑھانے کی طرف دھیان کیا گیا۔ ولیم بنٹنک نے ۱۸۳۲ء میں مشرق بعید کے ٹاپو منڈل کی راجدھانی سنگاپور میں تبدیل کردی۔

ولیم بنٹنک نے ہندوستانی اور انگلستان میں دخانی جہازوں کے آنے جانے کی ہر سکیم کی ہمت بڑھائی۔ اس نے انگلستان اور ہندوستان کے درمیان سفر کرنے کیلئے راس امید کے راستے کی جگہ بحیرہ احمر کے راستے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہندوستان سے مصر اور مصر سے انگلستان تک دخانی جہاز چلنے لگے۔

پنجاب اور سندھ سے معاہدے کرنے اور شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کی جدوجہد کا مقصد ہندوستان پر روس کے حملے کی روک تھام کرنا تھا۔ ہندوستان پر روسی حملے کے امکانات پر ولیم بنٹنک نے جس یادداشت میں بحث کی ہے اس کے چند ٹکڑوں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

"برطانوی ہندوستان پر شمال کی طرف سے گورکھے حملہ کرسکتے ہیں۔ مشرق کی طرف سے برمی اور شمالی مغرب کی طرف سے سکھ' افغان اور وسطی ایشیا کے لشکر ایران اور روس کے تعاون کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ گورکھوں کو ہمارے پہاڑی علاقوں میں تو شاید تھوڑی سی کامیابی ہوجائے لیکن میدانوں میں ان کا شکست کھا جانا یقینی ہے۔ لڑائی میں برمی ہم سے بہت کمزور ثابت ہوچکے ہیں۔ ہمیں سمندری حملے کا بھی خطرہ نہیں۔ ہمارے لئے اگر کوئی خطرہ ہوسکتا ہے تو وہ شمال مغرب کی طرف سے چنانچہ ہمیں اس طرف زیادہ توجہ کرنی ہے۔

"پنجاب اپنے موجودہ قابل لیڈر کی قیادت میں ہمارے خلاف کبھی حملہ نہیں

کرے گا۔ رنجیت سنگھ بوڑھا اور کمزور ہوچکا ہے۔ اس امر کا بظاہر کوئی امکان نہیں کہ اس کا جانشین بھی اسی دانائی سے حکومت کرسکے گا۔ اس کے مرنے کے بعد بہت سی مشکلات پیدا ہوں گی۔ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان مشکلات میں بھی کون سا طرز عمل اختیار کرنا پڑے گا۔

"افغانستان کی موجودہ صورت حالات سے ہندوستان کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ شاہ شجاع کی کمزور کمان میں لڑائی والی فوج کو جو کامیاب ہوئی تھی وہ افغانستان کی کمزوری کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ دوست محمد خاں کے مقتدر ہوجانے کے بعد شاید افغانستان نسبتاً" طاقت ور بن جائے۔ ہماری خواہش ہے کہ افغانستان ایک مضبوط ملک بن کر ہندوستان اور ایران کے درمیان حد فاصل بن جائے۔

"سابق شاہ ایران کی موت کے بعد ایران روس کی مدد کے بغیر کوئی با اقدام نہیں کرسکتا۔ روس کا مفاد اس میں ہے کہ وہ ایران کی سلطنت کو مضبوط اور وسیع کرے کیوں کہ روس ایران ہی کی راہ سے مشرق اور مغرب دونوں طرف بڑھ سکتا ہے۔ چونکہ ایران کبھی روس کا مدمقابل نہیں ہوسکتا اس لئے طاقت ور ایران' روس کے جارحانہ ذرائع کا ایک موثر ذریعہ بن جائے گا۔ پیٹر اعظم سے اس وقت تک روس کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ وسطی ایشیا کے اس حصے پر قبضہ کرسکے جیسے جیحون سیراب کرتا ہے اور جو بحرہ خزر کے مشرقی کناروں سے جاملتا ہے۔ کابل سے آئی ہوئی تازہ خبروں سے پتا چلتا ہے کہ روسی' خزر اور خیو! کے درمیان ایک قلعہ بنا رہے ہیں۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روسیوں کی یہ بہترین لائن ہوسکتی ہے لیکن اس وقت اس لائن کے بارے میں کچھ کہنا دور کی کوڑی لانا ہے۔ روس و ایرانی فوج کا ہرات کی طرف بڑھنا بہت آسان ہے۔ ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد روس کا پالیسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس وقت اس پر غور کرنا غیر ضروری ہے لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہرات تک پہنچنے کے بعد روس اپنے ساتھ ایران سے مل کر برطانی ہند کے خلاف عام لڑائی کا اعلان کرسکتا ہے۔ اس اعلان کے بعد وہ تمام جنگ جو قبائل جنھوں نے کبھی تیمور کا ساتھ دیا تھا' روس و ایران کی فوج کے ساتھ مل جائیں گے۔ افغانستان کے لئے روس اور ایران کے متحدہ فوجوں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ افغانستان اس حملہ

آور فوج کے ساتھ اس شرط پر مل جائے کہ رنجیت سنگھ نے ان کے جن علاقوں کے ساتھ اس شرط پر مل جائے کہ رنجیت سنگھ نے ان کے جن علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے وہ اسے واپس مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ لوٹ مار بھی اسے اپنا فائدہ دکھائی دے گا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح روسی فوج دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچ جائے گی۔ رنجیت سنگھ کے لئے اتنی بڑی فوج کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ پنجاب میں داخل ہوتے ہی حملہ آوروں کو سب مفید ذرائع میسر آسکیں گے۔"

اسی یادداشت میں آگے چل کر ولیم بنٹنک اس مفروضہ حملے کی روک تھام کے ضمن میں کمپنی کی فوج کی جسمانی اور اخلاقی کمزوریوں اور خوبیوں کو بیان کرتا ہے۔

ولیم بنٹنک نے نظم و نسق کے ضمن میں ۱۸۳۴ء میں نئی تعلیمی پالیسی کو نافذ کیا اس نئی پالیسی کے ذریعے انگریزی کو کمپنی کے ہندوستانی مقبوضات کی سرکاری زبان بنادیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مدارس میں مختلف علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگریزی کو ذریعہ بنادیا گیا۔ ولیم بنٹنک کے اس اقدام نے جہاں ہندوستانی طلباء کو جدید ترین علم سے روشناس کردیا وہاں بدیشی زبان ذریعہ تعلیم بن جانے سے ہندوستانی طلباء کے ذہنوں پر دہرا بوجھ ڈال دیا گیا۔ اس اقدام نے ہندوستان کی ملکی زبانوں کی ترقی کو کافی نقصان پہنچایا۔ ولیم بنٹنک کی تعلیمی پالیسی تعلیم کی نسبت اقتصاد پر زیادہ مبنی تھی۔ انگریزی کے ذریعہ تعلیم بن جانے کے بعد کمپنی کو انگریز اہل کاروں کی نسبت کم تنخواہ پر دیسی اہل کار مل سکتے تھے۔ بہرحال کلکتہ کونسل کے ارکان میں اس بات پر کافی اختلاف تھا۔ بعض ممبروں کی یہ رائے تھی کہ انگریزی کو دفتری اور تعلیمی زبان بنادیا جائے۔ دوسروں کی رائے اس کے خلاف تھی۔ کلکتہ میں یہ بحث جاری تھی کہ ۱۸۳۳ء کے چارٹر ایکٹ کی رو سے کلکتہ کونسل میں ایک لاء ممبر (مشیر قانون) کا اضافہ ہوگیا۔ میکالے پہلا لاء ممبر ہو کر اسی سال کے آخر میں کلکتہ پہنچ گیا۔ اس نے کمپنی کی تعلیمی پالیسی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ ہندوستان پہنچتے ہی اسے تعلیمات عامہ کی جنرل کمیٹی کا صدر مقرر کردیا گیا لیکن اس نے اس وقت صدر بننے سے انکار کردیا جب تک کہ گورنر جنرل ذریعہ تعلیم بنائے جانے والی زبان کا فیصلہ نہ کرلے۔ لیکن کلکتہ کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس نے

اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ جب دونوں پارٹیوں نے اپنے اپنے وعدے کا جواز پیش کیا تو ۲۔ فروری ۱۸۳۵ء کو میکالے نے اس مسئلے پر جو یادداشت لکھی تھی اس میں کہا گیا ہے کہ:

"سب پارٹیاں اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان کے اس حصے میں جتنی بولیاں رائج ہیں ان میں ادبی اور سائنسی معلومات نہیں ہیں۔ یہ بولیاں ابھی اپنی ابتدائی شکل میں ہیں اور جب تک کسی دوسری طرف سے ان زبانوں کو بلند نہیں کیا جاتا اس وقت تک ان میں کسی مفید کتاب کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس امر پر بھی پورا پورا اتفاق ہے کہ وہ لوگ جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اپنی زبان کے لئے کسی دوسری زبان ہی کے ذریعے حاصل کرسکتے ہیں۔ ایسی زبان کون سی ہو؟ کمیٹی کے آدھے ممبروں کی رائے یہ ہے کہ یہ زبان انگریزی ہونی چاہئے۔ باقی آدھے ممبر عربی اور سنسکرت کو ذریعہ تعلیم بنائے جانے کی سفارش کرتے ہیں۔ میرے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ کون سی زبان ایسی ہے جسے جاننا بہت ضرورت ہے؟ میں نہ سنسکرت جانتا ہوں اور نہ عربی لیکن میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ انکی قدر و قیمت معلوم کرسکوں۔ میں نے عربی اور سنسکرت کی چند بڑی بڑی کتابوں کے تراجم بھی پڑھے ہیں۔ کمیٹی کے وہ ممبر جو تعلیم کی مشرقی سکیم کے حامی ہیں مغربی ادب کی افادی قدر سے انکاری نہیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر و شاعری کے میدان میں مشرقی ادب یورپی ادب سے آگے ہے لیکن ان علوم میں جن کا تعلق حقائق سے ہے یورپی ادب کو مشرقی ادب سے بہتر ماننا پڑتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ سنسکرت زبان میں تاریخ سے متعلقہ کتابیں معلومات کے پیش نظر ان خلاصوں سے بھی کم قدر و قیمت رکھتی ہیں جو انگلستان کے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں کو پڑھانا ہے جنہیں سردست ان کی مادری زبان میں تعلیم نہیں دی جاسکتی۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم انہیں کوئی نہ کوئی غیر ملکی زبان پڑھائیں۔ ہماری زبان اس دعوئی پر پوری اترتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔"

انگریزی کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد میکالے اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ:

"ہندوستان میں حکمران طبقے کی زبان انگریزی ہے۔ راجدھانیوں میں اعلیٰ طبقے کے دیسی لوگ بھی اسے بولتے ہیں۔ انگریزی بہت جلد مشرق کے سمندروں میں تجارتی زبان بن جائے گی۔ ہماری زبان کی خوبیوں اور ہندوستان کے حالات کا تقاضا ہے کہ سب غیر ملکی زبانوں میں سے صرف انگریزی ہی ایسی زبان ہے جو ہماری دیسی رعایا کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ جب اس زبان کو پڑھانا ہمارے اختیار میں ہے تو پھر ہم کیوں دیسی باشندوں کو ایسا علم ہیئت پڑھائیں جسے سن کر انگریزی بورڈنگ سکول کی طالبات ہنسنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایسی تاریخ پڑھائیں جس میں بادشاہوں کا قد تیس فیٹ اور ان کا عہد حکومت تیس ہزار سال بتایا گیا ہو۔ ایسا جغرافیہ پڑھائیں جس میں مکھن کے سمندروں کا ذکر کیا گیا ہو۔ مغربی یورپ کی زبانوں نے روس کو مہذب بنایا۔ مجھے اس امر میں ذرہ برابر شک نہیں کہ ان زبانوں نے تاتاریوں کے لئے جو کچھ کیا وہ ہندوؤں کے لئے بھی ویسا ہی کریں گے۔۔۔۔"

میکالے کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ولیم بنٹنک انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے حق میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے میکالے کے خیالات کے ساتھ پورا اتفاق کیا۔ ۷۔ مارچ ۱۸۳۵ء کو ایک قرارداد کے ذریعے انگریزی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنا دیا گیا۔

ولیم بنٹنک کے عہد حکومت میں جب کہ انگلستان میں ولیم چہارم (۱۸۳۰ء۔ ۱۸۳۷ء) بادشاہ تھا۔ کمپنی کے چارٹر کی ۱۸۳۳ء میں تجدید ہوئی۔ ولیم چہارم کے عہد کا سب سے نمایاں واقعہ "پارلیمنٹ کی اصلاح" ہے۔ وہگ پارٹی نے ایوان عام میں اکثریت حاصل کرنے کے بعد ولنگٹن کو وزارت سے نکال کر پچاس سال کے ٹوری راج کو ختم کر دیا۔ ولیم چہارم کے بقیہ عہد حکومت میں وہگ پارٹی ہی کا اقتدار رہا۔ ولیم چہارم کے عہد میں کمپنی کو نیا چارٹر ملا اسنے کمپنی کی تجارتی حیثیت کو ختم کر کے اسے حکمران جماعت میں بدل دیا۔

باب ۲۳

ہندوستان کی معاشی محکومی

اٹھارویں صدی نے تین بڑے انقلاب دیکھے: انگلستان کا صنعتی انقلاب' امریکہ کا اعلان آزادی اور انقلاب فرانس۔ پہلے دو انقلابوں کا انگلستان سے براہ راست تعلق ہے۔ تیسرے انقلاب نے انگلستان سمیت سارے یورپ کو متاثر کیا۔ اٹھارویں صدی کے ہندوستان پر انگلستان کی تاریخ کا براہ راست اثر پڑا۔ اس طرح ان تینوں انقلابوں نے ہندوستان کو متاثر کیا۔

انگلستان کے نوابوں نے ۱۲۱۵ء میں ایک بغاوت کے ذریعے شاہ جہاں سے مائنا کارٹا (فرمان عظیم) حاصل کیا۔ اس فرمان نے انگلستان کو ایک آئینی ریاست بنادیا۔ بادشاہ کے اختیارات کم ہوگئے۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے بتدریج اپنے اختیارات کو وسیع کیا۔ جب جیمز اول نے انگلستان میں "بادشاہ کے آسمانی اقتدار" کو استعمال کرنا چاہا تو زمین والوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا۔ انگلستان اس زمانے میں سیاسی کش مکش میں مصروف تھا۔ جب کہ سارا یورپ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے خونین ہنگاموں میں گم تھا۔ جیمز اول کے عہد میں پارلیمنٹ اور تاج کی کش مکش ایک واضح صورت اختیار کرچکی تھی لیکن اس کا خاتمہ اس کے جانشین چارلس اول کے عہد میں ہوا۔ ایک طویل خانہ جنگی کے بعد چارلس اول پر "ظالم' غدار' قاتل اور ملک دشمن' ہونے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اسے جنوری ۱۶۴۹ء کی ایک صبح کو موت کی سزا دی گئی۔ اب انگلستان میں کراموبل کی آمرانہ جمہوریت قائم ہوئی۔ اس کی موت کے بعد چارلس کے بیٹے چارلس دوم کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے لوئی چہاردہم سے ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی رو سے اس نے انگلستان کی خارجہ پالیسی کو ایک لاکھ پونڈ سالانہ کے عوض فروخت کردیا۔ ۱۶۸۵ء

میں جیمز دوم تخت نشین ہوا۔ اس نے پارلیمنٹ سے پھر تنازعہ شروع کردیا۔ اسے ۱۶۸۸ء میں انگلستان سے بھاگنا پڑا۔اس مرتبہ انگلستان کے لارڈوں' سوداگروں اور شریفوں نے کسی دوسرے کراموبل کی آمریت کو مہلت نہ دیتے ہوئے ولیم کو تخت پر جگہ دی۔ اس مرتبہ سوائے آئرستان کے کسی جگہ خانہ جنگی نہ ہوئی۔ ملکہ این کی موت کے بعد پارلیمنٹ نے ایک جرمن شہزادے کو تخت پر بٹھایا۔ یہ شہزادہ جارج اول کے نام سے حکمران ہوا۔ وہ انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا تھا۔ جارج اول کے عہد میں ایوان عام کو اس کی آزادی اور قوت سے محروم کردیا گیا۔ جارج کے بعد جارج دوم اور جارج سوم یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔

۱۶۸۸ء کے انقلاب میں انگریزی پارلیمنٹ کو کامیابی ہوئی لیکن یہ پارلیمنٹ زیادہ تر جاگیرداروں کی نمائندہ تھی۔ چونکہ یہ جاگیریں موروثی ہوتی تھیں اس لیے سیاسی اقتدار ایک مخصوص جماعت میں مرتکز ہوگیا۔ اس پارلیمنٹ میں بعض شہروں کے بڑے بڑے سوداگر شامل ہوسکتے تھے لیکن متوسط طبقے کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان جاگیرداروں نے چھوٹے چھوٹے کسانوں کو ہڑپ کرنا شروع کیا۔ لوگوں کی معاشی حالت خراب ہوگئی۔ عوام نے اس بات کے خلاف مظاہرے کیے کہ پارلیمنٹ میں ان کی ترجمانی نہیں کی جاتی۔ اسی اثنا میں انگلستان کی صنعت بتدریج ترقی کر رہی تھی۔ یورپ ملکوں میں مذہبی فسادات سے بھاگے ہوئے صناعوں نے انگلستان میں پناہ لی۔ صرف ہالینڈ سے چالیس ہزار جلاہے مشرقی انگلستان میں آباد ہوئے۔ ان جلاہوں نے انگلستان کی ملبوساتی ضروریات کو اس حد تک پورا کردیا کہ کہ انگلستان میں ہالینڈ کے کپڑے کی درآمد بند کردی گئی۔ فرانس کے پناہ گزیں جلاہوں نے انگلستان میں ریشمی کپڑے کی صنعت کو فروغ دیا۔ یورپ کے ہنگامہ جدال و قتال سے بھاگے ہوئے بے سروساماں پناہ گزینوں نے انگلستان کو ایک صنعتی ملک میں تبدیل کردیا۔ انگلستان میں ہر وہ چیز تیار ہونے لگی جسے وہ درآمد کرتا تھا۔ اس صنعتی فروغ نے لندن کی رونق میں اضافہ کیا۔ اس زمانے میں دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح انگلستان کی یہ دستکاریاں گھریلو تھیں۔ انگلستان میں وہی استادی شاگردی کا سلسلہ تھا جو ہندوستان کی بعض گھریلو دستکاریوں میں اب تک پایا جاتا ہے۔

کے، ہرگریوز اور رچرڈ آرک رائٹ کی ایجادوں نے سوتی کپڑا بننے میں بہت سی آسانیاں پیدا کردیں۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں جیمز واٹ نے سٹیم انجن ایجاد کیا۔ اس ایجاد کے بعد فیکٹریوں میں انسانی پٹھوں کی جگہ کوئلے نے لے لی۔ صنعت کی بنیاد لوہے اور کوئلے پر رکھی گئی۔ انگلستان زرعی ملک سے صنعتی ملک بن گیا۔ سبز چراگاہوں کی جگہ فیکٹریوں سے سیاہ دھواں اٹھنے لگا۔ آزاد کسان، اجیر مزدوروں میں بدل گئے۔ جاگیرداروں کا اقتدار کارخانہ داروں کو نصیب ہوا۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب کے بعد یہ مشینی انقلاب تھا۔ مشینوں نے گھریلو دستکاریوں کو فنا کردیا۔ ان دستکاروں نے مشینوں کے خلاف بہت احتجاج کیا لیکن آخر کار انہیں ان فیکٹریوں میں کام کرنا پڑا جو مشینوں سے چلتی تھیں۔ انگلستان میں ۱۸۰۰ء کے قریب اس قسم کی بے شمار فیکٹریاں قائم ہوچکی تھیں۔ ان ابتدائی فیکٹریوں کے مالک صنعتی مزدوروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ اس انقلاب نے انگلستان کی سماجی اور سیاسی زندگی کو بدل دیا۔ کارخانہ داروں نے ازمنہ وسطی کے بادشاہوں کے ظل الٰہی کے نظریہ کی طرح تجارت میں احتراز کا نظریہ قائم کیا۔ اس نظریے کی رو سے حکومت کو تجارتی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔

انگلستان میں صنعتی انقلاب اٹھارھویں صدی کے وسط میں ہوا۔ اس زمانے میں انگریز، ہندوستان اور کینیڈا میں لڑائیاں لڑ رہے تھے۔ اسی زمانے میں جنگ ہفت سالہ ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اسی زمانے میں کمپنی نے بنگال کی دولت کو لوٹا۔ انگلستان کو اس دولت سے بہت زیادہ تجارتی فروغ ہوا۔

صنعتی انقلاب اور فرانسیسی انقلاب کے درمیان ایک اور انقلاب ہوا۔ یہ انقلاب امریکی نوآبادیات میں ہوا۔ امریکہ کی برطانی نوآبادیات انگلستان سے الگ ہوگئیں۔ اس انقلاب میں امریکہ اور برطانیہ نہیں لڑ رہے تھے بلکہ یہ جنگ امریکہ اور برطانی حکومت میں تھی کیوں کہ وہگ پارٹی کے بہت سے ممبر امریکی نوآبادیات کے حق میں تھے۔ یہ ممبر امریکی نوآبادیوں کو جارج سوم کے شاہی اقتدار میں اضافہ کے لیے استعمال نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔

انگلستان کی پارلیمنٹ نے ۱۷۰۰ء میں ایک قانون کی رو سے انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد کو ممنوع کردیا تھا۔ نیز ہندوستانی کپڑے کے استعمال کو

جرم قرار دیا گیا۔ ایک مدت تک اس قانون پر عمل ہوتا رہا اور جب انگلستان نے دیکھا کہ ہندوستان کی صنعت ختم ہو چکی ہے تو پارلیمنٹ نے انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد کی اجازت دے دی۔ لیکن اس درآمد پر زیادہ محصول لگایا گیا تاکہ ہندوستانی کپڑا انگلستان میں فروخت نہ ہو سکے۔ ان پابندیوں کے باوجود جب کہ ایک طرف کمپنی ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی کو تباہ کرنے کی ہر امکانی کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف ہندوستانی مال پر زیادہ سے زیادہ محصول لگایا جا رہا تھا۔ ہندوستان کا کپڑا انگلستان کے بازاروں میں بکتا رہا یہاں تک کہ مشینوں نے دستکاری پر غلبہ پالیا۔

کمپنی نے ہندوستان کی صنعتوں کو جس انداز میں تباہ کیا اس کا ذکر ولیم بولٹس نے ۱۷۷۲ء میں ان الفاظ میں کیا تھا: "تمام اندرون ہند کی تجارت اور کمپنی کا ایک خاص طریقے پر ہندوستان میں روپیہ لگانا' یہ سب مسلسل مظالم کا ایک ایسا منظر ہے جس کے برے اثرات کو ہندوستان کا ہر کپڑا بننے والا محسوس کر رہا ہے۔ ہر سامان جو تیار کیا جاتا ہے وہ کمپنی کی ملکیت بن جاتا ہے اور انگریز اپنے بنیوں اور گماشتوں کے ذریعے انتہائی تکبر سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہر کاریگر کتنا مال کس قیمت پر دے گا۔ جب ان باتوں کے تصفیہ سے ہندوستانی جلاہے کمپنی سے پیشگی روپیہ لینے سے انکار کرتے تو وہ زبردستی روپیہ ان کی کمر میں بندھوا دیا جاتا ہے اور پھر اس جلاہے کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اس محکمے میں جو بدمعاشیاں کی جاتی ہیں وہ وہم و قیاس میں بھی نہیں آسکتیں۔ کمپنی کے گماشتے جو نرخ مقرر کرتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے چالیس فی صد کم ہوتا ہے۔ ریشم کاتنے والے بے شمار کاریگروں نے ان تکلیفوں سے تنگ آکر انگوٹھے کٹوا لیے ہیں لیکن اس کے باوجود ۱۸۱۳ء کی ایک رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستان کے ریشمی اور سوتی کپڑے انگلستان کے بازاروں میں انگلستان کے کپڑوں سے پچاس ساٹھ فی صد کم قیمت پر بکتے تھے۔ انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد پر زیادہ سے زیادہ محصول لگایا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۸۱۳ء میں ہندوستان کے دھاری دار کپڑوں پر قریبا" پچاس فی صد محصول لگایا گیا۔ ہندوستانی چھینٹ پر اسی فی صد محصول اور اونی کپڑے پر پچاسی فی صد محصول لگایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۳ء تک باوجود پابندیوں کے

ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی زندہ تھی اور اسے ختم کرنے کے لئے پارلیمنٹ کو ابھی سے زیادہ سے زیادہ محصول لگانے کی ضرورت تھی۔ لیکن جب انگلستان کو اپنے مال کی کھپت کی ضرورت پیش آئی تو انگلستان نے آزاد تجارت کی ایسی پالیسی اختیار کرلی۔ جوں جوں ہندوستانی صنعت تباہ ہوتی گئی اسی نسبت سے انگلستان میں ہندوستانی مال کی درآمد پر محصول کم ہوتا گیا۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء کے ایک بیان کے مطابق نہ صرف ہندوستان کا سوتی کپڑا انگلستان میں درآمد ہونے سے رک گیا تھا بلکہ الٹا انگلستان سے سوتی کپڑا ہندوستان جانے لگا تھا۔ یہ محصول اس وقت منسوخ کیے گئے جب ہندوستان کی تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ ذیل کے دو نقشوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انگلستان میں ہندوستان کے کپڑے کی درآمد کس طرح بتدریج کم ہوئی:

۱۷۹۳ء میں ۳۲۴۵۷۴۵ پونڈ کا کپڑا درآمد ہوا۔

۱۷۹۸ء میں ۱۷۹۷۳۴۵ پونڈ کا کپڑا درآمد ہوا

۱۸۰۵ء میں ۹۷۸۳۱۷ پونڈ کا کپڑا درآمد ہوا

۱۸۱۰ء میں ۱۸۱۲۷۳ پونڈ کا کپڑا درآمد ہوا

۱۸۱۴ء میں ۵۳۴۴۵۹۰ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۲۱ء میں ۱۲۶۶۶۰۸ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۲۸ء میں ۴۲۲۵۰۴ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۳۵ء میں ۳۶۶۰۸۶ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۴۳ء میں ۱۸۱۲۲۴ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۴۹ء میں ۳۶۱۵۱ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

جب ہندوستانی مال دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا تو ہندوستان کی صنعت جہاز سازی بھی اپنے عروج پر تھی۔ "جب ہندوستان کا مال تجارت ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں میں بندرگاہ میں پہنچا تو وہاں کے کارخانہ داروں پر اتنی وحشت طاری ہوئی گویا کسی دشمن ملک نے انگلستان پر حملہ کردیا ہے۔ لندن کے سب جہاز سازوں نے چلانا شروع کیا کہ اگر ہندوستان کے جہازوں کو باربرداری میں اسی طرح استعمال کیا جانے لگا تو انگلستان کے جہاز ساز بھوکے مرجائیں گے۔ ہندوستانی تجارت کے زوال پذیر ہوتے ہی اس صنعت کا تباہ ہونا یقینی تھا۔"

جے۔ سی۔ کمارپا نے اپنی کتاب "مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب" میں لکھا ہے "ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے "قرض عامہ" کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اگر کوئی حکمران کبھی قرض لیتا بھی تو وہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جاتا اور رعایا کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ لارڈ کلاؤ کے زمانے میں جب ہندوستان کا ایک خطہ کمپنی کے زیرِ حکومت آگیا تو اس وقت بھی سوائے چند انتظامی اختیارات کے کمپنی محض ایک تجارتی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا سارا کام حصول منافع کے نقطہ نگاہ پر چل رہا تھا۔ پس یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی دولت یعنی اس کے زر اصل کا سیلاب رواں ہندوستان سے انگلستان کی طرف بہنا شروع ہوگیا۔ ملک کو قرضے کی ضرورت اس وقت اس لیے نہ ہوئی کہ اس دور جاگیرداری میں کمپنی کو لوٹ اور غارت گری سے اس قدر روپیہ وصول ہوجاتا تھا جو اس وقت کے ملکی انتظامات کے لیے کافی ہوجائے۔ تاریخ کا یہ دور انگلستان کی مالی ابتری کی شہادت دیتا ہے۔ بقول بروک ایڈم ۱۷۵۰ء کے زمانہ میں انگلستان کی آہنی صنعت روبہ انحطاط تھی۔ جنگل کٹ چکے تھے' تین چوتھائی لوہا سویڈن سے لایا جاتا تھا۔ ۱۷۶۰ء سے پہلے سوت کاتنے کی مشین جو لنکاشائر میں استعمال کی جاتی تھی وہ اپنی سادگی میں ہندوستانی چرخہ سے مشابہ تھی۔ غرض اس وقت موجد بہت تھے مگر وہ سرمایہ جو ہر ایجاد کو رائج اور جاری کردیا کرتا ہے ملک میں موجود نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ انسان کا دل سوچ سکتا ہے' اور دماغ ایجاد بھی کرسکتا ہے' مگر جب تک خیالات کو عمل کی صورت میں لانے کے لئے ہاتھ سے مدد نہ لی جائے ساری کاوشیں بے کار و عبث ہوں گی۔ اسی طرح وہ سرمایہ جس نے انگلستان کی ایجادات کو فروغ دیا جنگ پلاسی کے بعد ہی سے وہاں پہنچنا شروع ہوگیا۔ جنگ پلاسی کے بعد کی حالت لارڈ میکالے اس طرح لکھتا ہے کہ "دولت کی وہ موسلادھار بارش جو کمپنی اور اس کے ملازمین پر برسی' اس کا کچھ حد و حساب نہ تھا۔" جنگ کے بعد آٹھ لاکھ پونڈز نقد مرشد آباد سے کلکتہ روانہ کیا گیا اور وہ کلکتہ جس پر کبھی فلاکت و ویرانگی برستی تھی' اب اپنی آبادی اور چہل پہل میں حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا۔ کمپنی کے ملازمین کے گھروں پر دولت کی فراوانی کے آثار ہویدا تھے۔ رہا خود لارڈ کلاؤ تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی طبع معتدل کے سوا اس کی فراوانی' دولت کا اندازہ ممکن نہیں' اس بانی

سلطنت کلاؤ نے ہندوستان کو لوٹنے اور انگلستان کو سرمایہ فراہم کرنے کا خوب ہی استحقاق حاصل کرلیا تھا۔ اب انگلستان کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ صنعت و ایجادات میں حیرت انگیز ترقی شروع ہوگئی۔ جنگ پلاسی کے صرف تین سال بعد کپڑا بننے میں ایک نئی نال کا استعمال شروع ہوگیا۔ چوتھے ہی سال پھر ہرگریویز کا جدید کرگھہ جاری ہوگیا۔ ۱۷۶۸ء میں واٹس نے انجن ایجاد کیا۔ ۱۷۷۹ء میں کرومٹن نے سوت کاتنے کی ایک نئی مشین ایجاد کی' اور آخر کا ۱۷۸۵ء میں کپڑا بننے کی مشین بھی مکمل اور پیٹنٹ ہوگئی۔ یہ ہے انگلستان کے تجارتی انقلاب کی سرگزشت جس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کا اقتصادی دور انحطاط بھی شروع ہوجاتا ہے۔ ہندوستان کے براہ راست اور بالواسطہ لوٹ اور غارت گری سے جو سرمایہ فراہم ہوتا رہا وہی انگلستان کی ایجادات و اختراعات کی ترقی اور توسیع کا موجب ہوا۔ اس رہتی دنیا کے قیام سے اس وقت تک شاید ہی کسی سرمایہ نے اس قدر منافع دیا ہو جس قدر کہ ہندوستان کی لوٹ اور غارت گری سے انگلستان کو حاصل ہوا کیوں کہ اس کے بعد کامل پچاس سال تک کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔ برک کا بیان ہے کہ "۱۷۵۰ء میں سارے انگلستان میں بارہ مہاجنوں کی کوٹھیاں بھی نہ تھیں مگر حالات اس قدر تبدیل ہوئے کہ ۱۷۹۰ء میں وہاں کے ہر بڑے بازار میں بینک قائم ہوگئے تھے اور لین دین کا بازار گرم تھا۔ گویا بنگال کی چاندی نے نہ صرف زر کی مقدار کو بڑھایا بلکہ رفتار تجارت میں بھی غیر معمولی سرعت پیدا کردی۔"

بروکس ایڈمس کے الفاظ میں: "اس اعلیٰ اور مرکز سوسائٹی کے ظہور پر بحث کرتے ہوئے جس میں وہ رہتا تھا۔" مل نے سرمایہ کی تعریف یہ کی ہے کہ "وہ انسانی محنت کا مجموعی ذخیرہ ہے۔" یا دوسرے لفظوں میں سرمایہ جمع شدہ محنت ہے' مگر اس محنت کا بہت سا حصہ مقررہ ندیوں میں بہتا ہے۔ صرف روپیہ ہی ہے جو فی الفور کسی صورت میں تبدیل ہونے کے قابل ہے' اس لیے ہندوستانی روپیہ کا بہاؤ قومی نقد سرمایہ کے ساتھ زیادہ ترمل کر نہ صرف محنت کا ذخیرہ بڑھانے کا موجب ہوا بلکہ اس سے اس کی تحریک کی تیز رفتاری اور پائیداری بھی بہت بڑھ گئی۔ جنگ پلاسی کے بعد ہی بہت جلد بنگال کی لوٹ لندن میں آنی شروع ہوئی اور اس کی تاثیر فوری ہوئی کیوں کہ سب اہل الرائے اس بات پر متفق ہیں کہ انگلستان میں حرفتی انقلاب جس

نے انیسویں صدی کو اس سے پہلے کے سارے زمانے سے الگ اور ممتاز کردیا ہے ۱۷۶۰ء سے شروع ہوا۔ ۱۷۶۰ء سے پہلے بقول بینز جو کلیں لنکاشائر میں روئی کاتنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں وہ ایسی ہی سادہ تھیں جیسے کہ ہندوستان میں۔ ۱۷۶۴ء میں ہرگریویز نے کاتنے کی کل ایجاد کی۔ ۱۷۷۹ء میں کرومٹن نے ایک نئی سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی۔ ۱۷۸۵ء میں کارٹ رائٹ نے کل سے چلنے والا رچھ' پینٹ کرایا اور ویٹ نے سب سے اعلیٰ دخانی انجن وضع کیا جو یک جہتی محنت کا سب سے کامل راستہ تھا۔ گو یہ کلیں اس وقت کی تحریک کو جلدی چلانے کے کام آئیں مگر دراصل اس جلد بازی کا موجب نہیں تھیں۔ ایجادیں خود ساکت اور ساکن ہوتی ہیں۔ ان میں سے بہت ضروری ایجادیں سالہا سال یوں ہی پڑی رہیں اور انتظار کرتی رہیں کہ کب کافی ذخیرہ طاقت کا انہیں چلانے کے لیے جمع ہوتا ہے۔ وہ ذخیرہ ہمیشہ روپے کی شکل اختیار کرتا رہا مگر روپیہ دفن کیا ہوا نہیں بلکہ چلتا پھرتا۔ چنانچہ چھاپنے کا علم مدتوں سے چینیوں کو معلوم تھا' پیشتر اس کے کہ یورپ میں آیا۔ رومیوں کو غالباً" بندوق کی گولیوں کا علم تھا پستول اور بریچ لوڈنگ توپیں پندرھویں اور سولہویں صدی میں پائی جاتی تھیں اور اسٹیم (بھاپ) کا تجربہ ویٹ کی پیدائش سے بہت پہلے ہوچکا تھا۔ ویٹ کو اس کا خیال باندھنے میں بہت کم محنت اٹھانی پڑی اور اس نے اس کو دنیا کے روبرو لانے میں زندگی صرف کی لیکن ہندوستانی خزانے کی ندی بہنے اور اس کے بعد داد و ستد کی وسعت سے پہلے کوئی طاقت موجود نہ تھی جو اس مطلب کے لیے کافی ہوسکے۔ اگر ویٹ پچاس برس پہلے پیدا ہوتا تو اپنی ایجاد کو اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتا۔ ان مشکلات کا لحاظ کرکے جن کے ماتحت اپنے زمانے کا نہایت قابل اور محنتی کاری گر میتھیو دب گیا کسی کو اس میں کلام نہیں ہوسکتا کہ اگر بولٹنگ کا کارخانہ برمنگھم میں نہ ہوتا تو انجن پیدا نہ ہوتا اور ۱۷۶۰ء (جب ہندوستان کی دولت انگلستان گئی) سے پہلے اس قسم کے کارخانے قائم نہیں کیے جاسکتے تھے۔ ۱۷۶۱ء میں "ڈیوک آف برج واٹر" نے پہلے نہر جو بعد ازاں "لنڈ واٹر ڈے" بن گئی' ختم کی اور اس پر پانچ کروڑ پونڈ صرف ہوئے جو ہفت سالہ جنگ کے آغاز میں تمام قومی قرضے کا دو تہائی تھا۔ اسی عرصے میں اسٹیم بھی جاری کی گئی۔ فیکٹریاں بنائی گئیں' محصول لینے کے لیے پھاٹک تعمیر کیے گئے اور یہ سب کچھ قرض

کے طریقے سے کیا گیا جو طریقہ تمام ملک میں رائج ہو گیا تھا۔ یک جہتی سوسائٹیوں میں اعتبار پر قرضہ محنت کی پسندیدہ گاڑی ہے اور جوں ہی لندن میں اس کی بنا رکھنے کے لیے کافی خزانہ ہندوستان سے آ گیا وہیں وہ حیرت انگریز تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔

۱۶۹۴ء سے جنگ پلاسی تک اس طریقے کی رفتار نسبتاً" بڑی دھیمی رہی کیوں کہ بینک آف انگلینڈ کی بنا رکھے جانے کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک بینک کا چھوٹے سے چھوٹا نوٹ بیس پونڈ کا ہوتا تھا جو زیادہ رائج نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں برک نے بیان کیا ہے کہ جب وہ ۱۷۵۰ء میں انگلینڈ میں آیا اس وقت ساہوکاروں کی بارہ دکانیں بھی مفصلات میں موجود نہ تھیں۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں اس کے قول کے بموجب قریباً" ہر ایک تجارتی قصبے میں ساہوکاروں کی دکانیں پائی جاتی ہیں۔ بنگال کی چاندی کی آمد سے نہ صرف اس طریقے کی رفتار میں تیزی ہوئی بلکہ صنعت و حرفت کے ہر ایک شعبے میں استحکام پیدا ہو گیا۔ پس انگلستان کی بے پناہ صنعتی ترقی کی اصلیت کا ہندوستان کی دولت کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ دولت اٹھارہویں صدی کے وسط سے آج تک اسی چشمہ سے درپردہ زیادہ تر نکالی جا رہی ہے۔ بلاشبہ جب سے دنیا شروع ہوئی ہے کسی راس المال سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا جتنا کہ ہندوستانی لوٹ سے۔"

باب ۲۴

لارڈ آکلینڈ

(۱۸۳۶ء --- ۱۸۴۲ء)

ولیم بنٹنک کے جانشین سرچارلس مٹکاف کا مختصر عہد حکومت اس بات کے لیے بہت مشہور ہے کہ اس نے ہندوستان کے اخباروں پر سے تمام عائد کی ہوئی پابندیاں دور کردیں۔ انڈیا ہاؤس کو سرچارلس کا اقدام پسند نہ آیا چنانچہ وہ مستعفی ہوگیا۔

سرچارلس مٹکاف کے مستعفی ہوجانے کے بعد لارڈ آکلینڈ کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی برسوں میں تعلیم اور آب پاشی کے امور کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ اس نے اودھ کے معاملات میں دخل دیا۔ ستارہ کے راجا کو گدی سے اتارا اور کرنول پر قبضہ کیا۔ لارڈ آکلینڈ کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہرات اور قندھار کی راہ سے ہندوستان پر روسی حملے کا اندیشہ تھا۔ اس زمانے میں وسطی ایشیا میں روس کا سیاسی اقتدار بہت بڑھ چکا تھا۔ ایران کے دربار میں بھی روس کا اثر بہت غالب ہوچکا تھا۔ جب ۱۸۳۷ء میں روسی افسروں کے ماتحت ایرانی فوج نے ہرات کا محاصرہ کرلیا تو لارڈ آکلینڈ نے کیپٹن برنز کو بظاہر تجارتی مشن پر کابل بھیجا لیکن اس مشن کا مقصد افغانستان میں روسی سکیموں کی روک تھام کرنا تھا۔ کابل کے بادشاہ دوست محمد نے اس مشن کا خیر مقدم کیا اور انگریزوں کے تمام مطالبات اس شرط پر مان لیے کہ وہ رنجیت سنگھ پر دباؤ ڈال کر پشاور کو اس کے حوالے کرادیں۔ لارڈ آکلینڈ نے جب اس شرط کو ماننے سے انکار کردیا تو دوست محمد نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ دوست محمد کے اس

اقدام نے جس کا اسے حق حاصل تھا آکلینڈ کو مشتعل کردیا۔ اس نے شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا ارادہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیے "کلینڈ' رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع میں ایک سہ فریقی معاہدہ ہوا۔

اسی اثنا میں ہندوستان پر روسی حملے کا خطرہ جاتا رہا کیوں کہ روس نے اپنے سفیر کو کابل سے واپس بلا لیا تھا اور ایرانیوں نے ہرات کا محاصرہ بھی اٹھا لیا تھا لیکن اس کے باوجود ۱۸۳۹ء میں بولان اور خیبر کے دروں کی راہ سے انگریزی فوجوں نے افغانستان پر حملہ کردیا۔

افغانستان پر کیوں حملہ کیا گیا؟ اس حملے کا مقصد سرحدی استحکام نہیں ہو سکتا۔ برطانی ہندوستان اور افغانستان کے درمیان پانچ دریاؤں کی سرزمین راجپوتانہ کے صحرا' سندھ کا ریگستان اور بلوچستان کی چٹانیں تھیں۔ کمپنی نہایت آسانی سے امرائے سندھ اور پنجاب سے اس قسم کا معاملہ طے کرسکتی تھی۔ آخر اس جنگ کا سبب کیا تھا؟ "روس آیا! دوڑنا!" افغانستان کی جنگ کا بہانہ تھا۔ شاہ شجاع' لدھیانہ میں کمپنی کے رحم و کرم پر اپنے ایام زیست بسر کر رہا تھا۔ افغانستان کے تخت پر دوست محمد قابض تھا۔ آکلینڈ نے برنز کو ایک تجارتی وفد کا امیر بنا کر دوست محمد کے پاس بھیجا۔ شاہ افغانستان نے مشرقی مہمان نوازی کے پیش نظر اس کی بہت عزت کی۔ برنز نے "تجارتی" گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے دوست محمد سے برطانی افغانی اتحاد کا ذکر چھیڑا' دوست محمد نے بھی اپنا مطالبہ پیش کیا جسے اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ برنز نے دوست محمد کو تر نوالہ سمجھنے میں بڑی غلطی کی۔ اس نے برنز کے تجارتی وفد کو تاجرانہ جواب دیا۔ یہ جواب پاکر وہ جون ۱۸۳۷ء میں شملہ پہنچا۔ برنز کے واپس آتے ہی روسی سفیر ویکو نیش کا اثر دربار افغانستان میں قدرتی طور پر زیادہ ہوگیا۔ شاہ شجاع کے دامن سے آتش جنگ کو ہوا دی گئی۔ کمپنی' شاہ شجاع اور رنجیت سنگھ کے اتحاد نے جنگ افغانستان کو جائز قرار دیا۔ اس اتحاد سے سندھ کی تقدیر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسے غیر اہم خیال کرتے ہوئے اس اتحاد میں شریک ہونے کی دعوت تک نہ دی گئی۔ انگریزی فوجیں سندھ اور پنجاب میں سے افغانستان داخل ہوئیں۔ قندھار' غزنی اور کابل کو فتح کرنے کے بعد شاہ شجاع کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ڈیورنڈ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "برطانی فوجوں کو تکمیل کار کے

بعد باعزت طریقے سے واپس ہوجانا چاہیے۔" میک ناٹن کا یہ بیان کہ شاہ شجاع کی تخت نشینی رعایا کے خلوص کی ترجمانی تھی حقائق کے خلاف ہے۔ شاہ شجاع کو برطانی سنگینوں کے زیر سایہ تخت پر بٹھا دیا گیا لیکن اس کی ذات محفوظ و مامون نہ تھی۔ قندھار' غزنی اور کابل نے برائے نام اسے اپنا تاج دار تسلیم کرلیا۔ ہرات کی آزاد حکومت میں اسے ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ کوہستان کی ہر وادی سے شاہ شجاع کے خلاف آواز بلند ہوکر افغانی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اگر شاہ شجاع کی تخت نشینی رعایا سے خلوص کا مظاہرہ تھا تو انگریزی افواج کو چاہیے تھا کہ وہ شاہ شجاع کو اسی خلوص کے سپرد کرکے واپس چلی جاتیں۔ افغان رعایا کے خلوص کے باوجود انگریزی فوجیں شاہ شجاع کی حفاظت کے لیے قندھار' کابل' غزنی اور بامیان میں مقیم رہیں۔ ان فوجوں کے قیام سے برطانی عزائم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تمام اختیارات میک ناٹن کے قبضے میں تھے۔ شاہ شجاع افغانستان کا جعفر اور میک ناٹن کوہستان کا کلاؤ تھا۔ خارجہ پالیسی سے شجاع کو کوئی تعلق نہ تھا۔ رعایا کا ہر ذی ہوش فرد افغانستان کے میر جعفر کی حکومت سے نالاں تھا۔ اپریل ۱۸۴۰ء میں شاہ شجاع جلال آباد سے کابل پہنچا۔ اس کی آمد کے چند دنوں بعد برطانی فوجوں نے بالا حصار خالی کردیا۔ انگریزی فوجوں کی ایک چھاؤنی کابل کے شمالی میدان میں قائم کی گئی۔ فوجی افسروں نے اپنی بیویوں کو افغانستان بلا لیا۔ اس نیم شہری اور نیم بدوی زندگی کو پرلطف بنانے کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا کیے گئے۔ طوفان کی آمد سے پہلے یہ لوگ خورد و نوش میں مصروف تھے۔ طوفان ان کی مسرتوں اور لطف اندوزیوں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ ہندوستان کی طرح افغانستان میں بھی انگریزوں نے "نفاق ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنا چاہا۔ میک ناٹن کے معاون منشی موہن لال نے افغانستان میں افغانی ایندھن سے خانہ جنگی کی آگ لگانی چاہی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میک ناٹن نے افغان سرداروں کو قتل کرنے کی ایک سازش کی لیکن وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ افغان وفد کے پیش کردہ معاہدے کو میک ناٹن نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس انکار کے بعد افغانستان میں سکون طاری ہوگیا۔ یہ خاموشی تموج سے قبل سکون کی مانند تھی۔ میک ناٹن اس سکون سے خلاف امید توقعات وابستہ کیے ہوئے تھا۔ تباہ کن ایام سرما کو آتے دیکھ کر افغان سردار بھی خاموش

ہو گئے۔ انگریز سپاہیوں پر خوف و ہراس طاری ہو چکا تھا۔ وہ افغانستان چھوڑنا چاہتے تھے۔ میک ناٹن کاغذات صلح ہاتھ میں لیے افغان سرداروں سے گفت و شنید کے لیے آگے بڑھا۔ کابل اور برطانی معسکر کے درمیانی مقام پر فریقین شرائط پر بحث کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ یہ امر متفقہ طور پر طے پایا کہ تین دن کے اندر برطانی فوجیں کابل خالی کردیں گی۔ مقررہ وقت گزر گیا۔ برطانی سپاہی اپنے معسکر میں قیام پذیر تھے۔ معاہدے کی یہ خلاف ورزی افغانوں کو ناگوار خاطر ہو رہی تھی۔ دوست محمد کے بیٹے اکبر خاں نے میک ناٹن کی عیاریوں کی داد اس کے اپنے سکوں میں دینی چاہی۔ چنانچہ میک ناٹن کو از سرنو گفت و شنید کی دعوت دی گئی۔ میک ناٹن نے اس دعوت کو قبول کرنے میں ذرہ بھر تامل نہ کیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں سمیت رود کابل کے کنارے پر اکبر خاں سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ جب اس کی روانگی کا مقصد اس کے ایک ساتھی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا: "سازش" "مجھے تنہا اس سازش کا شکار ہونے دو۔" میک ناٹن نے جواب دیا۔ ایک آزمودہ کار برطانی فاسر نے جب میک ناٹن کو اپنے عزائم سے باز رکھنا چاہا تو اس نے جواب دیا: "میں تمہاری نسبت بہتر جانتا ہوں' مجھے مرنے دو۔ موت بہتر ہے اس زندگی سے جو گزشتہ چالیس دنوں سے کاٹ رہا ہوں۔" برطانی وفد رود کابل کی طرف روانہ ہوا۔ مقررہ مقام پر یہ وفد رک گیا۔ اکبر خاں بھی پہنچ گیا۔ رسمی گفت و شنید کے بعد اکبر خاں "تکبیر" "تکبیر" پکار اٹھا۔ برہنہ تلواریں میک ناٹن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ موت و حیات کی اس آخری کش مکش میں میک ناٹن کی زبان سے "از برائے خدا" کے الفاظ نکلے۔ تسخیر کابل سے حادثہ قتل تک کے واقعات کو باسوان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"اہل افغانستان نے بیگمات پر حملہ ہوتے دیکھا۔ ان کے ملک کو لوٹ لیا گیا۔ ہر اس چیز کو تباہ و برباد کردیا گیا جو ان کے نزدیک مقدس و متبرک تھی۔ ان مناظر نے ان کی رگوں میں خون انتقام دوڑا دیا۔ آزاد افغانستان کے باشندے ان بداعمالیوں کو برداشت نہیں کرسکتے۔ ان کی نگاہوں میں انگریز ذلیل ہو چکے تھے ان کے نزدیک انگریز کا وجود انسانیت' شرافت اور اخلاق سے عاری ہو چکا تھا۔

افغانوں نے انگریزوں کی بدعہدیوں کے پیش نظر اس امر کا فیصلہ

کرلیا کہ وہ اپنے وطن کو ان کے وجود سے پاک کریں گے۔ ان کے طرز تفکر میں شاہ شجاع تمام مصائب کا سرچشمہ تھا۔ شاہ شجاع کو وہ اپنے وطن سے نکالنا چاہتے تھے۔ برطانی سنگینوں کی مدد سے حاصل شدہ تخت افغانستان شاہ شجاع کے لیے کانٹوں کا بچھونا تھا۔ شاہ شجاع کو اس تخت کے لیے جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ جب شاہ شجاع اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہوئے کابل سے روانہ ہوا تو راستے میں گولی کا نشانہ بنادیا گیا۔"

"برنز کے خلاف بھی افغانستان میں نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوچکے تھے۔ ان کے نزدیک برنز ایک ذلیل اور ناشکر گزار انسان تھا۔ وہ ایک غدار تھا جس نے افغانوں کے لیے مصائب کے دروازے کھول رکھے تھے۔ وہ غدار کی موت کا مستحق تھا۔ ایسا ہی ہوا۔ دن کی روشنی میں وہ کابل میں قتل کیا گیا۔ میک ناٹن افغانستان میں کلاؤ کا کھیل نہیں کھیل سکتا تھا چونکہ انگریزوں کی سلامتی افغانستان کو خیرباد کہنے میں تھی اس لیے انہوں نے دوست محمد کو تخت نشین کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی سلسلہ میں دوست محمد کے فرزند اکبر خاں سے ایک معاہدہ کیا گیا لیکن اس معاہدے کی خلاف ورزی میں انگریزوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میک ناٹن اپنے وحشیانہ اور غیرانسانی طرز عمل سے بہت نادم ہوچکا تھا۔ انگریزوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میک ناٹن کا غدارانہ طرز عمل اس کی موت کا سبب بنا۔ جب میک ناٹن اور اکبر خاں معاہدے سے متعلق گفت و شنید کر رہے تھے تو میک ناٹن کو قتل کردیا گیا۔

سید فدا حسین اپنی کتاب "نیرنگ افغانستان" میں لکھتا ہے:

میک ناٹن نے اکبر خاں کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے ایک خط لکھا۔ اس خط میں میک ناٹن نے اکبر خاں کو بعض افغان غداروں سے خبردار رہنے کا مشورہ دیا لیکن ساتھ ہی میک ناٹن نے ان سرداروں کو اکبر خاں سے خائف ہونے کے متعلق خط لکھے۔ اکبر خاں نے اپنے سرداروں کو ایک جرگہ میں بلا کر انہیں میک ناٹن کا خط دکھایا۔ اس پر سرداروں نے بھی وہ خطوط ظاہر کردیے جو میک ناٹن نے انہیں لکھے تھے۔ میک ناٹن جب اکبر خاں سے ملنے گیا تو اس نے انگریزی سپاہیوں کو

آس پاس کے مقامات پر چھپا دیا اور اشارہ کا منتظر رہنے کا حکم دیا۔ اکبر خاں نے میک ناٹن سے ان خطوط کا مقصد دریافت کیا۔ میک ناٹن جواب کے لیے اپنے ہونٹوں کو جنبش دینا چاہتا تھا کہ ایک افغان سپاہی نے اکبر خاں کو برطانی سپاہیوں کی نقل و حرکت سے آگاہ کردیا۔ اکبر خاں اور میک ناٹن آمادہ پیکار تھے۔ میک ناٹن نے اپنا پستول اکبر خاں پر چلایا لیکن خود مارا گیا۔"

اس فوجی ڈرامے کے تین ایکٹر' شاہ شجاع' برنز اور میک ناٹن سٹیج سے غائب ہوتے ہیں۔ کوہستان کی وادیوں میں ایک نیا کھیل ہونے والا ہے۔ ایک ایسا کھیل جس میں سولہ ہزار انسان شریک تھے اور جسے بیان کرنے کے لیے صرف ایک زبان باقی رہی۔ سولہ ہزار افراد کا قافلہ ٦۔ جنوری ١٨٤٢ء کو کابل سے جلال آباد روانہ ہوا۔ پہاڑ برف کی سیفد ٹوپیاں اوڑھے کھڑے تھے۔ میدانوں پر برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی سرما کی تیز و تند ہوا چل رہی تھی۔ سپاہی اپنی تلواروں کو بھولے ہوئے اور افسر اپنی وردیوں سے غافل جلال آباد کی طرف جارہے تھے کہ اچانک کسی نے ایک برطانی افسر کے کان میں کہا۔ "اکبر خاں قسم کھاچکا ہے کہ وہ انگریزی فوج کا صرف ایک آدمی زندہ رہنے دے گا۔" سپاہی جی چھوڑ چکے تھے۔ افسر منہ موڑ چکے تھے۔ موت سولہ ہزار انسانوں کو لقمہ بنانے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ دریا کے کناروں پر اس قافلے کو رکنا پڑا۔ برف اور بارش سے گھبرایا ہوا قافلہ دوپہر کے وقت دریا کے دوسرے کنارے پہنچا۔ لوٹ مار کے دل دادہ افغان' معسکر پر جمع ہوچکے تھے۔ ہر وہ چیز جو ان کے سامنے تھی اٹھا لی گئی۔ لوٹ مار سے زیادہ خون ریزی کو عزیز خیال کرنے والے افغان اپنی بندوقوں کو تھامے ہوئے راستے کے دونوں طرف موت کے فرشتوں کی صورت میں کھڑے تھے۔ شدت سرما نے اہل کاروں کی کئی جانیں ضائع کردیں۔ تیز و تند سرمائی ہواؤں سے بچنے والے گولیوں کا شکار ہوکر رہ جاتے۔ وہ موت کے منتظر تھے۔ انہیں اس امر کا خیال نہ تھا کہ تلوار ان کا گلا کاٹے یا شدت سرما ان کی حرکت قلب بند کردے۔ وہ وادی موت میں آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ چھوٹے بچے موت کے سرد ہاتھوں فنا ہورہے تھے' پاس ہی ان کی مائیں زندگی کے آخری سانس توڑ رہی تھیں۔ رات کے اندھیرے

نے اہل کاروں کے مصائب کو بڑھا دیا۔ بے ساز و سامان قافلے کی مصیبتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! موت! ہر طرف موت!

وادی موت کے سپاہیوں پر صبح نمودار ہوئی لیکن بے آواز۔ کوئی بگل تیاری سفر کے لیے نہ بجایا گیا۔ سردی' بھوک اور تھکاوٹ نے اس قافلے کو موت کے سپرد کردیا۔ اکبر خاں نے اپنا قول پورا کردکھایا۔ سولہ ہزار انسانوں کی تباہی کی داستان بیان کرنے کے لیے ڈاکٹر برائڈن جلال آباد کے برطانی قلعہ میں داخل ہوسکا۔ اس کے تعارفی الفاظ نے اہل قلعہ کو کس قدر مایوس کیا ہوگا؟ جلال آباد میں انگریزی فوجوں کا خوف اس قدر کم ہوچکا تھا کہ قلعہ سے تین سو گز پر چرواہے اپنی بھیڑوں کو چراتے اور مزے سے گیت گاتے۔ جنرل میل کمک کی امید پر جلال آباد کے قلعے ہی میں رہا۔ جنرل ناٹ نے قندھار پر افغانوں کا قبضہ نہ ہونے دیا۔ افغانستان کی لڑائی ختم ہونے سے پہلے لارڈ آکلینڈ کا دور حکومت ختم ہوگیا۔ نئے گورنر جنرل نے برطانیہ کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے لڑائی کو جاری رکھا۔

باب ۲۵

لارڈ ایلن برا

(۱۸۴۲ء --- ۱۸۴۴ء)

لارڈ ایلن برا نے جنرل پولک کی کمان میں جو فوج بھیجی اس نے جلال آباد پر قبضہ کرنے کے بعد کابل کی طرف کوچ کیا۔ قندھار سے غزنی ہوتا ہوا جنرل ناٹ بھی جنرل پولک سے آملا۔ اسی اثنا میں شاہ شجاع قتل ہو چکا تھا۔ جنرل پولک نے اس کے بیٹے فتح جنگ کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا۔ انگریزی فوجوں نے کابل کے بازاروں کو آگ لگانے کے بعد ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۴۲ء کو پشاور کا رخ کیا۔ لارڈ ایلن برا نے فیروز پور میں اس فوج کا شان دار استقبال کیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دوست محمد کو افغانستان جانے کی اجازت دے دی۔ دوست محمد نے کابل پہنچ کر تخت پر قبضہ کر لیا۔

افغانستان کے متعلق لارڈ آکلینڈ نے جو پالیسی اختیار کی تھی وہ سیاسی لحاظ سے غیر ضروری اور نقصان دینے والی تھی۔ ہندوستان پر روسی حملے کا کوئی امکان نہیں تھا کیوں کہ برطانی ہندوستان اور روسی سرحدوں میں قریبا" ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ روسی سرحدوں اور برطانی ہندوستان کے درمیان پنجاب' سندھ' بہاول پور اور راجپوتانہ حائل تھے۔ لارڈ آکلینڈ نے روسی حملے کی روک تھام کے لیے افغانستان پر اس وقت فوج کشی کی جب کہ ہندوستان پر روسی حملے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ ایرانیوں نے ہرات کا محاصرہ بھی اٹھا لیا تھا۔ امیر دوست محمد کے خلاف لارڈ آکلینڈ کا اعلان جنگ اخلاقی لحاظ سے بہت زیادہ شرم ناک ہے کیوں کہ امیر نے ہندوستان کی انگریزی حکومت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ ایک آزاد حکمران ہوتے ہوئے امیر دوست محمد کو روس یا ایران کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے

کا پورا پورا اختیار تھا۔ افغانستان کی لڑائی کے دوران انگریزی فوجوں کا سندھ میں سے گزرنا اور سندھ کے امیروں سے اس مہم کے لیے روپیہ حاصل کرنا ان معاہدوں کی خلاف ورزی تھی جو تھوڑی مدت پہلے حکومت اور امرائے سندھ میں ہوئے تھے۔

ہندوستان کی انگریزی حکومت نے سندھ کے متعلق جو روش اختیار کی تھی اس میں ان معاہدوں کا ذرہ برابر خیال نہ رکھا گیا جو انگریزوں اور سندھی امیروں میں تھوڑی مدت پہلے ہو چکے تھے۔ ۱۸۰۹ء میں لارڈ منٹو نے امیران سندھ کے درباروں میں اپنا ایک سفیر بھیج کر ان سے دوستانہ معاہدے کیے تھے۔ ان معاہدوں کا مقصد فرانسیسیوں کو سندھ سے نکالنا تھا۔ گیارہ سال بعد اس معاہدے کی تجدید کی گئی۔ ۱۸۳۲ء میں ولیم بنٹنک نے امیران سندھ کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی رو سے سندھ کے دریاؤں اور سندھ کی سڑکوں کو تجارت کے لیے اس شرط پر کھول دیا گیا کہ نہ کوئی جنگی کشتی اور نہ جنگی سامان سندھ میں سے گزرنے دیا جائے گا۔ افغانستان کی پہلی لڑائی میں لارڈ آکلینڈ نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف انگریزی فوجوں کو سندھ میں سے گزارا بلکہ امیران سندھ سے جبری طور پر روپیہ بھی حاصل کیا لیکن اس کے باوجود جب افغانستان میں انگریزی فوجوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی امیرانِ سندھ نے انگریزوں کے خلاف کسی قسم کی سرگرمی جاری نہ کی۔ لارڈ آکلینڈ نے سندھ کے معاملات میں دخل دے کر معاہدے کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے جانشین لارڈ ایلن برا نے ایک قدم آگے بڑھ کر سندھ کو لڑائی کرنے پر مجبور کردیا۔ امیران سندھ کے خلاف بے بنیاد الزام لگا کر لارڈ ایلن برا نے چارلس نیپئر کو شہری اور فوجی اختیارات دے کر سندھ بھیج دیا۔ چارلس نیپئر نے امیران سندھ کو مجبور کردیا کہ وہ ایک نیا معاہدہ کریں جس کی رو سے وہ اپنے بہت سے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے جابرانہ طرز عمل نے بلوچیوں کو مجبور کردیا تھا کہ وہ برٹش ریزیڈنسی پر حملہ کریں۔ اس پر چارلس نیپئر کو سندھ کے خلاف لڑنے کا وہ بہانہ مل گیا جسے وہ خود پیدا کر رہا تھا۔ میانی اور دابو کی لڑائیوں میں امیران سندھ کو شکست ہوئی اور سندھ کو برطانوی ہندوستان میں شامل کرلیا گیا۔ انگریزی فوجوں نے حیدر آباد میں جو لوٹ

مار کی اس میں چارلس نیپئر کو ستر ہزار پونڈ ملے۔

۱۸۴۳ء میں دولت راؤ کا پالک بیٹا جنکاجی بے اولاد مرگیا۔ اس کی بیوہ تارا بائی نے اپنا ایک متبنی بنالیا تھا۔ لارڈ ایلن برا کی منظوری سے اس بچے کا ایک اتالیق مقرر کردیا گیا۔ تارا بائی نے اس اتالیق کو علیحدہ کردیا اس پر ایلن برا نے گوالیار کے خلاف چڑھائی کردی۔ گوالیاری فوجوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد حکومت ہند اور گوالیار میں ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے گوالیار کی فوج کی تعداد بہت زیادہ گھٹا دی گئی۔

لارڈ ایلن برا نے پولیس کے محکمے کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دی۔ سول سروس والوں سے اس کا سلوک بہت برا تھا۔ اس نے اپنی دستاویزوں میں ان کے خلاف جو انداز بیان اختیار کیا تھا اس سے مجبور ہو کر اسے ۱۸۴۴ء میں انگلستان بلا لیا گیا۔

باب ۲۶

سندھ پر کمپنی کا قبضہ

موئن جوداڑو کی کھدائی نے ثابت کردیا ہے کہ چار ہزار قبل مسیح میں سندھ تہذیب کے کافی مدارج طے کر چکا تھا۔ اس زمانے کے شہروں کے نقشوں' مندروں اور دوسری پبلک عمارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ ہم عصر بابل اور مصر سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ بلا شبہہ آگے چل کر بابل اور مصر وادی سندھ کی تہذیب سے بہت آگے نکل گئے تھے موئن جوداڑو میں ایک ایسا حمام ملا ہے جس کے ارد گرد بڑے بڑے کمرے ہیں۔ پرانے سندھ کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے صرف یہی امر کافی ہے۔ موئن جوداڑو سے جو کتبے ملے ہیں ان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ لکھائی کے نہایت اعلیٰ قاعدوں سے واقف تھے۔

سندھ کی پرانی تاریخ ابھی تک تاریکی کے پردوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ اثریات کا بیلچہ ایک نہ ایک دن ان پردوں کو ہٹا کر سندھ کے تاریخی تسلسل کو ہمارے سامنے پیش کردے گا۔ ۱۴۰۰ ق۔ م میں آریوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ساتھ پنجاب اور سندھ میں داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ پنجاب میں ایک کافی مدت تک آباد ہونے کے بعد دریائے سندھ کے کناروں سے ہوتے ہوئے آریہ قبائل سندھ میں داخل ہوئے ہوں گے۔ ان آریہ قبیلوں کو سندھ میں بہتر تہذیب کا سامنا کرنا پڑا۔ پرانے سندھیوں اور نئے آریوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان کا تذکرہ لکھنا ابھی باقی ہے۔ بہرحال یہ بات ظاہر ہے کہ آریوں نے سندھ کے کافی حصوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ سندھ کا ایک راجا مہا بھارت کی لڑائی میں حصہ لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن سندھ پر ہندی آریوں کا قبضہ زیادہ دیر تک نہ رہ سکا۔ چھٹی صدی ق۔ م میں ایرانیوں نے سندھ پر قبضہ کرلیا۔ سندھ پر ایرانی حملے کی تفصیلات اگرچہ گم ہو چکی

ہیں پھر بھی ایران کی تاریخ سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ سندھ ایرانی سلطنت کا ایک بہت ہی خوش حال صوبہ تھا۔ ایران کو اس صوبے سے بہت زیادہ خراج ملتا تھا۔ قریباً" دو سو سال تک ایرانیوں نے سندھ پر حکومت کی۔ چوتھی صدی ق۔ م میں مقدونیہ کے سکندر نے ایران کو فتح کرنے کے بعد پنجاب کا رخ کیا۔ اکتوبر ۳۲۵ ق۔ م میں سکندر نے سندھ کی راجدھانی الور (روہڑی سے پانچ میل جنوب مشرق میں) کو فتح کیا۔ سوان کے راجے نے بھی سکندر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ پٹالہ کا راجا اپنی راجدھانی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ۳۲۶ ق۔ م کے موسم خزاں میں سکندر پٹالہ سے نکل کر اپنے لمبے سفر پر چل پڑا۔

بابل پہنچ کر سکندر اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی موت کے بعد مقدونی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ سندھ اور پنجاب پر سکندر کے ایک جنرل سلوکس نے قبضہ کرلیا لیکن چندر گپت سے شکست کھانے کے بعد سلوکس نے ایک معاہدے کی رو سے پنجاب اور سندھ کو اس کے حوالے کردیا۔ اب سندھ پر پاٹلی پترا کی حکومت تھی۔ اشوک کی موت کے بعد باختر کے یونانی بادشاہوں نے پنجاب اور سندھ پر قبضہ کرلیا۔ سندھ کے پرانے شہروں کے کھنڈروں میں آج بھی باختری حکمرانوں کے سکے ملتے ہیں۔ جب ساکا قبیلوں نے باختر کے یونانی حکمرانوں کی سلطنت کو ختم کردیا تو وہ پہلی صدی ق۔ م میں پنجاب اور سندھ میں داخل ہوئے۔ ساکا پنجاب اور سندھ سے آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن ۵۷ ق۔ م میں اجین کے بادشاہ بکرم اوتیا نے انہیں شکست دی۔ لیکن اس شکست کے باوجود سندھ اور پنجاب پر ساکا قبائل کا قبضہ رہا۔ یہ قبائل سندھ اور پنجاب میں آباد ہوگئے۔ انہوں نے شمال مغربی ہندوستان میں ایک بہت بڑی سلطنت بنالی تھی۔ اس زمانے میں سندھ کے عوام کا مذہب بودھ تھا لیکن ساتویں صدی کے وسط میں ہیون سانگ ہمیں بتاتا ہے کہ سندھ میں برہمنی اور بودھ مذہبوں میں بہت زیادہ کش مکش تھی۔ چینی سیاح کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں صدی میں سندھ میں ہندو مت کافی حد تک پھیل چکا تھا۔ سندھ کے عوام کی اکثریت اگرچہ بودھ مت کی پیرو تھی لیکن سندھ کے راجے زیادہ تر ہندو ہوتے تھے۔

۶۳۱ء میں الور کے ہندو راجے کی موت کے بعد اس کے برہمن وزیر چچ نے

راجہ کی بیوہ سے شادی کر کے الور کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ چچ نے فتوحات کے ذریعے اپنی سلطنت کو پھیلایا۔ اس نے ارمابیل کے بودھ راجہ کو شکست دے کر اس پر قبضہ کرلیا۔ چچ کے جانشین اپنی سلطنت پھیلانے کی فکر میں تھے کہ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا۔ چھ مہینوں کے اندر محمد بن قاسم نے چچ کے چھوٹے بیٹے راجا داہر کی آدھی سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ الور اور برہمن آباد کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان کو بھی فتح کیا۔ محمد بن قاسم کے بعد سندھ کے عرب گورنروں نے سندھ سے باہر فتوحات کی طرف بہت کم توجہ دی۔ عباسی عہد کے گورنر منصور نے برہمن آباد سے چند میل دور اپنے نام پر منصور آباد آباد کرایا تھا یہ شہر ایک مدت تک علوم و فنون کا مرکز بنا رہا۔

گیارہویں صدی میں محمود غزنوی نے سندھ کے چھوٹے چھوٹے آزاد حکمرانوں کو شکست دے کر سندھ میں اپنے گورنر مقرر کیے۔ جب ایک نے دلی میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی تو سندھ ایک مرتبہ پھر ہندوستان کی مرکزی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا۔ لیکن سندھ نے دلی کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا۔ ان بغاوتوں کو دبانے کے لیے کئی مرتبہ دلی کے شہنشاہوں کو سندھ پر چڑھائی کرنی پڑی۔ ہندوستان پر تیمور کے حملے (۱۳۹۸ء) نے سندھ کے سب سے طاقت ور قبیلے سما کو سندھ میں آزاد حکومت قائم کرنے کا موقع دے دیا۔ سما حکمرانوں کا یہ خاندان (۱۳۵۱ء --- ۱۵۲۱ء) سندھ کی تاریخ میں جام خاندان کہلاتا ہے۔ جام سنجر کا جانشین جام نظام الدین (جام نندو) علم و ادب کا سرپرست تھا۔ اس نے بھکر کے جنگلوں سے ڈاکوؤں کو نکال دیا۔ ٹھٹھہ اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اس کے لمبے عہد حکومت کے آخری دنوں میں قندھار کے حکمران شاہ بیگ ارغون نے بابر کی بڑھتی ہوئی قوت سے ڈر کر اپنے لیے ایک نئی سلطنت بنانی چاہی۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کی کمان میں سندھ فتح کرنے کے لیے ایک فوج بھیجی۔ جام نندو کے جنرل دریا خاں نے اس فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ جام نظام الدین کے جانشین فیروز نے اپنے آپ کو رنگ رلیوں کے سپرد کردیا۔ اس نے دریا خاں کو اپنا دشمن بنا کر بہت سے مغلوں کو ٹھٹھہ میں آباد ہونے دیا۔ مغلوں نے شاہ بیگ ارغون کو سندھ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سندھی فوج نے مغلوں کا مقابلہ کیا لیکن دریا

خاں کی موت نے حملہ آوروں کی فتح کو یقینی کردیا۔ جام فیروز اپنی راجدھانی سے بھاگ نکلا۔ مغلوں نے ٹھٹھہ کو خوب لوٹا۔ شاہ بیگ نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد گجرات کو فتح کرنا چاہا۔ وہ گجرات پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد اس نے ۱۵۴۶ء میں وفات پائی۔

شاہ بیگ کی موت کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حسین اس کا جانشین بنا۔ فیروز نے اپنا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مرزا نے ٹھٹھہ کا رخ کیا۔ فیروز وہاں سے بھاگ نکلا۔ کچھ سے پچاس ہزار سپاہی لے کر اس نے سندھ پر حملہ کردیا۔ لیکن اسے شکست کھاکر واپس بھاگنا پڑا۔ اب مرزا شاہ حسین نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نے ملتان کو بھی فتح کیا لیکن اس شہر کو اس نے بابر کے حوالے کردیا۔ اب مرزا شاہ حسین نے کچھ پر حملہ کیا۔ مرزا شاہ حسین کے عہد ہی میں ہمایوں قنوج میں شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد سندھ میں سے گزرتا ہوا قندھار پہنچا تھا۔ مرزا شاہ حسین کی موت کے بعد سندھ میں ارغون خاندان کی حکومت ختم ہوگئی۔ مرزا شاہ حسین اپنے باپ شاہ بیگ ارغون کی طرح فاضلانہ ذوق رکھتا تھا۔ مرزا شاہ حسین کے عہد حکومت کے آخری دنوں میں جب کہ ترخانوں اور ارغونوں میں نااتفاقی پیدا ہوچکی تھی پرتگالیوں نے ٹھٹھہ پر حملہ کرکے اسے خوب لوٹا تھا۔

اٹھارہ سال تک حکومت کرنے کے بعد مرزا عیسی (ترخان) نے ۱۵۷۲ء میں وفات پائی۔ اس کے بیٹوں نے اس کی زندگی میں ہی آپس میں لڑنا شروع کردیا تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا سب سے زیادہ ظالم بیٹا محمد باقی سندھ کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا مرزا جانی بیگ اس کا جانشین بنا۔ اس کے عہد حکومت میں سندھ ایک مرتبہ پھر ہندوستان کی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ جب اکبر نے بھکر فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی تو مرزا جانی نے اس فوج کا خوب مقابلہ کیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مغل شہنشاہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو اس نے ٹھٹھہ کو ویران کردیا اور خود کلاں کوٹ میں پناہ لینے کی فکر میں تھا کہ اس نے شہنشاہ کی اطاعت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ شہنشاہ نے اسے ٹھٹھہ کا حکمران مقرر کردیا۔ اس کے بیٹے غازی بیگ کو ٹھٹھہ کے علاوہ قندھار' سیوان اور ملتان کے کچھ حصے کا بھی گورنر

بنادیا گیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی سندھ میں ترخانوں کا سیاسی اثر ختم ہو گیا۔

غازی بیگ کی موت اور نادر شاہ کے حملے کی درمیانی مدت میں جو ایک سو ستائیس سال تک پھیلی ہوئی ہے مغل شہنشاہوں کی طرف سے سندھ کے چالیس صوبے دار مقرر کیے گئے۔ ان میں سے کئی صوبے داروں کے مقبرے آج بھی ٹھٹھہ میں موجود ہیں۔ ٹھٹھہ کی جامع مسجد شاہ جہاں ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ نادر شاہ کے حملے نے سندھ میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے فوجی سردار پیدا کر دیے تھے۔ ۱۷۶۲ء میں افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے غلام شاہ کو سارے سندھ کا حکمران تسلیم کر لیا۔ غلام شاہ ہی کے عہد حکومت میں کمپنی نے ٹھٹھہ میں اپنی ایک فیکٹری قائم کی تھی لیکن اس کے بیٹے نے اسے ۱۷۷۵ء میں بند کروا دیا۔ ۱۷۶۸ء میں غلام شاہ نے نیرون کے پرانے شہر کے قریب' دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر حیدر آباد کے نام سے اپنی نئی راجدھانی بسائی۔ غلام شاہ کا بیٹا مشکل سے دو سال حکومت کرنے پایا تھا کہ زوال کے آثار پیدا ہو گئے۔ ۱۷۸۳ء میں افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ نے میر فتح علی خاں تال پور کو سندھ کی حکمرانی کی سند دی لیکن یہ سند میر فتح علی خاں کو سارے سندھ پر مسلط نہ کر سکی۔ تال پور خاندان ہی کے دوسرے افراد نے خیر پور اور میر پور میں اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لی تھیں۔

برطانیہ اور سندھ کے تجارتی تعلقات کی ابتدا ۱۶۱۳ء سے ہوتی ہے۔ انگریزوں کے اس تجارتی وفد کی ناکامی کے بعد ۱۸۰۹ء تک سندھ اور برطانیہ قریباً" دو سو سال تک ایک دوسرے سے دور رہے۔

سندھ اس سرزمین کا نام ہے جو پنجاب کے جنوب میں دریائے سندھ کے دونوں طرف ساحل سمندر تک پھیلی ہوئی ہے۔ دریائے سندھ اپنے ہم نام صوبہ کی زرخیزی اور زندگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس دریا کے مشرق و مغرب میں ایک وسیع ریگستان واقع ہے۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ کے پیش نظر ہندوستان میں سندھ سے زیادہ قدیم آثار کا حامل اور کوئی اور صوبہ نہیں۔ سیاسی طور پر سندھ ایرانیوں' عربوں' افغانوں اور مغلوں کا صدیوں تک غلام رہا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں سندھ بلوچی امیروں کے قبضہ میں تھا۔ خیر پور' میر پور اور حیدر آباد کے امیر عملاً" تمام سندھ پر قابض تھے۔ خیر پور کا اثر و رسوخ دوسرے امیروں سے بہت زیادہ

تھا۔

مدتوں سے انگریزی نگاہیں دریائے سندھ پر لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں امیران سندھ اور کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے:۔

(۱) سندھ اور برطانی حکومت میں ابدی رفاقت قائم رہے گی۔

(۲) دونوں ملکوں کے درمیان کبھی جذبہ عناد پیدا نہیں ہوگا۔

(۳) دونوں حکومتوں میں سفارت بدستور جاری رہے گی۔

(۴) حکومت سندھ "فرانس کے قبیلہ" کو سندھ میں داخل نہیں ہونے دے گی۔

انگریزوں نے سندھ کے آبی سفر کے دوران میں اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ یہ سفر امیران سندھ کی مرضی کے بغیر اختیار کیا گیا تھا۔ اس دریائی سفر سے ایک حکایت وابستہ ہے:

"جب برنز اپنے دریائی سفر میں مصروف تھا تو ایک سید زادہ ساحل دریا پر وضو کر رہا تھا۔ سید نے جب آنکھ اٹھائی تو اسے برنز دکھائی دیا: سندھ کی آزادی ختم ہو گئی' انگریزوں نے دریائی راستہ معلوم کرلیا۔" سید زادہ چلایا۔"

۱۸۳۱ء میں رنجیت سنگھ نے تقسیم سندھ کی ایک تجویز دی۔ [illegible]۔ ولیم بنٹنک نے اس تجویز پر غور کرنا اپنی توہین خیال کیا۔ ۱۸۳۲ء میں کمپنی اور سندھ میں ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے ہندوستان کے تاجروں کو دریائے سندھ سے گزرنے کی اجازت حاصل ہوگئی۔ اس معاہدے کی رو سے کوئی جنگی جہاز یا سامان حرب دریائے سندھ کے راستے نہیں گزر سکتا تھا۔ اسی معاہدے کی رو سے امیران سندھ یا کمپنی ایک دوسرے کے علاقوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

۱۸۳۴ء میں رنجیت سنگھ کو از سر نو تسخیر سندھ کا خیال ہوا۔ لیکن کمپنی کو امیران سندھ کی پشت پر دیکھتے ہوئے رنجیت سنگھ اپنے ارادوں کو عملی شکل نہ دے سکا۔ کمپنی نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۳۸ء میں حیدر آباد میں ایک برطانی ریزیڈنٹ مقرر کردیا۔ برطانی حکمت عملی نے ریزیڈنسی کے قیام ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آکلینڈ نے سندھ پر قبضہ جمانے کے لیے تگ و دو شروع کردی۔ افغانستان

کی پہلی جنگ کے دوران برطانی فوجیں معاہدے کے خلاف سندھ میں سے گزریں۔ ہندوستان کی برطانی حکومت نے خیال کیا ہو گا کہ طاقت ور فریق کو تنسیخ میثاق کا حق ہے۔ شاہ شجاع، کمپنی اور رنجیت سنگھ کے اتحاد ثلاثہ میں امیران سندھ کے حصول رضا کو بے معنی خیال کیا گیا۔ اس اتحاد ثلاثہ کے قیام نے سندھ کی سیاست ختم کر دی۔ پنجاب اور افغانستان کی دوستی کے لیے سندھ کی قدیم رفاقت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ انگریزوں نے امیران سندھ کو بتادیا کہ طاقت ور اور کمزور میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا اور یہ کہ قوت اپنے زور بازو سے ناتوانی کے خلاف سینکڑوں الزام تراش سکتی ہے۔

"روائتی گرگ نے برہ کے خلاف الزام لگاتے وقت اتنی ہوشیاری کا ثبوت نہیں دیا تھا جتنا کہ انگریزوں نے سندھ پر قبضہ جماتے وقت"

جنگ افغانستان کے دوران نہایت بے دردی کے ساتھ امیران سندھ سے روپیہ وصول کیا گیا۔ قبل ازاں اودھ کے روپیہ سے نیپال کی جنگ لڑی جا چکی تھی۔ فروری ۱۸۳۹ء میں جدید معاہدے سے امیران سندھ کو برطانی امدادی فوج کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنا قرار پایا۔ نیز امیران سندھ کو صاف الفاظ میں بتادیا گیا کہ ہندوستان کی برطانی حکومت یا سرحد کے لیے ان کی آزادیاں سلب کی جا سکتی ہیں۔

جنگ افغانستان کے زمانے میں امیران سندھ نے معاہدہ کی حرف بہ حرف پیروی کی۔ ان کا طرز عمل انتہا درجہ دیانت دارانہ تھا۔ کمپنی نے اپنی روایات کے مطابق امیران سندھ پر سازش کا الزام لگایا۔ اس موقعے پر ایلن برا نے کہا تھا کہ اسے یقین نہیں آسکتا کہ امیران سندھ کمپنی سے دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔

سندھ پر حملے کے جواز کے اسباب:

ا۔ امیران سندھ کی دولت کی شہرت برطانی کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ طامع نصرانی چاہتے تھے کہ امیران سندھ کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے سندھ کو فتح کیا جائے۔ انگریزوں کی اس حرص و آز پر قلم اٹھاتے ہوئے سرچارلس لکھتا ہے کہ صدیوں کی تعلیم و تربیت بھی انگریزوں کی راہزنانہ فطرت کو نہیں بدل سکی۔ ہندوستان میں جب کبھی کوئی انگریز کسی دولت مند ہندی یا کسی عالی شان عمارت کو

دیکھتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

"کیسا اچھا شکار ہے -- مارنے کے لیے
کیسا اچھا محل ہے -- جلانے کے لیے"

۲۔ شمال مغربی سرحد کا استحکام۔

۳۔ فرانسیسی حملے کا خطرہ!

۴۔ افغانستان کی جنگوں کا انتقام لینے کے لیے امیران سندھ پر حملہ کیا گیا۔

برطانی مصنوعات کے لیے ایک نئی منڈی کی تلاش اور برطانی کارخانوں کے لیے ارزاں کپاس کی ضرورت نے سندھ کی آزادی کو چھین لیا۔

ستمبر ۱۸۴۲ء میں سرچارلس نیپئر کو تسخیر سندھ کے لیے بھیجا گیا۔ سرچارلس نیپئر ایک ضدی اور جنگ جو افسر تھا۔ اس نے امیران سندھ کو مجبور کردیا کہ وہ ایک سیاسی معاہدہ قبول کریں جس کی رو سے:

۱۔ برطانی امدادی فوج کے اخراجات آئندہ بجائے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے امیران سندھ کو اپنی مملکت کا ایک حصہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا۔

۲۔ امیران سندھ کو برطانی جہازوں کے لیے ایندھن فراہم کرنا تھا۔

۳۔ امیران سندھ کو اپنے نام کا سکہ بند کرنا تھا۔

آخری شرط نے امیران سندھ کو مشتعل کردیا۔ چارلس نیپئر اعلان جنگ کے بغیر امام گڑھ روانہ ہوا۔ امام گڑھ کے صحرائی قلعہ کو اس نے سطح زمین کے ساتھ ہموار کردیا۔ برطانی ریزیڈنٹ آؤٹ رم نے امیران سندھ کو جدید معاہدہ قبول کرنے کے لیے کہا۔ امیران سندھ نے معاہدہ قبول کرتے ہوئے آوٹ رم سے حیدر آباد خالی کرنے کو کہا کیونکہ وہ مشتعل رعایا کے افعال کے ذمہ دار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ تین دن کے بعد مشتعل ہجوم نے ریزیڈنسی پر حملہ کردیا۔ آوٹ رم بڑی مشکل سے جان بچا کر ایک برطانی جہاز تک پہنچا۔ جنگ کا اعلان ہوچکا تھا۔ ۱۷۔ فروری ۱۸۴۳ء کو نیپئر نے میانی کے مقام پر سندھی فوجوں کو شکست دی۔ حیدر آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ ایک ماہ بعد امیر خیرپور کو بھی شکست کھانی پڑی۔

سندھ کی برطانی حکمت عملی اخلاقی طور پر قابل نفریں ہے۔ ایک آزاد ملک کو

غلام بنانے کے لیے سازشوں کی فرضی داستان بنائی گئی۔ محض ایک فوجی افسر کی چند خواہشات کی تکمیل نے لاکھوں انسانوں کو نان جویں سے محروم کردیا۔ حیدر آباد کے شاہی محلات کو جس بے جگری سے لوٹا گیا اس کی مثال چنگیزی کارناموں کی یاد تازہ کرتی ہے۔ شاہی بیگمات کے جواہرات کا لوٹا جانا تو ایک لازمی امر تھا لیکن محض کپڑوں کے لیے بیگمات کو برہنہ کر دینا انسانی ذلت کی انتہا تھی۔ حیدر آباد کی لوٹ سے نیپئر کو نو لاکھ روپے ملے۔ سر چارلس نیپئر نے امیران سندھ پر محض اس لیے حملہ کیا کہ وہ کمزور تھے اور "مرض ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے" نیپئر نے امیران سندھ کی کمزوری سے اپنی قوت میں اضافہ کیا۔ اگست ۱۸۴۳ء میں سندھ پر قبضہ کرلیا گیا۔ امیران سندھ جلاوطن ہوگئے۔

سرچارلس نیپئر سندھ کی تسخیر پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے:

ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم سندھ پر قابض ہوں لیکن اس کے باوجود ہم ایسا ہی کریں گے۔"

حیدر آباد اور خیرپور کے حکمرانوں کو پونا' کلکتہ اور ہزاری باغ میں نظر بند کردیا گیا۔ دس سال کے بعد ان میں سے جو زندہ بچے انہیں پھر سندھ جانے کی اجازت مل گئی۔

سندھ کو برطانوی ہندوستان کے ساتھ ملحق کرنے کے بعد سرچارلس نیپئر کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے کراچی کو سندھ کی راجدھانی بنایا۔ سرچارلس نیپئر کے نظم و نسق کا اندازہ سر بارٹلے کے الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے: "جب میں ۱۸۵۱ء میں سندھ آیا تو سارے سندھ میں ایک میل لمبی پکی سڑک نہیں تھی۔ نہ ڈاک بنگلہ تھا اور نہ کوئی سرائے نہ کچہری تھی اور نہ چوکی۔" سرچارلس نیپئر کے مستعفی ہوجانے کے بعد ۱۸۴۷ء میں سندھ کو احاطہ بمبئی میں شامل کرکے اسے ایک کمشنر کے ماتحت کردیا گیا۔

باب ۲۷

لارڈ ہارڈنگ

(۱۸۴۴ء --- ۱۸۴۸ء)

لارڈ ایلن برا کے واپس چلے جانے کے بعد لارڈ ہارڈنگ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت کا سب سے اہم سیاسی واقعہ پنجاب کی پہلی جنگ ہے۔ اس کے عہد حکومت کے ابتدائی برسوں میں ہندوستان میں ریل گاڑی چلانے کی سکیم مرتب کی گئی۔ ہند گنگا کا خاکہ بھی تیار کیا گیا۔ اس نے کمپنی کے زیر اثر ہندوستانی ریاستوں میں ستی کو بند کرادیا۔ اڑیسہ کے پہاڑی قبیلوں میں انسانی قربانی کی جو رسم جاری تھی اسے بھی لارڈ ہارڈنگ نے بند کردیا۔

ہنری ہارڈنگ ۱۷۸۵ء میں پیدا ہوا۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں کس طرح وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے پہلے پرندوں کے گھونسلوں تک پہنچ جایا کرتا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ برطانیہ کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ جس رجمنٹ میں وہ بھرتی ہوا تھا وہ چونکہ کینیڈا میں تھی اس لیے ہنری ہارڈنگ کو لڑائی کے دوران میں وہیں رہنا پڑا۔ واپسی پر وہ رائل ملٹری کالج میں داخل ہوگیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ہی اسے ایک افسر کی حیثیت سے جنگ جزیرہ نما میں شامل ہونا پڑا۔ اس نے رولیکا اور ومیرا کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ومیرا کی لڑائی میں کیپٹن ہنری ہارڈنگ بری طرح سے زخمی ہوا تھا۔ ۱۸۰۹ء میں اسے میجر بنادیا گیا۔ اس نے جنگ جزیرہ نما کی مختلف لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اس جنگ کی ہر اہم لڑائی کے تذکرے میں اس کا حوالہ دکھائی دیتا ہے۔ جنگ کے ختم ہوجانے کے بعد اسے لفٹیننٹ کرنل بنادیا گیا۔ جنوری ۱۸۱۵ء میں اسے نائٹ کا خطاب ملا۔ وائنا کانگریس میں وہ

سر سٹوارٹ کے ہمراہ تھا۔ البا سے نپولین کی واپسی کے بعد جب سے جنگ شروع ہوئی تو ہنری ہارڈنگ نے اس میں بریگیڈیر جنرل کی حیثیت سے حصہ لیا۔ واٹر لو کی لڑائی کے بعد سیدان کے میدان میں جب ڈیوک آف ولنگٹن پروشیا کی فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا تو اس موقع پر ڈیوک نے اپنی کمر سے نپولین کی تلوار اتار کر ہنری ہارڈنگ کو پیش کی۔ کئی سال بعد جب وہ پنجاب کی پہلی جنگ میں ستلج کی لڑائیوں میں حصہ لے رہا تھا تو وہ نپولین کی اسی تلوار کو لٹکائے ہوئے تھا۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کی رات کو جب کہ حالات انگریزوں کے خلاف دکھائی دینے لگے تو لارڈ ہارڈنگ نے اپنے سرجن کو نپولین کی تلوار دے کر کہیں دور بھیج دیا تھا۔

جب انگلستان کی فوج نے فرانس کو خالی کیا تو ہنری ہارڈنگ بھی اس فوج کے ساتھ انگلستان چلا گیا۔ ۱۸۲۰ء کے عام انتخابات میں وہ پارلیمنٹ کا ممبر چنا گیا۔ بیس سال تک وہ پارلیمنٹ کا ممبر چنا جاتا رہا۔ اس مدت میں وہ حکومت کے بعض اہم عہدوں پر کام کرتا رہا۔ ۱۸۴۱ء میں جب پیل نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا تو ہنری ہارڈنگ کو دوسری مرتبہ وزیر جنگ بنا دیا گیا۔ وہ اس عہدے پر کام کر رہا تھا کہ اسے ہندوستان کے گورنر جنرل کے عہدے کے لیے چن لیا گیا۔

ہنری ہارڈنگ ۱۲۔ جون ۱۸۴۴ء کو مارسیلز کی راہ سے کلکتہ روانہ ہوا۔ اسکندریہ پہنچ کر اس نے لارڈ ابرڈین کا ایک مکتوب محمد علی پاشا کے سپرد کیا۔ نہر محمودیہ کے ذریعے ہنری ہارڈنگ اور اس کے ساتھی ۲۸۔ جون کو قاہرہ پہنچے۔ قاہرہ میں ہنری ہارڈنگ نے محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم پاشا سے ملاقات کی۔ چاندنی رات میں ہنری ہارڈنگ نے اہرام کا نظارہ کیا۔ اس کے اپنے الفاظ میں: "بھلی اور چاندنی رات میں اہرام دور سے دکھائی دے رہے تھے۔ چاندنی اور مشعلوں کی روشنی کے تصادم نے عجب سماں پیدا کر رکھا تھا۔" سویز سے ہندوستان پر سوار ہو کر ۵۔ جولائی کو ہندوستان کا گورنر جنرل عدن پہنچا۔ سیلون اور مدراس سے ہوتا ہوا ہندوستان ۲۳۔ جولائی ۱۸۴۴ء کو ہگلی کے کناروں پر لگا۔ اگلے دن ہنری ہارڈنگ نے حلف وفاداری اٹھایا۔

حکومت کا کام کاج سنبھالتے ہی لارڈ ہارڈنگ نے برطانی ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں تو لارڈ

ہارڈنگ نے شمال مغربی سرحدوں کا دورہ کیا۔ ۳۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو وہ انبالہ پہنچا۔ اگلے دن اس نے فیروز پور میں مزید انگریزی فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ لدھیانہ پہنچ کر لارڈ ہارڈنگ مزید جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ ۱۲۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو اسے بتایا گیا کہ پنجاب کی فوج نے ستلج پار کرلیا ہے۔ اس پر اس نے ایک اعلان کے ذریعے ستلج پار کی تمام ریاستوں کو برطانوی مقبوضات کی حدود میں شامل کرلیا اور ان ریاستوں کے حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ مرکی' فیروز شاہ' علی وال اور سیراؤں کی لڑائیوں کے بعد ۔۹۔ مارچ ۱۸۴۶ء کو لارڈ ہارڈنگ نے لاہور پہنچ کر عہد نامہ لاہور کی شرطیں لکھوائیں۔

شملہ اور کان پور سے ہوتا ہوا گورنر جنرل لکھنؤ پہنچا۔ اودھ کے بادشاہ نے گورنر جنرل کا شان دار استقبال کیا۔ گورنر جنرل نے اودھ کے بادشاہ سے کہا کہ اگر اس نے اپنے ملک کے نظم و نسق کو بہتر نہ بنایا تو "حکومت ہند انتہائی اقدام کرنے میں حق بجانب ہوگی۔"

لارڈ ہارڈنگ کے عہد حکومت میں آسام میں چائے کی کاشت کے لیے برطانوی سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی گئی۔ اس نے تاج محل کے بعض حصوں کی مرمت کروائی اور ہندوستان کی بڑی بڑی عمارتوں کے فوٹوگراف لئے گئے۔ حکومت ہند کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے لارڈ ہارڈنگ نے فوج میں جو تخفیف کی تھی اس سے گیارہ لاکھ سولہ ہزار پونڈ کی سالانہ بچت ہوئی۔ دوسرے ذرائع سمیت لارڈ ہارڈنگ نے حکومت ہند کے مالیات میں اٹھارہ لاکھ اسی ہزار پونڈ کا سالانہ اضافہ کیا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۴۸ء کو لارڈ ہارڈنگ کمپنی کے جنگی جہاز' مظفر' پر سوار ہوکر کلکتہ سے لندن چل دیا۔ ہنری لارنس بھی اس کے ساتھ تھا۔

باب ۲۸

پانچ دریاؤں کی سرزمین

اب ہم گنگا کی زرخیز وادی اور وسطی ایشیا کے درمیان واقع پانچ دریاؤں کی سرزمین میں داخل ہوتے ہیں۔ پنجاب میں آریوں کے داخلے سے پہلے پنجاب میں اس تہذیب کے آثار ملتے ہیں جو سومیری کہلاتی ہے اور جس تہذیب کا ایک زمانے میں سارے مغربی ایشیا پر غلبہ تھا۔ ہڑپا کی کھدائی میں جو اشیا ملی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری ہزاری ق۔ م میں پنجاب تہذیب و تمدن کی بہت سی منزلیں طے کرچکا تھا۔ ہڑپا کی کھدائی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ شہر کئی بار بسا اور کئی بار اجڑا۔ شہر کے اردگرد ایک فصیل تھی۔ فصیل کے علاوہ شہر کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ بھی تھا۔ آنے جانے کے لیے پہیے دار گاڑیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ شہر سے گندے پانی کے نکاس کے لیے اینٹوں کی نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہڑپا سے بعض ایسی چیزیں بھی ملی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں بہت سے گھریلو کھیل رائج تھے۔ مجسموں کی بہت بڑی تعداد سے اس زمانے کے مردوں اور عورتوں کے لباس کا پتا چلتا ہے۔ ہڑپا کی کھدائی سے جس تمدن کے آثار ملے ہیں وہ نہ صرف پنجاب بلکہ سندھ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ لوگ لکھنے پڑھنے سے بھی واقف تھے۔

پنجاب میں آریوں کے داخلے سے پہلے یہ تمدن کافی حد تک مٹ چکا تھا۔ اسے کس نے مٹایا اور یہ کب مٹا؟ ان سوالوں کا جواب ابھی تک اثریات کے ماہرین کے ذمے ہے۔ بہرحال رگ وید میں جہاں دریائے راوی کا کئی بار ذکر آیا ہے وہاں ایک ایسی لڑائی کا بھی تذکرہ ہے جو ہرپویا میں لڑی گئی۔ آریوں کو ان قدیم پنجابیوں سے کئی ایک لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ تین سو سال کی متواتر لڑائیوں کے بعد آریوں نے پنجاب کے ان پرانے باشندوں کو اپنا مطیع بنایا۔ پنجاب پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد

کئی ایک آریہ قبیلے پنجاب ہی میں آباد ہو گئے اور کئی ایک لڑتے بھڑتے گنگا کے کناروں تک پہنچ گئے۔

آریوں نے اگرچہ پنجاب کے پرانے باشندوں کو سیاسی طور پر اپنا محکوم بنالیا تھا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنجاب کے ان پرانے باشندوں سے انتہائی درجہ نفرت کرنے کے باوجود ان کی تہذیب نے پنجاب میں آباد ہونے والے آریہ قبیلوں کو کسی نہ کسی طرح ضرور متاثر کیا ہوگا۔

ساتویں صدی ق۔ م میں پنجاب پر آریوں کا پورا پورا تسلط ہوچکا تھا۔ لیکن یہ نئے آنے والے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے اس زمانے میں بڑے بڑے شہر آباد نہ ہوسکے۔ سارا پنجاب کسی ایک حکومت کے ماتحت نہیں تھا بلکہ کئی ایک چھوٹی بڑی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں کئی ایک جمہوری ریاستیں تھیں اور کئی ایک میں بادشاہت تھی۔ ٹیکسلا کا شمار بڑی ریاستوں میں ہوتا تھا۔ اسی اثنا میں ایرانیوں نے آشور کی سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ ایران کے شہنشاہ سائرس کی فوجوں نے ٹیکسلا پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ داریوش (۵۲۱ --- ۴۸۵ ق۔ م) نے سندھ کے علاوہ پنجاب میں بھی اپنی سلطنت کو پھیلایا تھا۔ پنجاب کے جس حصے پر ایرانیوں کا قبضہ تھا اس کی راجدھانی ٹیکسلا تھی۔ داریوش کے عہد میں پنجاب کا یہ شہر زرتشتی اور بودھ مت کے فلسفوں کا مقامِ اتصال بن چکا تھا۔ اس زمانے میں پنجاب میں بودھ مت پوری طرح سے رائج ہوچکا تھا۔ ٹیکسلا کی تجارتی حیثیت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایران کے شہنشاہ داریوش نے ٹیکسلا میں ایک مندر بھی بنوایا تھا۔ ٹیکسلا یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کی شہرت مغربی ایشیا کے بڑے بڑے شہروں تک پہنچی ہوئی تھی۔ پنجاب کے اس حصے پر ایران کا قبضہ زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا۔ قریباً دو سو سال کے بعد پنجاب کو یونانیوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔

سکندر کے حملے کے وقت پنجاب کئی ایک آزاد اور نیم آزاد ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سے کئی ایک میں بادشاہت قائم تھی اور کئی ایک میں قبائلی جمہوریت۔ ٹیکسلا کی ریاست ان سب سے بڑی تھی۔ یہ ریاست دریائے سندھ سے جہلم کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جہلم اور چناب کے درمیان واقعہ ریاست پر پورس کی حکومت تھی۔ چناب اور راوی کے درمیان جو ریاست تھی اس پر جہلم

کے راجا پورس کے بھتیجے کی حکومت تھی۔ راوی اور بیاس کے درمیان کئی ایک قبائلی جمہوریتیں تھی۔ پنجاب کی ریاستیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ ان ریاستوں کی نااتفاقی نے یونانیوں کو پنجاب فتح کرنے کا موقع دے دیا۔ ۳۲۶ ق۔ م میں سکندر نے اوہنڈ کے مقام پر دریائے سندھ کو پار کیا۔ ٹیکسلا کے راجا بھی نے سکندر کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر سکندر نے جہلم کے راجا پورس کو اطاعت قبول کرنے کے لیے لکھا۔ پورس نے لڑنا چاہا۔ سکندر ٹیکسلا سے آگے بڑھا۔ جہلم کے مغربی کنارے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دوسرے کنارے پر پورس اپنی فوج سمیت لڑنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ سکندر نے سولہ میل اوپر جاکر اپنی فوج کے دستے کو دریا کے دوسرے کنارے پر اترنے کے لیے بھیج دیا۔ اس فوج کے اترتے ہی سکندر کی فوج کا باقی حصہ بھی دریا پار کرگیا۔ موجودہ سرداں اور پکراں کے قریب یونانیوں اور پنجابیوں میں پہلی مرتبہ زور آزمائی ہوئی۔ ایک شدید اور خوفناک لڑائی کے بعد پورس کو شکست ہوئی۔ پورس آخری وقت تک لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ یونانیوں نے اسے پکڑ لیا۔ پنجابی قیدی کی بہادری سے یونانی فاتح بہت زیادہ متاثر تھا اس نے پورس کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ سکندر نے پورس کو اس کی ریاست واپس کردی۔ سکندر نے میدان جنگ کے قریب نکایا کے نام سے ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح جہلم کے مغربی کنارے پر اس نے اپنے مشہور گھوڑے کے نام پر بوکی فالا کی بستی بسائی۔ چناب اور راوی پار کرنے کے بعد اس نے سانگلہ پر حملہ کیا جو کاٹھیا قبیلے کا قلعہ تھا۔ حملہ آوروں کا اس سختی سے مقابلہ کیا گیا کہ جب سکندر نے اس شہر کو فتح کیا تو اس نے اسے زمین کے ساتھ ہموار کرادیا۔ اب سکندر بیاس کے کناروں تک پہنچ گیا۔ یونانی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ بیاس کے مغربی کنارے پر اپنی یادگار میں بارہ بڑے بڑے پتھر نصب کرانے کے بعد سکندر واپس ہوگیا۔ ان پتھروں کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں غائب ہوگئے لیکن یہ پتھر پنجابیوں کو ایک نیا محاورہ دے گئے۔ پنجابیوں میں فاصلے کی دوری کے لیے اب تک بارہ پتھر پار بولا جاتا ہے۔ پورس کو پنجاب کے مفتوحہ علاقے کا وائسرائے بناکر سکندر واپس چلا گیا۔ سکندر نے بعض علاقوں میں یونانی گورنر بھی مقرر کیے تھے اور کئی ایک اہم مقامات پر چھاؤنیاں بھی قائم کی

تھیں۔ سکندر اپنے وطن پہنچنے سے پہلے ق۔ م میں بابل میں چل بسا۔ اس کی موت کے بعد اس کی لمبی چوڑی سلطنت اس کے جرنیلوں میں بٹ گئی۔

مگدھ کے ایک جلا وطن اور تقدیر آزما شہزادے نے پنجاب میں ایک فوج مرتب کرنے کے بعد یونانیوں کی فوجی چھاؤنیوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ اس نے بہت تھوڑی مدت میں پنجاب میں یونانیوں کے سیاسی اقتدار کو ختم کردیا۔ اسی پنجابی فوج کی مدد سے اس نے ۳۲۲ ق۔ م میں مگدھ کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ چندر گپت موریا ہی کے عہد میں سکندر کی سلطنت کے مشرقی صوبوں کے آزاد حکمراں سلوکس نے پنجاب پر حملہ کیا لیکن چندر گپت موریا نے اسے شکست دی۔ اس نے چندر گپت موریا کی پیش کی ہوئی تمام شرطوں کو مان کر اس سے صلح کرلی۔ ایک شرط کی رو سے سلوکس نے پانچ سو ہاتھیوں کے عوض کابل' قندھار' ہرات اور بلوچستان کو چندر گپت کے حوالے کردیا۔

چندر گپت موریا کے جانشین بندوسارا (۲۷۲ --- ۲۹۸ ق۔ م) کے عہد میں اس کا بیٹا اشوک ٹیکسلا کا گورنر تھا۔ ظاہر ہے کہ اشوک نے اپنے باپ اور اپنے دادا کے نظم و نسق کے تجربوں سے ٹیکسلا کو فائدہ پہنچایا ہوگا۔ میونسپل امور میں پاٹلی پتر اور ٹیکسلا میں بہت کچھ مشترک ہو گا۔ اشوک (۲۷۲ --- ۲۳۲ ق۔ م) کے عہد حکومت میں پنجاب کے عوام نے بودھ مت قبول کرلیا۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر اشوک کے جو کتبے ملے ہیں ان کی لکھائی خروشتی ہے۔ پنجاب میں بھی غالباً" لکھائی کا یہی طریقہ رائج ہوگا۔

اشوک کے مرنے کے بعد پاٹلی پتر کی سلطنت کے دکنی صوبوں میں آندھرا کی سلطنت قائم ہوگئی۔ کالنگا (بنگال) نے بھی اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ پنجاب کے فوجی سردار پاٹلی پتر سے الگ ہونے کی فکر میں تھے کہ باختر کے یونانی بادشاہوں نے پنجاب پر دھاوا بول دیا۔ پنجاب کے ایک یونانی بادشاہ مینندر نے پاٹلی پتر پر حملہ کرنا چاہا لیکن پشیامتر نے اسے شکست دی۔ دکن کے آندھروں نے بہت جلد پاٹلی پتر کی سلطنت کو ختم کردیا۔ آندھروں کی سلطنت اگرچہ بہت بڑی تھی لیکن اس کی حدود پنجاب سے بہت دور مشرق ہی میں ختم ہوجاتی تھیں۔ پنجاب پر باختر کے یونانی بادشاہوں کی حکومت کو دوسری صدی میں وسطی ایشیا کے ایک قبیلے ساکا نے ختم

کردیا۔ اس قبیلے نے ان ہندی پارتھیوں کو بھی ختم کردیا جنہوں نے پنجاب کے بعض حصوں میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔

دوسری صدی ق۔ م کے نصف میں ساکا قبائل کی ایک شاخ نے ٹیکسلا پر قبضہ کرلیا۔ جس یوچی قبیلے نے ساکا قبائل کو وسطی ایشیا چھوڑنے پر مجبور کیا پہلی صدی عیسوی میں وہ خود ان میدانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ یوچی قبائل میں سب سے طاقت ور قبیلہ کوشان تھا۔ چنانچہ اس کے سردار کاوفی سس نے ٹیکسلا پر قبضہ کرلیا۔ اس کے جانشین کاوفی سس دوم نے اپنی فتوحات کو نربدا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ کاوفی سس دوم کے جانشین کا نشک (۱۲۰ء --- ۱۶۲ء) نے اپنی فتوحات کو دور دراز تک پھیلا دیا۔ اس نے اپنی راجدھانی پشاور کو خوبصورت عمارتوں سے سجا دیا۔ اس کے عہد میں آرٹ کے گندھارا سکول نے بہت ترقی کی۔ آرٹ کا یہ سکول یونانی آرٹ سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ کانشک کے جانشین ہووشکا کی موت کے بعد ۱۸۵ء میں واسودیو اس کا جانشین بنا۔ واسودیو کے عہد حکومت میں کوشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ایران میں ساسانیوں کا عروج کوشان سلطنت کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کوشان سلطنت کے مٹ جانے پر پنجاب میں پھر کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ یہ ریاستیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں اس لیے کوشانوں کے زوال اور گپتوں کے عروج کی درمیانی مدت میں پنجاب کافی کمزور ہوچکا تھا۔ اس لئے گپت خاندان کے بانی چندر گپت کے جانشین سمودر گپت نے چوتھی صدی کے شروع میں پنجاب کے بہت سے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ستلج کے کناروں پر اور وسطی پنجاب میں سمودر گپت کی فوجوں کا مقابلہ کیا گیا لیکن حملہ آوروں کو شکست نہ دی جاسکی۔ گپت خاندان کی سلطنت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی لیکن پانچویں صدی میں ایشیا کے ہنوں کے حملوں نے گپت سلطنت کو کمزور کردیا۔

چوتھی صدی میں وسطی ایشیا کے ہن قبیلوں نے دور دراز تک تباہی مچا دی۔ ان قبیلوں کی ایک شاخ نے یورپ کا رخ کیا اور دوسری شاخ جیحون کی وادی میں آباد ہوگئی اس شاخ نے پانچویں صدی میں ایران اور ہندوستان کا رخ کیا۔ کابل کے کوشان حکمران کو شکست دینے کے بعد ہنوں نے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ ہنوں نے پنجاب سے ہوتے ہوئے گنگا کی وادی تک تباہی مچادی۔ ان کے سردار تورمان نے

ہندوستان کے شمال مغربی اور وسطی حصوں پر قبضہ کرلیا۔ ۵۰۲ میں اس کے بیٹے مہر گل نے سیالکوٹ کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اس کی موت کے بعد ہنوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوگیا۔ ہنوں کے حملوں نے گپتوں کی سلطنت کو کمزور کردیا جس کی وجہ سے کئی ایک نئی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ہنوں کے جو قبیلے ہندوستان میں آباد ہوگئے ان میں سب سے بڑا قبیلہ گورجر تھا۔ ہنوں کا حکمران طبقہ بعد میں راجپوت کہلایا۔ گپت سلطنت کی تباہی کے بعد پنجاب میں پھر قبائلی جمہوریتیں قائم ہوگئیں۔ اسی زمانے میں ہنوں کے کئی قبیلے پنجاب میں آباد ہوگئے۔ چھٹی صدی کا پنجاب چوتھی صدی ق۔ م کے پنجاب کی طرح چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں میں بٹاہوا تھا۔ ساتویں صدی کے شروع میں تھانیسر کے راجا ہرش نے اپنی سلطنت کو اگرچہ بہت وسیع کرلیا تھا لیکن وہ پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کرسکا۔

آٹھویں صدی کے شروع میں عربوں نے ملتان پر قبضہ کرلیا۔ ملتان کے علاوہ پنجاب کے بہت سے حصوں پر ان ہن قبیلوں کا قبضہ ہوگیا جو آٹھویں صدی میں راجپوتوں کے نام سے ظاہر ہوئے۔ آٹھویں صدی سے بارھویں صدی تک شمالی ہندوستان پر راجپوت خاندانوں ہی کا قبضہ رہا۔ دسویں صدی میں لاہور کے راجا جے پال نے اپنی سلطنت کو ملتان سے کشمیر اور سرہند سے پشاور تک پھیلا دیا تھا۔ جے پال ہی کے عہد حکومت میں لاہور اور غزنی میں سیاسی کش مکش شروع ہوئی۔ جے پال نے غزنی کی بڑھتی ہوئی قوت کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتے ہوئے غزنی پر حملہ کردیا۔ پشاور اور جمرود کے درمیانی میدان میں جے پال اور سبکتگین میں لڑائی ہوئی لڑائی کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے ہی دونوں حکمرانوں میں صلح ہوگئی۔ اگلے سال اسی میدان میں پھر لڑائی ہوئی جس میں پنجابیوں کو شکست ہوئی۔ سبکتگین نے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ مشرقی سرحدوں سے مطمئن ہونے کے بعد سبکتگین اپنی ریاست کی حدود بڑھانے میں مصروف ہوگیا۔ اس نے بہت جلد خراسان اور قندھار پر قبضہ کرلیا۔

سبکتگین کے جانشین محمود نے افغانی ترکستان اور بدخشاں کو اپنے تسلط میں کرنے کے بعد دریائے سندھ کے اس مغربی علاقے کی طرف توجہ کی جسے اس کے باپ سبکتگین نے جے پال سے چھینا تھا۔ محمود نے اس علاقے میں بہت سی چھاؤنیاں

قائم کیں۔ اب محمود نے ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۰۰۱ء میں محمود دس ہزار فوج لے کر غزنی سے نکلا۔ اسی اثنا میں جے پال بھی اپنی فوج سمیت سندھ پار کر چکا تھا۔ ۲۷ نومبر ۱۰۰۱ء کو پشاور کے قریب دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی' جے پال نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ معاہدے کے بعد جے پال لاہور پہنچ کر اپنے بیٹے آنند پال کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ دستبرداری کے فوراً" بعد اس نے چتا میں کود کر جان دے دی۔ آنند پال مقررہ خراج ادا کرتا رہا لیکن بھیرہ کے حکمران وجے سنگھ نے محمود کو خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر محمود نے ۱۰۰۴ء میں عیسیٰ خیل کے مقام پر سندھ کو پار کیا۔ مٹھ ٹوانہ سے خوشاب اور شاہ پور کے راستے سے وہ بھیرہ پہنچا۔ محمود کی فوج تین دن تک نقصان اٹھاتی رہی۔ چوتھے دن محمود نے بھیرہ پر قبضہ کیا۔ بھیرہ کو غزنی کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اگلے سال محمود نے ملتان پر حملہ کرنا چاہا۔ ملتان کے حکمراں ابوالفتح داؤد نے آنند پال سے مدد مانگی۔ آنند پال نے آگے بڑھ کر پشاور کے میدان میں محمود کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی محمود کے سپاہیوں نے پنجابیوں کا سوہدرہ تک پیچھا کیا۔ محمود نے ملتان پر حملہ کر کے ابوالفتح داؤد سے اپنی شرطیں منوائیں۔ اب محمود نے آنند پال سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ غزنی کا باج گزار بن جائے اسی اثنا میں بخارا کے بادشاہ نے افغانی ترکستان پر حملہ کر دیا تھا۔ اس حملے کی روک تھام کے لیے محمود کو واپس جانا پڑا۔ محمود نے سندھ کے مشرق میں واقع مقبوضات کے لیے سیوک پال کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جب محمود بلخ کے قریب بخارا کے بادشاہ سے لڑ رہا تھا تو اس وقت تک سیوک پال نے بغاوت کر دی۔ باغی کو شکست دینے میں محمود کو زیادہ وقت صرف نہ کرنا پڑا۔

۱۰۰۸ء میں پنجاب پر محمود کے نئے حملے کی افواہ بہت گرم تھی۔ اس مرتبہ آنند پال نے محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت زیادہ تیاری کی۔ کئی ایک دوسرے راجے بھی آنند پال کی اس مہم میں شریک ہو گئے۔ اتحادیوں نے دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ڈیرے ڈال دیے۔ محمود نے بھی سندھ پار کر لیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ تیس ہزار گکھڑوں نے محمود کی فوج پر ہلا بول دیا۔ اس سے پہلے محمود شکست سے اتنا قریب کبھی نہیں ہوا تھا لیکن ٹھیک اس موقعہ پر آنند پال کا ہاتھی قابو سے باہر ہو گیا۔ اتحادیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ بھاگ

نکلے۔ محمود کی فوج نے دو دن تک ان کا پیچھا کیا۔ اسی تعاقب کے دوران محمود نے نگر کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نگر کوٹ سے واپس ہونے پر محمود نے غلزئی قبیلے کی بغاوت کو فرو کیا۔ اگلے سال محمود نے تھانیسر پر حملہ کرنے کی لیے آنند پال کو لکھا کہ اس کی فوج کو پنجاب سے گزرنے کی اجازت دی جائے۔ تھانیسر پر قبضہ کرنے کے بعد محمود غزنی چلا گیا۔ اسی اثنا میں آنند پال کی موت کے بعد اس کا بیٹا جے پال دوم لاہور کے تخت پر بیٹھا ۱۰۲۲ء میں محمود نے لاہور کو غزنی کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۱۸۷ء تک پنجاب پر غزنوی خاندان کا قبضہ رہا۔

محمود کی موت (۱۰۳۰ء) کے بعد اس کے جانشین مسعود نے ۱۰۳۶ء میں بانسی پر قبضہ کیا۔ واپس پر اس نے اپنے بیٹے مودود کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ مسعود کو اپنے عہد حکومت میں سلجوقیوں کے ساتھ کئی بار لڑنا پڑا۔ مرو کے قریب جب سلجوقیوں نے مسعود کو شکست دی تو اس کی ساری سلطنت اس سے چھن گئی۔ اب اس کے پاس صرف پنجاب تھا۔ وہ اپنے مال و اسباب سمیت لاہور کی طرف چل دیا۔ جب وہ جہلم کے کنارے پہنچا تو اس کے حفاظتی دستے نے بغاوت کر دی۔ مسعود کے اندھے بھائی محمد کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ محمد نے حکومت کا سارا کام کاج اپنے بیٹے احمد کے سپرد کر دیا لیکن لاہور کے غزنوی گورنر مودود نے بہت جلد غزنوی سلطنت کے کئی ایک حصوں پر قبضہ کر لیا۔ جب مودود سلجوقیوں سے لڑنے میں مصروف تھا تو بانسی، تھانیسر اور کانگڑا اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پنجاب کے کئی ایک دوسرے شہروں نے بھی آزادی حاصل کر لی۔ مودود کی موت کے ساتھ ہی غزنوی خاندان میں خانگی جھگڑے چھڑ گئے۔ سلطان ابراہیم کی موت (۱۰۹۸ء) کے بعد اس کا بیٹا مسعود سوم غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ مسعود سوم نے کئی سال تک لاہور کو اپنی راجدھانی بنائے رکھا۔ ۱۱۱۵ء میں مسعود کی موت کے بعد اس کے دو بیٹوں ارسلان اور بہرام میں خانہ جنگی ہوتی رہی۔ بہرام نے تخت پر بیٹھتے ہی غوریوں کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی۔ جب غوریوں نے غزنی پر قبضہ کر لیا تو بہرام لاہور چلا آیا۔ لاہور میں تیاری کرنے کے بعد اس نے غزنی پر دوبارہ قبضہ کیا لیکن بہت جلد علاء الدین نے بہرام کو غزنی سے نکال کر غزنی کو تباہ و برباد کر دیا۔ بہرام نے لاہور پہنچ کر وفات پائی۔ اس کے جانشین خسرو (۱۱۵۰ء --- ۱۱۵۷ء) نے غزنی پر قبضہ کرنے کے لیے

دو بار کوشش کی۔ اس کے جانشین خسرو ملک کے عہد حکومت میں غوریوں نے اس کی سلطنت کے بہت سے حصوں پر قبضہ کرلیا۔ محمد غوری نے سندھ اور چناب کے درمیانی علاقے کو خسرو ملک سے چھین لیا۔ ۱۱۸۱ء میں محمد غوری نے لاہور پر حملہ کیا لیکن خسرو ملک اور محمد غوری میں صلح ہوگئی۔ خسرو ملک نے گکھڑوں کی مدد سے محمد غوری سے لڑنا چاہا لیکن محمد غوری نے خسرو ملک کو بات چیت کرنے کی غرض سے اپنے پاس بلا کر گرفتار کرلیا۔ ۱۱۸۷ء میں محمد غوری نے خسرو مل اور اس کے بیٹے کو قتل کرادیا۔

دسویں صدی کے شروع ہی میں کابل کے ہندو شاہیہ سلطنت اور ترکوں میں ٹکراؤ ہونے والا تھا۔ پچاس سال کی مدت میں غزنی کی ترکی حکومت کی حدیں راوی کے کناروں تک پہنچ گئیں۔ غزنویوں نے دو سو سال کے لگ بھگ پنجاب پر حکومت کی۔ جب غوریوں نے غزنی پر قبضہ کیا تو اس وقت غزنویوں نے پنجاب میں ایک الگ تھلگ حکومت قائم کرلی۔ غزنوی دور کے پنجاب میں اس زبان کی بنیاد رکھی گئی جس نے آگے چل کر ہندوستانی کی صورت اختیار کی۔ اس دور کے مشہور فارسی شاعر مسعود سعد سلمان کے ساتھ کئی ایک ہندی نظموں کو بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے غزنوی حکمرانوں نے ہندوستان کی دوسری راجپوت ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ غوریوں نے نہ صرف غزنی پر قبضہ کرلیا بلکہ انہوں نے غزنوں پنجاب کا خاتمہ کر کے اپنی فتوح کو گنگا کی وادی تک پھیلادیا۔ اسی اثنا میں چنگیز خاں نے ترکوں کو ان کے اپنے وطن میں شکست دی۔ اس شکست کے بعد وسطی ایشیا کے بہت سے قبیلوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس زمانے میں شمالی ہندوستان پر ان ترک حکمرانوں کا قبضہ ہوچکا تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں "غلام بادشاہ" کہلاتے ہیں۔ غزنویوں کی حکومت کے ختم ہوجانے کے بعد پنجاب پر بھی دلی کے ترک بادشاہوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ دلی کے ان ترک حکمرانوں کے عہد میں منگولوں نے پنجاب پر حملے کیے۔ تیرھویں صدی کے پنجاب کی سیاسی تاریخ عبارت ہے منگولوں کے حملوں اور ان کی روک تھام سے۔ ان حملوں کے دوران جہاں پنجاب کو بہت زیادہ مادی نقصان اٹھانا پڑا وہاں پنجاب کی تمدنی زندگی میں چند ایک ایسے عناصر ابھر آئے جنھوں نے ازمنہ وسطی کی ہندوستانی تہذیب پر گہرا اثر کیا۔

محمد غوری کی وفات کے بعد خوارزم کے حکمرانوں نے غور پر قبضہ کرکے ہندوکش کے اس پار غوریوں کی سلطنت کو ختم کردیا لیکن محمد غوری کی وہ سلطنت جسے اس نے ہندوستان میں قائم کیا تھا نہ صرف خوارزم کے حکمرانوں کی فتوحات سے بچی رہی بلکہ اس سلطنت نے منگولوں کے سیلاب کی بھی روک تھام کی۔ ایبک اپنے سارے عہد حکومت میں خارجہ مسائل کی طرف متوجہ رہا۔ خوارزم شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور غزنی پر یلدوز کے قبضے سے سندھ پار کی سیاسیات نے جو صورت اختیار کر رکھی تھی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایبک کو لاہور میں ہی رہنا پڑا۔

ایبک کی موت ۱۲۱۰ء کے بعد سندھ کے گورنر قباچہ نے ملتان اور لاہور پر قبضہ کرلیا۔ پانچ سال بعد یلدوز نے قباچہ کو لاہور سے نکال کر پنجاب کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ایبک کے جانشین التمش کو یقین ہو گیا تھا کہ یلدوز دلی کی طرف بڑھے گا یلدوز اور التمش میں لڑائی ہوئی جس میں یلدوز کو قید کرلیا۔ التمش کی اس فتح نے دلی کو وسطی ایشیا کی سیاست سے الگ کردیا۔ تھوڑی مدت بعد التمش نے لاہور پر قبضہ کرکے اپنے بڑے بیٹے ناصرالدین محمود کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ چناب اور جہلم کی درمیانی وادی اور کوہستان نمک پر التمش کا مشکل سے قبضہ ہوا تھا کہ وسطی ایشیا سے ایک سیلاب اٹھا۔ منگولوں نے چنگیز خاں کی رہنمائی میں خوارزم کی سلطنت کو تباہ کردیا۔ خوارزم شاہ کے بیٹے اور ولی عہد جلال الدین نے پنجاب میں داخل ہو کر اپنی جان بچائی۔ جلال الدین نے بہت جلد کوہستان نمک اور دوآبہ سندھ ساگر کے شمالی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ جلال الدین نے کھوکھر سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر قباچہ کی مملکت پر جو سندھ سے میانوالی تک پھیلی ہوئی تھی حملے شروع کردیے۔ جلال الدین تین سال تک مغربی پنجاب میں تدبر آزمائی کرنے کے بعد عراق چلا گیا۔ اس اثنا میں منگولوں نے غزنی کو فوجی ٹھکانہ بنا کر جلال الدین سے لڑنے کے لیے کئی بار مغربی پنجاب پر حملے کیے۔

جلال الدین اور قباچہ کی لڑائیوں سے اور منگولوں کے حملوں نے قباچہ کو بہت کمزور کردیا تھا۔ قباچہ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے التمش نے ۱۲۲۸ء میں اس کی مملکت پر قبضہ کرلیا۔ اب دلی کی حکومت اور منگولوں میں ٹکراؤ یقینی تھا۔ سلطان رضیہ کے عہد میں سندھ اور چناب کے درمیانی علاقوں پر منگولوں کا قبضہ

ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۲۴۰ء میں لاہور کے گورنر کبیر خاں نے بغاوت کی تو رضیہ سلطانیہ سے شکست کھانے کے بعد وہ مغربی پنجاب کی طرف بھاگ نکلا لیکن منگولوں کے خوف سے چناب پار نہ کر سکا۔ کبیر خاں نے ہتھیار ڈال کر رضیہ سلطانہ سے صلح کر لی۔ رضیہ کے عہد حکومت میں منگولوں نے اس کی سلطنت پر کوئی حملہ نہ کیا لیکن اس کی علیحدگی کے بعد ۱۲۴۱ء میں منگول فوجوں نے سندھ کو عبور کر کے پہلی مرتبہ ہندوستان کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ منگولوں کے آتے ہی لاہور کا گورنر ملک قرقاش شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اس پر بھی لاہوریوں نے ہر گلی کوچے میں حملہ آوروں سے لڑائی کی۔ منگولوں نے لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد دلی کا رخ کیا۔ اُدھر منگول لاہور سے نکلے ہی تھے کہ کھوکھروں نے لاہور پر ہلہ بول کر اسے تباہ کر دیا۔ اسی اثنا میں ملک قرقاش دلی سے کمک لے کر لاہور پہنچ گیا۔ اس نے کھوکھروں کو لاہور سے نکال دیا۔ منگول بھی راوی پار چلے گئے۔

ناصر الدین محمود کے عہد میں منگولوں نے سندھ پر حملہ کیا لیکن بہت زیادہ نقصان اٹھا کر انہیں واپس ہونا پڑا۔ ناصرالدین محمود کی موت کے بعد اس کے جانشین بلبن نے ہندوستان کو منگولوں کے حملوں سے بچانے کی طرف توجہ کی۔ بلبن نے لاہور کو پھر سے آباد کیا اور شیر خاں کو بٹھنڈہ، دیپال پور اور لاہور کے اضلاع کا گورنر مقرر کیا۔ شیر خاں نے کئی مرتبہ منگول حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ ان حملہ آوروں کی روک تھام کے لیے بلبن نے اپنے بیٹے محمد کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۲۸۵ء میں منگولوں نے لاہور اور دیپال پور کو لوٹنے کے بعد ملتان کا رخ کیا۔ اسی اثنا میں شہزادہ محمد اپنی فوج سمیت منگولوں کے مقابلے کے لیے پہنچ گیا۔ ملتان کے قریب شہزادے اور منگولوں میں لڑائی ہوئی جس میں شہزادہ مارا گیا۔ اس لڑائی میں امیر خسرو شہزادے کے ساتھ تھا۔ منگولوں نے امیر خسرو کو قید کر لیا۔ قیدی کی حالت میں ایک منگول سپاہی نے امیر خسرو کو اپنا سامان اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

من که برسر نمی. نهادم گل
بار برسر نهاد و گفتا "جل"

امیر خسرو نے خان شہید (شہزادہ محمد) کے دو مرثیہ لکھے ہیں۔ ایک مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

"اے دل بہ غم نشیں کہ زشادی نشاں نماند
وے غم جہاں ستاں کہ طرف در جہاں نماند"

دوسرے مرثیے میں شاعر ہمیں بتاتا ہے کہ "ملتان میں شاید ہی کوئی ایسا گھر ہے جہاں کسی نہ کسی مرنے والے کا ماتم نہیں کیا جارہا۔"

منگولوں کی اس فتح کے باوجود ملتان ان کے قبضے میں نہ آسکا۔ بلبن نے خان شہید کے بیٹے کیخسرو کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ بوڑھا سلطان اپنے جوان بیٹے کی موت کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ بلبن کی موت ۱۲۸۶ء کے وقت پنجاب کے بہت سے حصے پر منگولوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ خلجیوں کے عہد حکومت میں منگولوں نے پنجاب کو محاذ بناکر دلی پر دھاوا بول دیا۔

خلجیوں کے عہد حکومت میں بھی پنجاب پر منگولوں کے حملے جاری رہے۔ علاء الدین خلجی نے منگولوں کے حملوں کی روک تھام کے لیے دیپال پور میں ایک بہت بڑی چھاؤنی قائم کی تھی۔ جب ۱۳۰۴ء میں علی بیگ اور خواجہ تاش نے ملتان اور لاہور پر قبضہ کرنا چاہا تو دیپالپور کے گورنر غازی ملک نے انہیں شکست دی۔ علاء الدین کی موت کے بعد دلی سازشوں کا مرکز بن گئی۔ کافور، مبارک اور خسرو ایک دوسرے کے بعد ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ظلم توڑنے لگے۔ جب خسرو کا طرز عمل حد سے زیادہ ناقابل برداشت ہوگیا تو ایک علائی امیر جونا خاں نے اپنے باپ غازی ملک کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اس پر غاری ملک اپنی فوج سمیت دیپال پور سے دلی روانہ ہوا۔ خسرو کے لیے غازی کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ خسرو کی شکست کے بعد دلی دربار کے امیروں نے غازی ملک کو تخت پر بٹھا دیا۔ پنجاب کی ایک جاٹ ماں کا بیٹا غازی ملک اب غیاث الدین تغلق تھا۔ محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق کی موت کے ساتھ ہی ہندوستان کے بہت سے صوبے مرکزی حکومت سے کٹ گئے۔

اسی اثنا میں تیمور نے دریائے سندھ کو پار کرکے اچ پر قبضہ کرلیا۔ ایک لمبی لڑائی کے بعد ملتان نے بھی حملہ آور کی اطاعت قبول کرلی۔ دیپال پور کو فتح کرنے کے بعد تیمور کیتھل سے ہوتا ہوا دلی کی طرف بڑھا۔ دلی کی فوج کو شکست دینے کے بعد تیمور نے دلی کو لوٹا۔ واپسی پر اس نے سیالکوٹ کے راجا کو شکست دی۔ خضر خاں کو

لاہور 'ملتان اور دیپالپور کا گورنر مقرر کرنے کے بعد تیمور نے سمرقند کی راہ لی۔ تیمور کی واپسی کے چند سال بعد خضر خاں نے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد ایک نئے حکمراں خاندان کی بنیاد رکھی (۱۴۱۴ء)

جوں ہی خضر خاں دلی کی طرف بڑھا کھوکھروں نے ملتان اور لاہور پر حملے کیے۔ خضر خاں نے جانشین مبارک شاہ (۱۴۲۱ء --- ۱۴۳۴ء) کے عہد حکومت میں کھوکھروں نے پنجاب پر اپنا سیاسی اقتدار جمانے کے لیے اپنی سرگرمیوں کو بہت تیز کردیا لیکن شاہی فوج نے کھوکھروں کے سردار جسرتھ کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اسی اثنا میں دلی کی حکومت بہت کمزور ہوچکی تھی۔ لاہور کا گورنر بہلول لودھی دلی کی طرف بڑھا شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ بہلول لودھی نے دلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ بہلول کے جانشین سکندر لودھی نے لدھیانہ کو آباد کیا۔ ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں دولت خاں لودھی پنجاب کا گورنر تھا لیکن لاہور اور آگرہ کے سیاسی تعلقات خراب ہوتے چلے جارہے تھے یہاں تک کہ دولت خاں نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ دولت خاں لودھی کی اس دعوت سے پہلے بابر کئی بار پنجاب کے سرحدی اضلاع پر حملے کرچکا تھا۔ اس مرتبہ بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دی۔ آگرے میں تخت پر بیٹھنے کے بعد بابر نے اپنے بیٹے کامران کو لاہور اور کابل کا گورنر مقرر کیا۔ کامران نے نو لاکھ روپے کی لاگت سے لاہور میں ایک محل بنوادیا جس کے ساتھ ساتھ باغ بھی ملحق تھے۔ اپنے باپ کی موت کے بعد جب ہمایوں تخت پر بیٹھا تو اس نے کامران کو لاہور اور کابل کا گورنر رہنے دیا لیکن جب شیر شاہ نے ہمایوں کے لیے ہندوستان میں رہنا ناممکن کردیا تو کامران نے پنجاب کو شیر شاہ کے حوالے کردیا۔ جب پنجاب کے شیر شاہی گورنر ہیبت خاں نے شیر شاہ سوری کے خلاف بغاوت کی تو شیر شاہ نے اسے شکست دے کر پنجاب سے بھگا دیا۔ بلوچی قبیلوں کی روک تھام کے لیے شیر شاہ سوری نے ملتان کے قریب شیر گڑھ کے نام سے ایک قلعہ کھڑا کیا۔ گکھڑوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کے لئے شیر شاہ نے جہلم کے پاس قلعہ رہتاس تعمیر کروایا۔ خوشاب بھی شیر شاہ ہی کا بسایا ہوا ہے۔ شیر شاہ کی موت کے بعد اس کے جانشین اتنی بڑی سلطنت کو نہ سنبھال سکے۔ چنانچہ ہمایوں نے اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

ایران سے ہندوستان کا رخ کیا۔ لاہور کے گورنر تاتار خاں نے رہتاس میں ہمایوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ ہمایوں لاہور میں داخل ہوگیا۔ بیرم خاں نے آگے بڑھ کر ماچھی واڑے میں سوری فوج کو شکست دی۔ سکندر سوری کو کانگڑا کے پہاڑی علاقے میں پناہ لینی پڑی۔ ہمایوں نے بیرم خاں اور اپنے بیٹے اکبر کو سکندر سوری سے نپٹنے کے لیے پنجاب میں چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھ کر دلی کے تخت پر قابض ہوا لیکن چند مہینے تخت پر بیٹھنے پایا تھا کہ اپنے کتب خانے سے گر کر مر گیا۔

جب بیرم خاں کو ہمایوں کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے کلانور کے ایک باغ میں اینٹوں کا ایک تخت بنوا کر اکبر کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ ہیموں آگرے اور دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد پنجاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پنجاب کے باغی گورنر ابوالمعالی کی جگہ خضر خاں کو پنجاب کا گورنر مقرر کرنے کے بعد بیرم خاں' دلی کی طرف بڑھا۔ پانی پت کے میدان میں اکبر کی فوج نے ہیموں کو شکست دی۔ جب اکبر دلی پہنچا تو سکندر سوری نے پہاڑوں سے نکل کر لاہور پر قبضہ کرنا چاہا۔ اکبر کو پھر لاہور آنا پڑا۔ سکندر سوری نے مان کوٹ میں پناہ لی۔ شاہی فوج کے محاصرے سے تنگ آکر سکندر سوری نے اکبر سے معافی مانگ کر اپنی جان بچائی۔ دو سال بعد بیرم خاں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اکبر کو پھر پنجاب میں آنا پڑا۔ ۱۵۶۶ء میں اکبر کے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم نے جو کابل کا گورنر تھا لاہور پر قبضہ کرنا چاہا لیکن اکبر کے آتے ہی وہ کابل بھاگ گیا۔ چند سال بعد جب راجا مان سنگھ لاہور کا گورنر تھا تو مرزا محمد حکیم نے لاہور کا محاصرہ کرلیا۔ راجا مان سنگھ نے بڑی بہادری سے لاہور کی حفاظت کی۔ جب شہنشاہ جلال الدین اکبر راجا مان سنگھ کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو مرزا حکیم پشاور کی طرف بھاگ گیا۔ راج مان سنگھ نے آگے بڑھ کر مرزا حکیم کو شکست دی۔ اکبر نے کابل میں داخل ہوکر مرزا حکیم کو پھر معاف کردیا۔ واپسی پر اکبر نے قلعہ اٹک بنوایا۔ مرزا حکیم کی موت کے بعد اکبر نے راجا مان سنگھ کو کابل اور راجا بھگوان داس کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں کے سیاسی حالات پر قابو پانے کے لیے اکبر کو ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۹ء تک لاہور ہی میں رہنا پڑا۔ لاہور میں شہنشاہ کی موجودگی نے اس شہر کو مغلیہ سلطنت کی راجدھانی بنادیا۔ ایک غیر ملکی سیاح کے الفاظ میں اگر لاہور کا مقابلہ ہندوستان کے

کسی دوسرے شہر سے ہو سکتا ہے تو وہ صرف آگرہ ہے۔" سولہویں صدی کے آخر میں چند پرتگالی پادری لاہور میں آئے تھے۔ یہ پادری اپنے سفرناموں میں لاہور کی بہت تعریف کرتے ہیں: "لاہور میں شاہی محلات کے علاوہ درباری امیروں کے ایسے عالی شان محل ہیں کہ ان کی نظیر ہندوستان کے دوسرے شہروں میں ملنا مشکل ہے۔" راجا ٹوڈر مل، عبدالرحیم خان خاناں، راجا بھگوان داس اور ابوالفضل کے محلات نے لاہور کی رونق میں چار چاند لگادیے تھے۔ حکیم علی گیلانی کے حوض کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لاہور کا موجودہ قلعہ اکبر ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ اکبر نے لاہور کی حفاظت کے لیے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑہ بنوایا تھا۔ اپنے قیام لاہور ہی میں اکبر نے ملا احمد کو تاریخ الفی اور شیخ عبدالقادر بدایونی کو رامائن اور مہابھارت کے تراجم کے لیے کہا۔ فیضی نے مثنوی نل دمنتی لاہور ہی میں لکھی تھی!

جہانگیر کو تخت پر بیٹھے ہوئے مشکل سے چند مہینے گزرے ہوں گے کہ اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کردی۔ باغی شہزادہ لوٹ مار کرتا ہوا لاہور تک پہنچ گیا۔ خسرو کی فوج لاہور کو لوٹنے میں مصروف تھی کہ جہانگیر بھی لاہور پہنچ گیا۔ خسرو نے کابل کی طرف بھاگ جانا چاہا لیکن شاہی فوج نے اسے گرفتار کرکے شہنشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ ہندوستان کے مغلیہ خاندان کا حسین ترین شہزادہ اپنے باپ کے سامنے کانپ رہا تھا۔ وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ شہنشاہ شاید باغی شہزادے کو معاف نہ کرتا لیکن باپ نے بیٹے کو معاف کردیا۔ خسرو کے ساتھیوں کو دلی دروازے سے نولکھا باغ تک دو طرفہ پھانسی پر لٹکادیا گیا۔ گورو ارجن دیو کو بھی شہزادے خسرو کی مدد کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اکبر کے عہد حکومت میں کانگڑا پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ شاہی فوج نے نگر کوٹ کا ایک طویل مدت تک محاصرہ کیے رکھا تھا لیکن محاصرین کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ جہانگیر نے بھی کانگڑا فتح کرنا چاہا۔ پنجاب کے گورنر مرتضیٰ خاں کی کمان میں فوج بھیجی گئی لیکن وہ کانگڑا فتح نہ کرسکا۔ مرتضیٰ خاں کی موت کے بعد شہزادہ خرم نے اس مہم کی کمان سنبھالی۔ چودہ مہینوں تک محصور رہنے کے بعد محصورین نے ۱۶۔ نومبر ۱۶۲۰ء کو ہتھیار ڈال دیے۔ جہانگیر "تقریباً" ہر سال کشمیر جاتا تھا جس کی وجہ سے لاہور میں شہنشاہ کا بہت آنا جانا رہتا۔ ۱۶۲۲ء میں تو جہانگیر نے عملی طور پر لاہور کو اپنی راجدھانی بنالیا تھا۔ ۱۶۲۶ء

میں کشمیر سے واپسی پر جہانگیر چند مہینے لاہور میں رہنے کے بعد کابل جارہا تھا کہ شاہی فوج کے ایک نامور جنرل مہابت خاں نے جہلم کے کنارے پہنچ کر اپنے راجپوت سپاہیوں کی مدد سے جہانگیر کو شاہی خیمہ میں نظر بند کردیا۔ نور جہاں اور آصف خاں جہلم کے دوسرے کنارے پر تھے۔ نور جہاں نے بڑی مشکل سے شہنشاہ کو مہابت خاں کی قید سے رہا کروایا۔ کابل سے لاہور پہنچنے کے بعد جہانگیر کشمیر کی سیر کے لیے چلا گیا۔ چند مہینے کشمیر میں ٹھہرنے کے بعد جہانگیر لاہور کی طرف جارہا تھا کہ بھرام گلہ میں وفات پائی۔

جہانگیر کے عہد میں لاہور کی رونق بڑھتی چلی گئی۔ ۱۶۲۶ء میں ایک یورپی سیاح لکھتا ہے کہ "لاہور ہندوستان کا بہت بڑا شہر ہے۔ ہندوستان کے ہر حصے کے سوداگر یہاں موجود ہیں۔ سندھ کے لیے لاہور سے جہازوں میں مال بھیجا جاتا ہے۔ ہر سال قریباً بارہ چودہ ہزار مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹ قندھار کی راہ سے ایران جاتے ہیں۔" جہانگیر نے گوا کے پادریوں کو لاہور میں ایک گرجا بنانے کی اجازت دی۔ جہانگیر نے لاہور کے قلعہ میں بہت سی عمارتوں کا اضافہ کیا۔ اس نے مرنے سے پہلے یہ خواہش کی تھی کہ اسے لاہور ہی میں دفن کیا جائے چنانچہ نور جہاں کے باغ دل کشا میں شہنشاہ کو دفن کیا گیا۔ جہانگیر کی موت کے بعد نور جہاں نے شہریار اور آصف جاہ نے خرم کو شہنشاہ کا جانشین بنانا چاہا۔ خرم چونکہ اس وقت دکن میں تھا اس لیے آصف جاہ نے اسے آگرہ پر قبضہ کرنے کے لیے لکھا۔ شہریار نے اپنے اردگرد چند ہزار سپاہی جمع کرکے اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔ آصف جاہ خسرو کے بیٹے داور بخش کو قید سے نکال کر شہریار کے مقابلے پر لے آیا۔ شہریار اور داور میں لڑائی ہوئی۔ شہریار شکست کھانے کے بعد گرفتار ہوا۔ جب آصف جاہ کے حکم سے شہریار کو اندھا کردیا گیا تو اس نے یہ کہا:

ز نرگس گلاب ارچہ نتواں کشید
کشیدند از نرگس من گلاب
اگر از تو پرسند تاریخ من
بگو کورشد دیدہ آفتاب
۱۰۳۷ء

جب خرم نے آگرے پر قبضہ کرلیا تو اس نے آصف جاہ کو لکھ کہ لاہور میں جتنے مغل شہزادے ہیں ان سب کو قتل کردیا جائے۔ آصف جا نے چار شہزاوں کو قتل کروادیا۔ اب خرم، شاہ جہاں کا لقب اختیار کرکے تخت پر بیٹھا۔ شاہ جہاں نے بھی اپنے باپ جہانگیر اور اپنے دادا اکبر کی طرح لاہور کی رونق کو بڑھانے میں نمایاں حصہ لیا۔ شاہ جہاں کے عہد میں لاہور کی رونق بہت عروج پر تھی۔ شاہ جہانی عہد کے یورپی سیاحوں نے لاہور کو ہندوستان کا سب سے بڑا شہر بتایا ہے۔ ایک ہسپانوی پادری کے الفاظ: "اس خوبصورت شہر کے بڑے بڑے دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر الگ الگ رنگوں کے گنبد ہیں۔ سوداگر بڑے اطمینان کے سات کاروبار میں مصروف ہیں۔ یہاں کے باغ، محل، تالاب اور فوارے سیاحوں پر بڑا اثر کرتے ہیں۔ اس شہر کے سب سے بڑے بازار کا نام "دل کشا" ہے۔" آصف جاہ، علی مردان، وزیر خاں، سعد اللہ خان اور دارا شکوہ نے لاہور میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ شاہ جہاں نے قلعہ لاہور میں کئی ایک نئی عمارتوں کا اضافہ کیا اور شالامار باغ بنوایا۔ لاہور میں دارا شکوہ کے طویل قیام نے اس شہر کی علمی سرگرمیوں کو بہت تیز کردیا تھا۔ دارا شکوہ اور گورو ہرگوبند کے دوستانہ تعلقات سے پنجاب میں صوفیانہ خیالات کی کافی اشاعت ہوئی۔

شاہ جہاں کے بیٹوں میں آگرہ کے قریب ساموگڑھ میں تخت نشینی کے لیے جو لڑائی ہوئی اس میں شکست کھانے کے بعد دارا شکوہ لاہور کی طرف بھاگ نکلا۔ جب اورنگ زیب نے اس کا پیچھا کیا تو وہ لاہور سے ملتان ہوتا ہوا سندھ چلا گیا۔ چند دن شالامار باغ میں قیام کرنے کے بعد اورنگ زیب نے خلیل خاں کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا اور فوراً آگرے چلا گیا۔ ۱۶۶۳ء میں اورنگ زیب پھر لاہور میں تھا۔ اورنگ زیب کا تقریباً عہد حکومت وسطی ہندوستان اور دکن کی مہموں میں صرف ہوا۔ اس لیے وہ لاہور میں زیادہ قیام نہ کرسکا پھر بھی اس کے عہد میں لاہور کی رونق برقرار رہی۔ برنیئر کے الفاظ میں: "یہ ایک نفیس شہر ہے جس کی منڈیوں میں بہت زیادہ رونق ہے۔ یہاں کی عمارتیں خوبصورتی اور شان و شوکت میں دلی اور آگرے کی عمارتوں سے کسی طرح کم نہیں" اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی شاہی مسجد اب تک لاہور میں موجود ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النسا نے لاہور میں جو باغ بنوایا تھا وہ اب تک "چوبرجی" کے نام سے کسی نہ کسی طرح باقی ہے۔

باب ۲۹

اٹھارھویں صدی کا پنجاب

اورنگ زیب کی موت سے مہاراجا رنجیت سنگھ کی تخت نشینی تک پنجابیوں کو ایک نہایت ہی پر آشوب دور کا سامنا کرنا پڑا۔ دلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے بہت سے صوبے اس سے کٹ رہے تھے۔ پنجاب کے لیے بھی ایسا کرنا آسان تھا لیکن پنجاب کی مقامی حکومت کو اجنبی حملہ آوروں نے مضبوط اور مستحکم ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ دلی کی کمزور مرکزی حکومت میں اتنی قوت اور صلاحیت نہیں تھی کہ وہ پنجاب کو اجنبی حملہ آوروں سے بچا سکتی۔ ان حملہ آوروں نے ایک طرف جہاں مغل اعظم کی کمزوری اور بے بسی کو نمایاں کردیا وہاں انہوں نے پنجاب کے نظم و نسق کو تہ و بالا کردیا۔ افغانوں کا یہ دعوی ہوتا تھا کہ پنجاب پر ان کا تسلط ہے۔ دلی کی مرکزی حکومت پنجاب کے معاملات میں دخیل ہونے سے باز نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ افغانوں کو پنجاب پر اپنا تسلط جمانے کے لیے بار بار حملے کرنے پڑتے تھے۔ ان حملوں نے پنجاب کی سیاسی اور تہذیبی زندگی کو تباہ و برباد کردیا۔ کم و بیش ایک سو سال تک پنجاب کی یہی کیفیت رہی۔ اس صدی میں جہاں ہندوستان کے دوسرے آزاد اور نیم آزاد صوبے علوم و فنون میں کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ وہاں پنجاب میں علوم و فنون کے سرچشمے تقریباً" سوکھ گئے۔ اس مدت میں چند شاعر ضرور دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری پنجابیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس افراتفری کے دور میں پنجاب تعمیرات میں خاک ترقی کر سکتا تھا۔ سینکڑوں، ہزاروں عمارتیں سطح زمین کے ساتھ ہموار ہوگئیں یا ہموار کردی گئیں۔ رہی سہی عمارتں کی مرمت کے لیے بھی کوئی مشکل ہی سے ملتا تھا۔ اٹھارھویں صدی کا پنجاب

عبارت ہے بیرونی حملوں اور اندرونی شورش سے اورنگ زیب کی موت (۱۷۰۷ء) کے بعد اس کا بڑا بیٹا بہادر شاہ تخت پر بیٹھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں بندہ بیراگی کی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بیراگی اور اس کے ساتھیوں نے ستلج اور بیاس کے دو آبہ کے کئی شہروں کو لوٹنے کے بعد لاہور پر حملہ کرنا چاہا لیکن سرہند پر شاہی فوج نے بندہ بیراگی کو شکست دی۔ بندہ بیراگی نے اپنے آپ کو لوہ گڑھ میں محصور کرلیا تین مہینے تک شاہی فوجوں نے لوہ گڑھ کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس موقع پر بندہ بیراگی قلعہ لوہ گڑھ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی اثنا میں بہادر شاہ بھی دلی سے لاہور پہنچ گیا۔ لیکن چند دنوں بعد اس نے لاہور میں وفات پائی۔

بہادر شاہ کی موت (۱۷۱۲ء) کے بعد اس کے بیٹوں میں تخت کے لیے لڑائی ہوئی۔ سب سے پہلے تین بھائیوں نے مل کر لاہور کی فصیل کے باہر چوتھے بھائی عظیم الشان کو شکست دی۔ شکست کھانے کے بعد عظیم الشان نے راوی عبور کرنے کی کوشش کی لیکن ساحل تک نہ پہنچ سکا۔ اب معزالدین نے اپنے دو بھائیوں سے علیحدہ علیحدہ لڑائی کرکے انہیں شکست دی۔ معزالدین نے تخت نشین ہوتے وقت جہاں دار کا لقب اختیار کیا۔ جہاں دار کو حکومت کرتے ہوئے ابھی سات ہی مہینے گزرے تھے کہ عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر نے اسے شکست دی۔

مغل شہزادوں کی باہمی لڑائیوں نے بندہ بیراگی اور اس کے ساتھیوں کو موقع دے دیا تھا کہ وہ دوبارہ منظم ہوجائیں۔ اب بندہ بیراگی نے کوہستانی پناہ گاہوں سے نکل کر سب سے پہلے سرہند پر حملہ کیا اور شہر کو آگ لگادی' پھر بٹالہ اور کلانور پر یورش کی۔ اب فرخ سیر نے اس شورش کو دبانے کے لیے نواب عبدالصمد کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ پنجاب کے پہاڑی راجاؤں کی مدد سے عبدالصمد نے بیراگی کو کئی ایک معرکوں میں شکست دی۔ بیراگی نے آخرکار اپنے آپ کو گورداس پور کے قلعہ میں محصور کرلیا۔ شاہی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ بندہ بیراگی اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کرکے دلی بھیج دیا گیا۔

نواب عبدالصمد خاں کے بعد اس کا بیٹا نواب زکریا خاں پنجاب کا گورنر مقرر ہوا۔ زکریا خاں کے عہد میں پنجاب اندرونی شورشوں سے بچا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ زکریا خاں کو اتنی مہلت مل گئی تھی کہ اس نے لاہور اور شالامار کے درمیان بیگم

پورہ کو سرکاری عمارات سے سجا دیا۔ اس زمانے کی بنی ہوئی عمارتوں میں سے صرف چند کھنڈر باقی ہیں۔ زکریا خاں نے پنجاب میں امن و امان قائم کردیا۔ قیام امن کی اس جدو جہد میں زکریا خاں کے ساتھ آدینہ بیگ کا بھی بہت حصہ ہے۔ آدینہ نگر (موجودہ دینا نگر) اسی کا بسایا ہوا ہے۔ ادھر زکریا خاں پنجاب میں مرکزی حکومت کے تسلط کو مستحکم کرنے میں مصروف تھا ادھر مرکزی حکومت سازشوں کا مرکز بنی ہوئی تھی' کئی ایک صوبے مرکز سے کٹ چکے تھے۔ نظم و نسق میں ابتری پھیل چکی تھی۔ مرکزی حکومت کی ایک سازش نے نادر شاہ کی طوفانی فوج کا رخ ہندوستان کی طرف پھیر دیا۔ شاہی فوج کو پشاور کے قریب شکست دینے کے بعد نادر شاہ نے بلا روک ٹوک چناب کو عبور کرلیا۔ وزیر آباد میں زکریا خاں کی فوج نے نادر شاہ کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اب نادر شاہ نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور کو بچانے کے لیے زکریا خاں کی زیر کمان ایک فوج نے راوی کو پار کیا۔ تین دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے دن زکریا خاں کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ زکریا خاں بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوگیا۔ اب اس نے قلعہ اور فصیل کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ اسی اثنا میں نادری لشکر راوی پار کرکے شالامار میں ڈیرے ڈال چکا تھا۔ نادر شاہ کے ایک امیر کفایت خاں کے ذریعے زکریا خاں اور نادر شاہ میں صلح ہوگئی۔ زکریا خاں نے بیس لاکھ روپے اور چند ہاتھی تاوان جنگ کے طور پر نادر شاہ کو پیش کیے۔ نادر شاہ نے زکریا خاں کو پنجاب کی گورنری پر بحال رکھا۔ اب نادر شاہ نے دلی کا رخ کیا۔ دلی میں قتل عام کرنے' لوٹ مار مچانے اور ان گنت دولت سمیٹنے کے بعد لاہور سے ہوتا ایران چلا گیا۔

نادر شاہ کے حملے نے مغل اعظم کی سیاسی کمزوری کو بے نقاب کردیا تھا۔ چنانچہ ادھر نادر شاہ نے ایران کا رخ کیا ادھر ہندوستان کے مختلف صوبوں میں خود مختاری کی تحریک شروع ہوگئی۔ نادر شاہ کے حملے نے پنجاب میں مرکزی حکومت کے اقتدار کو کافی حد تک کمزور کردیا تھا۔ ان حالات سے سکھوں نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پنجاب کی مقامی حکومت کی بے بسی اور دلی کی مرکزی حکومت کی کمزوری ان پر واضح ہوچکی تھی۔ لہٰذا انہوں نے سیاسی قوت حاصل کرنے کے لیے اپنی سرگرمیوں کو پہلے سے زیادہ تیز اور زیادہ منظم کردیا۔ نواب زکریا خاں کی

وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا یحییٰ خاں گورنر مقرر ہوا۔ یحییٰ خاں کا چھوٹا بھائی شاہ نواز ملتان کا ناظم تھا۔ اس نے اپنے باپ کی جائیداد میں اپنا حصہ طلب کیا لیکن یحییٰ خاں نے اپنے چھوٹے بھائی کی درخواست پر زیادہ توجہ نہ کی۔ اس پر شاہ نواز اپنی فوج سمیت اچانک شالامار کے قریب نمودار ہوا۔ شاہ نواز نے دیوان صورت سنگھ کی معرفت یحییٰ خاں کو تصفیہ کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابھی دونوں بھائیوں میں بات چیت جاری تھی کہ عید گاہ میں دونوں بھائیوں کے سپاہیوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں یحییٰ خاں کو شکست ہوئی۔ شاہ نواز نے یحییٰ خاں کو قلعہ میں قید کرنے کے بعد مرکزی حکومت کی منظوری حاصل کیے بغیر اپنے گورنر ہونے کا اعلان کر دیا۔ تھوڑی مدت کے بعد یحییٰ خاں قید سے بھاگ کر دلی جا پہنچا۔ اب شاہ نواز کو یقین ہو گیا کہ یحییٰ خاں شاہی فوج لے کر لاہور پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی کو پنجاب پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اسی اثنا میں وزیر قمرالدین کے دباؤ سے شاہ نواز نے احمد شاہ کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ شاہ نواز کے اس طرز عمل نے احمد شاہ ابدالی کے جوش و خروش کو اور بڑھا دیا۔ راوی کے کنارے پر پنجابیوں اور افغانوں کا مقابلہ ہوا۔ شاہ نواز بھاگ کر دلی چلا گیا۔ احمد شاہ نے دیوان لکھپت رائے کو قید سے نکال کر لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ افغانوں نے لاہور کے سب سے زیادہ بارونق اور امیر حصے یعنی مغل پورہ کو خوب لوٹا۔ اب احمد شاہ نے دلی کا رخ کیا لیکن وزیر قمرالدین کے بیٹے نواب معین الملک (میر منو) نے احمد شاہ ابدالی کو سرہند کی لڑائی میں شکست دی۔

شاہ دلی نے میر منو کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے نے سکھوں کو موقع دے دیا کہ وہ لاہور کے آس پاس چھوٹے چھوٹے قلعے بنالیں۔ میر منو نے ان قلعوں کو مسمار کرنے اور سکھوں کو دبانے کی جتنی زیادہ کوشش کی اتنا ہی اسے زیادہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ برسوں کی بدامنی سے تنگ آکر زمینداروں نے بھی بغاوت کر دی تھی۔ زمینداروں کی اس بغاوت میں سکھوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ میر منو ان ہنگاموں کے فرد کرنے میں مصروف تھا کہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر پھر لشکر کشی کر دی۔ میر منو نے دربار دلی سے مدد طلب کی لیکن وہاں کیا دھرا تھا۔ مقامی جنگجو عناصر پر وہ اتنا تشدد کر چکا تھا کہ ان سے کسی قسم کی مدد طلب

نہیں کر سکتا تھا۔ چار و ناچار میر منو نے پنجاب کے چار اضلاع کا مالیہ ہر سال احمد شاہ ابدالی کو بھیجنے کی شرط پر حملہ آور سے نجات پائی۔ دلی کے سازشی دربار کو میر منو کا یہ اقدام پسند نہ آیا' چنانچہ شاہ دہلی نے شاہ نواز کو ملتان کا ناظم مقرر کردیا۔ میر منو نے اس شاہی فرمان کی ذرہ برابر پروا نہ کرتے ہوئے ملتان کے دیوان کوڑامل کو شاہ نواز کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ دیوان کوڑامل نے شاہنواز کو شکست دی۔ شاہ نواز اسی لڑائی میں مارا گیا۔

پنجاب میں افغانی فوج کی موجودگی کی بنا پر میر منو نے چار اضلاع کا مالیہ بھیجنے سے انکار کردیا۔ اس پر احمد شاہ نے تیسری بار پنجاب پر حملہ کیا۔ لاہور کی دیواروں کے نیچے چار مہینوں تک پنجابیوں اور افغانوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ افغانوں نے چونکہ لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا اس لیے اپریل ۱۷۵۳ء میں محمود بوٹی کے ایک کھلے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دیوان کوڑامل کے مارے جانے کے بعد پنجابی فوج میں بد دلی پیدا ہوگئی۔ پنجابی فوج کا ایک افسر عزیز بیگ اپنے پانچ بیٹوں سمیت اس لڑائی میں مارا گیا۔ چھٹے بیٹے نے اپنے باپ اور بھائیوں کی نعشوں کو ایک ہی قبر میں دفن کردیا۔ محمود بوٹی میں اس قبر کے آثار بیسویں صدی کے آغاز تک موجود تھے۔ ممکن ہے اب بھی ہوں۔

میر منو نے احمد شاہ ابدالی کو پچاس لاکھ روپے دے کر صلح کرلی۔ احمد شاہ ابدالی نے جالندھر' لاہور اور کوہستان کی سند حکومت اس کے نام لکھ دی تھی۔ لیکن میر منو اس فرمان کے حصول کے بعد زیادہ مدت تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس نے ۱۷۵۴ء میں وفات پائی۔

میر منو کی موت کے بعد اس کی بیوہ مراد بیگم نے عنان اقتدار کو سنبھالا۔ اس زمانے میں پنجاب پر دلی اور قندھار دونوں اپنے اپنے غلبے کا دعوی کرتے تھے لیکن نہ مغل بادشاہ کو اور نہ احمد شاہ ابدالی کو اتنی فرصت تھی کہ وہ پنجاب کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لیے کوئی قدم اٹھاتے۔ مراد بیگم نے حکومت کے کام کاج کی طرف کافی توجہ دی لیکن اس کے دربار میں دلی اور قندھار کے جاسوسوں کی موجودگی نظم و نسق کی راہ میں حائل ہوتی تھی۔ دہلی کے بادشاہ کے طرف داروں کے طرز عمل سے تنگ آکر مراد بیگم نے احمد شاہ سے مدد طلب کی۔ احمد شاہ ابدالی نے جہان خاں

کو اپنا نائب بنا کر لاہور بھیج دیا۔ اس اثنا میں شاہ دلی نے غازی الدین حیدر کو ایک فوج کے ہمراہ لاہور روانہ کیا۔ اب شاہ دلی کا ایک نائب بھی لاہور میں رہنے لگا۔ ان حالات میں مراد بیگم نے احمد شاہ ابدالی کو پنجاب پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ جب غازی الدین حیدر کو مراد بیگم کے اس اقدام کا علم ہوا تو اس نے مراد بیگم کو گرفتار کرا کے جالندھر کے ناظم آدینہ بیگ کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔

احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۵ء کے جاڑوں میں چوتھی مرتبہ پنجاب پر حملہ کیا۔ آدینہ بیگ کانگڑا کی طرف چلا گیا۔ احمد شاہ نے اپنے بیٹے تیمور کو لاہور کا حاکم مقرر کرنے کے بعد دلی کا رخ کیا۔ ابدالی فوج کے سپاہیوں نے دو ماہ تک دلی کو خوب لوٹا۔ لوٹ مار کرنے کے بعد احمد شاہ نے قندھار کی راہ لی۔ تیمور نے پنجاب میں اپنے پاؤں جمانے کے لیے سکھوں اور پنجاب کے سابق گورنر آدینہ بیگ سے لڑائیاں شروع کر دیں۔ چونکہ تیمور کی فوجی قوت اس امر کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اپنے دونوں دشمنوں سے بیک وقت لڑائی شروع کردے اس لیے اس نے سکھوں اور آدینہ بیگ میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ تیمور نے آدینہ بیگ کو لاہور طلب کیا لیکن آدینہ بیگ نے لاہور آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر افغانی فوج کو آدینہ بیگ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا لیکن یہ فوج آدینہ بیگ کو گرفتار نہ کر سکی۔ اس وقت آدینہ بیگ اپنے نام پر بسائے ہوئے شہر آدینہ نگر (موجودہ دینا نگر) میں تھا۔ آدینہ بیگ کی فوج میں سکھوں کی کمی نہیں تھی۔ سردار جسا سنگھ آدینہ بیگ کی فوج کا ایک افسر تھا۔ آدینہ بیگ نے سکھوں کی ایک بڑی جمیعت کو لاہور پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا۔ اس فوج کا سردار جسا سنگھ کلال تھا۔ اس فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر شہزادہ تیمور چناب پار چلا گیا۔ جسا سنگھ کلال نے لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد اپنا سکہ چلایا۔ سجا سنگھ کلال کا لاہور پر زیادہ دیر تک قبضہ نہ رہ سکا۔

مئی ۱۷۵۸ء میں مرہٹوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ درانی فوج چونکہ بہت تھوڑی تھی اس لیے وہ پیچھے ہٹتی اٹک کو پار کر گئی۔ اس طرح اٹک تک کے علاقے پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ پنجاب کی حکومت آدینہ بیگ کے سپرد کرنے کے بعد بہت سے مرہٹے فوجی افسر واپس چلے گئے لیکن چند ماہ بعد ہی آدیہ بیگ نے وفات پائی۔

پنجاب کا شہزادہ تیمور کے ہاتھوں سے نکلنا تھا کہ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کرنے اور مرہٹوں سے لڑنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ جب احمد شاہ ابدالی کی ان تیاریوں کا مرہٹوں کو پتا چلا تو انہوں نے اٹک' ملتان اور لاہور کو خالی کردیا۔ پنجاب میں مرہٹوں کی چند ماہ تک عمل داری رہی لیکن اس مدت میں امن مفقود ہوچکا تھا۔ سکھوں نے مرہٹوں کو مالیہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ اگر اس وقت احمد شاہ ابدالی پنجاب پر حملہ نہ کرتا تو پنجاب میں سکھوں اور مرہٹوں کا تصادم یقینی تھا۔ احمد شاہ ابدالی بلا روک ٹوک لاہور پر قابض ہوگیا۔ اس اثنا میں مرہٹوں کی ایک بہت بڑی فوج دلی کے آس پاس جمع ہو رہی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے دلی کا رخ کیا۔ پانی پت کے میدان میں ۱۷۶۱ء میں ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی۔ مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بلند خاں کو پنجاب کا گورنر اور زین خاں کو سرہند کا ناظم مقرر کیا۔ جوں ہی احمد شاہ نے چناب پار کیا سکھوں نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔ اب سکھ سرداروں نے جابجا قلعے بنانے شروع کردیے۔ احمد شاہ ابدالی نے کابل پہنچ کر اپنے ایک جرنل نور الدین کو سکھوں سے لڑنے کے لیے بھیجا لیکن سردار چڑت سنگھ نے نور الدین کو شکست دی۔ اب بلند خاں نے گوجرانوالہ پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر لاہور آگیا۔

پنجاب میں سکھوں کا زور بہت بڑھ رہا تھا۔ بلند خاں اور زین خاں کے لیے ان کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے چھٹی بار پنجاب پر حملہ کیا۔ ایک مورخ کے الفاظ میں:۔ "احمد شاہ کی زندگی ایک عقاب کی سی تھی۔ وہ پہاڑ کی بلندی سے زمین پر نگاہیں جمائے رکھتا۔ جہاں شکار اس کی نظر پڑتا وہ اپنے کوہستانی آشیانے سے اڑ کر میدان میں اترتا اور شکار کرکے چل دیتا اور پھر ایسے ہی موقع کی تاک میں بیٹھا رہتا۔" ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ نے پھر پنجاب پر حملہ کیا۔ سکھوں اور ابدالی فوج میں گوجروال اور برنالہ کے درمیان لدھیانہ سے پچیس میل دور مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں سکھوں کو شکست ہوئی۔ گرفتار ہونے والے سکھ سرداروں میں سے ایک آمد سنگھ بھی تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی شجاعت سے متاثر ہوکر اسے راجا کا خطاب دیا۔ کابلی مل کو لاہور کا حاکم مقرر کرنے کے بعد احمد شاہ قندھار چلا گیا۔ احمد شاہ کے جاتے ہی بھنگیوں کی مثل نے گوجر سنگھ' لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ کے

ماتحت لاہور پر حملہ کردیا۔ کابلی مل نے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اب پنجاب میں سکھوں کا زور بڑھنے لگا۔ انہوں نے سرہند کے افغان حاکم زین خاں کو قتل کرنے کے بعد سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سرہند پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے احمد شاہ ابدالی نے ساتویں بار پنجاب پر حملہ کیا۔ سکھوں نے لاہور خالی کردیا۔ وہ سرہند کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ اسے بعض حالات کی بنا پر واپس جانا پڑا۔ احمد شاہ نے اپنی طرف سے سردار آمد سنگھ کو سرہند کا ناظم مقرر کردیا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب احمد شاہ سکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر اتر آیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے مشکل سے چناب پار کیا ہوگا کہ سکھوں نے درانی کے مقرر کیے ہوئے حاکم لاہور کابلی مل کو لاہور سے نکال دیا۔ چند مہینوں کے اندر اندر سکھوں نے جہلم اور ستلج کے درمیانی علاقے پر قبضہ کرلیا۔ سکھوں کی بارہ مثلوں نے پنجاب کے اس علاقے کو آپس میں بانٹ لیا تھا۔ پنجاب میں افغانوں کی حکومت ختم ہوچکی تھی لیکن ابھی تک پنجاب میں مرکزی حکومت قائم نہیں ہوسکی تھی۔ سارا پنجاب بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ ان سرداروں کی آپس میں کئی بار مقامی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

دو سال تک تیاریاوں میں مصروف رہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۷ء میں پنجاب پر آٹھویں بار حملہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ آخری حملہ تھا۔ اس حملے میں ابدالی کو ناکامی ہوئی۔ ابدال کی واپسی کے بعد اس کی زندگی ہی میں پنجاب اس کے قبضے سے نکل گیا۔ احمد شاہ ابدالی کی موت پر ۱۷۷۳ء کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین تیمور شاہ نے دو مرتبہ ملتان پر قبضہ کرنا چاہا لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ تیسری بار وہ ملتان پر قابض ہوگیا۔ تیمور شاہ کو سندھیوں' کشمیریوں اور ازبکوں کی بغاوتوں نے اس قدر پریشان کردیا تھا کہ وہ پنجابیوں کے ساتھ کوئی فیصلہ کن لڑائی نہ کرسکا۔ اس کے عہد حکومت ۱۷۷۳ء سے ۱۷۹۳ء تک پنجاب کے مختلف حصوں پر سے افغانوں کا اقتدار بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ پنجاب کے سردار ان زمینداروں کو اپنی حفاظت میں لے لیتے جو تیمور شاہ کے افسروں کو لگان دینے سے انکار کردیتے تھے۔ تیمور شاہ کی وفات کے بعد جب شاہ زمان' افغانستان کے تخت پر بیٹھا تو اس وقت پنجاب پر سے افغانوں کا اقتدار اٹھ چکا تھا۔

شاہ زمان کے عہد حکومت کے شروع ہی میں پنجاب خود مختار سرداروں اور جاگیرداروں میں بٹ چکا تھا لیکن اس پر بھی شاہ زمان کو پنجاب میں حاکمیت کے معمولی اختیارات حاصل تھے۔ ۱۷۹۵ء میں اس نے حسن ابدال اور قلعہ رہتاس پر قبضہ کرلیا۔ اسی اثنا میں ہندوستان کے حالات یکسر بدل چکے تھے۔ کمپنی کی فتوحات اور میسور کی صورت حالات نے ہندوستان پر شاہ زمان کے حملے کے امکانات پیدا کردیے تھے۔ سلطان ٹیپو اور شاہ زمان میں عہد و پیان ہو چکے تھے۔ کمپنی کی پوزیشن جنوبی ہندوستان میں کافی مضبوط تھی۔ اس کی مملکت پر اودھ ہی سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ لارڈ ویلز لی نے شاہ زمان کے حملے کی روک تھام کے لیے اودھ یں انگریزی فوج بھیج دی۔

۱۷۹۷ء کے جاڑوں میں شا زمان لاہور پہنچا۔ جب شاہ زمان نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ انگریزوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن لڑائی لڑنا چاہتا ہے تو بہت سے سکھ سرداروں نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا۔ انیسویں صدی کے ایک مورخ کے الفاظ میں: "لاہور کے بڑے بوڑھوں کو وہ وقت اب تک یاد ہے جب سیاہ ٹوپی اور سیاہ لباس پہنے ہوئے شاہ زمان قلعے کی دیواروں تلے اپنی فوج کامعائنہ کر رہا تھا۔" پنجاب کے سرداروں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے بعد شاہ زمان دلی کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ اس کے بھائی محمود کی شورش نے اسے واپسی پر مجبور کردیا۔ اگلے جاڑوں میں شاہ زمان پھر لاہور پہنچا۔ اسی اثنا میں لارڈ ویلزلی نے ایران کے ساتھ ایک دوستانہ معاہدہ کرلیا تھا۔ جب شاہ زمان لاہور پہنچ گیا تو شاہ ایران کی مدد سے محمود نے جو اس وقت ایران میں پناہ گزیں تھا ہرات پر حملہ کردیا۔ محمود کا یہ اقدام لارڈ ویلزلی کے اشاروں سے ہوا تھا۔ تھوڑی مدت تک لاہور میں رہنے کے بعد ۱۷۹۹ء میں اسے واپس جانا پڑا۔ واپسی پر شاہ زمان کی چند ایک توپیں چناب میں گر پڑیں۔ ان توپوں کو اس علاقے کے ایک نوجوان سردار رنجیت سنگھ نے نکلوا کر شاہ زمان تک پہنچادیا۔ اس پر شاہ زمان نے ایک فرمان کے ذریعے رنجیت سنگھ کو لاہور کا حاکم مقرر کردیا۔ چونکہ اس وقت لاہور پر شاہ زمان کا قبضہ نہیں تھا لہٰذا شاہ افغانستان کا یہ فرمان رنجیت سنگھ کے لیے ایک اخلاقی امداد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

لاہور تین حاکموں کے تصرف میں تھا: صاحب سنگھ' چیت سنگھ اور مہر سنگھ نے لاہور کے مختلف حصوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لاہور کے یہ تینوں حاکم ان سرداروں کی اولاد تھے جو پنجاب کی تاریخ میں "سہ حاکمان لاہور" کہلاتے ہیں۔ صاحب سنگھ' چیت سنگھ اور مہر سنگھ' ترتیب کے ساتھ گوجر سنگھ' لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ کے بیٹے تھے۔ ان تین حاکموں نے لاہور کو تباہ کر رکھا تھا۔

ادھر رنجیت سنگھ اس سوچ میں تھا کہ لاہور پر کیسے قبضہ کرے۔ ادھر لاہور کے لیڈر اس فکر میں تھے کہ لاہور کو مزید تباہی و ویرانی سے بچانے کے لیے' تین حاکموں' سے کس طرح رہائی دلائی جائے۔ چنانچہ حاکم رائے' محمد عاشق' محمد باقر' محمد طاہر اور مفتی محمد اکرم نے رنجیت سنگھ سے درخواست کی کہ وہ لاہور پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرے۔ چنانچہ رنجیت سنگھ اپنی فوج سمیت لاہور کی طرف بڑھا۔ اس نے باغ وزیر خاں (جس کی بارہ دری میں پنجاب لائبریری واقع ہے) میں ڈیرے ڈال دیے۔ تینوں حاکموں نے اپنے آپ کو شہر کے اندر بند کرلیا۔ محکم الدین جو اس وقت لوہاری دروازے کی حفاظت پر مامور تھا لاہور ان کے لیڈروں کا ہم خیال تھا جنہوں نے رنجیت سنگھ کو لاہور پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ جب رنجیت سنگھ کی فوج نے لوہاری دروازے پر حملہ کیا تو مہر محکم الدین نے دروازہ کھول دیا جب تینوں حاکموں کو پتا چلا کہ رنجیت سنگھ شہر میں داخل ہوچکا ہے تو ان میں سے دو بھاگ نکلے اور چیت سنگھ قلعہ میں چلا گیا۔ تیسرے دن وہ بھی قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

رنجیت سنگھ کی فوج کے چند سپاہیوں نے لاہور کو لوٹنا چاہا لیکن رنجیت سنگھ نے لوٹ مار کرنے کی سخت ممانعت کردی۔ رنجیت سنگھ کے اس طرز عمل نے لاہوریوں کی ہمدردی حاصل کرلی جس پر مہر محکم الدین کو بعد میں وہ "باپو جی" کہہ کے پکارتا رہا۔ اس کی مدد سے وہ لاہور پر قابض تو ہوگیا تھا لیکن ابھی لاہور پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیے اسے پنجاب کے سرداروں کی ایک متحدہ فوج سے لڑنا تھا۔ چند مہینوں کے بعد سردار صاحب سنگھ' سردار گلاب سنگھ اور سردار نظام الدین خاں حاکم قصور نے مل کر لاہور پر چڑھائی کردی۔ لاہور سے تھوڑی دور بھسین کے مقام پر اتحادیوں اور رنجیت سنگھ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ اتحادی سردار شکست

کھانے کے بعد منتشر ہو گئے۔ اس لڑائی میں رنجیت سنگھ کو اتحادیوں کی دولت اور ان کا سامان جنگ ہاتھ لگا۔ لاہور پہنچ کر رنجیت سنگھ نے ایک دربار کیا جس میں رنجیت سنگھ نے اپنے مہارجا بہادر ہونے کااعلان کرنے کے بعد اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ اسی دربار میں مہاراجا رنجیت سنگھ نے فرمان جاری کیاکہ پرانے قاضیوں اور مفتیوں کو ان کے عہدوں پر بحال کیا جاتا ہے۔

اٹھارھویں صدی کے پنجاب کی اس صورت حالات سے اس زمانے کے تمدنی اور معاشی حالات کا بہت آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اورنگ زیب کی موت کے بعد پنجاب کے مغل گورنروں کو اندرونی شورشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان شورشوں میں حکومت اور عوام دونوں کو بہت زیاذہ نقصان اٹھانا پڑا۔ بہرحال پنجاب کے مغل گورنروں نے جب ان شورشوں پر قابو پانے کے بعد پنجاب کی معاشی اور تمدنی ترقی کی طرف قدم اٹھانا چاہا تو نادر شاہ اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے پنجاب کی صوبائی حکومت کو بہت کمزور کردیا۔ ۱۷۵۴ء میں پنجابیوں کوایک ہولناک قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ اس قحط میں لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے پنجاب کی معاشی اور سماجی زندگی کو جس حد تک برہم کردیا تھا اس کااندازہ پنجابیوں کی اس کہاوت سے لگایا جاسکتا ہے: "کھادا پیتا لاہے دا' تے باقی احمد شاہے دا" ان حملوں کے باوجود احمد شاہ ابدالی پنجاب پر نہ تو پورے طور سے مسلط ہو سکا اور نہ اسے امن کے قیام میں کامیابی ہوئی۔ ان حملوں کا فوری اثر یہ ہوا کہ پنجاب کی صوبائی حکومت کمزور ہوگئی اور پنجاب کے مختلف حصوں پر چھوٹے چھوٹے سرداروں کاقبضہ ہوگیا۔ ان سرداروں کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی "ریاست" میں امن قائم رہے لیکن وہ ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ان اندرونی جھگڑوں نے پنجاب کی تجارت اور صنعت کو مٹا دیا تھا۔ ۱۷۸۳ء کے قحط نے پنجاب کو تباہ اور ویران کردیا تھا۔ مشرقی پنجاب کے ہزاروں گاؤں ویران ہوگئے۔ پنجاب کے وسطی اضلاع میں اس قحط نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سینکڑوں ویران اور برباد شدہ گاؤں آج بھی اس قحط کے نشانات میں سے باقی ہیں۔

اٹھارھویں صدی میں پنجاب کے کئی ایک شاعروں نے اس زمانے کے سیاسی

اور معاشی حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔ پنجابی زبان میں لکھنے والے صوفی شاعر پنجاب کی تباہ حالی کا اکثر تذکرہ کرتے ہیں۔ اس صدی کے اختتام پر شاہ مراد' فارسی اور اردو میں پنجاب کی تباہی پر نوحہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ شاہ زمان کے حملے کے بعد پنجاب کی عمومی حالت کو وہ اس طرح پیش کرتا ہے:

زہے شاہے کہ از کابل بلاہور — چوں وحشی آمد و دیوانہ ساں رفت
نے ز۔بد مرا اورا شاہ گفتن — چہ شد گرنام سلطانے براں رفت
نہ ذوق سکہ نے پروائے خطبہ — نہ اندیشہ کہ سود آمد زیاں رفت
براہ غارت و تاراج پنجاب — چوں وزو آہستہ تر آمد دواں رفت
زدست جور آں غول بیاباں — عجب حالت بجان شہریاں رفت
زمانے پر زمینے کس نیا سود — ز عالم راحت و امن و اماں رفت
کجا در بت کدہ ناقوس ماندے — کہ اکثر از مساجدھا اذاں رفت

یہی شاعر "مگس نامہ" میں لاہور کی ویرانی اور اس کی گندگی کو پیش کرتا ہے۔

اس صدی میں جہاں وارث شاہ نے پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ترجمانی کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا وہاں "بلھے شاہ" علی حیدر اور فرد فقیر نے اپنے صوفیانہ شاعری سے پنجابیوں میں انسان دوستی کے جذبات کو بیدار کیے رکھا۔ اگر وارث شاہ پنجاب کے جمالیاتی پہلو کے عکاس ہیں تو یہ صوفی شاعر پنجابیوں کے روحانی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

جب پنجاب میں سیاسی بے چینی بڑے زوروں پر تھی تب پنجاب کا ایک نامور شاعر پنجاب کے ایک گاؤں میں بیٹھا ہوا پنجاب کی ایک مشہور عشقیہ داستان کو منظوم کر رہا تھا۔ وارث شاہ بلا شبہ پنجابی کا بہت بڑا شاعر ہے۔ اس کی "ہیر" کی جادو بیانی اور اثر انگیزی کا پنجابی ادب میں کوئی جواب نہیں۔ ہیر پڑھنے کی مخصوص لے ہر پنجابی خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

"ہیر" نہ صرف وارث شاہ کے شاعرانہ کمال کا اظہار ہے بلکہ وہ مصنف کی مجموعی قابلیت اور علمی صلاحیت کا بھی ایک واضح ثبوت ہے۔ وہ "ہیر" میں اپنے زمانے کی مروجہ کتابوں کی جابجا حوالے دیتا ہے۔ جب وہ طب کی اصطلاحات بیان کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑا طبیب بول رہا ہے۔ دیہاتی زندگی کی

ترجمانی میں وارث کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ وارث شاہ اپنی ہیر میں پنجاب کے دیہات کا جو نقشہ پیش کرتا ہے وہ آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس کے گوناں گوں کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عکاس ہے۔ وہ اپنی عشقیہ داستان میں جہاں محبت، رقابت، جدائی، تڑپ اور تمنا کے جذبات کا استادانہ رنگ میں اظہار کرتا ہے وہاں وہ اپنے عہد کی سیاسی بے چینی اور معاشی بد حالی کی دردناک تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ اس کے طنزیہ نشتروں سے حاکم، محکوم، امیر غریب، اور چھوٹا بڑا کوئی نہیں بچ سکا۔ وہ پنجاب کی بد نظمی اور سیاسی بے چینی کو دل ہلا دینے والے انداز میں پیش کرتا ہے:

"صدی بارھویں تسی عدل بھالو اِتھے عادلاں دا کوئی دور ناہیں"

ملتان کا حاکم شاہ نواز لاہور پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیتا ہے۔ لاہور کا حاکم دلی کا بادشاہ کے پاس پہنچ کر فریاد کرتا ہے۔ اسی اثنا میں شاہ نواز احمد شاہ ابدالی سے ساز باز کرلیتا ہے۔ چنانچہ احمد شاہ اپنی فوج سمیت لاہور کی طرف بڑھتا ہے۔ شاہنواز اپنا ارادہ بدل لیتا ہے۔ چنانچہ وہ احمد شاہ کا مقابلہ کرتا ہے لیکن شکست کھاتا ہے۔ احمد شاہ لاہور کو لوٹنے کے بعد دلی کی طرف بڑھتا ہے۔ سرہند سے نو میل کے فاصلے پر مغلوں اور پٹھانوں میں لڑائی ہوتی ہے۔ احمد شاہ شکست کھا کر واپس چلا جاتا ہے:

"الٰہی توں اپنا فضل کریں بادشاہ محمد شاہ ہووے
تب لگ چوغلطیاں دا راج ہووے جب لگ تائیں مہر و ماہ ہووے
جہڑا راضی نہ ہووے چو غلیاں تے پیر نیلے تے مکھ سیاہ ہووے
وارث شاہ مبارک شاہ کہو شالا ایہو سلامت شاہ ہووے
یا رب توں مہرباں ہوئیوں تدے میر چو غلیاں دا راج ہویا
توئیں دتی شکست قندھاریاں نوں دلی والیاں دے سر تاج ہویا"

(سی حرفی)

"ہیر میں نادر شاہ کے حملے کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں کی طرف جو اشارے ملتے ہیں ان حملوں سے پنجاب کی معاشی اور تمدنی زندگی کو جو نقصان پہنچا وارث شاہ اس کا دردناک الفاظ میں ذکر کرتا ہے۔ وارث شاہ کا وطن جنڈیالہ احمد شاہ کی دستبرد سے بچ گیا تھا۔ اس موقع پر وارث اطمینان کا اظہار کرتا

ہے۔ وارث نے پنجاب کے مشہور علمی مرکز قصور میں تعلیم پائی تھی' اس لیے اسے قصور سے بہت زیادہ محبت تھی۔ وہ قصور اور اس کے مضافات کی لڑائیوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ وہ قصور کی تباہی کا نوحہ خواں دکھائی دیتا ہے۔

ہیر میں جابجا وارث شاہ لاہور کے حکمرانوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ "جاٹوں کا راج آرہا ہے۔"

وارث شاہ اپنی کتاب میں انگریزی دواؤں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

وارث شاہ کی ہیر جہاں عشق و حسن کی ایک داستان ہے وہاں وہ اپنے عہد کی مجلسی' معاشی اور سیاسی زندگی پر بھی کافی روشنی ڈالتی ہے!

باب ۳۰

مہاراجہ رنجیت سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کارناموں کو پیش کرنے سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا ہے کہ سکھوں اور مرکزی حکومت کے تعلقات پر ایک مختصر سی بحث کی جائے۔ سکھ مذہب کے بانی بابا نانک توحید خداوندی اور انسانی برادری کے ایک بہت بڑے سفیر تھے۔ ان پر اسلامی تصوف اور ہندو یوگ کا بہت اثر تھا۔ آپ کے حلقے میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ آپ کے جانشین گورو انگد نے ان کی تعلیمات کو عوام میں پھیلانے کے لئے پنجابی زبان کا آسان رسم خط ایجاد کیا۔ لکھائی کا یہ طریقہ گورمکھی کہلاتا ہے۔ انھوں نے اسی رسم خط میں گورو نانک کے سوانح اور ان کے کلام کو لکھا۔ گورو انگد نے جات پات کی بندشوں کو دور کرنے کے لئے کھنڈور میں ایک لنگر جاری کیا۔ گورو انگد کی وفات کے بعد ۱۵۵۱ء میں گورو امرداس سکھوں کے تیسرے گورو بنے۔ انھوں نے بیاس کے کنارے گوندوال کی ایک چھوٹی سی بستی بسائی اور چوراسی سیڑھیوں والی ایک باؤلی تعمیر کروائی۔ شہنشاہ اکبر نے گورو امرداس سے ملاقات کی۔ گورو امرداس کی وفات (۱۵۷۴ء) کے بعد گورو رام داس نے ایک تالاب کے کنارے اس بستی کی بنیاد رکھی جسے آج کل امرتسر کہا جاتا ہے۔ شہنشاہ اکبر نے گورو رام داس سے ملنے کے بعد گورو صاحب کو لنگر کے اخراجات کے لئے پانچ سو بیگھے زمین دے دی۔ چوتھے گورو کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے گورو ارجن ۱۵۸۱ء میں اپنے باپ کے جانشین بنے۔ انھوں نے گرنتھ صاحب کو مرتب کیا۔ یہ کتاب سکھوں کی مذہبی کتاب قرار پائی۔ انھوں نے امرت سر کو سکھوں کا مرکزی مقام بنانے کے لئے وہاں ایک گورودوارا بنوایا۔ اس گورودوارے (دربار صاحب) کا سنگ بنیاد لاہور کے ایک

نامور صوفی میاں میر نے رکھا تھا۔ جب جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی تو گورو ارجن نے باغی شہزادے کی مدد کی تھی۔ لاہور کے دیوان چندو شاہ اور گورو ارجن میں دیوان کی لڑکی اور گورو کے بیٹے میں ناطے کے سلسلے میں دشمنی کی حد تک اختلاف پیدا ہوچکا تھا چنانچہ دیوان چندو شاہ نے گورو ارجن کی سرگرمیوں کو باغیانہ ظاہر کرکے جہانگیر سے ان کی گرفتاری کے احکام لے لئے۔ دیوان چندو شاہ نے انھیں لاہور کے قلعہ میں قید کردیا۔ ایک دن گورو ارجن نے راوی میں ایسا غوطہ لگایا کہ پھر باہر نہ نکلے۔ ۱۶۰۶ء میں گورو ارجن کی وفات کے بعد ان کا بیٹا گورو ہرگوبند ان کا جانشین بنا۔ سکھوں کے چھٹے گورو نے گدی پر بیٹھنے کے چند مہینے بعد لاہور میں جہانگیر سے ملاقات کی۔ ایک مرتبہ جہانگیر گورو ہرگوبند کو اپنے ساتھ کشمیر لے گیا تھا۔ گورو ہرگوبند اور جہانگیر کے دوستانہ تعلقات کو بعض سیاسی حالات نے خراب کردیا۔ چنانچہ جہانگیر کے حکم سے مجدد الف ثانی اور گورو ھرگوبند کو ایک ساتھ گرفتار کرلیاگیا۔ آخرکار میاں میر کی سفارش پر گورو ہرگوبند کو گوالیار کے قلعے سے رہا کیاگیا۔ جب شاہ جہاں کے عہد حکومت میں دارا شکوہ اور گورو جیت کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ ۱۶۳۸ء میں گورو ہرگوبند کو کیرت پور میں جاگیر دی گئی۔ ۱۶۴۹ء میں گورو ہرگوبند کا انتقال ہوا۔ سکھوں کے ساتویں گورو ہررائے اور دارا شکوہ کی دوستی کی کہانیاں اب تک پنجاب کے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ جب شاہ جہاں کے بیٹوں میں تخت کے لئے لڑائی ہوئی تو دارا شکوہ اپنے بھائی اورنگ زیب سے شکست کھاکر پنجاب کی طرف آیا۔ اس موقع پر گورو ہررائے نے دارا شکوہ کی امکانی مدد کی۔ ۱۶۶۱ء میں گورو ہرکشن پانچ سال کی عمر میں گوریائی کی گدی پر بیٹھے۔ گورو ہرکشن کے بڑے بھائی رام رائے نے گرنتھ صاحب کے ایک شبد میں ایک لفظ تبدیل کرکے اورنگ زیب کے عتاب سے بچنا چاہا تھا اس لئے گورو ہررائے نے رام رائے کو اپنا جانشین بنانے سے انکار کردیا تھا۔ گورو ہرکشن کے گدی پر بیٹھتے ہی رام رائے نے شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں اپیل کی۔ اس پر اورنگ زیب نے گورو ہررائے اور ان کے بااثر ساتھیوں کو دلی میں طلب کیا۔ دربار میں جانے سے پہلے ہی گورو ہررائے کا انتقال ہوگیا۔ ۱۶۶۱ء میں گورو ہرگوبند کے پانچویں بیٹے تیغ بہادر نویں گورو مقرر ہوئے۔ گورو تیغ بہادر نے انندپور میں ایک قلعہ بنواکر

اس میں تھوڑی سی فوج رکھ لی۔ اسی اثناء میں رام رائے کا شاہی دربار میں بہت اثر ہو گیا تھا۔ چنانچہ رام رائے ہی کے کہنے پر اورنگ زیب کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں گورو تیغ بہادر کو قید کر لیا گیا۔ جب گورو تیغ بہادر قید میں تھے تو اورنگزیب نے ان سے کہلوا بھیجا کہ تم کوئی کرامت دکھاؤ جس پر گورو صاحب نے یہ جواب دیا کہ ان کے پاس یاد خدا اور سچائی کے علاوہ کوئی دوسری کرامت نہیں۔ جب جلاد ان کے سر کو جسم سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا تو گورو صاحب نے کاغذ کے ایک پرزے پر کچھ لکھ کر کہا کہ اسے ان کے گلے پر باندھ دیا جائے تاکہ تلوار کے وار کا ان پر کوئی اثر نہ ہو۔ جلاد نے ایسا کرنے کے بعد جب گوروجی کے سر کو تن سے جدا کر دیا تو کاغذ کے اس پرزے کو کھول کر پڑھا گیا' پرزے پر لکھا ہوا تھا: "سر دیا پر۔ سر نہ دیا۔" اس واقعہ نے سکھوں اور مرکزی حکومت کے تعلقات کو بہت زیادہ بگاڑ دیا۔ چنانچہ گورو گوبند سنگھ نے انندپور اور مالکووال میں قلعے بنوائے۔ سکھوں کی فوجی تنظیم کرنے کے بعد انھوں نے ناھن اور چمکور کے پہاڑی علاقوں میں بھی قلعے بنائے۔ گورو گوبند سنگھ کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر مشرقی پنجاب کے راجاؤں نے ان سے جنگ شروع کر دی۔ ان لڑائیوں میں سید بدھو شاہ نے گورو گوبند سنگھ کی بہت زیادہ مدد کی۔ جب ان پہاڑی راجاؤں کو شکست ہوئی تو انھوں نے مرکزی حکومت سے مدد طلب کی۔ چنانچہ سرہند کا گورنر ان کی مدد کے لئے روانہ ہوا۔ گورو گوبند سنگھ نے آنندپور میں پناہ لی۔ شاہی فوج نے آنندپور کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس محاصرے نے طول پکڑا تو ایک رات گورو گوبند سنگھ اپنی بیوی اور دو بچوں کو ساتھ لے کر چمکور کے قلعہ کی طرف چل دیے۔ اس چھوٹے سے قلعہ میں وہ زیادہ دیر تک شاہی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ ماچھی واڑہ جا پہنچے جہاں غنی خاں اور نبی خان نے ان کو باغ میں پناہ دی۔ یہاں سے گورو صاحب مالوہ میں پہنچے۔ اب انھوں نے اورنگ زیب کو ایک خط لکھا جس میں پہاڑی راجاؤں اور سرہند کی گورنر کی ان سختیوں کو بیان کیا گیا جو انھوں نے گورو صاحب اور ان کے ساتھیوں پر توڑی تھیں۔ یہ منظوم خط "ظفر نامہ" کہلاتا ہے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب کو یہ خط ملا تو اس نے گورو گوبند سنگھ کو دکن میں بلا بھیجا۔ گورو گوبند سنگھ ابھی راستے میں ہی تھے کہ انہیں اورنگ زیب کی موت کی اطلاع ملی۔ اورنگ

زیب کے جانشین بہادر شاہ نے ان کو دکن بلا بھیجا۔ ایک سال بعد دو لڑکوں نے جن کا باپ ایک لڑائی میں گورو کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا گورو پر قاتلانہ حملہ کردیا۔ شاہی طبیبوں نے گورو جی کا زخم سی دیا۔ ان کا زخم ابھی پوری طرح سے مندمل نہیں ہوا تھا کہ ایک کمان کو کھینچنے سے زخم پھر پھٹ گیا۔ انھوں نے ۱۷۰۸ء میں گوداوری کے کنارے ناندیڑ میں وفات پائی۔

گورو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد بندہ بیراگی نے پنجاب پہنچ کر سکھوں کو پھر جمع کرکے شاہی فوجوں سے لڑائی چھیڑدی۔ بیراگی نے کئی ایک شہروں کو لوٹا۔ شہریوں کو قتل کیا، بستیوں کو جلادیا۔ اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے بیراگی کی قوت کچلنے کے لئے لاہور کو اپنا فوجی مرکز بنالیا۔ فرخ سیر نے بھی بیراگی کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ اسی اثناء میں سکھوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے بندہ بیراگی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بہت سے سکھ سرداروں نے جاگیریں قبول کرلیں اور کئی ایک سکھ سپاہی ناظم لاہور کی فوج میں بھرتی ہوکر بندہ بیراگی کے خلاف لڑے۔ بیراگی نے بھاگ کر گورداس پور کے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ بیراگی اور اس کے سات سو ساتھی گرفتار کئے جانے کے بعد دلی میں شاہی حکم سے قتل کردیئے گئے۔ بندہ بیراگی اور اس کے ساتھیوں نے مسکراتے ہوئے جلاد کی تلوار کا استقبال کیا۔ بندہ بیراگی کی سرگرمیوں نے پنجاب کی سیاسی اور مجلسی زندگی میں ہل چل مچادی تھی لیکن پنجاب کے گورنر نواب عبدالصمد خاں نے بہت جلد پنجاب کے طول و عرض میں امن و امان قائم کردیا۔ نواب زکریا خاں نے بھی پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کی کوشش کی۔ چند سال بعد نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس حملے نے دلی کی مرکزی حکومت کا رہا سہا دبدبہ بھی مٹادیا۔ نادر کی واپسی کے بعد اس کے ایک فوجی سردار احمد شاہ ابدالی نے افغانستان پر اپنا اقتدار جمانے کے بعد پنجاب پر حملوں کا ایک سلسلہ شروع کردیا۔ ان حملوں نے ایک طرف تو پنجاب کو مرکز سے کٹ کر آزاد حکومت قائم کرنے کا موقع نہ دیا اور دوسری طرف احمد شاہ نے پنجاب کی حکومت کو اس حد تک کمزور کردیا تھا کہ پنجاب ایک مرتبہ پھر چھوٹے چھوٹے فوجی سرداروں میں بٹ گیا۔ یہ فوجی سردار آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

پنجاب کے ایسے ہی ایک فوجی سردار مہاں سنگھ کا بیٹا رنجیت سنگھ ۱۷۸۰ء میں

گوجرانوالہ میں پیدا ہوا۔ مہاں سنگھ نے جموں کو لوٹ کر بہت سی دولت جمع کرلی۔ وہ گجرات میں صاحب سنگھ کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ بیمار پڑ جانے سے اسے گوجرانوالہ میں جانا پڑا۔ چند دن بیمار رہنے کے بعد مہاں سنگھ مرگیا۔ اب رنجیت سنگھ اپنے باپ کی ریاست کا وارث بنا۔ ۱۷۹۹ء میں لاہور کے بعض ممتاز شہریوں کی درخواست پر رنجیت سنگھ اپنی فوج سمیت لاہور کی طرف بڑھا۔ جب اس کی فوج شہر میں داخل ہوئی تو رنجیت سنگھ کے حکم سے اس کی فوج کے سپاہیوں نے کسی شہری کے مال و اسباب کو نہ لوٹا۔ رنجیت سنگھ نے اگرچہ لاہور پر قبضہ کرلیا تھا لیکن پنجاب کا بیشتر حصہ فوجی سرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ قصور میں نظام الدین' امرت سر میں گلاب سنگھ' ملتان میں مظفر خاں' جھنگ میں احمد خاں سیال' کانگڑا میں سنسار چند' چمبہ میں جزیت سنگھ' ہوشیار پور میں (کپور تھلہ تک) میں فتح سنگھ کی فوجی ریاستیں قائم تھیں۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے فوجی سردار بھی تھے۔ جب رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کرلیا تو جسا سنگھ رام گڑھیا' گلاب سنگھ' صاحب سنگھ (گجرات)' جودھ سنگھ (وزیر آباد) اور نظام الدین نے مل کر ۱۸۰۰ء میں لاہور پر حملہ کیا۔ رنجیت سنگھ نے اتحادی سرداروں کو لاہور سے چند میل دور شکست دی۔ چند دن بعد رنجیت سنگھ نے سیالکوٹ پر قبضہ کرلیا۔ واپسی پر رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۱ء میں مہاراجا کا خطاب اختیار کرکے لاہور میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ نظام الدین کو قاضی' امام بخش کو کوتوال اور فقیرالدین کو شاہی طبیب مقرر کیا گیا۔

صاحب سنگھ اور قصور کے فوجی سردار نظام الدین نے رنجیت سنگھ کے خلاف پھر سازش کی جس پر مہاراجا نے گجرات اور قصور پر حملے کر کے دونوں فوجی سرداروں کو اپنی اطاعت کرنے پر مجبور کیا۔ اگلے سال رنجیت سنگھ نے ڈسکہ اور امرت سر فتح کئے۔ سنسار چند سے مہاراجا نے نور پور کا قلعہ چھین لیا۔ اسی اثناء میں گورکھا جنرل امر سنگھ کانگڑا فتح کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ سنسار چند کے لئے گورکھوں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا اس لئے اس نے مہاراجا رنجیت سنگھ سے مدد چاہی۔ ادھر مہاراجا اس کی مدد کے لئے تیار ہوا ادھر سنسار چند نے امر سنگھ سے سازباز شروع کردی۔ امر سنگھ نے کمپنی کو اپنے ساتھ ملا کر پنجاب پر حملہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ جب مہاراجا کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ سنسار

چند اور امر سنگھ اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو اس نے گورکھوں کو شکست دے کر اگست ۱۸۰۲ء میں کانگڑا پر قبضہ کرلیا۔ بہت جلد چمبہ' سکیت' نڈی اور کلو کے راجاؤں نے مہاراجا کو خراج دینا منظور کرلیا۔ ۱۸۰۷ء میں مہاراجا نے قصور پر قبضہ کیا۔ اب پنجاب کے فوجی سردار ایک ایک کرکے مہاراجا کے مطیع ہونے لگے۔ جو فوجی سردار اطاعت قبول نہ کرتا اس پر چڑھائی کی جاتی۔

ملتان پر قابض ہونے میں مہاراجا رنجیت سنگھ کئی بار ناکامی کا سامنا کرچکا تھا۔ آخر ۱۸۱۷ء میں بھوانی داس کی کمان میں ملتان پر چڑھائی کی گئی۔ ملتان کے فوجی سردار مظفر خاں نے بھوانی داس کو شکست دی۔ اس شکست نے مہاراجا کو اتنا برہم کردیا تھا کہ جب بھوانی داس لاہور پہنچا تو مہاراجا نے اسے قید کردیا۔ اگلے سال مسر دیوان چند نے ملتان پر حملہ کیا۔ حملہ آوروں نے ملتان کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے میں حملہ آوروں نے مشہور توپ زمزمہ بھی استعمال کی۔ مسلسل گولہ باری سے قلعے میں شگاف پڑ گئے۔ حملہ آوروں کا ایک دستہ قلعے میں داخل ہوگیا۔ دونوں طرف سے خوب تلوار چلی۔ مظفر خاں کے سپاہی ایک ایک کرکے مرتے چلے جارہے تھے لیکن مظفرخاں کی بہادری میں ذرہ برابر فرق نہ آنے پایا۔ مظفرخاں اپنے بیٹوں سمیت ڈٹ کر مقابلے کرتا رہا یہاں تک کہ سب کے سب موت کی آغوش میں سوگئے۔ نواب مظفرخاں کے محل کو لوٹ لیا گیا۔ مہاراجا کی فوج نے شہر کو خوب لوٹا۔ مہاراجا نے دیوان سکھ دیال کو ملتان کا ناظم مقرر کیا۔

ملتان کی فتح کے بعد مہاراجا نے ڈیرہ جات اور ہزارہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ کئی لڑائیوں کے بعد مہاراجا نے کشمیر کو بھی فتح کرلیا۔

پہاڑوں اور وادیوں کا یہ دل کش ملک پنجاب کی پہاڑیوں سے ابھرتا ہوا ان پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچتا ہے جو ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ کشمیر کے مناظر دنیا کے بہت کم ملکوں کو نصیب ہیں۔ سرسبزی اور شادابی کا یہ عالم ہے کہ اگر کنکروں کو زمین میں دبا دیا جائے تو چند دنوں تک شگوفے پھوٹ نکلیں۔ شاعر اسے سوختہ جانوں کے لئے راحت کدہ بتاتے ہیں۔ شہنشاہ اکبر نے ۱۵۸۸ء میں کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اکبر ہی کے عہد حکومت میں کشمیر کی شہرت دنیا کے دور دراز ملکوں تک پہنچی تھی۔ اکبر کے جانشینوں نے کشمیر میں باغات اور محلات کا ایک

سلسلہ جاری کردیا تھا۔ پر امن حالات نے کشمیر کی دستکاریوں کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ مغلوں کی مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کے بعد کشمیر پر احمد شاہ ابدالی نے قبضہ کرلیا۔ قریباً" ستر سال تک کشمیر پر افغانوں نے حکومت کی ہوگی کہ مہاراجا رنجیت سنگھ نے اس پر قبضہ کرلیا۔ دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا گورنر مقرر کیا گیا۔

۱۸۲۰ء تک مہاراجا رنجیت سنگھ نے ایک ایک کرکے پنجاب کے قریباً" سارے فوجی سرداروں کی قوت کو توڑ دیا۔ مہاراجا کی مملکت ستلج سے سندھ کے کناروں تک پھیل گئی۔ اس مملکت کے جنوب میں کمپنی اور شمال میں افغانستان کی حکومتیں تھیں۔ مہاراجا کو شمال یا جنوب میں اپنی سلطنت کی حدود کو بڑھانے کے لئے کمپنی یا افغانستان سے لڑنا تھا۔ ۱۸۲۳ء میں مہاراجا نے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ اس کے قبضے کے بعد ہزارہ' پشاور اور دوسرے سرحدی اضلاع کو قابو میں رکھنے کے لئے مہاراجا کو نہ صرف بہت زیادہ روپیہ صرف کرنا پڑا بلکہ سرحدی لڑائیوں میں مہاراجا کی فوج کے بڑے بڑے نامور جنرل بھی مارے گئے۔ ہزارہ کے گورنر سردار ہری سنگھ نلوہ کی سخت گیری اور سرحد پر سید احمد بریلوی اور ان کے ساتھیوں کے پہنچ جانے کے بعد مہاراجا کو قریباً" دس سال تک سرحدی لڑائیوں میں مصروف رہنا پڑا۔ ۱۸۳۵ء میں امیر دوست محمد خاں نے پشاور پر قبضہ کرنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر بھی سرحدی اضلاع کی تسخیر لاہور کی حکومت کے ذرائع سے باہر تھی۔ حکومت پنجاب کو ان اضلاع کی نگہداشت پر جو کچھ خرچ کرنا پڑتا تھا وہ ان اضلاع کی آمدنی سے بہت زیادہ ہوتا تھا۔ فوج کی مدد کے بغیر ان اضلاع سے ایک پائی مالیہ وصول کرنا ناممکن تھا۔ جب ۱۸۳۶ء میں سردار ہری سنگھ نلوہ نے جمرود میں قلعہ کھڑا کردیا تو امیر دوست محمد خاں نے اپنے بیٹے محمد اکبر خاں کو جمرود فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اس لڑائی میں سردار ہری سنگھ نلوہ مارا گیا۔ اکبر خاں نے لاہور سے کمک روانہ ہونے کی اطلاع پاکر جمرود کا محاصرہ اٹھالیا۔ سرحدی سرگرمیوں کے دوران مہاراجا نے کمپنی کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کو خراب نہ ہونے دیا۔ اپنی موت سے ایک سال پہلے مہاراجا رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کو افغانستان کے تخت پر بیٹھانے کے لئے کمپنی کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

دسمبر ۱۸۰۸ء میں مہاراجا رجیت سنگھ اور کمپنی میں تصادم ہوتے ہوتے رہ

گیا۔ چند مہینوں کے بعد مہاراجا رنجیت اور کمپنی میں جو معاہدہ ہوگیا اس کی رو سے مہاراجا نے ستلج پار کی ریاستیوں پر اپنا اقتدار جمانے کا خیال ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ مہاراجا نے تیس سال تک اس معاہدے کی پابندی کی۔ نومبر ۱۸۰۴ء میں کمپنی کی فوجوں سے شکست کھانے کے بعد سندھیا نے سرسہ' حصار' رہتک' دلی 'گوڑ گاؤں اور آگرہ انگریزوں کے حوالے کردے۔ ستلج پار کی ریاستیوں نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر دلی کی دیواروں کے تلے انگریزوں سے لڑائی کی تھی۔ مرہٹوں کی شکست کے بعد بھی ان ریاستوں نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ دسمبر ۱۸۰۴ء میں کرنل برن نے انھیں شکست دے کر جمنا کے پار بھگا دیا۔ اکتوبر ۱۸۰۴ء میں جسونت راؤ ہلکر نے دلی کا محاصرہ کرلیا لیکن شکست کھانے کے بعد اس نے ستلج پار کی ریاستوں سے مدد لینی چاہی۔ پٹیالہ اور دوسری ریاستوں سے مایوس ہونے کے بعد وہ امرت سر پہنچا تاکہ مہاراجا رنجیت سنگھ سے مدد لے۔ جسونت راؤ ہلکت کو مہاراجا سے بھی کسی قسم کی مدد نہ مل سکی۔ ۱۸۰۶ء میں پٹیالہ اور جیند میں جھگڑا چکانے کے لئے مہاراجا نے اپنی فوج سمیت ستلج کو پار کیا۔ اگلے سال مہاراجا کو پھر پٹیالہ جانا پڑا۔ مہاراجا نے تیسری مرتبہ ستلج پار کرکے بہت سے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس پر گورنر جنرل نے اپنے سفیر کے ہاتھ یہ کہلوا بھیجا کہ مہاراجا کی فوج ستلج کے شمال میں چلی جائے۔ مہاراجا نے کمپنی سے لڑنے کا فیصلہ کیا لیکن بعد میں مہاراجا اور کمپنی میں ایک معاہدہ ہوگیا جس کی رو سے مہاراجا نے فرید کوٹ اور انبالہ خالی کردیا۔ اس معاہدے کے مطابق مہاراجا رنجیت سنگھ نے ستلج پار کی ریاستوں میں دخل دینے سے ہاتھ اٹھالیا۔

شروع شروع میں مہاراجا رنجیت کا کوئی باقاعدہ خزانہ نہیں تھا۔ حکومت کی آمد و خرچ کا حساب امرت سر کے ایک ساہوکار رام نند کے پاس رہتا تھا۔ کئی سال تک یہی حالت رہی۔ مہاراجا اپنی ضرورت کے مطابق ساہوکار سے روپیہ لے کر اپنا کام نکالتا رہا۔ لیکن جب مہاراجا کو فوجی سرگرمیوں سے فرصت ملی تو پھر اس نے ۱۸۰۸ء میں محکمہ مال قائم کیا۔ دیوان بھوانی داس کو مہاراجا نے اپنا وزیر مالیات مقرر کیا۔ دیوان بھوانی داس نے اپنے محکمے کو مغلوں کے نظم و نسق کے تتبع میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے شعبوں (دفاتر) میں تقسیم کیا۔ ان میں سے چند ایک شعبے یہ تھے:۔

۱۔ جمع خرچ تعلقات۔ ۲۔ نذرانہ ۔ ۳۔ ضبطی۔ ۴۔ آبکاری۔ ۵۔ وجوہات مقرری (رجسٹریشن فیس)۔ ۶۔ چوکیات (محصول)۔

ان کے علاوہ مہاراجا کی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ مالیہ اراضی تھا۔ رنجیت سنگھ کے ابتدائی دور حکومت میں بٹائی کا طریقہ رائج تھا۔ کاشت کار حکومت کو جنس کی صورت میں مالیہ ادا کرتا تھا۔ لیکن ۱۸۲۴ء کے بعد حکومت نے فصل کی قیمت مقرر کرنے اور کاشت کاروں سے مالیہ کو نقدی کی صورت میں وصول کرنے کے طریقے کو رائج کیا۔ اس نئے طریقے میں مالیہ کی وصولی کا کام پہلے سے بہت زیادہ آسان ہوگیا لیکن نظم و نسق کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں نے ۱۸۳۴ء میں ایک نیا طریقہ جاری کردیا۔ اس نئے طریقے کی رو سے مزروعہ اراضی کے وسیع ٹکڑوں کو ایک خاص مدت کے لئے سب سے زیادہ بولی دینے والے کے سپرد کردیا جاتا تھا۔ اس شخص کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک پٹہ نامہ لکھ کر دیتا جس کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:۔

> "منکہ۔ ملازم قدیم سرکار والا ام' در ایں وقت بحضور انور دام اقبالہ' نوشتہ می دھم و اقرارے می لمائم کہ آنچہ تعلقات مفصلہ ذیل بمقابلہ روپیہ ضرب نانک شاہی امرت سریہ بلا خرچ سرکار تفویض فدوی از ابتدائے فصل ۔۔۔ سبت فرمودہ فردی بجان و دل در تقدیم خدمات ماموره بخیر خواہی و دیانت داری معروف حاضر بوده باشد۔ وجہ معاملات را بحضور انور فرستادہ ام تادرم داخل نمود و ہریک دام از پیداوار ملک از جناب والا پوشیدہ نخواھم کردہ آنچہ کمی و بیشی در معاملات ملک مفوضہ خواہد بو درحضور انور عرض خواہم نمود و رعایا را بہ حسن و سلوک خود راضی و ملک را آباد خواہم داشت۔"

سال میں دو مرتبہ مالیہ وصول کیا جاتا تھا۔ دونوں فصلوں (ربیع اور خریف) کی کٹائی کے قریباً" ایک ماہ بعد وصول کیا جاتا تھا۔ مالیہ وصول کرنے کے لئے ہر تعلقہ (ضلع) میں ایک کاردار مقرر تھا۔ اس کاردار کی مدد کے لئے مقدم' پٹواری اور قانون گو ہوتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ ان میں سے بعض افسروں کو مجموعہ وصولی پر پانچ فی صد کے قریب کمیشن بھی دیا جاتا تھا۔ ہر تعلقے (ضلع) کے مالیے کو تعلقے کے

خزانے میں رکھا جاتا تھا۔ اس خزانے کو بعد میں لاہور بھیج دیا جاتا تھا یا حکومت کے احکام کے مطابق اسے اسی تعلقے کے نظم و نسق پر صرف کردیا جاتا تھا۔

مہاراجا رنجیت سنگھ کے وزیر مالیات دیوان بھوانی داس نے محکمہ مالیات میں حکام ضلع کے آمد و خرچ کا حسب رکھنے کے لئے دفتر تحویلات بھی قائم کیا تھا۔ ابتدا میں اس دفتر کے فرائض کا احاطہ بہت وسیع تھا۔ لیکن جب اس کے شعبے سے متعلق بہت سے نئے دفتر قائم ہوگئے تو پھر اس دفتر کا کام بھی ہلکا ہوگیا۔

مقامی نظم و نسق کے لئے پنجاب کو چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

۱۔ صوبہ لاہور۔

۲۔ صوبہ ملتان۔

۳۔ صوبہ کشمیر۔

۴۔ صوبہ پشاور۔

ان صوبوں کے علاوہ بہت سے پہاڑی علاقوں کے حکمران مہاراجا کی اطاعت کا دم بھرتے اور سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ ہر صوبے کو پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر پرگنہ کئی تعلقوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر تعلقے میں کئی موضعے ہوتے تھے۔

ہر صوبے کا حکمران ناظم کہلاتا تھا۔ ہر ناظم کے ماتحت بہت سے کاردار ہوتے تھے۔ جن تعلقوں میں دیہات کی تعداد زیادہ ہوتی تھی وہاں ایک سے زیادہ کاردار ہوتے تھے۔ مقامی حکومت میں کاردار ہی سب سے زیادہ اہم افسر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے فرائض موجودہ سول سروس کے حاکم ضلع کے فرائض سے ملتے جلتے تھے۔ ان کارداروں کے اختیارات کے استعمال میں عام طور پر اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

ان کارداروں کی وجہ سے صوبہ لاہور نے زرعی اور تجارتی ترقی کی تھی۔ صوبہ ملتان نے دیوان ساون مل کی نظامت میں زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کی تھی۔ دیوان ساول مل نے صوبہ ملتان میں آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کرکے اس صوبے کی زرعی پیداوار کو بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کو صوبہ ملتان سے بائیس لاکھ روپے سالانہ وصول ہوتے تھے۔ دیوان ساون مل نے صوبہ ملتان کی زرعی پیداوار کو بڑھانے کے لئے جو نہریں کھدوائی تھیں ان کی مجموعی لمبائی تین سو میل تھی۔ دیوان ساون مل کی موت کے بعد اس کے بیٹے دیوان مول راج کو دربار

لاہور کی طرف سے صوبہ ملتان کا ناظم مقرر کیا گیا تھا۔

صوبہ کشمیر اور صوبہ پشاور میں مہاراجا کے نظم و نسق کی گرفت بہت ڈھیلی تھی۔ چونکہ یہ دونوں صوبے مہاراجا کی مملکت کے سرحدی صوبے تھے اس لئے ان صوبوں کا نظم و نسق دوسرے صوبوں سے مختلف رہا۔ صوبہ کشمیر میں مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں دو مرتبہ قحط پڑا تھا جس نے حالات کو پہلے سے بھی زیادہ خراب کردیا تھا۔

صوبہ پشاور کا نظم و نسق ۱۸۳۴ء تک بارک زئی افغانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اسی سال مہاراجا کی طرف سے پہلی بار صوبہ پشاور کے لئے ہری سنگھ نلوہ کو ناظم مقرر کیا گیا۔ صوبہ پشاور کا دوسرا ناظم اوی تیبل (بوطویلہ) تھا۔ بہت کوشش کے باوجود دونوں ناظموں کے عہد میں صوبہ پشاور میں مخصوص حالات کے پیش نظر جو قوانین بنائے گئے تھے ان کا اطلاق پنجاب کے دوسرے صوبوں پر نہیں ہوتا تھا۔

باب، ۳۱

پنجاب کی پہلی جنگ

مہاراجا رنجیت سنگھ نے پنجاب میں فوجی سرداروں کی قوت توڑ کر پنجاب کو سیاسی لحاظ سے متحد کردیا تھا۔ پنجاب کی مرکزی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے مہاراجا نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق بہت سی سختیاں بھی کیں۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں کمپنی اور پنجاب میں تصادم نہ ہوسکا لیکن مہاراجا کی موت (۱۸۳۹ء) کے بعد ایک طرف کمپنی نے پنجاب پر قبضہ کرنے کی تدبیریں کیں اور دوسری طرف دربار لاہور کے سازشی ماحول میں انگریزوں کو یہ موقع دے دیا کہ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

مہاراجا کی موت کے بعد اس کا بیٹا کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا۔ کھڑک نے چیت سنگھ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ چیت سنگھ نے اپنے مخالف دھیان سنگھ کو قتل کرانے کی سازش کی۔ اس پر دھیان سنگھ نے کھڑک سنگھ کے بیٹے نونہال سنگھ کو اپنے ساتھ ملاکر مہاراجا اور وزیراعظم سے انتقام لینا چاہا۔ دھیان سنگھ نے دوسرے فوجی سرداروں کی مدد سے چیت سنگھ کو قتل کردینے کے بعد کھڑک سنگھ کو نظربند کردیا۔ کھڑک سنگھ جتنا زیادہ انگریزوں کا حامی تھا اس کا بیٹا نونہال سنگھ اتنا ہی انگریزوں کا مخالف تھا۔ اپنے باپ کی نظربندی کے بعد نونہال سنگھ ۸۔ اکتوبر ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا۔ نونہال سنگھ مشکل سے ایک سال حکومت کرنے پایا تھا کہ اپنے باپ کی نعش کو آگ کے سپرد کرنے کے بعد قلعے میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک دیوار کے گرنے سے بری طرح زخمی ہوا۔ دھیان سنگھ اسے زخمی حالت میں قلعہ کے اندر لے گیا۔ نونہال سنگھ کے مرنے کے بعد راجا گلاب سنگھ اور سرداران سندھانوالیہ متوفی کی ماں اور کھڑک سنگھ کی بیوی رانی چندر کور کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ راجا دھیان

سنگھ چاہتا تھا کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھائے۔ چنانچہ وہ جموں چلا گیا تاکہ اپنی فوج کو لاہور ساتھ لے آئے۔ لاہور چھوڑنے سے پہلے راجا دھیان سنگھ نے کنور شیر سنگھ کو لکھا تھا کہ وہ بٹالہ سے بہت جلد لاہور پہنچ جائے۔ شیر سنگھ نے لاہور پہنچ کر راجا دھیان سنگھ کا انتظار کئے بغیر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ رات کے وقت شیر سنگھ کی فوج نے شہر میں داخل ہوکر خوب لوٹ مار کی۔ چار پانچ دن تک شیر سنگھ اور گلاب سنگھ میں لڑائی ہوتی رہی۔ دھیان سنگھ کے لاہور پہنچ جانے کے بعد راجا گلاب سنگھ اور رانی چندر کور نے قلعہ خالی کردیا۔ راجا گلاب سنگھ نے قلعہ خالی کرتے وقت خزانے پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ شیر سنگھ کے ہاتھ صرف "کوہ نور" آیا۔

۱۸۔ جنوری ۱۸۴۱ء کو شیر سنگھ تخت پر بیٹھا۔ اس نے راجا دھیان سنگھ کو وزیراعظم اور راجا سوچیت سنگھ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ سندھیانوالہ سرداروں کی جائیداد ضبط کرلی گئی۔ شیر سنگھ نے سندھیانوالہ سرداروں کو بہت جلد معاف کردیا۔ ان سرداروں کی اتنی قوت تھی کہ شیر سنگھ اور دھیان سنگھ دونوں انھیں اپنی اپنی سازش میں شریک کرنے لگے لیکن سندھیانوالہ سرداروں نے ۱۲۔ دسمبر ۱۸۴۲ء کو مہاراجا شیر سنگھ اور وزیراعظم دھیان سنگھ کو قتل کردیا۔ سندھیانوالہ سرداروں نے قلعہ میں داخل ہوکر مہاراجا رنجیت سنگھ کے کم سن بیٹے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھادیا۔

جب راجا دھیان سنگھ کے بھائی اور اس کے بیٹے ہیرا سنگھ کو مہاراجا شیر سنگھ اور وزیراعظم دھیان سنگھ کے قتل ہوجانے کی خبر ملی تو انھوں نے دوسرے دن قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ سندھیانوالہ سرداروں کے لئے حملہ آوروں کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ ہیرا سنگھ اور اس کی فوج نے قلعہ میں داخل ہوکر ایک ایک کرکے قاتلوں کو ختم کردیا۔ ہیرا سنگھ نے دلیپ سنگھ کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور خود وزیراعظم بن گیا۔ مہاراجا دلیپ سنگھ کا ماموں جواہر سنگھ اور ہیرا سنگھ کا چچا سوچیت سنگھ نئے وزیراعظم کی مخالفت میں آگے آگے تھے۔ ہیرا سنگھ نے سوچیت سنگھ کو قتل کروادیا لیکن جواہر سنگھ نے بہت جلد ہیرا سنگھ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وزارت عظمی پر قبضہ کرلیا لیکن چند مہینوں کے بعد ۲۳۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو فوج نے رانی جنداں (دلیپ سنگھ کی ماں) کے سامنے اس کے بھائی جواہر سنگھ کو قتل کردیا۔ فوج

کے اختیارات اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ وزارت کا قلم دان سنبھالنا بڑی ہمت کا کام تھا۔

بڑی مشکل سے راجا لال سنگھ نے وزارت کے قلم دان کو سنبھالا۔ راجا لال سنگھ اور رانی جنداں نے فوج کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے جو پالیسی وضع کی وہ ان کی ذاتی خواہشوں کے مطابق ہو تو ہو لیکن اس سے پنجاب کا محکوم بن جانا ایک یقینی امر تھا۔ راجا لال سنگھ نے سب سے پہلے فوج کو افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے تیار کرنا چاہا لیکن فوج نے انکار کردیا۔ اب رانی جنداں اور وزیراعظم لال سنگھ نے فوج کو انگریزوں کے ساتھ لڑانا چاہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی موت تک کمپنی نے ۱۸۰۹ء کے معاہدے پر عمل کیا لیکن اس کے ساتھ ہی پنجاب کی سرحد پر اپنی فوجی طاقت بڑھاتی رہی۔ ۱۸۳۸ء میں پنجاب کی سرحد پر انگریزی فوج کے صرف اڑھائی ہزار سپاہی تھے لیکن لارڈ ہارڈنگ کے آتے ہی اس فوج کی تعداد بتیس ہزار ہوگئی۔ انگریزوں کی فوجی تیاریوں سے لاہور میں یہ افواہ عام ہوگئی تھی کہ انگریز پنجاب پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزوں اور پنجاب میں لڑائی کا ہونا یقینی تھا لیکن رانی جنداں اور وزیراعظم لال سنگھ نے جن ارادوں کے ساتھ پنجاب کی فوج کو انگریزی فوج سے لڑوانا چاہا وہ پنجاب کے لئے کسی کسی حالت میں بھی مفید نتائج پیدا نہیں کرسکتے تھے۔ پنجاب پر انگریزی حملے کے امکانات نے پنجاب کی فوج کے دلوں میں بہت زیادہ جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ اس جوش و خروش سے فائدہ اٹھانے کے لئے رانی جنداں اور وزیراعظم لال سنگھ نے انھیں ستلج پار جاکر انگریزوں سے لڑنے کا حکم دے دیا۔ لال سنگھ اور تیج سنگھ اس فوج کے ہمراہ تھے۔

انگریز جنگ کے لئے فوراً تیار ہوگئے۔ گورنر جنرل نے پنجاب کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ ۱۸۔ دسمبر ۱۸۴۵ء مدکی کے مقام پر دونوں فوجیں متصادم ہوئیں۔ انگریزی فوجوں کا افسر اعلیٰ سرہیوگف اور پنجاب فوج کا کمان دار اعلیٰ لال سنگھ تھا۔ سکھ سپاہی جان توڑ کر لڑے لیکن لال سنگھ کی موجودگی میں ان کا کامیاب ہونا ممکنات سے بعید تھا۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ سکھ سپاہی میدان جنگ میں شیروں کی طرح لڑ رہے تھے کہ بارود ختم ہوگیا۔ سپاہیوں کی

حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ بارود کی جگہ انہیں سرسوں کے بیج روانہ کئے جا رہے تھے۔ آتش گیر مادہ کا مقابلہ سرسوں کے بیج کیوں کر کر سکتے تھے؟ خالصہ فوج بھائی پھیرو کی طرف لوٹی۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ دو دن تک خالصہ فوج نے انگریزی فوج کا جم کر مقابلہ کیا۔ انگریزوں کو شکست کے آثار دکھائی دینے شروع ہوئے۔ بعض انگریز افسروں نے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جانے کا فیصلہ کیا لیکن غداری نے یہاں بھی اپنا کام کیا۔ بھائی پھیرو سے ہٹ کر خالصہ فوج نے علی وال کے مقام پر مورچے لگا دیے۔ لیکن سرجیری سمتھ نے سکھوں کو اس مقام پر شکست دی۔ اب خالصہ فوج نے تھوڑا پیچھے ہٹ کر آخری مرتبہ سبراؤں کے مقام پر لڑنا چاہا۔ اس میدان میں سردار شام سنگھ اٹاری والے نے جرأت اور شجاعت کے حیرت انگیز کارنامے کئے۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا مہاراجا رنجیت سنگھ کی موت کے بعد اٹاری میں گوشہ نشین ہو چکا تھا لیکن جب اسے جنگ کی اطلاع ملی تو وہ میدان میں کود پڑا۔ سبراؤں کی لڑائی میں وہ نہایت بہادری سے لڑا۔ جب تیج سنگھ میدان سے بھاگنے لگا تو اس نے اٹاری والے سردار کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لئے کہا لیکن جواں ہمت بوڑھے سردار نے ڈرپوک سپہ سالار کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کردیا۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کی نعش ابدی نیند میں سوئے ہوئے ساتھیوں کے انبار میں مل گئی۔

اگلے دن (۱۱۔ فروری ۱۸۴۶ء) انگریزی فوج نے ستلج پار کر کے قصور پر قبضہ کرلیا۔ اسی اثنا میں رانی جنداں نے راجا گلاب سنگھ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرلیا تھا۔ راجا گلاب سنگھ نے لارڈ ہارڈنگ سے جو پنجاب میں پہلی جنگ میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے حصہ لے رہا تھا ملاقات کرنے کے بعد طے پایا کہ دربار لاہور ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور تاوان ادا کرے۔ فوج کی تعداد بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل کردی جائے۔ دربار لاہور کو صرف تیس توپیں اپنے پاس رکھنی چاہئیں' باقی توپوں کو انگریزوں کے حوالے کردیا جائے۔ ستلج اور بیاس کے درمیانی علاقے کو انگریزوں کے سپرد کردیا جائے۔ مہاراجا دلیپ اور لال سنگھ کو گورنر جنرل کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ ۲۸۔ فروری ۱۸۴۶ء کو دلیپ سنگھ نے اپنے فوجی سرداروں

سمیت گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ سے للیانہ میں ملاقات کی۔ لاہور پہنچ کر گورنر جنرل نے ۸۔ مارچ ۱۸۴۶ء کو معاہدہ لاہور کی شرطوں کی تصدیق کرنے کے بعد سرہنری لارنس کو لاہور میں اپنا ریزیڈنٹ مقرر کردیا۔ ریزیڈنٹ کی حفاظت کے لئے نو مہینوں کے لئے ایک فوجی دستہ بھی لاہور رکھا گیا۔

عہد نامہ لاہور کے مکمل ہوجانے کے بعد سرہنری لارنس نے راجا گلاب سنگھ کی خدمات کا صلہ اس طرح دیا کہ کشمیر کو پچھتر لاکھ روپے کے عوض اس کے ہاتھ فروخت کردیا اور اس کے ساتھ ہی کشمیر کو دربار لاہور کی اطاعت سے نکال کر اسے انگریزی حمایت میں لے لیا۔ کمپنی اور راجا گلاب سنگھ کے درمیان ۱۶۔ مارچ ۱۸۴۶ء کو امرت سر میں جو معاہدہ ہوا وہ مندرجہ ذیل دس دفعات پر مشتمل تھا:

دفعہ نمبر۱: سرکار انگلشیہ مہاراجا گلاب سنگھ اور ان کے وارثان کو تمام ملک کوہستانی بمعہ اس کے تابع علاقہ کے جو دریائے سندھ کے مشرق کی طرف اور مغرب کی جانب دریائے راوی کے درمیان مع علاقہ چمبہ ماسوائے لاہور جو کہ ان ممالک کا حصہ نہیں جو برٹش گورنمنٹ کو دفعہ ۴' عہد نامہ لاہور مورخہ ۹۔ مارچ ۱۸۶۴ء ملا ہے باختیار خود مختار مستقل طور پر عطا کرتے ہیں۔

دفعہ نمبر۲: جو علاقہ مہاراجا گلاب سنگھ جی کو اس عہد نامے کی مندرجہ بالا شرط کے تحت منتقل کیا جاتا ہے اس کی حدود شرقی معلوم کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ اور مہاراجا گلاب سنگھ کی طرف سے کمشنر مقرر کئے جائیں گے اور یہ حدود علیحدہ اقرار نامہ کے ذریعے تعین کی جائے گی۔

دفعہ نمبر۳: اس ملک کی عطائیگی بجق مہاراجا گلاب سنگھ و وارثان کے عوض مہاراجا صاحب موصوف سرکار انگلشیہ کو پچھتر لاکھ روپیہ (نانک شاہی) ادا کریں گے۔ ان میں سے پچاس لاکھ روپیہ اس عہد نامے کو استحکام دیے جانے کے وقت اور پچیس لاکھ روپیہ اس سال کے ماہ اکتوبر کی پہلی تاریخ سے قبل ادا کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر۴: حدود ملک مہاراجا گلاب سنگھ صاحب کسی وقت بھی سرکار انگلشیہ کی منظوری کے بغیر تغیر و تبدل نہ ہوسکے گا۔

دفعہ نمبر۵: اگر مہاراجا گلاب سنگھ اور لاہور گورنمنٹ یا کسی ہمسایہ ریاست کے مابین تنازعہ ہوجائے تو مہاراجا صاحب موصوف اس تنازعہ کو برٹش گورنمنٹ

کے حوالے کریں گے اور اس کے ثالثی فیصلہ پر پابند رہیں گے۔

دفعہ نمبر ۶: مہاراجا گلاب سنگھ خود اور از طرف والا شان خود اقرار کرتے ہیں کہ جب کبھی انگریزی فوج کسی ملحقہ ملک میں لڑ رہی ہو گی اپنی پوری فوج کے ساتھ تعاون کریں گے۔

دفعہ نمبر ۷: مہاراجا گلاب سنگھ جی عہد کرتے ہیں کہ وہ کبھی کسی انگریز یا کسی یورپین یا امریکن کو برٹش گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر اپنی ملازمت میں نہ رکھیں گے۔

دفعہ نمبر ۸: مہاراجا گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ وہ ان ملک کے متعلق جو ان کو منتقل کئے گئے ہیں عہد نامہ لاہور مورخہ ۱۱۔ مارچ ۱۸۴۶ء مابین سرکار انگلشیہ اور لاہور گورنمنٹ کی دفعات ۵'۶'۷ کا احترام کریں گے۔

دفعہ نمبر ۹: سرکار انگلشیہ عہد کرتی ہے کہ وہ بیرونی دشمنوں سے مملکت مہاراجا بہادر پر حملہ کے وقت مہاراجا صاحب کی مدد کریں گے۔

دفعہ نمبر ۱۰: مہاراجا گلاب سنگھ عظمت و دولت اقتدار سرکار انگلشیہ کا احترام کرتے ہیں اور اس احترام کے پیش نظر سرکار انگلشیہ کو ہر سال ایک گھوڑا اور تین جوڑے کشمیری شال وغیرہ بہ طور نذرانہ آویں گے۔

جب دربار لاہور کو عہد نامہ امرت سر کا علم ہوا تو لال سنگھ نے کشمیر کے گورنر شیخ امام الدین کو یہ ہدایت کی کہ گلاب سنگھ کو کشمیر کا قبضہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے ماتحت شیخ امام الدین نے گلاب سنگھ کی فوج کے ساتھ لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس پر گلاب سنگھ نے سر ہنری لارنس سے فوجی مدد طلب کی۔ میجر جان لارنس نے گلاب سنگھ کو کشمیر کا قبضہ دلوا دیا۔ لال سنگھ کو گلاب سنگھ کی مخالفت کرنے کے عوض جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں انگریزی فوج کے لاہور میں ٹھہرنے کی مدت ختم ہو گئی لیکن بعض درباریوں سے یہ کہلوا لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ "حضور پر نور ابھی تھوڑی مدت لاہور میں مزید قیام فرمائیں کیوں کہ آپ کے چلے جانے کے بعد نقص امن کا اندیشہ ہے" چنانچہ یہی ہوا۔ لارڈ ہارڈنگ نے ان درباریوں کی درخواست مان لی۔ لارڈ ہارڈنگ نے بھیروال میں پہنچ کر ۱۶ دسمبر کو ایک نیا عہد نامہ مرتب کیا جس کی رو سے انتظامی امور کے لئے ایک کونسل مقرر کی گئی جس کی

صدارت کے فرائض سرہنری لارنس کے سپرد کئے گئے۔ رانی جنداں کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ منظور کیا گیا۔ اس عہد نامہ میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ دسمبر ۱۸۵۴ء میں جب دلیپ سنگھ سولہ برس کا ہو جائے گا تو پھر ایک نیا معاہدہ کیا جائے گا۔ اس عہد نامہ نے رانی جنداں کے اختیارات ختم کر دیے۔ سرہنری لارنس نے اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ اس نے رانی جنداں کو شیخوپورہ میں نظربند اور اس کے بیٹے دلیپ سنگھ کو اس سے علیحدہ نہ کر لیا۔ اسی اثنا میں ہنری لارنس انگلستان چلا گیا اور اس کی جگہ فریڈرک کری ریزیڈنٹ مقرر ہوا۔ لارڈ ہارڈنگ کا دور حکومت بھی ختم ہو چکا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نیا گورنر جنرل تھا!

باب ۳۲

لارڈ ڈلہوزی
(۱۸۴۸ء - ۱۸۵۶ء)

لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت کے پہلے چند سال پنجاب کی دوسری جنگ اور برما کی دوسری جنگ میں صرف ہوئے۔ پنجاب کی سیاست پر برطانوی ریزیڈنٹ کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ فوجی سرداروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔

ہمارے زمانے میں ملتان گرد و گرما، گدا و گورستان کے لئے مشہور ہے۔ لیکن ابن آدم کی تہذیبی داستان میں ملتان کی اہمیت ہے۔ قدامت کے لحاظ سے یہ صحرائی بستی دمشق کا جواب ہے۔ صدیوں اس شہر پر ایرانی تاج داروں کی حکومت رہی۔ یونانی فاتح سکندر کو زخمی کرنے والا بھی ایک ملتانی تھا۔ ملتان دینی اور سیاسی تحریکوں کا صدیوں تک مرکز رہا۔ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ نے اسے فتح کرکے دیوان مل کو اس کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ دیوان کی وفات پر اس کا بیٹا دیوان مول راج ملتان کا صوبے دار مقرر ہوا۔ دیوان مول راج کی حیثیت ایک نیم آزاد تاج دار سے کم نہیں تھی۔ دیوان مول راج کی تقرری کے موقع پر لال سنگھ نے اسے اٹھارہ لاکھ روپیہ بطور نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ مول راج نے لاہور دربار کی بد نظمی کے پیش نظر رقم بھیجنے سے انکار کردیا۔ پنجاب کی پہلی جنگ کے اختتام پر لال سنگھ نے اپنے مطالبے کی تکمیل کے لئے اپنے بھائی بھگوان سنگھ کو ملتان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا لیکن مول راج کی فوجوں نے اسے شکست دی۔ لاہور کے انگریز ریزیڈنت نے مول راج کی مصیبتوں میں اضافہ کردیا۔ ریزیڈنٹ نے صوبہ ملتان میں اٹھارہ انگریز افسروں کو مقرر کئے جانے کی ایک تجویز پیش کی جسے مول راج نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ان حالات کے پیش نظر مول راج اپنے فرائض کو بہ طریق احسن

سرانجام نہیں دے سکتا تھا چنانچہ اس نے استعفیٰ داخل کردیا۔ لاہور دربار نے مول راج کو اس عہدے سے سبکدوش کرتے ہوئے کاہن سنگھ مان کو اس عہدے کا چارج لینے کے لئے ملتان روانہ کیا۔ اس کے ساتھ دو انگریز افسر تھے۔ حقیقت میں یہی دو انگریز افسر ملتان کے حکمران تھے۔ دیوان مول راج سے چارج لینے کے بعد جب یہ دونوں انگریز افسر کاہن سنگھ اور اس کے محافظ دستے کے ساتھ قلعے سے باہر آرہے تھے تو ملتانیوں نے ان پر حملہ کردیا۔ عید گاہ میں تصادم ہوا۔ دونوں انگریز قتل کردیئے گئے۔ کاہن سنگھ مان بھی بری طرح زخمی ہوا۔ لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

لاہور کے انگریز ریزیڈنٹ کو اس کش مکش میں رانی جنداں کا ہاتھ دکھائی دیا۔ چنانچہ اسی نے رانی جنداں کو جلاوطن کرکے بنارس بھیج دیا۔ اس واقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیر سنگھ کہتا ہے:

"اہل پنجاب ان مظالم سے اچھی طرح آگاہ ہیں جو فرنگیوں نے مرحوم مہاراجا رنجیت سنگھ کی بیوہ پر توڑے۔ ان مظالم سے نہ صرف سکھ آشنا ہیں بلکہ تمام دنیا ان سے باخبر ہے۔ انگریزوں نے مہارانی کو جلاوطن کرکے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔"

امیر دوست محمد خاں کپتان ایبٹ کو لکھتا ہے:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ سکھ روز بروز غیر مطمئن ہو رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ملازمت سے علیحدہ ہوچکے ہیں اور بعض جلاوطن کرکے ہندوستان بھیج دیئے گئے ہیں۔ خاص طور پر مہاراجا دلیپ سنگھ کی والدہ جسے قید کیا گیا' جس کے ساتھ برا برتاؤ کیا گیا۔ اس قسم کی بدسلوکی تمام مذاہب میں قابل اعتراض ہے۔ ہر مہتر و کہتر موت کو ترجیح دے رہا ہے۔"

انگریز ریزیڈنٹ کا فرض تھا کہ وہ دربار لاہور کی حفاظت کے لئے اپنی فوجوں کو حرکت میں لاتا لیکن اس نے دانستہ طور پر ایسا نہ کیا۔ ریزیڈنٹ نے خالصہ دربار کو حکم دیا کہ وہ ملتان پر حملہ کرے۔ حکم عدولی کی صورت میں الحاق کی دھمکی دی گئی۔ راجا شیر سنگھ ملتان روانہ ہوا۔ شیر سنگھ مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے بیشتر

سپاہی دیوان کی فوجوں میں شامل ہو گئے۔ شیر سنگھ نے بھی دیوان مول راج سے اتحاد کرنا چاہا لیکن دیوان نے اس اتحاد کو ایک جنگی چال خیال کرتے ہوئے شیر سنگھ سے متحد ہونے سے انکار کر دیا۔ اسی اثنا میں شیر سنگھ کو اس کے والد سردار چتر سنگھ حاکم ہزارہ نے اطلاع دی کہ دربار لاہور نے اسے معزول کر دیا ہے۔ چنانچہ شیر سنگھ اپنے باپ کی حمایت کے لئے ہزارہ کی طرف روانہ ہوا۔ ملتان کا محاصرہ اٹھالیا گیا۔ انگریز فوجوں نے بعد میں ملتان کا پھر محاصرہ کر لیا۔ ایک طویل مدافعت کے بعد دیوان نے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ دیوان مول راج کو جلاوطن کر دیا گیا۔ ہزارہ کے حاکم سردار چتر سنگھ کو اس کے ماتحت انگریز افسروں نے بہت تنگ کر رکھا تھا۔ اس بے عزتی کے پیش نظر اس نے انگریزوں کو پنجاب سے نکالنے کا عزم کیا۔ کپتان ایبٹ بدعنوانیوں سے سردار چتر سنگھ نے اپنے امریکی کمان دار کو حکم دیا کہ وہ باغیوں پر گولے برسائے۔ کرنل نے سردار کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کرنل کو دو پیادہ سپاہیوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنادیا۔

اسی اثنا میں شیر سنگھ ملتان سے روانہ ہو چکا تھا۔ سپاہی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ لارڈ گف لشکر جرار کے ساتھ شیر سنگھ کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ جنوری ۱۸۴۹ء میں چلیانوالہ کے مقام پر دونوں فوجیں متصادم ہوئیں۔ سکھ سپاہی اس جنگ میں بہادری سے لڑے۔ سکھ سپاہیوں نے انگریزی پھریروں کو سرنگوں کر دیا۔ سکھوں نے بعض انگریزی توپوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس خون ریز جنگ میں انگریزوں کو شکست ہوئی۔ اس فتح کے بعد شیر سنگھ نے رسول کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے لیکن بہت جلد شیر سنگھ کو لاہور جانا پڑا۔ شیر سنگھ کی روانگی لاہور سب سے بڑی غلطی تھی۔ رسول کے مقام پر وہ انگریزوں کی بڑی سے بڑی فوج کو شکست دے سکتا تھا۔ شیر سنگھ کی فوجوں کو گجرات کے قریب روک دیا گیا۔

پنجاب کی بہت سی عشقیہ داستانیں چناب کی لہروں پر لکھی گئی ہیں۔ اسی دریا کے کنارے گجرات صدیوں سے آباد چلا آ رہا ہے۔ یہ شہر مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے بسایا گیا۔ دسویں صدی عیسوی میں موجودہ شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں گجرات ایک بارونق شہر بن گیا۔ مغلوں کے عہد حکومت میں اس شہر کی رونق بدستور قائم رہی۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں نادر شاہ نے اس شہر کو

خوب لوٹا۔ نادر شاہ کی واپسی کے چند سال بعد ایک گکھڑ سردار نے اس پر قبضہ کرلیا لیکن احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے اس شہر کو ویران کردیا۔ پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کے آخری حملے کے بعد بھنگی سرداروں نے اس شہر پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراجا رنجیت سنگھ نے اسے فتح کیا۔ گجرات میں شہنشاہ اکبر کے بنوائے ہوئے ایک قلعے کے کھنڈر اب تک دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر میں ۲۷۔ جنوری ۱۸۴۹ء کو جنرل گلبرٹ اور سردار شیر سنگھ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں افغانستان کا ولی عہد اپنی فوج سمیت انگریزوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس لڑائی میں دونوں طرف سے بہادری کا ثبوت دیا گیا۔ دربار لاہور کی طرف سے چونکہ سردار شیر سنگھ کو کوئی مدد نہیں مل رہی تھی اس لئے وہ زیادہ دیر تک انگریزوں کا مقابلہ نہ کرسکا۔ گجرات کی لڑائی میں سردار شیر سنگھ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جنرل گلبرٹ نے سردار کو پیچھا کیا۔ ۱۲۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو شیر سنگھ نے ہتھیار ڈال دیے۔ ۲۹۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو لاہور کونسل کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں اعلان کیا گیا کہ پنجاب کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کرکے دلیپ سنگھ کے لئے پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن مقرر کردی گئی۔ پنجاب کا خزانہ اگرچہ خالی ہوچکا تھا پھر بھی "کوہ نور" انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کا انتظام تین ممبروں پر مشتمل ایک انتظامی مجلس کے سپرد کیا لیکن ۱۸۵۳ء میں اسی مجلس کے ایک ممبر جان لارنس کو پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔

لارڈ ڈلہوزی نے کمپنی کے تجارتی مفاد کے لئے ۱۸۵۲ء میں برما کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ ایک معمولی سی لڑائی کے بعد انگریزی فوج نے رنگون پر قبضہ کرلیا۔ پروم پر قبضہ کرنے کے بعد پیگو کا سارا علاقہ بھی کمپنی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ برما کی دوسری جنگ میں برما کا سارا نشیبی علاقہ کمپنی کے قبضے میں چلا گیا۔

لارڈ ڈلہوزی' ہندوستان کے دیسی حکمرانوں کے احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے اندھا دھند کمپنی کے مقبوضات بڑھانے میں مصروف ہوگیا۔ اس نے سکم کے ایک حصے پر اس بہانے سے قبضہ کرلیا کہ وہاں دو انگریز افسروں سے بدسلوکی کی گئی تھی۔ ڈلہوزی نے لاولد مرنے والے دیسی حکمرانوں کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کا اصول وضع کیا۔ ڈلہوزی نے دیسی حکمرانوں کے لے پالک بیٹوں کے حق جانشینی کو

ماننے سے انکار کردیا۔ اس اصول کے تحت لارڈ ڈلہوزی نے ستارا، جھانسی، ناگ پور، جیت پور اور سنبھل پور پر قبضہ جمالیا۔

کمپنی پرتاب سنگھ کو ستارا کا حکمران تسلیم کرچکی تھی۔ اس کے سن بلوغت تک کپتان گرانٹ ڈف ریاست کا ناظم مقرر ہوا۔ شہزادہ جوان ہوا۔ بلوغت کے ساتھ ذہانت بھی آئی۔ کپتان دیسی راجاؤں کی ذہانت کو کمپنی کے لئے آفت خیال کرتا تھا۔ پرتاب سنگھ کو جلاوطن کرکے بنارس بھیج دیا گیا۔ ستارا کا جدید حکمران اس کا بھائی مقرر ہوا۔ دونوں بھائی ۱۸۴۸ء میں لاولد مرگئے۔ ان کے متبنوں کو وراثت کا جائز حقدار تسلیم نہ کرتے ہوئے ڈلہوزی ستارا پر قابض ہوگیا۔

ناگ پور کے راجا رگھوجی بھونسلہ ثالث نے ۱۱۔ دسمبر ۱۸۵۳ء کو وفات پائی۔ چونکہ وہ لاولد تھا اس لئے اس کی دادی نے اس کے بھائی کے بیٹے کو ریاست کا وارث تسلیم کرلیا۔ مرحوم کی رانیوں نے بھی اسے راجا تسلیم کرلیا لیکن ڈلہوزی نے یشونت راؤ کو ناگ پور کا راجا تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ لاولدیت کا بہانہ پیش کرتے ہوئے ڈلہوزی ناگ پور پر قابض ہوگیا۔ ناگ پور کے الحاق کے ساتھ متوفی راجا کی رانیوں سے برا سلوک کیا گیا۔ ان کے جواہرات اور سامان آرائش کو نیلام کردیا گیا۔

جھانسی کے آخری راجا نے ۲۱۔ نومبر ۱۸۵۳ء کو وفات پائی۔ ڈلہوزی نے متوفی راجا کے متنبہ کو وارث تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ رانی کو پنشن دے کر جھانسی کا الحاق کردیا گیا۔ جھانسی کے الحاق نے ۱۸۵۷ء میں رانی کو انگریزوں کے خلاف صف آرا ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں ہندوستانی راجاؤں کی لاولد موت بہت بڑا معمہ ہے۔

ڈلہوزی نے اپنی نگاہ حرص مملکت آصفیہ پر جمائی۔ ڈلہوزی نے نظام کو توہین آمیز خط لکھا۔ ڈلہوزی نے امدادی فوج کے اخراجات کے لئے نظام سے برار کا علاقہ چھین لیا۔ وہ مملکت آصفیہ پر قابض ہوجاتا اگر سالار جنگ اس کے عزائم کو شکست نہ دیتا۔

اودھ کا الحاق سیاسی اور اخلاقی طور پر ایک بہت بڑا گناہ تھا۔ مورخوں نے اس

الحاق کو ۱۸۵۷ء کے حادثے کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے۔ اودھ کا آزادانہ وجود مغلیہ سلطنت کے دور انحطاط سے شروع ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ آزاد تھے لیکن انھیں مغل شہنشاہ کا وزیر خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ نواب وزیر مغلیہ دربار کے تاثرات سے آزاد ہوتے گئے یہاں تک کہ کمپنی نے انھیں دھلی کے حلقہ اثر سے آزاد ہونے میں مدد دی۔ مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے اودھ کے نواب وزیر کو شاہ کا خطاب دیا۔ وزارت سے شاہیت زیادہ غلامانہ ثابت ہوئی۔ شاہان اودھ کمپنی کے زیر اثر آگئے۔ کمپنی نے حسب منشاء شاہان اودھ کی طاقت کم کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ ۱۸۰۱ء کے معاہدے نے کمپنی کو مملکت اودھ کا محافظ بنا دیا۔ اودھ کی تمام مصیبتوں کا سرچشمہ یہی معاہدہ تھا۔ کمپنی کی پچاس سالہ سرپرستی حالات کو بہتر نہ بنا سکی۔ لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں اودھ کے حالات بہت نازک ہو چکے تھے۔ ڈلہوزی معاملات اودھ میں مداخلت چاہتا تھا۔ ڈلہوزی کی مداخلت کا مقصد اودھ کا خاتمہ کرنا تھا۔ دربار ناصرالدین کے ایک برطانی مصور نے شاہان اودھ کو بدنام کرنے کے لئے "مشرقی بادشاہ کی خانگی زندگی" لکھی۔ اسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے "کلکتہ ریویو" کے ایک مدیر نے ایک مقالہ بہ عنوان "کیا فتوحات کا زمانہ ختم ہو چکا ہے" لکھا۔ اس مقالے میں الحاق اودھ کا مشورہ دیا گیا۔

نواب سعادت علی خاں (۱۷۹۸ء-۱۸۱۴ء) کے عہد میں اودھ کے بہت سے علاقے پر کمپنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ دربار لکھنؤ میں بھی انگریز ریزیڈنٹ کا اثر غالب تھا۔ نواب سعادت خاں نے لکھنؤ میں کئی ایک عمارتیں بنوائیں: دل کشا، فرح بخش، موتی محل، شاہ منزل، خورشید منزل، ماہ منزل اور موسی باغ اسی عہد کی یادگاریں ہیں۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں دلی کے کئی ایک باکمال لکھنؤ چلے آئے تھے۔ لکھنؤ میں اگرچہ علم و فضل کی قدر تھی لیکن لکھنؤ کی سماجی حالت میں بناوٹ اور نزاکت پیدا ہو چکی تھی۔ لکھنؤ اپنے زمانے کے سیاسی اور معاشی تقاضوں سے بے پروا ہو کر بے کار کاموں میں پڑا ہوا تھا۔ اس عہد کی لکھنوی زندگی کی عکاسی کے لئے انشاءاللہ خاں انشا کی "دریائے لطافت" کافی ہے۔ اردو گریمر کی یہ کتاب دربار لکھنؤ اور لکھنو کے کھاتے پیتے طبقے کی عیش پسندیوں کی بولتی تصویر ہے۔ "دریائے لطافت" میں "مفاعلین مفاعلین مفاعلین مفاعلین" کی جگہ "پری خانم پری خانم پری

خانم پری خانم" لکھا ہے۔ صفت عکس کی مثال "پیازو ہمیں دے گی بلا کر نئی گالی" میں بیان کی گئی ہے۔ ایک مثال کے الفاظ یہ ہیں: "پیازو کو آج کیمیا کے یار نے بندی کے گھر ناحق ناحق الفو کے سامنے مارا" گھر میں سندری تھی سو وہ دوشالے کی گاتی باندھے جوڑی بجا رہی تھی' خوب جب غل ہوا تو اٹھ گئی اور کوٹھے پر جاکر لیٹ رہی اور جو نوچیاں تھیں ہے ہے کرنے لگیں' سرفرازو تو روئی۔" لکھنؤ کے اس ماحول میں ہندوستانی زبان نے بلاشبہ بہت ترقی کی۔ انشاء اللہ خاں انشا کی "رانی کیتکی کی کہانی" اس دور کی صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہندوستانی کی بہترین مثال ہے۔

نواب سعادت علی خاں کی وفات پر اس کا بیٹا غازی الدین حیدر (۱۸۱۴ء۔ ۱۸۲۷ء) گدی پر بیٹھا۔ نئے نواب اور کمپنی میں ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے پچھلے تمام معاہدوں کی تائید اور تصدیق کی گئی۔ مسند نشینی کے چند مہینے بعد لارڈ ہیسٹنگز اور غازی الدین حیدر میں ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا مقصد نواب سے بہت سا روپیہ قرض لینا تھا۔ غازی الدین حیدر نے ایک کروڑ ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ قرض کے طور پر کمپنی کو دیا۔ ایک سال بعد جب کمپنی کو نیپال کی مہم کے لئے روپے کی ضرورت پڑی تو نواب نے کمپنی کو پھر ایک کروڑ روپیہ قرض دیا۔ اس زمانے میں اکبر شاہ ثانی دلی کا بادشاہ تھا۔ اس کی بادشاہت اگرچہ برائے نام تھی لیکن اس پر بھی ہندوستان کی ریاستوں کے تمام حکمران نہایت اہم امور میں دلی دربار سے فرمان حاصل کرتے تھے۔ اودھ کے سکوں پر بھی ایک طرف مغل بادشاہ کا نام کندہ ہوتا تھا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے مغل بادشاہ کے رہے سہے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے غازی الدین حیدر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ صرف اپنے نام کا سکہ جاری کرے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاکر نواب غازی الدین حیدر نے "بادشاہ" کا خطاب اختیار کرلیا۔ اودھ کی یہ نئی بادشاہت سیاسی اختیار و اقتدار میں اودھ کی نوابی سے بھی گئی گزری تھی لیکن اس پر بھی غازی الدین حیدر نے اپنے تخت پر دو کروڑ روپے صرف کردیے۔ نواب معتمدالدولہ اس نئی بادشاہت کا پہلا وزیراعظم تھا۔ نواب معتمدالدولہ اور میر بندہ علی کی محفلوں کا تذکرہ آج بھی لکھنؤ کے بازاروں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ وزیراعظم کی فضول خرچیوں سے لکھنؤ کا خزانہ خالی

ہونے لگا۔ غازی الدین حیدر چوبیں گھنٹے نشے میں رہتا۔ معتمد الدولہ کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ انسانوں کو بھوت بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیتا۔

معتمد الدولہ نے ایک تاجر کالکاداس سے ایک لاکھ روپے کا سامان آرائش خریدا۔ کافی مدت انتظار کرنے کے بعد کالکاداس نے وزیراعظم سے رقم مانگی لیکن وزیراعظم کے حاشیہ برداروں نے کالکاداس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی رقم مانگنے کی بجائے وزیراعظم سے شاہی خلعت پانے کی درخواست کرے۔ معتمد الدولہ نے اسے شاہی بارہ دری میں ایک مقام پر بیٹھا دیا اور خود محل میں داخل ہو گیا۔ ادھر غازی الدین بارہ دری کی طرف آرہا تھا کہ اس نے کالکاداس کو دیکھتے ہی ملازموں سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ ملازم خاموش تھے۔ بادشاہ نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی بھوت ہے' اسے پکڑلو۔ شاہی خلعت کا امیدوار گرفتار ہو چکا تھا۔ اسی اثنا میں معتمد الدولہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ کالکاداس نے وزیراعظم کی منت کی۔ وزیراعظم نے اپنی رقم معاف کرا کے اسے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد جو بادشاہ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے پوچھا کہ وہ بھوت کہاں ہے؟ وزیراعظم نے آداب بجالاتے ہوئے کہا کہ "حضور ظاہری اور باطنی کرامات سے آراستہ ہیں۔ حضور کے خوف سے وہ بھوت یہاں سے بھاگ نکلا ہے۔"

معتمد الدولہ نے بادشاہ کو اس کے ایک مقرب کی موت کی اطلاع دی۔ تھوڑے دنوں بعد بادشاہ کی سواری جارہی تھی کہ بادشاہ نے اس مقرب کو دیکھتے ہی حکم دیا کہ اسے حاضر کرو۔ معتمد الدولہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ بادشاہ کے ملازم بھی تاڑ گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر حیران کھڑے تھے۔ بادشاہ کے دریافت کرنے پر سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ "حضور پر ظاہر و باطن کے پردے کھلے ہوئے ہیں۔ حضور جو کچھ دیکھ رہے ہیں ہم اسے نہیں دیکھ سکتے۔"

غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیرالدین حیدر (۱۸۲۷ء ۔ ۱۸۳۷ء) اودھ کے تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے موقع پر ناچ رنگ کی محفل جمائی گئی اور مناجان کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ بادشاہ نے معتمد الدولہ کو باون لاکھ روپیہ انعام میں دیا۔ نصیرالدین حیدر نے معتمد الدولہ کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے ریزیڈنٹ کی مدد سے اسے اس کے اپنے گھر میں نظر بند کر دیا۔ معتمد الدولہ کی

نظربندی کے بعد میر فضل علی کو اعتماد الدولہ کا خطاب دے کر وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ اعتمادالدولہ اور نصیرالدین حیدر کے تعلقات زیادہ دیر تک اچھے نہ رہ سکے۔ نصیرالدین حیدر کے عہد حکومت میں بھی ناچ رنگ پر زیادہ وقت صرف ہوتا رہا۔ ایک رات نصیرالدین حیدر اور اس کی سات خواصیں بہت زیادہ شراب پینے کے بعد بلڑ مچانے لگیں۔ بادشاہ نے ان سب کو ایک کوٹھری میں بند کردیا۔ گرمی کا موسم، تنگ کوٹھری اور پیاس نے ان سب کی جان لے لی۔ بادشاہ کے عیش محل میں ہزاروں عورتیں جمع کی گئی تھیں۔ نصیرالدین حیدر کے عہد حکومت میں ملکی نظم و نسق کی طرف کوئی دھیان نہ دیا گیا۔ ملکی خزانہ کو جس طرح ختم کیا جارہا تھا اس کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو "عیش محل" کی عورتوں سے نصیرالدین حیدر کہا کرتا تھا: "جتنی دولت سمیٹ سکتی ہو سمیٹ لو، عیش کرو کہ میرے بعد جوار کی روٹی اور ماش کی دال تک ملنی مشکل ہوجائے گی۔"

نصیرالدین حیدر کی موت کے بعد بادشاہ بیگم (غازی الدین حیدر کی بیوی) مناجان کو تخت پر بٹھانے کے لئے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ شاہی محل کی طرف چل پڑیں۔ جب ریزیڈنٹ کو بادشاہ بیگم کے اس اقدام کی اطلاع ملی تو اس نے بادشاہ بیگم کو کہلوا بھیج کہ وہ واپس ہوجائیں لیکن مناجان کے اصرار پر وہ الماس باغ سے نکل کر شاہی محل کے دروازے تک پہنچ گئیں۔ محل میں داخل ہونے کے بعد مناجان تخت پر بیٹھ کر اپنے ملازموں سے نذریں لینے لگا۔ نواب سعادت علی خاں کے ایک بوڑھے بیٹے نصیرالدولہ کو جسے ریزیڈنٹ تخت پر بٹھانا چاہتا تھا قید کرلیا گیا۔ اگلے دن ریزیڈنٹ نے شاہی محل میں داخل ہوکر بادشاہ بیگم کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ ریزیڈنٹ کے سپاہیوں نے شاہی محل میں لوٹ مچادی۔ اب ریزیڈنٹ نے مناجان سے کہا کہ وہ تخت چھوڑ دے ورنہ اسے جان سے مار دیا جائے گا۔ انگریزی فوج کے سپاہیوں نے مناجان کو گرفتار کرلیا۔ بادشاہ بیگم اور مناجان دونوں کو زرد کوٹھی میں نظربند کردیا گیا۔ ۱۲۔ جولائی ۱۸۳۷ء کو بادشاہ بیگم اور مناجان کو کان پور میں تھوڑی مدت قید رکھنے کے بعد قلعہ چنار گڑھ میں نظربند کردیا گیا۔

نصیرالدولہ نے تخت پر بیٹھتے ہی محمد علی شاہ کا لقب اختیار کیا۔ محمد علی شاہ نے ملکی انتظام کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی۔ لیکن بگڑے ہوئے حالات سدھارنے

کے لئے ایک مدت درکار تھی۔ محمد علی شاہ نے پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۴۲ء میں وفات پائی۔ محمد علی شاہ کے بعد اس کا بیٹا احمد علی شاہ (۱۸۴۲ء۔ ۱۸۴۷ء) اودھ کے تخت پر بیٹھا۔ امجد علی شاہ کے حکم سے لکھنؤ میں شراب کی ممانعت ہوگئی۔ اودھ کے اس نئے بادشاہ کی کوشش سے اودھ میں کئی ایک نئے مدرسے کھولے گئے۔ لکھنؤ کا مدرسہ شاہی اسی دور کی یاد ہے۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں اودھ کے سیاسی حالات نے وہ صورت اختیار کرلی تھی جس سے کمپنی کی یہ خواہش کہ وہ اودھ پر قبضہ کرلے پوری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اودھ کی سیاسی پوزیشن سے کمپنی بہت زیادہ فائدہ اٹھاچکی تھی۔ اب یہ بات اس کے اپنے مفاد کے خلاف تھی کہ اودھ کی بادشاہت کو قائم رکھا جائے۔ اب کمپنی کو ہندوستان کی کسی بڑی طاقت سے خطرہ نہیں تھا۔ پنجابیوں کی شکست کے بعد اودھ کی سرحدی حیثیت کی انگریزوں کو ضرورت باقی نہیں تھی۔ اودھ کے نظم و نسق کو "دو عملی" نے مدت سے تباہ کررکھا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے کمپنی ہی کی پیدا کی ہوئی برائیوں کی آڑ لے کر ۱۸۵۶ء میں اودھ کو ہندوستان کی انگریزی سلطنت میں شامل کرلیا۔

امجد علی کی موت کے بعد اس کا بیٹا واجد علی شاہ (۱۸۴۷ء۔ ۱۸۵۶ء) لکھنؤ کے تخت پر بیٹھا۔ واجد علی شاہ کی تعلیم و تربیت پر اس کے باپ نے بہت زیادہ توجہ کی تھی۔ واجد علی شاہ کی زندگی کا صرف وہی پہلو پیش کیا جاتا ہے جس میں وہ ایک عیش پسند انسان دکھائی دیتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ واجد علی نے اپنے ماحول میں پوری طرح سے جکڑا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اودھ کی حالت کو بہتر بنانا چاہا۔ لکھنؤ کا دربار کسی قسم کے اصلاحی کاموں کے لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا۔ جب درباریوں نے بادشاہوں کو نظم و نسق اور فوجی طاقت کو بہتر بنانے کی طرف جھکا ہوا پایا تو ان کے لئے ایک نوجوان بادشاہ کو عیش و عشرت کی راہ پر ڈال دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ واجد علی نے اپنے آپ کو عشرتوں کے سپرد کردیا۔

واجد علی کے تخت پر بیٹھتے ہی امین الدولہ نے وزارت سے الگ ہونا چاہا لیکن ریزیڈنٹ نے اسے اپنا عہدہ نہ چھوڑنے دیا۔ اودھ کی حالت خراب تر ہوتی چلی جارہی تھی۔ امین الدولہ اور واجد علی کے تعلقات خراب ہونے میں بھی دیر نہ

لگی۔ جولائی ۱۸۴۷ء میں واجد علی نے امین الدولہ کو ہٹاکر علی نقی خاں کو اودھ کا وزیر اعظم مقرر کیا۔ اسی سال لارڈ ہارڈنگ نے لکھنؤ پہنچ کر واجد علی سے کہا کہ اگر دو سال کے اندر اندر ملکی نظم و نسق درست نہ ہوا تو کمپنی ایک ایسا اقدام کرے گی جس کا اثر لکھنؤ کی بادشاہت پر پڑے گا۔ گورنر جنرل نے لکھنؤ کے انگریز ریزیڈنٹ کو چند ہدایات بھی کیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اودھ کو کمپنی کا مقبوضہ بنانے کے لئے راستہ صاف کیا جائے۔ اس کام کو لارڈ ڈلہوزی اور لکھنؤ کے انگریز ریزیڈنٹ کرنل سلیمن نے پورا کردیا۔ نومبر ۱۸۴۹ء سے فروری ۱۸۵۰ء تک کرنل سلیمن نے اودھ کے مختلف مقامات کا دورہ کرنے کے بعد اپنی طویل رپورٹ گورنر جنرل کو بھیجی۔ یہ رپورٹ جہاں اودھ کے معاشی اور سماجی حالات کے ترجمانی کرتی ہے وہاں اس رپورٹ میں ایسے واقعات جمع کردیے گئے ہیں جن کی بناء پر گورنر جنرل کو اودھ پر قبضہ کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ جولائی ۱۸۵۴ء میں جب کرنل سلیمن چھٹی پر تھا تو جنرل آؤٹ رم کو ریزیڈنٹ مقرر کیاگیا۔ نئے ریزیڈنٹ نے بھی "کاغذات متعلقہ اودھ" کے نام سے ایک رپورٹ تیار کی۔ اس رپورٹ کا مقصد بھی اودھ کی بدنظمی کے بارے میں شور مچانا تھا۔ چونکہ واجد علی شاہ خوب جانتا تھا کہ کمپنی اودھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے اس لئے اس نے اودھ کی فوج کو بہتر بنانے کی طرف توجہ کی۔ واجد علی شاہ گھنٹوں اپنی فوج کی پریڈ دیکھنے میں صرف کردیتا۔ ایک دن علی نقی خاں نے واجد علی شاہ سے کہا کہ بادشاہ کی یہ سرگرمیاں ریزیڈنٹ کو کھٹکتی ہیں۔ بادشاہ کو مجبور کردیا گیا کہ وہ توپ تفنگ سے توجہ ہٹاکر شراب و شاہد سے جی بہلائے۔

لارڈ ڈلہوزی نے کرنل سلیمن اور جنرل آؤٹ رم کی رپورٹوں کی آڑ لے کر ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو معزول کرکے اودھ کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کرلیاگیا۔ کمپنی نے واجد علی شاہ کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ واجد علی شاہ نے چاہا کہ وہ حکومت برطانیہ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں چنانچہ انگلستان جانے کے لئے واجد علی شاہ اپنے ساتھیوں سمیت کلکتہ روانہ ہوا۔ واجد علی شاہ کے اپنے الفاظ میں:

"یہ واجد علی ابن امجد علی
سناتا ہے اب داستاں رنج کی

کہ جب دس برس سلطنت کو ہوئے
جو طالع تھے بیدار سونے لگے
جو وہ لاٹ ڈلہوزی اس وقت تھے
مضامیں انھوں نے یہ خط میں لکھے
رعایا بہت تم سے ناراض ہے
تمھاری ریاست ہے بدنام شے
رعایا نہ دیکھیں گے ہرگز تباہ
فقط نام کے تم رہو بادشاہ
مہینہ ہر ایک ماہ اک لاکھ کا
ملے گا تمھیں کچھ نہیں شک ذرا'
ریزیڈنٹ جنرل اوٹرم جو تھے
گورنر کا خط مجھ کو وہ دے گئے
ہوا گھر میں کہرام سن کر یہ بات
وہ دن دوپہر ہوگئی ساری رات
بلاکر عزیزوں کو میں نے کہا
کہ رخصت میں ہوتا ہوں حافظ خدا
کیا بندے نے لکھنؤ سے سفر
لیا ساتھ تھوڑا سا کچھ ماحضر
رجب بھر رہے کان پور میں مقیم
برنڈن کے بنگلہ میں باخوف وبیم
دکھائی دیا ماہ شعباں کا جب
روانہ ہوئے واں سے باصد تعب
الہ جو آباد ہے ایک نام
رہے آٹھ اس میں اے خوش خرام
بنارس میں آکر رہے چودہ روز
وہ راجا کی کوٹھی میں ہم سینہ سوز

بہت پیش آیا اطاعت کے ساتھ
اتارا مجھے کوٹھی میں ہاتھوں ہاتھ
وہاں پر دخانی کیا اک جہاز
چڑھے اس پہ جس دم ہوئے سرفراز
دکھائی دیا جب کہ ماہ صیام
تو کلکتہ میں آئے اے نیک نام"

واجد علی شاہ ۱۳۔ مئی ۱۸۵۶ء کو کلکتہ پہنچا۔ مولوی مسیح الدین خاں کی کوشش سے واجد علی شاہ کو مٹیا برج میں مہاراجا بردوان کی ایک کوٹھی میں اتارا گیا۔ چند ہفتوں کے بعد واجد علی شاہ نے گورنر جنرل کو شکایت کا ایک خط لکھا جس کے جواب میں لارڈ کیننگ نے یہ کہا کہ لارڈ ڈلہوزی نے جو کچھ کیا تھا اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر واجد علی شاہ کی مرضی ہو تو وہ اودھ کے معاملے کو ملکہ انگلستان تک پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ واجد علی کی ماں' واجد علی کے بھائی سکندر حشمت اور واجد علی کے بیٹے مرزا محمد حامد کو اپنے ساتھ لے کر انگلستان روانہ ہوئی۔ مولوی مسیح الدین خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ ابھی یہ وفد انگلستان ہی میں تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ گورنر جنرل کے حکم سے واجد علی کو فورٹ ولیم میں نظربند کر دیا گیا۔ واجد علی شاہ کے الفاظ میں:

"ہوئے بند در قید خانے کے جب
لکھوں کیا جو گزرا ستم اور غضب
کلیجہ میرا منہ کو آ آ گیا
رکا دم جو سینہ میں گھبرا گیا
زن و مرد تیں تھے میرے ساتھ
انھیں لائے کوٹھی میں سب ہاتھوں ہاتھ"

جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے پر انگریزوں نے قابو پالیا تو واجد علی شاہ کو فورٹ ولیم کی قید سے رہائی نصیب ہوئی۔ اب وہ مٹیا برج میں رہنے لگا۔ واجد علی نے کلکتہ کے اندر ایک چھوٹا سا لکھنؤ بسا دیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر کے الفاظ میں: "مٹیا برج مٹی میں مل گیا۔ کلکتہ کا وہ کونہ لارڈ ڈفرن کی بے مہری پر قربان ہو گیا۔ نہ اب وہ سہ

فلک کوٹھیاں باقی ہیں نہ وہ مینو سواد باغ و چمن" نہ محلوں کی ڈیوڑھیاں ہیں نہ وہ شعراء اور ادبا کی نکھری صحبتیں، سب خواب و خیال ہو کر دامن فنا میں پہنچ گئیں مگر میری آنکھوں کے سامنے آج بھی اسی طرح پھر رہی ہیں۔ میں نے اس مشہور لکھنؤ کو تو نہیں دیکھا مگر مٹیا برج کو دیکھا ہے جو اس زمانے کا زندہ لکھنؤ تھا۔" واجد علی نے مٹیا برج ہی میں ۱۸۸۷ء میں وفات پائی۔

واجد علی شاہ عربی، فارسی اور اردو کا فاضل تھا۔ اس نے اردو میں کئی کتابیں لکھیں۔ اسے تاریخ سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ اودھ کی فوجی طاقت کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اختری پلٹن اور نادری پلٹن بنائی۔ واجد علی شاہ نے لکھنؤ میں "سلطانی پریس" قائم کیا۔ دیوانی اور فوج داری مقدموں کی مزید سماعت کے لئے ہائی کورٹ قائم کیا۔ حفظان صحت کا الگ محکمہ قائم کیا تھا۔ "دستو رات واجدی" کے نام سے ایک عدالتی رسالہ شائع ہوتا تھا۔ واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں "لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہروں میں ترقی یافتہ اور مرافع الحال تھا۔ شہر کے وسطی حصہ میں گھنی آبادی تھی۔ خاص سڑکوں کے مناظر بہت دل کش تھے۔ لوگ شاہانہ لباس پہن کر گھروں سے باہر نکلتے تھے۔ سارا شہر ایک تصویر نظر آتا تھا۔"

لارڈ ڈلہوزی نے فتوحات کے ذریعے ہندوستان کی برطانوی سلطنت کی حدود کو بہت وسیع کر دیا۔ اس کی فاتحانہ اور جنگ "جویانہ سرگرمیوں نے شمالی ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بہت زیادہ نفرت اور حقارت پیدا کر دی تھی۔ اس نفرت اور حقارت کا اظہار لارڈ ڈلہوزی کے انگلستان چلے جانے کے ایک سال بعد ہوا۔ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں ہندوستان میں پہلی مرتبہ ریل گاڑی چلائی گئی۔ ٹیلی گراف کا سلسلہ بھی پہلی مرتبہ جاری کیا گیا۔ کمپنی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حکومت ہند نے رفاہ عامہ کا محکمہ جاری کیا۔ اس محکمے نے "جرنیلی سڑک" کی مرمت کرائی اور نہر گنگا کھدوائی۔ ہندوستان کے طول و عرض کے لئے دو پیسے کے ٹکٹ کی سروس جاری کی گئی۔ اس نے ۱۸۵۴ء میں ہندوستان میں یونیورسٹیوں کے قیام کی سفارش کی تھی۔

۱۸۵۳ء میں کمپنی کو نیا تجارتی فرمان ملا۔ پارلیمنٹ نے تجدید فرمان کی معیاد مقرر نہ کی بلکہ حق تجدید کو اپنے لئے مخصوص رکھا۔ جدید فرمان کی رو سے کمپنی کو

سول سروس کے حق انتخاب سے محروم کردیا گیا۔ گورنر جنرل کو بنگالی کی حکومت سے علیحدہ کرکے بنگال لفٹیننٹ گورنر کے ماتحت کردیا گیا۔ گورنر جنرل کی مجلس انتظامیہ کے علاوہ ایک مجلس قانون ساز قائم کی گئی۔

جب لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کا گورنر جنرل تھا تو اس وقت افریقہ اور ایشیا کے قریباً سارے ضلعوں پر (جاپان کے علاوہ) یورپی قوموں کا سیاسی غلبہ قائم ہوچکا تھا۔ انیسویں صدی میں یورپ باقی دنیا پر اس حد تک چھا چکا تھا کہ دنیا کی تاریخ میں اسے یورپ کی صدی کہا جاسکتا ہے۔

باب ۳۴

یورپ کی صدی

اس صدی میں امریکہ کے ماسوا باقی دنیا پر سیاسی غلبہ ہوچکا تھا۔ ایشیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مٹ چکی تھیں۔ مشرق میں صرف جاپان قوت حاصل کررہا تھا۔ برطانیہ سارے ہندوستان پر غالب آچکا تھا۔ شمالی ایشیا زار کی سلطنت میں شامل ہوچکا تھا۔ جنوبی ایشیا کے سب سے بڑے ملک ہندوستان پر انگریزوں کا پوری طرح تسلط ہوچکا تھا۔ عثمانیوں کی وسیع اور عریض سلطنت مٹ رہی تھی۔ ترکی کو یورپ نے "مرد بیمار" کا نام دے رکھا تھا۔ ایران کو روس اور برطانیہ نے اپنے اپنے مفاد کے لئے تقسیم کررکھا تھا۔ افغانستان اگرچہ آزاد تھا تاہم وہ برطانیہ کے زیراثر تھا۔ مشرق بعید میں بھی یورپ کو اقتدار حاصل تھا۔ چین یورپ کو تجارتی مراعات دینے کے تنازعوں میں پھنسا ہوا تھا۔ سارے ایشیائی ملکوں میں تنہا جاپان اپنی ملکی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی طرف قدم اٹھایا رہا تھا۔ افریقہ میں صرف مصر ہی ایک قابل ذکر ملک تھا لیکن اسے بھی آزادی نصیب نہیں تھی۔ ہندوستان پر قبضہ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ برطانیہ مصر پر بھی غلبہ حاصل کرے۔ یورپی قوموں سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں لیکن انیسویں صدی کے یورپ کی شہنشاہیت ان قوموں کی شہنشاہیت سے بالکل مختلف تھی۔ یورپ اپنی مصنوعات کی کھپت کے لئے منڈیاں اور ان منڈیوں سے خام پیداوار چاہتا تھا۔ صنعتی اور مشینی انقلاب نے یورپ میں سرمایہ دارانہ تہذیب پیدا کی۔

اس صدی میں سٹیم انجن ایجاد ہوا۔ ۱۸۲۵ء میں انگلستان میں پہلی مرتبہ ریل گاڑی چلائی گئی۔ پچاس سال بعد یورپ کے سارے ملکوں میں ریلوے

لائنوں کا جال بچھ گیا۔ سمندری جہاز بھی بھاپ سے چلائے جانے لگے۔ ۱۸۳۵ء میں ٹیلی گراف سے کام لیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں فرانس اور انگلستان کے درمیان پہلا تحت البحر تار پھیلایا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں ایک ایسی بھٹی ایجاد ہوئی جس نے لوہے کو پانی کی طرح مائع میں بدل دیا۔ زراعت اور زرعی کیمسٹری نے بھی اپنے شعبدوں سے حیران کیا۔ علم ادویہ نے بھی اپنا کمال دکھایا۔ انیسویں صدی کی ان ایجادوں اور معاشی سامراج نے سماج پرانے نظام کو یکسر بدل دیا۔ مزدوروں نے ایک طبقے کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس طبقے کے نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے۔ ان مسائل پر غور کیا جانے لگا۔

انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جرمنی نے سائنس میں بہت زیادہ ترقی کی۔ سائنس کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کے انتہائی مطالعہ کے لئے جرمن زبان کا جاننا ضروری ہوگیا۔ کیمسٹری میں جرمنی دوسرے ملکوں سے آگے نکل گیا۔ تعلیمی اداروں میں بھی جرمنی نے نیا انداز اختیار کیا۔ فرانس اور برطانیہ کے مفکروں کی طرح جرمنی کے مفکروں نے بھی سماج کی معاشی تشکیل پر غور کیا۔ ان میں سے ایک کارل مارکس ہے جس کے اصول مارکسیت کہلاتے ہیں۔ اس صدی میں معاشی مسائل کے علاوہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نئے نئے علمی زاویوں سے غور کیا گیا۔

گوئٹے، شلر اور ہائنے نے جرمن زبان میں یونان کے کلاسیکی ادب کو زندہ کیا۔ ہیگل نے جدلیات کا فلسفہ پیش کیا۔ کارل مارکس نے اسی جدلیات پر اپنے عمرانی اصول کی عمارت کھڑی کی۔ روس کے ایک شاعر پشکن نے بھی اسی صدی میں روسیوں کو اپنا پیغام دیا۔ فرانس میں وکٹر ہیوگو اور ہنری بالزک نے ناول لکھے۔ ان کے ناولوں کا موضوع فرانس کی زندگی تھا۔ اسی صدی کے آغاز میں کیٹس، شیلے اور بائرن نے انگلستان کے ادب میں اضافہ کیا۔ اسی صدی کے وسط میں ڈارون نے "اصل انواع" سے ہنگامہ بپا کیا۔ ہندوستان میں فارسی کی جگہ انگریزی نے لی۔ اردو نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اردو کالج دہلی میں تمام علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ اردو زبان تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مغربی طرز کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ اسی صدی کے آخری سالوں میں ہندوستان نے اپنے سیاسی مسائل پر غور

کرنا شروع کیا۔ اردو کے علاوہ دوسری صوبہ جاتی زبانوں نے بھی ترقی کی۔

انیسویں صدی میں مشینوں کی ایجاد اور مصنوعات کی کثرت پیداوار نے یورپ کے صنعتی ملکوں میں مزدوروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کردیا تھا۔ یہ طبقہ کسانوں سے مختلف تھا۔ کسان اپنی خوش حالی یا بربادی کو مافوق البشری عناصر سے وابستہ کرتا تھا لیکن مزدوروں کے سامنے ایسے عناصر موجود تھے جو ان کے افلاس کا سبب بن رہے تھے۔ مافوق البشری عناصر کسانوں کی رسائی سے باہر تھے لیکن مزدور ان انسانی عناصر کو دیکھ رہے تھے جو ان کی تباہی کے اسباب بن رہے تھے چنانچہ مزدوروں کی تنظیم شروع ہوئی۔ ابتداء میں انگلستان کے مزدوروں نے مشینوں کو اپنا دشمن خیال کرتے ہوئے انھیں توڑنے پھوڑنے کی تحریک شروع کی لیکن ناکام ہونے کے بعد ٹریڈ یونین تحریک کا آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے وسط میں کارل مارکس نے سرمایہ اور محنت کے مسائل کو عملی صورت میں پیش کیا۔

مارکس نے اپنا پیغام ایک ادیب یا شاعر کی حیثیت سے نہیں دیا۔ اس نے جذبات اور احساسات کی رو میں بہ کر انقلابی شاعروں اور باغی ادیبوں کی طرح "انقلاب و انقلاب" کے راگ نہیں الاپے بلکہ اس نے پرولتاریہ کے سامنے ایک صاف اور واضح پروگرام پیش کیا۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کو ناپائدار بتاتے ہوئے اس کا انجام پرولتاری آمریت بتایا۔

مارکس کے ذہن پر جرمنی کے کلاسیکی فلسفہ' برطانیہ کی کلاسیکی معاشیات اور فرانس کی انقلابی اشتراکی تعلیمات کا اثر تھا۔ روسو کی طرح مارکس نے بھی اپنی موت کے بعد ایک انقلاب کی رہنمائی کی۔ مجلسی افکار کی تاریخ میں مارکس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ "مجلسی افکار میں جن رجحانات کی مارکس نمائندگی کرتا ہے سٹراس اور فیورباخ' برونوبار اور ہائنے بھی ان کے ترجمان ہیں۔ وہ رجعت پسندی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے رہنما ہیں۔ وہ مارکس سے صرف اسی قدر مختلف ہیں کہ وہ جن سیاسی پیچیدگیوں کو نہ سمجھ سکے مارکس نے ابتدا ہی میں انھیں سمجھ کیا تھا۔ چنانچہ ہیگل کی جدلیات مارکس کے ہاتھ میں مروجہ مجلسی نظام کو درہم برہم کرنے کا ایک آلہ بن جاتی ہے۔"

مارکس ایک مفکر ہے جس نے تاجرانہ تہذیب کی اخلاقی خامیوں اور کوتاہیوں

کو نمایاں کیا۔ اس نے ثابت کیا کہ جس سماج کی بنیاد منفعت پر ہو اس میں انسانی صفات پوری قوت سے نمایاں نہیں ہو سکتیں۔ مارکس نے قوموں کی تجارت اور ان کے فلاح و بہبود کا معیار مقرر نہیں کیا۔ اس نے مجلسی مباحث میں لوگوں کی معاشی حالت کو سب سے پہلے پیش کیا۔ دنیا کے ہر ملک میں جہاں مجلسی فلاح کا کام شروع ہو گا وہاں مارکس کا نام ہمت افزائی کے لئے کافی ہو گا۔ مارکس نے اس امر کا اعلان کردیا تھا کہ کوئی سماجی نظام مفید نہیں ہو سکتا جس میں انسانوں کی اجتماعی قوتیں مشترکہ مفاد کے لئے صرف نہیں ہوتیں۔ مارکس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ عوام کو جس بوجھ سے نجات دلائی جائے جس کی نیچے وہ دبے ہوئے تھے۔ اس نے ان اسباب کو دریافت کیا جو مختلف اوقات میں حکمران جماعت کے زوال کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ اسباب اتفاقی یا سطحی نہیں تھے۔ مارکس کے فلسفہ تمدن کا اسپنگلر کے تمدنی تصورات سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اسپنگلر اور مارکس دونوں ہیگل کے شاگرد ہیں۔ اول الذکر کا ہیگل کے شاگردان دست راست سے تعلق ہے اور آخرالذکر کر ہیگل کے تلامذہ دست چپ سے منسوب ہے۔ اسپنگلر کے نزدیک ہر تمدن اداروں' عادات' تصورات اور اساطیر کا ترکیبی نظام ہوتا ہے۔ ہر تمدن دوسرے تمدن سے اسی قدر مختلف ہوتا ہے جتنا دوسرے فرد سے۔ اگرچہ ہر تمدن کا اپنا دور حیات ہوتا ہے لیکن تمام تہذیبوں کے دور حیات کا فارمولا یکساں ہے۔ یہ ایک تحریک ہے' تمدن سے تہذیب کی طرف۔ زندگی سے موت کی جانب۔ جب ایک تمدن پرانا ہوجاتا ہے تو احساسات کی جگہ خیالات لے لیتے ہیں۔ ہر تمدن دوسرے تمدنوں سے آزاد ہو کر اپنا سفر طے کرتا ہے۔ مارکس کا فلسفہ تمدن اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے نزدیک تمدن کے سارے اجزا کا ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ اس کے نزدیک تمدن کا ایک جزو' کل کو ظاہر نہیں کرسکتا۔ وہ تمدنی تبدیلیوں کو مابعدالطبعاتی اسباب سے منسوب نہیں کرتا بلکہ مجلسی دائرے کی مختلف حرکات سے۔ مارکس کے نزدیک "مروجہ سماج کی خرابیوں کی تمام تر ذمہ داری اس ذاتی ملکیت پر ہے جو نفع اندوزی کے لئے استعمال کی جائے۔ اس نوعیت کی ذاتی ملکیت سے سماج دو حصوں میں بٹ جاتا ہے: ایک ذاتی ملکیت رکھنے والا اور دوسرا اس سے محروم۔ ذاتی ملکیت رکھنے والی جماعت اپنے مفاد کے لئے تہذیب کو تراشتی

ہے۔ حکومت پر قابض ہوتی ہے۔ قانون بناتی ہے۔ ایسے مجلسی ادارے قائم کرتی ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہوتے ہیں۔ غلام اور آزاد' بندہ و آقا انسانی تاریخ کے نتائج ہیں۔ سرمایہ داری کی آمد سے یہ کش مکش بہت شدید اور سمجھنے کے لئے آسان ہوگئی۔ اس وقت سے طبقاتی کش مکش نے آخری صورت اختیار کررکھی ہے۔ ہر پیش رو مجلسی نظام اپنے اندر اپنے وارث نظام کے جراثیم لئے ہوئے ہے۔"

"سرمایہ داری اپنے گورکنوں کو پیدا کررہی ہے۔" مارکس نے کہا تھا!

مارکس کے نزدیک ذاتی ملکیت سے انسانی تاریخ میں طبقاتی کش مکش کا آغاز ہوا۔ طبقاتی کش مکش سے اس کی یہ مراد ہے کہ "ایک مخصوص سماج میں چند افراد کی مساعی دوسرے افراد کی مساعی سے متصادم ہوتی ہیں اور یہ کہ مجلسی زندگی تضادات سے بھری ہوئی ہے۔" تاریخ سے اس نے مختلف قوموں اور سماجوں کی باہمی کش مکش کا پتا چلایا جس سے مختلف زمانوں میں مختلف قسم کے تغیرات رونما ہوتے رہے۔ "آغاز سے تاحال موجودہ سماج کی تاریخ طبقاتی کش مکش کی تاریخ ہے۔ بندہ' آقا' غریب اور امیر' عوامیہ اور اشرافیہ' ظالم اور مظلوم ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف چلے آتے ہیں۔ یہ باہمی کش مکش ساری و جاری ہے۔ کبھی پنہاں اور کبھی ظاہر۔ اس کش مکش کا نتیجہ ہر مرتبہ سماج کی جدید انقلابی تشکیل یا دونوں متصادم جماعتوں کی مشترکہ تباہی رہا ہے۔ تاریخ کے ابتدائی ادوار میں ہم ہر مقام پر سماج کو مختلف الجھنوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں جس میں مجلسی مراتب کے پیش نظر بہت سے طبقات ہیں۔ قدیم روم میں ہم اشرافیہ' عوامیہ اور غلام پاتے ہیں۔ ازمنہ وسطی میں جاگیردار' لردان' پٹیل' کھیے'کسان اور غلام نظر آتے ہیں۔ یہ تمام جماعتیں بھی مختلف درجوں میں منقسم ہوتی تھیں۔ ہمارا بورژوا عہد اس امتیازی خصوصیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس عہد نے طبقاتی کش مکش کو بہت واضح کردیا ہے۔ سماج بتدریج دو مخالف جماعتوں میں بٹ رہا ہے۔ ان دو جماعتوں میں جو ایک دوسرے سے مختلف سمتوں پر ہیں۔"مارکس کے نزدیل ہر حادثہ تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ کسی سیارے کی تخلیق یا کسی حیوانی نوع کا خاتمہ اس کے نزدیک تاریخ نہیں۔ مجلسی زندگی کے واقعات کو بھی مارکس تاریخ تسلیم نہیں کرتا کیوں کہ

وہ تاریخ کے نتائج ہیں۔ مارکس سے قبل تاریخ کے ابتدائی نظریوں میں دو بڑے نقائص دکھائی دیتے ہیں۔ اولاً" یہ کہ تاریخ کے ان نظریوں نے تاریخی سرگرمیوں کی تصوراتی تحریکات کو پیش کرتے وقت ان تحریکات کی ابتدا کو نظرانداز کردیا اور مجلسی تعلقات میں مادی پیدائش کے ارتقاء کو فراموش کردیا۔ ثانیا" ابتدائی مورخوں نے عوام کی سرگرمیوں کو پس پشت ڈال دیا۔ مارکس کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے ان تمام مفکروں کے فلسفیانہ تصورات کا سمجھنا ضروری ہے جو اس کے پیش رو تھے لیکن اس ضمن میں ہم ایک فلسفی کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ مارکس نے ہیگل سے نہ صرف خیالات اخذ کئے بلکہ ایک مکمل فلسفیانہ نظام ہیگل کے نزدیک "روح اصل فطرت کی کل ہے۔ روح یا تصور ازلی صداقت ہے۔ تصور ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز اس سے آگاہ ہوسکتی ہے۔ تصور کی منزل مقصود معرفت کل ہے اور چونکہ وہ خود کل ہے اس لئے اس کی منزل مقصود معرفت کل ہے۔ تاریخ محض ایک ایسا تسلسل ہے جس سے تصور (روح یا عقل) عدم معرفت سے معرفت خود کی طرف سفر کرتا ہے۔ پس تمام کائنات کا خلاصہ تصور ہے اور کائنات کا ارتقاء اس تصور کی وہ حرکت ہے جو اسے معرفت خود کے لئے کوئی کرنی پڑتی ہے۔ اصول ارتقا کیا ہے؟ وہ کیا ہے جس سے ایک وجود دوسرے وجود میں بدل جاتا ہے اور ایک چیز کی حقیقت دوسرے میں منتقل ہوجاتی ہے۔"

مارکس نے پرودھن کی کتاب "فلسفہ افلاس" کا جواب "افلاس فلسفہ" میں دیا۔ یہ کتاب اپنے ہم عصرانہ ماحول کی بہترین ترجمان ہے۔ اس میں مارکس نے ثابت کیا ہے کہ مجلسی ارتقا سے معاشی انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک انقلابی کتاب ہے۔ اس کتاب نے یورپی سوشلزم کی تاریخ میں نئے تصورات پیش کئے۔ بروسلز میں مارکس نے وہاں کے جرمن سوشلسٹوں سے راہ و رسم پیدا کرلی تھی۔ انجمن علم (لیگ آف دی جسٹ) میں شریک ہوگیا۔ یہ جرمن مزدوروں کی ایک جماعت تھی جس کی شاخیں یورپ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں تھیں۔ یہ لیگ ۱۸۳۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۸۴۰ء میں اس کا مرکزی دفتر لندن میں منتقل کردیا گیا تھا۔ اس لیگ کے ان ارکان نے جو پیرس اور بروسلز میں تھے مرکزی دفتر کی توجہ مارکس کی طرف مبذول کرائی۔ دسمبر ۱۸۴۷ء میں مارکس نے اس لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔

اب یہ لیگ کمیونسٹ لیگ بن چکی تھی۔ کمیونسٹ لیگ کی دوسری کانگریس میں مارکس اور اینگلز کے سپرد پروگرام مرتب کرنے کا کام کیا گیا۔ دونوں نے مل کر ایک منشور تیار کیا جو کمیونسٹ مینی فیسٹو کے نام سے شائع ہوا۔

مارکس کا لندنی زمانہ جہاں اس کی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے وہاں وہ معاشی مشکلات اور مالی پریشانیوں کی ایک دل ہلا دینے والی داستان ہے۔ مارکس نے لندن میں ہمت نہ ہاری۔ لندنی زندگی کے ابتدائی دس سالوں میں اس کے افراد خاندان کو دو وقت روٹی بھی میسر نہ آتی تھی۔ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے مارکس کو اپنے کپڑے تک رہن رکھنے پڑے۔ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۶۰ء تک اس کا ذریعہ معاش "نیویارک ٹریبیون" کی نامہ نگاری تھا۔ ۱۸۶۰ء کے بعد ویلیلم وولف اور اینگلز کی اعانت نے مارکس کی مالی پریشانیوں کو رفع کردیا۔ مارکس دن بھر برٹش میوزیم میں اشتراکی معاشیات مرتب کرنے میں مصروف رہتا۔ "سرمایہ" کی ترتیب و تدوین میں شبانہ روز مشغول تھا۔ وہ میوزیم کھلنے پر داخل ہوتا اور اس وقت تک مصروف مطالعہ رہتا جب تک میوزیم کے ملازم اسے باہر نہ نکال دیتے۔ بسمارک نے مارکس کو جرمنی میں ایک بہت بڑے عہدے کی دعوت دی لیکن مارکس اپنے کام میں مصروف رہا۔

۱۸۶۷ء میں "سرماۂ" کی پہلی جلد جرمن زبان میں شائع ہوئی۔ بہت جلد اس کے فرانسیسی اور روسی تراجم شائع ہوئے۔ روس میں اس کتاب کو امت مقبولیت حاصل ہوئی۔ پانچ سال میں "سرماۂ" جرمن سوشلسٹ ادب کی کتاب بن گئی۔ "سرمایہ" کو پاۂ تکمیل تک پہنچانا مارکس کی تقدیر میں نہیں تھا۔ افلاس اور تنگ دستی نے مارکس کی صحت کو خراب کر دیا تھا۔ اس کی زندگی کے آخری بارہ برس طرح طرح کی بیماریوں میں کٹے۔ اس نے اس زمانے میں روسی زبان کا مطالعہ شروع کردیا تھا تاکہ وہ روس کے زرعی اور معاشی مسائل پر اچھی طرح سے اظہار خیال کرسکے۔ ۱۸۷۸ء میں اس نے "سرمایہ" کی دوسری جلد شائع کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔

انیسویں صدی کے پہلے نصف میں یورپی ملکوں کے کھوجیوں نے وسطی ایشیا کا کھوج لگانے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کیا۔ اس ضمن میں جرمنی کے ہم بولٹ

اور فرانس کے ھک کے نام قابل ذکر ہیں۔ جرمن کھوجی نے ۱۸۲۹ء میں بحرہ خزر کے مشرقی علاقوں کا کھوج لگایا۔ فرانسیسی ۱۸۴۶ء میں تبت کی راجدھانی تک جا پہنچے۔ اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے افریقہ کا شائد ہی کوئی کونہ مغربیوں کی نگاہ سے بچ سکا۔ شمالی امریکہ کے مغربی خطوں کا بھی اسی زمانے میں کھوج لگایا گیا۔ قطب شمالی کی جستجو کے لئے کئی ایک مہمیں بھیجی گئیں۔ ایک مہم میں چوبیس اشخاص میں سے صرف سات بچ سکے۔

دوسرے علوم و فنون کی طرح انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی طب میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ لینیک نے ۱۸۱۹ء میں سٹیتھوسکوپ ایجاد کیا۔ لوئی نے نبض کی حرکت کا اندازہ لگایا۔ ایک دوسرے فرانسیسی ماہر نے تشخیص کے لئے خون کے دباؤ کے معائنے کو جاری کیا۔ جراحت میں ایتھر (ایک رقیق بے رنگ شے جو الکحل پر ایسڈ کے عمل سے پیدا ہوتی ہے) سے بے حسی پیدا کرنے کا کام لیا گیا۔ طر نے "مخصوص اعصابی انرجی" کا قانون پیش کرکے طب کے ڈانڈے کانت کے فلسفے سے ملادیے۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف تک بہت سی مفید اور کارآمد طبی ایجادیں رائج ہو چکی تھیں۔ ان نئی ایجادوں نے طبیبوں اور جراحوں کے کام میں بہت سی آسانیاں پیدا کردی تھیں۔ خوردبین اگرچہ بہت پہلے ایجاد ہو چکی تھی لیکن اس مدت میں اس سے طبی امور میں بہت مفید کام لیا گیا۔ مرض کو دور کردینا ایک بڑا کام ہے لیکن اس کی روک تھام اس سے بھی زیادہ بڑا کام ہے۔ پاسٹر (فرانسیسی) اور کوش (جرمن) نے مل کر جرثومیات میں حیرت انگیز کام کیا۔

انیسویں صدی کے شروع میں فلکیات کی باگ ڈور فرانس اور برطانیہ کے ہاتھ سے نکل کر جرمنی کے ہاتھ میں چلی گئی۔ جرمن فلکیاتی بیل نے فلکیات کے بہت سے پرانے نظریوں کو جھٹلا کر نئے نئے نظریے پیدا کیے۔ فلکی فوٹوگرافی نے فلکیات کو سائنسی بنانے میں بہت زیادہ مدد دی تھی۔ ۱۸۴۰ء میں چاند کا فوٹوگراف لیا گیا۔

دوسرے علوم کی نسبت کیمسٹری نے اگرچہ کم ترقی کی پھر بھی کیمسٹری میں جو نئے نظریہ پیش کیے گئے ان کی اساسی اہمیت ابھی تک قائم ہے۔ ڈاٹن کے جوہری نظریے پر پروٹ نے مزید کام کیا۔ جرمنی میں کول تار سے رنگ بننے لگا۔ طبیعات

کے میدان میں اس دور کی بڑی بڑی دریافتوں کا تعلق برقیات سے ہے۔ اس ضمن میں اکیلے فیراڈے کا نام کافی ہے۔ ایک لوہار کے بیٹے کے بتائے ہوئے اصولوں سے دوسروں نے دولت کے انبار جمع کر لئے لیکن فیراڈے اپنی ساری زندگی میں روپے پیسے کی شکل تک نہ دیکھ سکا۔ مرتے دم تک مفلسی نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب ڈیوی سے پوچھا گیا کہ اس کی سب سے اہم دریافت کیا ہے تو اس نے کہا "فیراڈے" اس صدی میں طبیعات کے بہت سے مسلمات اخذ کئے گئے۔ حیاتیات میں فان بیئر اور شوان انیسویں صدی کے پہلے تیس برسوں میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں لیکن ڈارون کے حیاتی نظریوں نے ان دونوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقا کو جہاں بہت کم لوگوں نے قبول کیا وہاں پرانے خیال کے لوگوں نے ڈارون کے خیالات کی شدید مخالفت کی۔ انگلستان میں کئی سال تک ڈارون کے خیالات کی مخالفت ہوتی رہی۔ اس مخالفت نے تین جماعتیں پیدا کر دیں۔ ایک جماعت مذہب کی حامی تھی' دوسری سائنس کی۔ ان دونوں جماعتوں کا خیال تھا کہ مذہب اور سائنس میں کبھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ تیسری جماعت درمیانی راہ پر چل رہی تھی۔ اس کے خیال میں مذہب اور سائنس میں مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ مذہب کے مخالفوں میں سٹراس' رنیان اور نیٹشے کے نام کافی ہیں۔

جارج چہارم کی موت کے بعد اس کا بھائی ولیم چہارم تخت پر بیٹھا۔ جارج چہارم کی موت (۱۸۳۰ء) سے تھوڑی مدت پہلے انگلستان میں پہلی ریل گاڑی چلائی جا چکی تھی۔ سب سے پہلے ریلوے لائن لورپول اور مانچسٹر کے درمیان بچھائی گئی تھی۔ حرکی سٹیم انجن کی ایجاد نے انگلستان کو دنیا بھر کی تجارت کا اجارہ دار بنا دیا۔ ولیم چہارم کے عہد حکومت (۱۸۳۰ء۔ ۱۸۳۷ء) کا سب سے اہم واقعہ پارلیمنٹ کی اصلاح ہے۔ انگلستان کی مجلسی اور معاشی زندگی میں اگرچہ بہت سی تبدیلی آ چکی تھی لیکن اس پر بھی ایوان عام کے انتخابات کا صدیوں پرانہ طریقہ جاری تھا۔ بعض چھوٹے چھوٹے حلقوں کی طرف سے دو ممبر چنے جاتے تھے لیکن بعض بڑے بڑے شہروں کی نمائندگی کا حق نہیں ملا تھا۔ سکاٹ لینڈ میں بہت کم لوگوں کو ووٹ کا حق ملا ہوا تھا۔ نئے نئے صنعتی شہر نمائندگی کے حق سے محروم تھے۔ پارلیمنٹ میں اصلاح کی بہت مدت سے کوشش کی جا رہی تھی۔ بڑا پٹ اور چھوٹا پٹ اس کی حمایت

کر چکے تھے لیکن انقلاب فرانس کا خوف پارلیمنٹ کی اصلاح میں حائل رہا۔ بہرحال جارج چہارم کے عہد میں وہگ پارٹی نے پارلیمنٹ کی اصلاح کے بارے میں آواز بلند کی لیکن انگلستان کے وزیراعظم ولنگٹن نے اس کی مخالفت کی۔ ولیم چہارم کے تخت پر بیٹھتے ہی ایوان عام میں وہگ پارٹی کی اکثریت ہو گئی۔ وہگ پارٹی نے وزارت پر قبضہ کرتے ہی پارلیمنٹ میں ریفارم ایکٹ منظور کرکے انتخابات کے ضمن میں بہت سی اصلاحات کردیں۔ ان اصلاحات نے انگلستان کے نوابوں کے اختیارات کو کم کردیا۔ ریفارم ایکٹ کے بعد پارلیمنٹ کے جو نئے انتخابات ہوئے ان میں پھر وہگ پارٹی جیت گئی۔ ولیم چہارم کے عہد میں یہی پارٹی حکمران رہی۔ وہگ پارٹی نے ایک قانون کے ذریعے انگریزی سلطنت میں حبشی غلاموں کو آزاد کردیا۔ اس قانون سے تقریباً" تیس سال پہلے غلاموں کی تجارت کو قانون کے خلاف قرار دیا جاچکا تھا۔ اسی سال فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو تھوڑی سی رعائتیں دی گئیں۔ ۱۸۳۵ء میں میونسپل کارپوریشن ایکٹ منظور کیاگیا۔

وہگ پارٹی وزارت پر قابض تھی کہ ولیم چہارم اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی بھتیجی وکٹوریہ اٹھارہ سال کی عمر میں انگلستان کے تخت پر بیٹھی۔ ملکہ وکٹوریہ کے طویل عہد حکومت (۱۸۳۷ء - ۱۹۰۱ء) کے ابتدائی برسوں میں انگلستان میں بہت زیادہ بے چینی رہی۔ آئرلینڈ میں انگلستان کی یونین سے الگ ہونے کی تحریک بڑے زوروں پر تھی۔ پارلیمنٹ میں اوکونل اس پارٹی کا لیڈر تھا جو آئرلینڈ کو انگلستان سے الگ کرنا چاہتی تھی۔ انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں لوگوں کی مالی حالت بہت خراب ہوتی چلی جارہی تھی۔ مزدوروں کے حالات بہت خراب ہوچکے تھے۔ مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے چارٹسٹ پارٹی میدان میں نکل آئی۔ اٹھارویں صدی کے آخری برسوں میں انگلستان کے دستکاروں میں مشینوں کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ جب انھوں نے مشینوں کو توڑنا شروع کیا تو ۱۸۱۲ء میں مشینوں کو توڑنے والوں کے لئے موت کی سزا مقرر کی گئی۔ یہ تحریک انقلابی نہیں تھی بلکہ یہ اظہار تھا اس مایوسی کا جسے کوچک بورژوا کو صنعتی انقلاب کے بعد سامنا کرنا پڑا تھا۔ ۱۸۳۲ء کی اصلاحات اور رابرٹ اوون کے تجربات کی ناکامی کے بعد انگلستان کے مزدوروں میں بہت زیادہ مایوسی پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ

انھوں نے سیاسی جدوجہد کا نیا راستہ نکالا۔ ۱۸۳۶ء میں لندن کے مزدوروں اور دستکاروں نے لووٹ کی رہنمائی میں "لندن ورکنگ میز ایسوسی ایشن" قائم کی۔ اس جماعت نے اپنے مطالبات کو چونکہ ایک چارٹر کی صورت میں پیش کیا تھا اس لئے نئی تحریک چارٹسٹ کہلاتی ہے۔ اس تحریک کے لیڈروں میں بہت جلد اختلاف پیدا ہوگیا۔ دو پارٹیاں بن گئیں۔ ایک پارٹی آئینی جدوجہد کی قائم تھی اور دوسری پارٹی قوت کا استعمال کرنا چاہتی تھی۔ پارلیمنٹ نے ۱۸۳۹ء میں چارٹر نامنظور کردیا۔

بے چینی کا سب سے بڑی سبب یہ تھا کہ "قانون غلہ کی وجہ سے روٹی کی قیمت بہت چڑھ گئی۔ "قانون غلہ" کی رو سے انگلستان میں جو اناج باہر سے آتا ہے اس پر بہت زیادہ محصول لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس قانون کو منسوخ کروانے کے لئے "اینٹی قانون غلہ لیگ" بن گئی۔

۱۸۴۱ء کے عام انتخابات میں وہگ پارٹی (لبرل) کو شکست ہوئی۔ ٹوریوں (قدامت پسند) نے رابرٹ پیل کی وزارت بنائی۔ رابرٹ پیل ۱۸۴۶ء تک برطانیہ کا وزیراعظم رہا۔ وہ قانون غلہ کا حامی تھا لیکن جب آئرلینڈ میں کال پڑا تو اس نے ۱۸۴۶ء میں قانون غلہ منسوخ کردیا۔ اس قانون کی تنسیخ کے بعد ڈیزریلی نے وہگ پارٹی کا ساتھ دے کر پیل کی وزارت کو ختم کردیا۔ ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۶ء تک برطانیہ روس کے خلاف لڑنے میں مصروف رہا۔ چونکہ برطانیہ اور فرانس اس امر کو برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ روس اپنے سیاسی اقتدار کو مشرق میں بڑھاتا چلا جائے اس لئے برطانیہ اور فرانس نے ترکی کا ساتھ دیتے ہوئے روس کے خلاف لڑائی کا اعلان کردیا۔ روسیوں نے سبستاپول کی بہت زیادہ حفاظت کی لیکن آخرکار انھوں نے شکست کھائی۔ کریمیا کی یہ لڑائی ۱۸۵۶ء میں ختم ہوگئی۔ ایک سال بعد انگریزوں کو ہندوستان میں ایک بہت بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔

باب ۳۴

لارڈ کیننگ

(۱۸۵۶ء۔ ۱۸۶۲ء)

لارڈ ڈلہوزی کے بعد برطانیہ کی وزارت نے لارڈ کیننگ کو ہندوستان کا گورنر جنرل نامزد کیا۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں نے اس نامزدگی کو تسلیم کرلیا۔ ایک رسمی دعوت میں اس نے ہندوستان آنے سے پہلے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ظاہر میں خاموشی دکھائی دیتی ہے لیکن وہاں بڑے سے بڑا ہنگامہ پیدا ہو سکتا ہے۔" وہ فروری ۱۸۵۶ء میں کلکتہ پہنچا۔ جنگ کریمیا میں ترکی' فرانس اور برطانیہ ایک طرف تھے لیکن اتحادی روس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے چنانچہ مغربی ایشیا کے ملکوں میں برطانیہ کی وقت کے بارے میں نئے نئے اندازے کئے جانے لگے۔ حکومت ایران نے ۱۸۵۵ء میں برطانوی سفیر کو تہران سے نکال دیا۔ اگلے سال ایرانیوں نے ہرات پر قبضہ کرلیا۔ لارڈ پامرسٹن کی ہدایت کے مطابق گورنر جنرل نے خلیج فارس کی طرف ایک مہم بھیج دی۔ اسی اثنا میں ایڈورڈز نے دوست محمد خاں کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کرلیا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق دوست محمد خاں لڑائی کی مدت تک کے لئے قندھار میں تین انگریز افسر رکھے جانے پر رضامند ہوگیا۔ ایران کی لڑائی بہت جلد ختم ہوگئی۔ شیراز روڈ پر خوشاب کے قریب ایرانی فوج کو شکست ہوئی۔ بوشہر پر انگریزی فوج نے قبضہ کرلیا۔ معاہدہ پیرس کی اطلاع نے اس مہم کو بہت جلد ختم کردیا۔ شاہ ایران نے ہرات پر سے اپنا قبضہ اٹھالیا۔ اس نے افغانستان کے مسائل سے الگ رہنے کا وعدہ کیا۔ برطانوی سفیر کو تہران میں واپس بلالیا گیا۔ آوٹ رم اور ہیولا اپنی فوجوں سمیت ہندوستان چل دیے جہاں گورنر جنرل کو ان کی بہت

ضرورت تھی۔ لارڈ کیننگ کو کلکتہ میں ہر روز ایسی خبریں پہنچ رہی تھیں جن سے پتا چلتا تھا کہ ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے تک بغاوت کی آگ بھڑکنے والی ہے۔ یہ آگ بھڑک اٹھی۔ ۱۰۔ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے شعلے بلند ہوئے' آگ پھیلتی چلی گئی۔ دور دور تک!

لارڈ ڈلہوزی نے ہندوستان میں کمپنی کی فتوحات کو مکمل کردیا تھا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں فورٹ ولیم میں ہندوستان کی تسخیر کا جو خاکہ تیار ہوا تھا اس میں ڈلہوزی نے سرخ رنگ بھر دیا۔ ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک کمپنی کے قبضہ میں آگیا۔ ایک ایک کر کے سارے تخت ٹوٹ گئے۔ جو سلامت رہے وہ کمپنی کا دم بھرنے لگے۔ لارڈ ڈلہوزی نے کمپنی کی فتوحات کی فہرست میں اودھ صوبہ جات متوسط اور پنجاب کے علاوہ ہندوستان کی کئی ایک چھوٹی ریاستوں اور برما کے ایک حصہ کا اضافہ کیا۔ ان فتوحات نے ہندوستانیوں کے ذہن میں بدگمانی اور شک پیدا کردیا تھا۔ کمپنی کی ملازمت میں جو دیسی سپاہی تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے انگریز افسروں سے بگڑ رہے تھے۔ بدگمانی' شک اور بگاڑ کی فضا سے وہ شہزادے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جن کے اپنے یا جن کے باپ دادا کے تخت چھن چکے تھے۔

ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت جاگیری نظام کا عروج تھی۔ جاگیری عہد کی تاریخ میں اتنی بڑی سلطنت کسی دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ سترھویں صدی کے آخری سالوں میں مغل حکومتوں نے دکن کی ریاستوں کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ لمبی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان لڑائیوں نے مفتوح کو بہت کمزور اور فاتح کو کمزور تر کردیا۔ چند سال بعد مغل سلطنت کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ دہلی ہی کے نمونے پر ہندوستان میں کئی ایک جاگیری ریاستیں قائم ہو گئیں۔ یہ ریاستیں دہلی سے تو کٹ چکی تھیں لیکن عملی طور پر اسی نظام کی پیروی کر رہی تھیں جو صدیوں سے دہلی میں رائج ہو چکا تھا۔ ان ریاستوں نے پیدائش کی نئی نئی قوتوں کو دبائے رکھا۔ اس دباؤ سے ان ریاستوں کا جاگیری نظام بھی ٹوٹنے لگا۔ جب یہ جاگیری نظام ٹوٹ رہا تھا تب انگریزوں نے ہندوستان کی سیاست میں دخل دیا۔ انگلستان میں جاگیری نظام ختم ہو چکا تھا۔ وہاں پیدائش کے نئے عناصر کارفرما تھے۔ انسانی تہذیب کی تاریخ میں ان عناصر نے خواہ کتنے ہی اہم نتائج کیوں نہ پیدا کئے ہوں وہ ہندوستان کی تسخیر میں سب

سے زیادہ موثر ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جن حکمرانوں کو آسانی سے شکستیں دیں' وہ پرانے اور مٹتے ہوئے جاگیری نظام کے علم بردار تھے۔ نئی معاشی قوتوں نے نہ صرف یورپ میں بلکہ ہندوستان میں بھی جاگیری نظام کو شکست دی۔ یورپی ملکوں میں اس نظام کو وہاں کے دیسی لوگوں نے ختم کیا لیکن ہندوستان میں یہ نظام اجنبی ہاتھوں سے مٹا۔ اجنبی ہاتھوں نے اس نظام کو جہاں چاہا مٹا دیا اور جہاں چاہا اسے زندہ رکھا۔ اس مٹتی ہوئی جاگیرشاہی نے ۱۸۵۷ء میں انگڑائی لی۔

لارڈ ڈلہوزی کے مستعفی ہونے کے بعد لارڈ کیننگ (۱۸۵۶ء۔ ۱۸۶۲ء) کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ کمپنی کی مجلس نظامت نے لندن میں لارڈ کیننگ کو ایک الوداعی پارٹی دی۔ اس پارٹی میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ کیننگ نے کہا: "میری خواہش ہے کہ میرا عہد حکومت پرامن رہے لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ ہندوستان کی فضا میں بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دکھائی دے گا اتنا چھوٹا جتنا کہ انسانی ہاتھ لیکن یہ ٹکڑا اتنا بڑا ہوتا جائے گا کہ خود ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا" اگلے سال بنگال آرمی کے فوجیوں نے بغاوت کردی۔ انسانی ہاتھ اتنا بڑا بادل میرٹھ سے اٹھا۔ بادل بڑا ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ شمالی ہندوستان پر چھا گیا۔

کلاؤ سے کیننگ تک کی درمیانی مدت میں جو سیاسی اور معاشی واقعات رونما ہوئے ان کی اہمیت اور نتائج سے کمپنی کے ذمہ دار افسر ہمیشہ غافل رہے۔ انھوں نے لوٹ کھسوٹ میں اپنے آپ کو اتنا مصروف کردیا کہ انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ وہ ایک مہذب اور متمدن ملک کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ سیاسی فتوحات حاصل کرنے کے بعد کمپنی نے ہندوستانیوں سے رسواکن سلوک شروع کردیا تھا۔ ہندوستانی صوبوں کے عوام انگریزوں سے بدظن ہوچکے تھے۔ راجوں اور نوابوں کے علاوہ صرف ایک جماعت کمپنی کے حق میں تھی۔ یہ جماعت ان لوگوں پر مشتمل تھی جس نے ہندوستان کے شہروں میں انگریزی مال کی کھپت کے لئے دکانیں کھول رکھی تھیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترقی کی تمام راہیں بند تھیں یہاں تک کہ فوج میں بھی ہندوستانیوں کو ترقی کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ بغاوت کے نشان ہر طرف موجود تھے لیکن کمپنی کی آنکھیں انھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

اودھ کے الحاق سے بنگال آرمی کے دیسی سپاہی بگڑ چکے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی ہی کے زمانہ میں دیسی سپاہیوں کی بے زاری اور بے چینی ظاہر ہوچکی تھی۔ دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں کا حکم ماننا ترک کردیا تھا۔ بنگال اور ملحقہ صوبوں میں دیسی سپاہیوں کی وفاداری میں فرق آرہا تھا۔ کلکتہ کے بازاروں کی دیسی آبادی ہر لمحہ کسی بڑے حادثے کی منتظر رہتی۔ "حکومت کو آنے والے طوفان سے آگاہ کیا گیا لیکن اس کے سول اور ملٹری حکام نے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ پر کان دھرنے سے انکار کردیا۔ انھیں اس وقت ہوش آیا جب طوفان نے درختوں کو اکھاڑنا شروع کردیا۔ جب بغاوت کی یہ آندھی چلی تو حکومت اس کے مقابلے کے لئے تیار نہ تھی۔ تباہی اور خرابی کی خبروں نے اسے حیران کردیا۔" یہ بے چینی سب سے پہلے ۲۲۔ جنوری ۱۸۵۷ء کو ڈم ڈم میں ظاہر ہوئی۔ ڈم ڈم میں مقیم دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسر سے شکایت کی کہ انفلیڈ رائفلوں کے لئے جو کارتوس بنائے جاتے ہیں ان میں گائے اور سؤر کی چربی ہے۔ اس افسر نے حکومت ہند کو اس بات سے آگاہ کردیا۔ حکومت نے بعض چھاؤنیوں میں دیسی سپاہیوں کو یقین دلایا کہ کارتوسوں میں ممنوعات استعمال نہیں کی جارہی ہیں لیکن یہ افواہ بارود کے ڈھیر میں چنگاری کا کام کرچکی تھی۔ بیرک پور کے فوجیوں نے بہرام پور کی انیسویں رجمنٹ میں بے چینی کا بیج بو دیا۔ ۱۹۔ فروری ۱۸۵۷ء کی رات کو اس رجمنٹ نے مظاہرہ شروع کردیا۔ کرنل مچل نے فوجیوں سے اس مظاہرے کا سبب پوچھا۔ "سرکار ہمارے دین میں دخل دے رہی ہے۔" فوجیوں نے کہا۔ کرنل نے اپنی تقریر سے رجمنٹ کو مطمئن کردیا۔ جب لارڈ کیننگ کو برہام پور کے واقعہ کا پتا چلا تو اس نے ایک دوسری رجمنٹ کو بیرک پور پہنچ جانے کا حکم دیا۔ نیز برہام پور کی انیسویں رجمنٹ کو حکم ملا کہ وہ بھی بیرک پور پہنچ جائے۔ اسی اثنا میں بیرک پور کی ۳۴ ویں رجمنٹ کے ایک فوجی نے پریڈ کے وقت "دین دین" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو "فرنگیوں" کے خلاف لڑنے پر اکسایا۔ سرجنٹ میجر موقع پر پہنچ گیا۔ منگل پانڈے نے اس پر گولی چلادی۔ سرجنٹ میجر بچ گیا۔ بغاوت کے آثار پاکر جنرل ہرسی موقعہ پر پہنچ گیا۔ حالات پر قابو پالیا گیا۔ اگلے دن ۱۹ ویں رجمنٹ بھی بیرک پور پہنچ گئی تھی۔ اسی شام انگریزی سپاہی بھی بیرک پور آگئے تھے۔ اگلے دن پریڈ میں جنرل نے

گورنر جنرل کا ایک فرمان سنایا جس میں ۱۹ ویں رجمنٹ کو توڑ دیے جانے کا حکم تھا۔ ۳۴ ویں رجمنٹ کے منگل پانڈے کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ چھ ہفتے بعد اسی رجمنٹ کی سات کمپنیوں سے ہتھیار چھین کر انھیں الگ کر دیا گیا۔ حکومت مطمئن تھی کہ بغاوت ختم ہو چکی ہے۔

بغاوت تو ابھی ہونے والی ہے۔ بیرک پور کی خبریں مبالغہ آمیزی کے ساتھ شمالی ہند تک جا پہنچی تھیں۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری ہفتہ میں میرٹھ میں ہندوستانی سپاہیوں نے مختلف صورتوں میں بے چینی کا اظہار کیا تھا۔ چونکہ میرٹھ میں دیسی سپاہیوں کی نسبت انگریز سپاہیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے وہاں کے فوجی حکام مطمئن تھے۔ ۲۳۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو دیسی سپاہیوں کی وفاداری کا امتحان کیا گیا۔ دیسی فوج نے پریڈ کی۔ پریڈ کے بعد حوالدار میجر اور اس کے اردلی نے ان کارتوسوں کو چلایا جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ انھیں چلانے سے پہلے دانتوں سے کاٹنا پڑتا ہے۔ دیسی سپاہی اپنی بارکوں میں چلے گئے۔ اسی رات اردلی کے خیمے کو آگ لگا دی گئی۔ اگلے دن دیسی سپاہیوں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ۲۵۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو ڈپٹی جج کے سامنے اس معاملے کی پڑتال کی گئی۔ سپاہیوں نے کارتوسوں کو ناپاک بتایا۔ انھیں بتایا گیا کہ کارتوسوں میں ممنوعات استعمال نہیں کی گئیں۔ سپاہیوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ ان کارتوسوں کو استعمال کریں گے۔ ۶۔ مئی کو پھر پریڈ ہوئی۔ اس موقع پر ۸۵ سواروں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ جنرل نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بغاوت کے جرم میں ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے بعض کو چھ سال اور بعض کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی۔ ساری فوج کے سامنے ان کی وردیاں اتاری گئیں اور انھیں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ انھیں میرٹھ شہر کی جیل تک پیدل لے جایا گیا۔ یہ حادثہ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ ایک انگریز مورخ کے الفاظ کو ایڈورڈ ٹامسن اپنی کتاب "تصویر کا دوسرا رخ" میں پیش کرتا ہے:

"بندوقوں اور سنگینوں کے پہرے میں ۸۵ سپاہیوں کو فوجی لباس میں فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سزا کے احکام کو اونچی آواز میں سنایا گیا۔ ان احکام کا مقصد ان سپاہیوں کو مجرموں کو فہرست میں داخل کرنا تھا۔ ان سپاہیوں سے فوجی نشان چھین لئے گئے۔ ان کی وردیوں کو پشت کی طرف سے پھاڑ دیا گیا۔ لوہار آگے بڑھے '

چند لمحوں میں یہ سپاہی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں نظر آئے۔ یہ نظارہ دردناک اور ذلت آفرین تھا جس سے دوسرے سپاہی بہت زیادہ متاثر ہوئے . . . بیڑیوں میں جکڑے ہوئے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور اس ذلت کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انھیں اشاروں ہی اشاروں میں شرمندہ کیا۔ اس وقت ہر سپاہی نے نفرت اور رنج کے جذبات کو محسوس کیا لیکن بھری ہوئی توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔"

جب دیسی سپاہی اپنی بارکوں میں لوٹے تو جوش اور نفرت کا ان پر غلبہ ہو چکا تھا۔ ان سپاہیوں نے بغاوت کا ارادہ کرلیا۔ اگلے دن (۱۰۔ مئی ۱۸۵۷ء) دیسی سپاہیوں نے اپنی بارکوں میں آگ لگا کر بغاوت کا اعلان کردیا۔ کرنل فینی باغی سپاہیوں کو ان کے فرائض کا احساس دلانے کے لئے آگے بڑھا۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی نے کرنل کو ختم کردیا۔ کرنل فینی پہلا انگریز ہے جو باغی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرے فوجی افسر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ انھیں بھی مار دیا گیا۔ باغیوں نے ان انگریز عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کردیا جو گرجا سے واپس آ رہے تھے۔ باغی سپاہیوں کا ایک حصہ چھاؤنی کو آگ لگانے میں مصروف ہوگیا۔ دوسرا حصہ میرٹھ جیل میں جا پہنچا۔ جیل کے دروازے توڑ دیے گئے۔ ۸۵ سواروں کو جیل سے نکالا گیا۔ ان سواروں کے علاوہ بارہ سو قیدی بھی باغیوں میں شامل ہو کر میرٹھ شہر سے چھاؤنی کی طرف بڑھے۔ چھاؤنی میں پہنچ کر انھوں نے کئی انگریزوں کو قتل کیا۔ لوٹ مچائی اور دلی کی طرف چل دیے۔ میرٹھ سے دلی جانے والی سڑک صاف تھی۔ چاندنی میں باغی سپاہیوں کی یہ فوج جمنا کی طرف بڑھی۔ انگریز سپاہیوں نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ اگلے دن ان باغی سپاہیوں کو جو زخمی ہونے کے سبب دلی نہیں جا سکتے تھے گرفتار کیا گیا۔ انھیں گولی مار دی گئی!

جب لاہور میں میرٹھ کے دیسی سپاہیوں کی خبر پہنچی تو اس وقت لاہور میں مقیم دیسی سپاہیوں میں جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ اس وقت سرجان لارنس لاہور میں موجود نہیں تھا۔ لاہور میں مقیم انگریز حکام نے پنجاب کو بغاوت سے دور رکھنے یا بغاوت ہونے کی صورت میں اس پر فوراً قابو پالینے کے لئے ایک اجلاس کیا۔ اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ میاں میر (لاہور چھاؤنی) کے دیسی سپاہیوں سے ہتھیار

چھین لئے جائیں اور لاہور کے قلعہ کو مزید مضبوط کرنے کے لئے وہاں انگریز سپاہیوں کو بھیج دیا جائے۔ دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لئے گئے اور ان کی نقل و حرکت کی نگرانی ہونے لگی۔

۳۰۔ جولائی کو پرکاش سنگھ اپنی تلوار لے کر نکلا اور اپنے ساتھی سپاہیوں سے کہنے لگا کہ وہ فرنگیوں کو قتل کردیں۔ سب سے پہلے اس نے میجر پنسر کو قتل کیا۔ اسی اثنا میں آندھی چلنے لگی۔ باغی سپاہی میاں میر سے بھاگ نکلے۔ گرفتار ہونے والوں کو توپ دم کردیا گیا۔ اب باغی سپاہیوں کا تعاقب شروع ہوا۔ باغیوں کی ایک بہت بڑی تعداد راوی پار ہوکر ایک چھوٹے سے ٹاپو میں اتر پڑی۔ انگریزی فوج کا ایک دستہ کشتیوں میں سوار ہوکر ٹاپو کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے ہاتھ اٹھادیے۔ انھیں کناروں پر لایا گیا۔ باغی سپاہیوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں اجنالہ کے تھانے میں پہنچا دیا گیا۔ فریڈرک کوپر کے الفاظ میں: ”آدھی رات تک سارے باغیوں کو اجنالہ کے تھانے میں پہنچا دیا گیا۔ بارش ان سپاہیوں کی موت میں حائل ہوگئی۔ سپاہیوں کے قتل کو اگلے دن پر اٹھا رکھا۔ پھانسیوں کے لئے رسے بھی تھے اور باغیوں کو ایک ساتھ قتل کرنے کے لئے پچاس سکھوں کا ایک دستہ بھی موجود تھا۔ گرفتار ہونے والے سپاہیوں کی تعداد دوسو بیاسی تھی۔ چونکہ یکم اگست کو عید الضحیٰ تھی اس لئے انگریزی فوج کے مسلمان سواروں کو امرت سر بھیج دیا گیا تاکہ وہ وہاں عید منائیں۔ اس بہانے سے مسلمان سواروں کو اجنالہ سے امرت سر بھیج دیا گیا۔ ایک عیسائی افسر اپنے وفادار سکھوں کی مدد سے اگلی صبح ایک مختلف قسم کی قربانی کرنے کے لئے وہاں رہ گیا۔

...

”اگلی صبح سنتریوں نے لوگوں کے ہجوم کو اس طرف آنے سے روکے رکھا۔ افسروں کو جمع کرکے اس منظر کے اسباب سے آگاہ کیا گیا جو بہت جلد ان کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا۔ باغیوں کو دس دس کی ٹولیوں میں تھانے سے باہر نکالا جاتا۔ پشت کی طرف ایک ہی رسی سے ان کے ہاتھ باندھ دیے جاتے۔ فائرنگ پارٹی انھیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیتی۔ جب ایک سو پچاس باغی مارے جاچکے تھے تو ایک جلاد غش کھاکر گرپڑا۔ لہٰذا جلادوں کو آرام کرنے کا تھوڑا سے وقفہ دیا گیا۔ آرام کے بعد پھر قتل کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب دو سو پینتیس سپاہی مارے جاچکے تو اطلاع

دی گئی کہ باقی ماندہ سپاہی برج سے باہر نکلنے سے انکار کررہے ہیں۔ دروازے کھولے گئے وہ سب کے سب تقریباً" مرچکے تھے۔ غیر شعوری طور پر بلیک ہول کے حادثے کا اعادہ ہوچکا تھا۔ پینتالیس نعشوں کو کھینچ کر باہر نکالا گیا اور دوسرے باغیوں کی نعشوں کے ساتھ سب کو ایک مشترک گڑھے میں دفنا دیا گیا۔"

جب اس قتل عام کی اطلاع لندن میں پہنچی تو اس پر افسوس اور رنج کا اظہار کیا گیا۔ ایوان عام میں گلپن نے رابرٹ مونٹ گمری اور سرجان لارنس کے وہ خط پڑھ کر سنائے جو انھوں نے فریڈرک کو اس حرکت کی تائید میں لکھے تھے۔ جنرل تھامپسن نے کوپر کے اس فعل کو ظالمانہ بتایا۔ گلپن نے ایوان عام میں جس بحث کا آغاز کیا تھا اس پر تقریر کرتے ہوئے لارڈ سپنلے (وزیر ہند) نے کہا تھا:

"یہ ناممکن ہے کہ ان واقعات کو رنج یا افسوس کے بغیر پڑھا' یا سنا جائے۔ یہ رنج زیادہ ہوجاتا ہے جب کہ ان واقعات سے متعلقہ انداز بیان اور اسپرٹ کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ انسانی جانوں کو کسی قانونی چارہ جوئی کے بغیر تلف کردیا۔ صورت حالات کے پیش نظر کمی بیشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ مسٹر کوپر کے فعل کی مذمت نہ کی جائے۔ ایوان کو مسٹر کوپر کے طرز بیان پر غور نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان واقعات پر غور کرنا چاہئے جو میاں میر میں رونما ہوئے۔ واقعات کیا تھے؟ ۲۶ ویں دیسی رجمنٹ کے متعلق یہ شک تھا کہ وہ باغیوں کے ساتھ مل جائے گی۔ اس رجمنٹ کو قریباً" چھ ہفتے نگرانی میں رکھا گیا۔ میرے خیال میں ۲۸۔ جولائی ۱۸۵۷ء کو بغاوت کے لئے پہلی کوشش ہوئی۔ نگرانی میں رکھے ہوئے سپاہیوں کی فرار کی کوشش سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ قوت کا قوت سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ ان سپاہیوں نے بھاگنے کی اس وقت کوشش کی جب کہ دلی پر باغیوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ ان میں ہر شخص دلی پہنچ کر باغیوں کی قوت بڑھانے کا سبب ہوتا۔ سپاہیوں کے اس فعل کو غدر اور بغاوت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ ۳۰۔ جولائی ۱۸۵۷ء کو ان سپاہیوں نے دو انگریز افسروں کو قتل کردیا۔ سات سو باغی سپاہیوں میں سے قریباً" پانچ سو کو قتل کردیا گیا۔ لارڈ کیننگ نے سرجان لارنس کو جو دستاویز بھیجی اس میں لکھا ہوا تھا کہ مسٹر کوپر نے قابل تعریف کام کیا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ قوت کے استعمال سے سرجان لارنس نے پنجاب کو بچالیا اور اگر پنجاب

ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر سارا ہندوستان ہمارے قبضے سے باہر چلا جاتا۔ سرجان لارنس یہ اعلان کرچکا ہے کہ یہ طرز عمل ٹھیک تھا۔ گورنر جنرل بھی اس کی تائید کرچکا ہے۔ ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اور اس بات کو یاد رکھتے ہوئے کہ ہم زمان اور مکان کے لحاظ سے دور ہوتے ہوئے ان لوگوں کے جذبات کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتے جو اس معرکہ میں شامل تھے۔"

فریڈرک کوپر کے اپنے الفاظ میں: "وہ واقعات جن کا بیان میں نے خود کیا ہے وہ میرے ہم وطنوں کو یقینی طور پر حیرت میں ڈال دیں گے۔ وہ حیران ہوں گے کہ کس طرح ایک انگریز نے تھوڑے سے دیسی سپاہیوں کی مدد سے اتنی خطرناک ذمہ داری لیتے ہوئے اس قسم کے قتل عام کو پتھر کا دل لئے ہوئے کیوں کر دیکھا جب کہ دوسرے فریق کی طرف نہ تو کھلی لڑائی لڑی گئی جس سے جذبات میں جوش پیدا ہوتا۔ اس قسم کے لوگوں پر واضح ہونا چاہئے کہ پنجاب کا گورنر انگریزی سیرت رکھتے ہوئے لارڈ نیلسن کی طرح اپنے اسٹاف سے متوقع ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا کرے گا۔"

سرجان لارنس نے فریڈرک کوپر کے افعال کی تائید کرتے ہوئے اسے ۲۔ اگست ۱۸۵۷ء کو لاہور سے ایک خط میں لکھا: "ہندوستانی پیادوں کی ۲۶ ویں پلٹن پر تم نے جو فتح حاصل کی ہے اس پر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمہاری پولیس نے بڑی دلیری سے باغیوں کی سرکوبی میں حصہ لیا۔ حکومت تمہاری بہت ممنون ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باغیوں کی یہ سزا دوسروں کے لیے عبرت ہوگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام ایسے لوگوں کو قابو میں لانے کی تدبیروں پر عمل کیا جائے گا جو اس وقت تک مفرور ہیں۔ رابرٹ مونٹ گمری نے بھی اپنے ایک خط میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "تم نے جو درست قدم اٹھایا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسے نازک وقت میں سوچنا دیر کرنا یا لوٹنا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جب تک تم لوگ زندہ رہو گے تمہاری یہ کامیابی تمہارے اعزاز کی ٹوپی پر ایک قیمتی موتی کی طرح چمکتی رہے گی۔ یہاں کی باقی تین پلٹنیں بھی مذبذب تھیں لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کریں گی حالانکہ میری دلی خواہش ہے کہ وہ اس قسم کی کوئی حماقت کریں تاکہ ان میں سے

ایک سپاہی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔"

میاں میر کے علاوہ پنجاب (جس میں موجودہ سرحدی صوبہ بھی شامل تھا) کے بعض دوسرے مقامات پر بھی دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی لیکن انگریزوں نے اس پر بہت جلد قابو پالیا۔ دلی اور فیروز پور کا درمیانی علاقہ میرٹھ اور دلی کے واقعات سے زیادہ متاثر ہوا۔ سرسہ' حصار' ہانسی اور رہتک میں دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی۔ انگریزی سپاہ نے سب سے پہلے سرحد پر قبضہ کیا۔ باغیوں کو دو مقامات پر شکست دی گئی۔ سرسہ کے بعد حصار اور ہانسی میں باغیوں کو شکست ہوئی۔ جمال پور کو باغیوں نے اپنا فوجی اڈہ بنالیا تھا۔ جنرل کورٹ لینڈ نے باغیوں کو جمال پور سے نکال دیا۔ رہتک پر بھی اس نے بہت جلد قبضہ کرلیا۔ سرسہ سے دلی تک کے علاقے کی فوجی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ پنجاب اور دلی کے درمیان واقعہ ہونے کے سبب انگریزوں نے اس پر قبضہ رکھنے کے لئے پورا زور صرف کردیا۔ اس میں انھیں کامیابی ہوئی۔ اس طرح پنجاب اور دلی کے درمیان انگریزوں کے ذرائع رسل و رسائل محفوظ ہوگئے اور دلی کو زیادہ سے زیادہ کمک بھیجی گئی۔

چودہ گھنٹوں کے بعد باغی سپاہی میرٹھ سے دلی پہنچ گئے۔ دلی نے باغیوں پر اپنے دروازے کھول دیے۔ دلی! ایشیا کا قدیم ترین شہر! وہ شہر جس کی آنکھیں سینکڑوں تبدیلیاں دیکھ چکی ہیں اب ایک نئی تبدیلی کو دیکھ رہی تھی۔ دلی اپنے شہنشاہوں کے شہنشاہیت کے اوج کمال پر دیکھ چکی تھی۔ مغل اعظم! قوموں اور ملکوں پر کپکپی پیدا کرنے کے لئے یہ نام کافی تھا۔ دلی کے شہنشاہ بادشاہ بن گئے۔ جب بادشاہت بھی چھن گئی تو لال قلعہ میں قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ شاہ عالم بھی اسی قسم کا ایک قیدی تھا جسے کمپنی نے مرہٹوں کی قید سے چھڑا کر اپنا قیدی بنالیا۔ کمپنی یہ چاہتی تھی کہ شاہ عالم کو لال قلعہ سے جلاوطن کرکے مونگیر بھیج دیا جائے لیکن اس حرکت کے نتائج کے پیش نظر کمپنی ایسا نہ کرسکی۔ شاہ عالم کی وفات پر ۱۸۰۶ء میں اکبر ثانی اس کا جانشین ہوا۔ اس کے متعلق کمپنی کی یہ پالیسی تھی کہ "خواب میں بھی اسے بادشاہت کا خیال نہ آنے پائے۔" ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ لال قلعے کے تخت پر بیٹھا۔ کمپنی کی طرف سے بہادر شاہ کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن ملتی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں ولی عہد دارہ بخت کی موت پر نئے ولی عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ زینت محل کی خواہش

تھی کہ اس کا بیٹا جواں بخت ولی عہد مقرر ہوا۔ بہادر شاہ بھی ملکہ کی اس خواہش کو پورا کرنا چاہتی تھا۔ ڈلہوزی لال قلعے کی بادشاہت کو ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اپنے منصوبوں کے لئے بہادر شاہ کے بیٹے مرزا فخرو کو موزوں پایا۔ چنانچہ اس نے مرزا فخرو کو بہادر شاہ کا جانشین تسلیم کرلیا اور مرزا فخرو نے لال قلعہ چھوڑ دینے کا وعدہ کرلیا۔ بہادر شاہ نے گورنر جنرل کے اس فیصلے کے خلاف آواز اٹھائی لیکن بے سود۔ ۱۸۵۴ء میں مرزا فخرو کی موت کے بعد پھر جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے مرزا قویاش کی جانشینی کو تسلیم کرلیا اور اس کے ساتھ ہی جانشین سے کہ دیا گیا کہ اسے بادشاہ نہیں کہا جائے گا' اسے قلعہ چھوڑنا پڑے گا اور اسے صرف پندرہ ہزار روپے ماہانہ دیے جائیں گے۔ گورنر جنرل کے اس فیصلے سے بہادر شاہ متفق نہیں تھا۔ بہادر شاہ دلی کے لال قلعے میں زندگی بسر کررہا تھا۔ اس کا زیادہ وقت شعر و شاعری میں گزرتا تھا۔ وہ ایک ایسے پرندے کی مانند تھا جو قید ہوکر صرف نالہ و فریاد کرتا ہے۔ اس کے دربار میں ملکی اور غیر ملکی مسائل پر بحث کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دربار کی ساری کوششیں اردو کے فروغ پر صرف ہونے لگیں۔ ہندوستان کی تہذیب میں بہادر شاہ کے دربار کی یہ بہت بڑی اعانت ہے۔

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو باغی سپاہیوں نے دریا کو دیکھتے ہی "جمنا مائی کی جے" کا نعرہ بلند کیا۔ راج گھاٹ کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ باغی شہر میں داخل ہو گئے۔ دلی میں مقیم انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے جب باغیوں کے آنے کی خبر سنی تو ان میں سے کئی ایک پلٹنوں نے اپنے انگریزی افسروں کو قتل کردیا۔ باغی سپاہیوں نے لال قلعہ کا رخ کیا۔ قلعے میں داخل ہوکر انھوں نے انگریزی افسروں کو قتل کیا اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ بہادر شاہ نہ بادشاہت کی صلاحیت رکھتا اور نہ باغیوں کی مخالفت کرنے کی قوت رکھتا تھا۔ روایت ہے کہ جب بہادر شاہ نے اس نئی بادشاہت کو قبول کرنے میں پس و پیش کی تو باغیوں نے بے پرواہ ہو کر کہا تھا:
"اگر یہ بڈھا نہیں مانتا تو نہ مانے' ہم جس کے سر پر جوتا رکھ دیں گے وہی بادشاہ ہوگا۔"

دلی اور میرٹھ کے باغی سپاہی شہر میں داخل ہوئے۔ بینکوں اور دکانوں کو لوٹ

لیا گیا۔ انگریزوں کو قتل کیا گیا۔ بچوں اور عورتوں تک کو نہ چھوڑا گیا۔ چند انگریزوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ میجر ایبٹ دلی سے میرٹھ بھاگ گیا۔ کشمیری دروازہ کے قریب انگریزوں کا ایک بہت بڑا میگزین تھا۔ باغی سپاہی اس میگزین پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ میگزین کے انگریز افسر نے اسے آگ دی۔ اتنا بڑا دھماکہ اٹھا کہ کشمیری دروازہ کی دیسی فوج جو اس وقت اپنے انگریز افسروں کے ساتھ تھی باغیوں میں جا ملی۔ انگریزوں کے علاوہ دیسی عیسائی بھی باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ سیٹھ بدری چند کو صرف اس بنا پر عیسائی سمجھ کر قتل کردیا گیا کہ وہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا۔ جب باغیوں سے یہ کہا جاتا کہ فلاں مکان میں فرنگی چھپا ہوا ہے تو باغی بغیر کسی تصدیق کے اس مکان کے مال و اسباب کو لوٹ لیتے اور بعض حالات میں مکینوں کو قتل کردیتے۔ ہر اس شخص کو قتل کردیا جاتا جس کے متعلق یہ شبہ ہوتا کہ وہ انگریزوں کی جاسوسی کرتا ہے۔

۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو باغی سپاہی دلی میں داخل ہوئے اور شام تک وہ ساری دلی پر قابض ہوگئے۔ دلی پر باغیوں کا قبضہ ۱۴۔ ستمبر ۱۸۵۷ء تک رہا۔ اس مدت میں دلی کو امن و امان نصیب ہو سکا۔ باغیوں کی دلی کا اگر انقلاب پسندوں کے پیرس سے مقابلہ کیا جائے تو حیرت انگیز تضاد دکھائی دیتا ہے۔ پیرس (۱۷۸۹ء) میں پورے طور پر امن و امان قائم رکھا گیا۔ لوگوں کو انقلاب کے مقصد سے آگاہ کیا جاتا۔ حریت' اخوت اور مساوات کے نعروں سے دلوں کو گرمایا جاتا۔ لوٹ مار کا وجود تک باقی نہیں تھا۔ ہر شخص دوسرے کو "شہری" کہہ کر پکارتا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے کھولے گئے۔ ان کارخانوں میں کام کرنے کے لئے رضا کاروں کی ٹولیاں بھرتی کی گئیں۔ قومی فوج تیار کی گئی لیکن دلی میں باغی سپاہیوں نے لوٹ مار سے دلی کے تجارت پیشہ لوگوں کی ہمدردیوں کو کھودیا تھا۔ شہر کے بازار بند ہو رہے تھے۔ کھاری باؤلی اور دریبہ میں دکانوں کو دن دھاڑے لوٹ لیا جاتا۔ لوٹ مار کی اس گرم بازاری میں باغیوں کی حمایت کے جذبات کیوں کر پرورش پاتے۔ بہادر شاہ کی بادشاہت برائے نام تھی۔ اس کے احکام بے اثر اور بے معنی ہوتے تھے۔ باغی فوجوں کی کمان مغل اور بخت خاں کے ہاتھوں میں تھی۔ مرزا مغل اور بخت خاں فوجی امور میں ہمیشہ غیر متفق رہتے تھے۔ شہر کی بیشتر آبادی اس حادثے کو باغی

سپاہیوں اور کمپنی کا باہمی قضیہ خیال کرتی رہی۔

۸۔ جون ۱۸۵۷ء کو جنرل سر برنارڈ اپنی فوج سمیت دلی کے باہر نمودار ہوا۔ دلی پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ توپوں کے بغیر وہ دلی کو سر نہیں کر سکتا۔ جب اس کے پاس توپیں پہنچ گئیں تو اس کے پاس توپچی نہیں تھے۔ توپچیوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جنرل سر برنارڈ ایک ہلا بول کر دلی فتح کرنا چاہتا تھا لیکن ایک ہی جھڑپ میں اسے معلوم ہو گیا کہ یہ کام اتنا سہل نہیں۔ جنرل سر برنارڈ کی فوج دلی کے شمال میں فصیل سے دو میل کے فاصلے پر ایک ماہی پشت سطح پر مقیم تھی۔ اسی اثنا میں دلی میں مختلف شہروں سے باغی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ انگریزی فوج کو آہستہ آہستہ تھوڑی بہت کمک مل رہی تھی۔ دونوں فوجوں میں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ان لڑائیوں میں کبھی باغیوں کا اور کبھی انگریزوں کا زیادہ نقصان ہوتا۔ ۲۳۔ جون کو جنگ پلاسی کی برسی منائی گئی۔ اس دن باغیوں کی فوج کے حملوں نے شدت اختیار کر لی تھی۔ باغیوں نے دلی کی فصیل پر توپیں چڑھا دی تھیں۔ ان توپوں کے دہانے آگ اگلتے رہے۔ اس دن لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

پنجاب میں سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے کے بعد سر جان لارنس اس قابل ہو گیا تھا کہ محاصرین کو زیادہ سے زیادہ کمک اور رسد بھیج سکے۔ سکھ، گورکھا اور پنجابی مسلمان (دو ہزار کی تعداد میں) محاصرین کی مدد کو پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے انگریزی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اگلی صبح بریلی، مرشد آباد اور شاہ جہاں پور سے باغی سپاہیوں کی رجمنٹیں دلی میں داخل ہو گئیں۔ ان کی آمد سے باغیوں کو یقین ہو گیا کہ انگریز دلی میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ اسی شام بریلی کی باغی رجمنٹ کے افسر نے علی پور پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ ۵۔ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل سر برنارڈ چل بسا۔ اس کی جگہ میجر جنرل ریڈ نے کمان سنبھالی۔ بارش کی کثرت نے انگریزی فوج میں وبا پیدا کر دی۔ میجر جنرل ریڈ نے مایوس ہو کر استعفیٰ دے دیا۔ اب انگریزی فوج کا کمانڈر جنرل ولسن تھا۔ اس وقت انگریزی فوج میں کل آٹھ ہزار سپاہی تھے۔ ان میں سے آدھے انگریز تھے اور آدھے دیسی۔ ۸۔ اگست کو جنرل نکلسن کمک لے کر پہنچ گیا۔ اس کی فوج میں گیارہ سو گورے اور پندرہ سو پنجابی سپاہی تھے۔ اس کمک کی آمد کے علاوہ باغیوں کو اس بات کا بھی پتا چل گیا تھا کہ محاصرین کی کمک کے لئے

پنجاب سے ایک توپ خانہ آرہا ہے۔ چنانچہ باغیوں کی ایک فوج بکت خاں کی کمان میں رات کے وقت بہادر گڑھ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ توپ خانے کو تباہ کردے۔ اس روانگی کی اطلاع پاکر جنرل نکلسن توپ خانہ بچانے کے لئے نکل پڑا۔ بہادر گڑھ کے قریب دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔ بخت خاں شکست کھاکر واپس ہوا۔ اسی اثنا میں باغیوں نے جنرل نکلسن کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزی مورچوں پر شدید حملہ کردیا۔ جنرل ولسن نے اس حملے کو روک دیا۔ اس حملے میں باغیوں کا زیادہ نقصان ہوا۔

ستمبر ۱۸۵۷ء کے ابتدائی دنوں میں توپ خانہ پہنچ گیا۔ ۷۔ ستمبر کو باغیوں نے اندازہ کرلیا کہ انگریزی فوج بڑی شدت سے شہر پر گولے برسانے کی تیاریاں کررہی ہے۔ ۱۱۔ ستمبر تک انگریزی توپیں اہم مقامات پر نصب ہوچکی تھیں۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳، اور ۱۴۔ ستمبر کو شہر پر گولے برستے رہے۔ باغیوں نے اس موقع پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ انھوں نے فصیل میں بڑے بڑے سوراخ کرکے ہر انگریزی فوج کے سامنے اپنی توپ لگادی۔ ۱۱۔ ستمبر کو دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہوئی۔ ۱۳۔ ستمبر کی شام کو کشمیری دروازے کے قریب فصیل میں شگاف ہوگئے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ اگلے دن دلی پر حملہ کیا جائے گا۔ ۱۴۔ ستمبر کی صبح کو جنرل نکلسن کشمیری دروازے کی فصیل کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے آگ برسانا شروع کردی لیکن اس پر بھی جنرل نکلسن سیڑھی لگاکر فصیل پر چڑھ گیا۔ جنرل نکلسن کے حکم سے فوج کا ایک دستہ اجمیری دروازے کی طرف روانہ ہوا اور دوسرے دستہ کو کابلی دروازے سے جامع مسجد پہنچنے کا حکم ملا۔ سر تھیو فیلس مٹکاف فوج کے ایک دستہ سمیت جامع مسجد پہنچ کر دوسرے دستوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ ان سپاہیوں کی آمد سے جامع مسجد کے نمازیوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ انگریزی فوج جامع مسجد گرانے کے لئے جمع ہورہی ہے۔ ہجوم نے تلواروں سے مسلح ہوکر حملہ کرنا چاہا۔ انگریزی فوج نے ان پر گولی چلادی۔ ہجوم آگے بڑھا۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ انگریزی دستہ کشمیری دروازہ کی طرف بھاگ نکلا۔

انگریزی فوج اگرچہ ۱۴۔ ستمبر کو شہر میں داخل ہوچکی تھی۔ پھر بھی پورے شہر پر اس کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ چار دن مزید گلی کوچوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ باغی آہستہ

آہستہ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ ۱۹۔ ستمبر کو انگریزی فوج کا سارے شہر پر قبضہ ہو گیا۔ انگریز سپاہیوں نے ہر اس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے سامنے آیا۔ انتقام اپنی پوری شدت سے ظاہر ہونے والا ہے۔ قتل و غارت گری' لوٹ مار اور تباہی کے مناظر ایک ایک کر کے سامنے آنے والے ہیں۔ باغیوں نے جو کچھ کیا اس کا اعادہ ہونے والا ہے مگر بڑے پیمانے پر۔

بخت خاں کے کہنے پر بہادر شاہ لال قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں جا پہنچا۔ بخت خاں چاہتا تھا کہ بہادر شاہ کو کسی دوسرے شہر میں لے جائے اور وہاں اس کے گرد فوج جمع کر کے دلی پر حملہ کرے۔ انگریز چاہتے تھے کہ بہادر شاہ کو باغیوں سے الگ کر لیا جائے۔ جب بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرہ میں پہنچ گیا تو مرزا الہی بخش نے ہڈسن کو اطلاع دی کہ وہ اگلے دن ایک دستہ لے کر مقبرہ کے مغربی دروازے پر پہنچ جائے۔ ہڈسن نے مرزا الہی بخش کو منشی رجب علی کے ذریعے یہ اطلاع پہنچا دی کہ وہ کسی نہ کسی طرح بہادر شاہ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روک دے۔ اگلے دن بخت خاں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اسے اپنے ساتھ جانے پر رضامند کر لیا لیکن مرزا الہی بخش نے مخالفت کی اور بادشاہ سے کہا کہ "بخت خاں چونکہ پٹھانوں کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہے اس لئے حضور کو اس کے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔" بہادر شاہ نے جسمانی کمزوری کا عذر پیش کرتے ہوئے بخت خاں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد بخت خاں مقبرہ کے مشرقی دروازے سے نکل کر اپنی فوج سمیت ایسا غائب ہوا کہ کسی کو پتا نہ چل سکا۔ مرزا الہی بخش نے میجر ہڈسن کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ میجر ہڈسن پچاس سوار لے کر مقبرے کے مغربی دروازے پر آن پہنچا اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دے۔ میجر ہڈسن نے بادشاہ' زینت محل اور جواں بخت کی جان بخشی کا وعدہ کیا۔ اس پر بہادر شاہ نے اپنے آپ کو میجر ہڈسن کے حوالہ کر دیا۔ لال قلعے کے اندر زینت محل کے مکان میں بادشاہ کو قید کر دیا گیا۔

میجر ہڈسن کو بتایا گیا ہے کہ بہادر شاہ کے دو بیٹے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان اور ایک پوتا مرزا ابوبکر جو باغی سپاہیوں کے لیڈر تھے ہنوز ہمایوں کے مقبرہ میں مقیم ہیں۔ چنانچہ اگلے دن میجر ہڈسن سو سواروں کو ساتھ لے کر مقبرہ پہنچا اور تینوں

شہزادوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کردیں۔ شہزادوں نے میجر سے جان بخشی کا وعدہ لینا چاہا۔ اس پر میجر نے کہا کہ جان بخشی کا اختیار صرف جنرل ولسن کو ہے۔ مرزا الہٰی بخش کے کہنے سننے پر شہزادوں نے اپنے آپ کو میجر ہڈسن کے حوالے کردیا۔

میجر ہڈسن نے شہزادوں کو رتھوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ سواروں کے محاصرہ میں رتھ دلی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دلی ایک میل رہ گئی تو رتھوں کو روک لیا گیا۔ شہزادوں کو حکم دیا گیا کہ وہ رتھوں سے باہر نکل آئیں اور شاہی لباس کو اتار دیں۔ شہزادے رتھوں سے اترے۔ انھوں نے شاہی لباس (بالائی پوشش) اتار دیا۔ میجر ہڈسن نے ایک سوار سے بندوق لے کر تین فائر کئے۔ تینوں شہزادے زمین پر گرے، تڑپے اور مرگئے۔ میجر ہڈسن شہزادوں کی لاشوں کو لے کر دلی پہنچا اور نعشوں کو کوتوالی پر لٹکادیا۔ دلی میں یہ بات مشہور ہے کہ میجر ہڈسن نے شہزادوں کو قتل کرنے کے بعد ان کا خون پیا تھا۔ خون پیتے ہوئے کہا تھا: "ان شہزادوں نے میری قوم کی بے بس عورتوں اور بے کس بچوں کو قتل میں حصہ لیا تھا۔ انہیں دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا۔ اس لئے اگر میں ان کا خون نہیں پیتا تو میں پاگل ہوجاتا۔" شہزادوں کی نعشیں چوبیس گھنٹوں کوتوالی پر لٹکی رہیں۔ شہزادوں کے سر کاٹ کر میجر ہڈسن نے انھیں بہادر شاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ "یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہوگئی تھیں اور جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آپ نے باغی سپاہیوں کا ساتھ دیا۔"

انتقام کی تلوار نیام سے باہر نکل آئی۔ تلوار کی پیاس انسانی خون ہی سے بجھ سکتی تھی۔ تلوار کو جی بھر کے انسانی خون پلایا گیا۔ جنرل نکلسن نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ "انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کے خلاف ایک ایسا قانون بنانا چاہئے جس کی رو سے ہم انھیں زندہ جلاسکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دے کر انھیں ہلاک کرسکیں۔ ایسے ظالموں کو صرف پھانسی سے ہلاک کردینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کئے دیتا ہے۔ کاش میں دنیا کے کسی ایسے دور افتادہ گوشے میں جاسکوں جہاں مجھے صرف یہ حق حاصل ہو کہ میں اپنی مرضی کے مطابق انتقام لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں۔" جنرل نکلسن کی اس خواہش میں موت حائل ہوگئی وہ اسے

پورا نہ کرسکا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے پورا کردیا۔

۱۹۔ ستمبر ۱۸۵۷ء تک باغی سپاہی دلی چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ پچھلے چار دن سے شہری آبادی اپنا مال و اسباب چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہی تھی۔ جب دلی کے گلی کوچوں میں باغیوں کی مزاحمت ختم ہو گئی تو انگریزی فوج کے سپاہیوں نے شہری آبادی کو ختم کرنا شروع کیا۔ شروع شروع میں مقتولوں میں کوئی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔ ہندو اور مسلمان ایک ہی تلوار سے کاٹے جاتے تھے۔ لیکن بہت جلد انگریزی فوج کے سکھ سپاہیوں نے فرقہ وارانہ انداز قتل اختیار کرلیا۔ انہوں نے دلی کی مسلم آبادی سے مغل شہنشاہوں کے ان مظالم کا انتقام لیا جو صدیوں پہلے کئے جا چکے تھے۔ انگریزی فوج کے سکھ سپاہی مسلمانوں کو قتل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

کوچہ چیلاں میں انگریز سپاہی حکیم فتح اللہ خاں کے زمانہ میں داخل ہو گئے۔ ان کی نیت ظاہر ہے۔ حکیم فتح اللہ خاں نے ایک انگریز سپاہی کو جو پیش پیش تھا زخمی کردیا۔ اس پر انگریزی فوج کے افسر اعلیٰ کے حکم سے کوچہ چیلاں کے تمام مردوں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان مقتولوں میں مولانا صہبائی اور اپنے زمانے کے نامور خطاط سید محمد امیر بھی تھے۔ تڑپ تڑپ کر مرنے والوں اور خاک و خون میں لپٹے ہوئے شہیدوں کا نظارہ فاتح سپاہیوں کے لئے ایک کھیل تھا۔ لیفٹننٹ (بعد میں لارڈ رابرٹس اس نظارہ کو اس طرح پیش کرتا ہے:) "ہم لاہوری دروازے سے ہوتے ہوئے چاندنی چوک گئے تو ہمیں دلی مردوں کا شہر دکھائی دیا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ہمارے گھوڑوں کی خاموشی سے یہ خاموشی ٹوٹتی۔ ہم کسی زندہ انسان کی صورت نہ دیکھ سکے۔ ہر طرف مردے ہی مردے تھے۔ زمین مردوں کا بچھونا بنی ہوئی تھی۔ چلتے وقت ہم آہستہ آہستہ باتیں کرتے۔ ڈر تھا کہ کہیں ہماری آواز سے مردے چونک نہ پڑیں۔ ایک طرف نعشوں کو کتے کھا رہے تھے اور دوسری طرف گدھ نوچ رہے تھے۔ بعض مردوں کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوتے' یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو اشارے کر رہے ہیں۔ ہماری طرح ہمارے گھوڑے بھی انھیں دیکھ کر ڈرتے تھے۔"

چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے ایک حوض کے تین طرف پھانسیاں دی جاتی

تھیں اور ایک طرف تماشائیوں کے لئے کرسیاں بچھی ہوتی تھیں۔ تیسرے پہر ادھر بینڈ بجتا ادھر لال قلعے سے مجرموں کی قطار روانہ ہوتی۔ ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ مجرموں کو ایک قطار میں کھڑا کردیا جاتا۔ ان میں سے آدھی پھانسی پر لٹکا دیے جاتے اور آدھے موت کے انتظار میں کھڑے رہتے۔

دلی پر قبضہ ہوجانے کے بعد فوجی سپاہیوں کو تین دن کے لئے لوٹ کی اجازت دی گئی۔ لوٹ مار اس انداز میں کی گئی گویا آثار قدیمہ کے ماہروں کی جماعت کسی مدفون شہر کی کھدوائی کررہی ہے۔ دلی کی دولت کی شہرت ایک زمانے سے چلی آرہی تھیں۔ اسی شہرت کے سبب وہ کئی بار اجڑی اور بسی' ویران ہوئی اور پھر آباد ہوئی۔ انیسویں صدی سے ۱۸۵۷ء تک دلی کی دولت میں نمایاں اضافہ ہوچکا تھا۔ پرامن زندگی سے کاروبار میں فروغ ہوگیا تھا۔ محاصرے کے دنوں میں انگریزی فوج کے سپاہیوں میں دلی کی لوٹ کا خیال پیدا ہوچکا تھا۔ جب دلی پر انگریزی فوج کا پوری طرح سے قبضہ ہوگیا تو چارلس گرفتھس کے الفاظ میں: "شہر میں کافی لوٹ مار ہوتی رہی۔ ہمارے سپاہی (انگریز اور دیسی دونوں) لوٹ مار کی غرض سے مکانوں میں داخل ہوجاتے اور اپنے کپڑوں میں بہت سی قیمتی چیزیں چھپالیتے۔ میں یہ بات یقین سے کہ سکتا ہوں کہ انگریزی رجمنٹوں کے بہت سے سپاہیوں کو جواہرات اور سونے کے زیور ملے تھے۔ میری اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں نے مجھے موتیوں کی لڑیاں اور وہ اشرفیاں دکھائیں جو انھوں نے لوٹ میں حاصل کی تھیں۔ افسروں اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد نے بڑی بڑی رقمیں دے کر فوج سے علیحدگی حاصل کرلی تھی۔"

"شروع شروع میں کئی ایک سپاہی لوٹ مار سے باز رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان سے کہیں بلند درجہ کے افسر لوٹ مار میں شریک ہیں تو ان کی دیانت بھی ختم ہوگئی۔ ہر شخص میں یہ خواہش پیدا ہوچکی تھی کہ وہ لوٹ کھسوٹ کے مال سے اپنے آپ کو دولت مند بنالے۔ جب میں اپنے دوستوں کے ساتھ لوٹ مار کے ارادوں سے شہر میں جاتا تو میں دوسرے افسروں کو بھی لوٹ کی تلاش میں پاتا۔ یہ اتفاقی ملاقاتیں بہت دلچسپ ہوتی تھیں۔ دونوں طرف سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ان کا مقصد لوٹ مار نہیں بلکہ محض سیر و تفریح۔

"ایک دن ایک چھوٹے سے مندر میں داخل ہوئے۔ یہ مندر چاندنی چوک

سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ مندر کی عمارت کے درمیان ایک بہت بڑا بت تھا جسے ہمارے ہتھوڑوں نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ بت نے جواہرات، ہیرے، لعل، زبرجد اور اشرفیاں اگل دیں۔ ہم نے بہت سی قیمتی چیزیں اپنے پاس رکھ لیں اور کچھ سامان پرائز ایجنسی میں بھیج دیا۔

"ان واقعات کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ لیکن ان تین ہفتوں کی لوٹ مار کی یاد اب تک میرے ذہن میں باقی ہے۔ میری زندگی کے یہ واقعات پریوں کے قصوں یا الف لیلہ کی کہانیوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔"

"انگلستان کے جس شہر میں ہم رہتے تھے وہاں کے جوہریوں کی دکانیں مشرقی وضع کے زیوروں سے بھری پڑی تھیں۔ جوہریوں نے یہ سارا سامان ہمارے سپاہیوں سے خریدا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں لندن میں دلی کے جواہرات اور زیورات کی بڑی مانگ تھی۔ لندن کے ایک صراف نے مجھے ان چیزوں کی زیادہ سے زیادہ قیمتیں پیش کیں لیکن میں دلی کے مال غنیمت کو ہندوستان چھوڑنے سے پہلے بیچ چکا تھا۔ اگر میں لوٹ کا سارا سامان لندن لے آتا تو مجھے انبالہ کی نسبت اس کی قیمت بہت زیادہ ملتی۔"

تین دن کی عام لوٹ کے بعد "پرائز ایجنسی" کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا گیا تاکہ لوٹ سے بچے ہوئے ہر قسم کے سامان کو جمع کرکے اسے نیلام کرایا جائے۔ اس محکمہ نے مختلف قسم کے سامان کے لئے مختلف مقامات پر گودام کھول دیے تھے۔ ایک گودام میں کتابیں جمع ہو رہی تھیں تو دوسرے میں برتن۔ جب لوگوں کو شہر میں واپس آنے کی اجازت ملی تو اس سامان کو ان کے ہاتھ فروخت کیا گیا۔ سب سے پہلے ہندوؤں کو شہر میں آباد ہونے کی اجازت ملی۔ پرائز ایجنسی نے ان سے جرمانے وصول کئے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں مسلمانوں کو بھی شہر میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی۔

بہت سے انگریز یہ چاہتے تھے کہ جامع مسجد کو گرادیا جائے یا پھر اسے گرجا بنا دیا جائے لیکن سرجان لارنس نے ان کی بات نہ مانی۔ سرجان لارنس ہی کی کوشش سے بہادر شاہ کی جان نہ لی گئی بلکہ اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اسے جلاوطن کرکے رنگون بھیج دیا گیا۔ زینت محل اور جواں بخت کے علاوہ بہادر شاہ کے ساتھ ضروری

ملازم بھی تھے۔ بہادر شاہ رنگون میں ۱۸۶۲ء تک شاہی قیدی کی حیثیت سے زندہ رہا۔

میرٹھ اور دہلی کے واقعات نے کئی ایک دوسرے مقامات پر بھی اثر کیا۔ یہ اثر بعض مقامات پر طوفان کی ایک آدھ لہر سے ملتا جلتا تھا لیکن سرولیم ہنٹر کے الفاظ میں: "فوجیوں کی یہ بغاوت اودھ میں پہنچ کر قومی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔"

گورنر جنرل نے مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو حالات سے آگاہ کرنے کے بعد ان سے کمک طلب کی۔ مئی ۱۸۵۷ء کے اختتام پر کرنل نیل مدراس سے فوج لے کر کلکتہ پہنچ گیا۔ کلکتہ سے ریل گاڑی پر سوار ہو کر یہ فوج رانی گنج پہنچی۔ کرنل نیل بنارس میں اس وقت پہنچا جب کہ وہاں کے دیسی سپاہی بغاوت پر تلے ہوئے تھے۔ ۴۔ جون ۱۸۵۷ء کو بنارس چھاؤنی کے دیسی سپاہیوں نے اپنے افسروں پر حملہ کر دیا۔ سکھ سپاہیوں نے انگریزوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ انہوں نے تین مرتبہ ہلا کیا لیکن انگریز سپاہیوں نے انھیں ہر بار پسپا کر دیا۔ چند منٹ میں ایک سو باغی سپاہی مارے گئے اور دو سو کے قریب زخمی ہوئے۔ اس فساد میں بہت سے دیسی سپاہیوں نے انگریزوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب کرنل نیل بڑی جرأت سے بنارس میں باغیوں کا مقابلہ کر رہا تھا تو اسے گورنر جنرل کی طرف سے حکم ملا کہ وہ فوراً" الہ آباد پہنچ جائے۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میری یہاں ضرورت ہے" کرنل نے جواب بھجوا دیا۔

الہ آباد میں حالات نازک صورت اختیار کر رہے تھے۔ جن دیسی سپاہیوں نے ۶۔ جون ۱۸۵۷ء کو پریڈ میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا چار گھنٹے بعد ان سپاہیوں نے اپنے سترہ افسروں کو قتل کر دیا۔ انگریز بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کے بعد سپاہی (چھٹی دیسی پیادہ فوج) بینڈ پر "خدا ملکہ کو سلامت رکھے" بجاتے ہوئے دلی کی طرف چل دیے۔ انگریزوں کے بنگلوں کو آگ لگا دی۔ ریلوے اسٹیشن کا بھی یہی حشر ہوا۔ ریل گاڑی کے انجنوں پر دور سے گولیاں چلائیں گئیں۔ کئی میل تک ٹیلی گراف کے تار اور ریل گاڑی کی پٹڑی تباہ کر دی گئی۔ ۱۱۔ جون کو کرنل نیل اپنے سپاہیوں سمیت الہ آباد پہنچا۔ وہ باغی سپاہیوں کو گولی سے اڑا دیتا اور باغی شہریوں کو پھانسی پر لٹکا دیتا۔ اس نے الہ آباد پر پوری طرح سے قبضہ کر لیا۔

مئی ۱۸۵۷ء کے مہینے میں کان پور کی دیسی فوجیں بے چینی کا اظہار کرتی رہیں۔ ۵۔ جون ۱۸۵۷ء کو کان پور کے تمام دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ چھاؤنی کو آگ لگانے کے بعد باغی سپاہی خزانے کی طرف بڑھے۔ اس خزانے کی حفاظت نانا صاحب کے سپاہی کر رہے تھے۔ خزانے کے محافظ بھی باغیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ باغیوں نے ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ ہاتھیوں اور چھکڑوں پر لاد کر دلی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت تک نانا صاحب جس کا محل کان پور کے قریب ہی تھا' غیرجانب دار رہا لیکن اگلی صبح وہ باغیوں کا سردار بن گیا۔ اس کے حکم سے کان پور میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ باغیوں نے شہر کو آگ لگادی۔ نانا صاحب نے اپنے پیشوا ہونے کا اعلان کردیا۔ باغیوں نے انگریزی فوج کی خندقوں کے سامنے مورچے لگادیے۔ اسی اثنا میں باغی سپاہی آس پاس کے علاقوں سے انگریز عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کان پور لاتے رہے جہاں انھیں بڑی اذیتوں سے قتل کیا جاتا۔ خندقوں میں محصور انگریزوں کو نانا صاحب نے الہ اباد جانے کی اجازت دے دی لیکن جب یہ لوگ کشتیوں میں دریا عبور کررہے تھے تو ان پر گولیوں کی بارش کی گئی۔ جب نانا صاحب کو پتا چلا کہ انگریزی فوج کان پور کی طرف بڑھ رہی ہے تو اس نے ان تمام بنگالی کلرکوں کے ہاتھ اور ناک کٹوادیے جو تجارتی فرموں میں کام کر رہے تھے۔ ہر اس شخص کو قتل کردیا جس کے متعلق یہ شبہ تھا کہ وہ انگریزی لکھنا' پڑھنا یا بولنا جانتا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ خود نانا صاحب اچھی خاصی انگریزی جانتا تھا۔

یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو کرنل نیل نے میجر ریناڈ کی کمان میں جنرل ویلر کو کان پور میں مدد بھیجی۔ دو دن بعد کان پور کو مزید کمک بھیجی گئی۔ میجر ریناڈ کو قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا تھا۔ اودھ کی ساری آبادی باغی ہوچکی تھی۔ چند دن بعد جنرل ہیولاک اپنی فوج سمیت کان پور روانہ ہوا۔ فتح پور میں اس نے باغیوں کو شکست دی۔ جنرل ہیولاک کی آمد کی اطلاع پاکر نانا صاحب اسے روکنے کے لئے آگے بڑھا۔ کان پور سے سولہ میل دور لڑائی ہوئی جس میں ہیولاک نے نانا صاحب کو شکست دی۔ ۱۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو ہیولاک کان پور میں داخل ہوا۔ دس دنوں میں ہیولاک نے ایک سو چھبیس میل کا سفر کیا۔ چار لڑائیاں جیتیں اور چوبیس توپوں پر

قبضہ کرلیا گیا۔ اب ہیولاک نے کرنل نیل کو لکھا کہ وہ بہت جلد کان پور پہنچ جائے۔ کرنل نیل کان پور پہنچ گیا۔ کرنل نیل نے اب مقتول انگریزوں کا انتقام لیا۔ ہیولاک اب لکھنؤ روانہ ہوا لیکن باغیوں کے بڑھتے ہوئے زور کو دیکھ کر وہ چند دنوں بعد کان پور واپس آگیا۔ اسی اثنا میں نانا صاحب نے کان پور پر حملہ کرنے کی پھر تیاریاں کرلی تھیں۔ وہ دس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر کان پور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہیولاک کی فوج میں تیرہ سو سپاہی تھے۔ ہیولاک نے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے کمک طلب کی۔ میجر جنرل آؤٹ رم الہ آباد سے کان پور روانہ ہوا تاکہ وہاں حالات پر قابو پانے کے بعد ہیولاک اور نیل کو اپنے ساتھ لے کر لکھنؤ کی طرف بڑھے۔ ۱۵۔ ستمبر کو میجر جنرل آؤٹ رم کان پور پہنچا۔ کان پور پر پوری طرح سے قبضہ کرنے کے بعد انگریزی فوج لکھنؤ کی طرف بڑھی۔

انیسویں صدی میں جب کبھی کمپنی کو مالی پریشانیوں کا سامنا ہوا تو شاہان اودھ نے اس کی دل کھول کر مدد کی لیکن لین دین کا یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہو سکتا تھا۔ کمپنی اودھ کے زرخیز علاقے پر قبضہ کرنا چاہتی تھی چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے اودھ پر اسی طرح قبضہ کیا جس طرح لارڈ ایلن برائے سندھ پر قبضہ کیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں دُبار اودھ میں مقیم برطانی ریزیڈنٹ حکومت اودھ کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں دخل دیتے رہے۔ یہ مداخلت بارہا شاہ اودھ کی توہین کے درجے تک پہنچ جاتی۔ ۱۸۵۴ء میں شاہ اودھ نے اپنے ایک منشی کو کمپنی کے جاسوس ہونے کا جرم میں جلاوطن کردیا۔ ریزیڈنٹ کی مداخلت کا مقصد حکومت اودھ کے ہر شعبے میں بے چینی اور بدنظمی پیدا کرکے الحاق کے لئے آسانیاں پیدا کرنا تھا۔ اس مداخلت سے اودھ کی حکومت ایک تماشا بن کر رہ گئی۔ کرنل سلیمن کرتا دھرتا تھا۔ اس نے حکومت اودھ کے بارے میں جو رپورٹ مرتب کی تھی اسے پرکھنے کے لئے جنرل آؤٹ رم ۵ دسمبر ۱۸۵۴ء کو لکھنؤ پہنچا جنرل نے کرنل کی رپورٹ کی تصدیق کرکے اپنی رپورٹ لارڈ ڈلہوزی کے پاس بھیج دی۔ لارڈ ڈلہوزی نے اودھ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۳۰۔ جنوری ۱۸۵۶ء کو جنرل آوٹ رم نے شاہ اودھ کے وزیراعظم کو اطلاع دی کہ کمپنی اودھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ شاہ اودھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ایک معاہدے پر دستخط کردے جس میں یہ مرقوم ہو کہ شاہ اودھ اپنی

مرضی سے اودھ کے تخت کو چھوڑ رہا ہے۔ شاہ اودھ نے اسے ماننے سے انکار کردیا۔ شاہ اودھ کو مزید سوچنے کے لئے تین دن کی مہلت دی گئی۔ تین دن کے بعد بھی شاہ اودھ کا انکار قائم رہا۔ ۷۔ فروری ۱۸۵۶ء کو میجر جنرل آوٹ رم نے اعلان کردیا کہ "آج سے اودھ پر کمپنی کا قبضہ ہے" اس اعلان کے بعد اس نے کلکتہ کو سپریم کونسل کی ہدایات کے مطابق اودھ کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ حکومت کے کئی ایک شعبوں کے افسروں اور کارکنوں نے کمپنی کی ملازمت کرنے سے انکار کردیا۔ شاہ اودھ کے منتشر شدہ فوج کے سپاہیوں نے نئی فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کیا۔ شاہی محلوں' پارکوں' باغوں اور خزانوں پر قبضہ کرلیاگیا۔ شاہی میوزیم اور لائبریری (جس میں دو لاکھ کتابیں تھیں) کو بھی ضبط کرلیاگیا۔ شاہ اودھ کے تازی' ایرانی اور انگریزی گھوڑوں کو نیلام کردیاگیا۔ بیگمات اودھ سے بھی ناروا سلوک کیاگیا۔ ۲۳۔ اگست ۱۸۵۶ء کو جب بیگمات کو محل سے نکالیاگیا تو اس وقت عام خوش خلقی کے اصولوں کو بھی نظرانداز کردیاگیا۔ واجد علی کو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ سالانہ کی پنشن دے کر کلکتہ میں جلاوطن کردیاگیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے بغیر جنگ کے اودھ پر قبضہ کرلیا لیکن اس قبضہ کو برقرار رکھنے کے لئے کمپنی کو ایک سال بعد اودھ کے کونے کونے میں لڑنا پڑا۔

مئی ۱۸۵۷ء میں دیسی فوجوں نے بے چینی کے مظاہرے کئے۔ جون میں اودھ کے گورنر سرہنری لارنس نے کرنل نیل کو جو اس وقت الہ آباد تھا۔ اطلاع دی کہ باغیوں نے سیتاپور' شاہ جہاں پور اور فیض اباد پر قبضہ کرلیا ہے اور یہ کہ باغی سپاہی لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جون کے ختم ہونے سے پہلے باغی سپاہیوں نے لکھنؤ کو گھیرلیا تھا۔ اسی اثنا میں سارا اودھ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ۳۰۔ جون کو سرہنری لارنس نے باغیوں کی ایک فوج پر حملہ کیا لیکن شکست کھاکر واپس ہوا۔ اب سرہنری نے ریزیڈنسی میں چلے جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اگلے دن قلعے میں آگ لگا کر سرہنری ریزیڈنسی میں چلاگیا۔ جہاں وہ زخمی ہوا اور ۱۰۔ جولائی کو چل بسا۔ بریگیڈیر جنرل انگلس باغیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ سرہنری لارنس کی موت اور لکھنؤ ریزیڈنسی میں جنرل ہیولاک کی آمد کی درمیانی مدت میں باغیوں نے ریزیڈنسی پر شدید حملے کئے۔ جنرل ہیولاک کان پور سے دو ہزار سپاہی لے کر لکھنؤ کی طرف آرہا

تھا۔ باغیوں کی تعداد اس سے بیس گنا زیادہ ہوگی۔ باغیوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ جنرل ہیولاک کو ریزیڈنسی میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ریزیڈنسی میں محصور انگریزوں نے توپوں کی آواز سنی۔ اگلے دن یہ آواز زیادہ قریب ہوگئی۔ جنرل ہیولاک کی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی۔۔ ہر گلی اور ہر بازار میں لڑائی شروع ہوگئی۔ جنرل ہیولاک اور سر جیمز آوٹ رم کی فوجیں ریزیڈنسی میں داخل ہوگئیں۔ ان فوجوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ باغیوں پر غلبہ پاسکتیں۔ پھر بھی ان کے آنے سے ریزیڈنسی میں محصور انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مزید کمک کا انتظار ہونے لگا۔ سر جیمز آوٹ رم نے اب اپنے مورچے کو وسیع کرنا چاہا۔ چنانچہ آس پاس کے محلوں' باغوں اور مکانوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں قلعہ بندیاں قائم کردیں۔ جب انگریزی فوج نے ان مقامات پر قبضہ کیا تو سپاہیوں نے ہیروں' کپڑوں' شالوں' ٹوپیوں' کتابوں' قلمی نسخوں پستولوں اور دوسری چیزوں کو اس کثرت سے لوٹا کہ ان سے "لندن کے پچاس سوداگروں کی دکانیں بھر جاتیں۔"

مسجدوں' محلوں' پبلک عمارتوں کو مسمار کرتا ہوا سرکولن ریزیڈنسی کی طرف بڑھا۔ سرکولن کا ارادہ تھا کہ وہ ریزیڈنسی کی فوج کو کان پور پہنچادے۔ کیوں کہ اس کے خیال میں اتنی تھوڑی فوج سے باغیوں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ باغیوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ لکھنؤ چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ سب سے پہلے زخمیوں کو دل کشا میں پہنچایا گیا۔ دوسرے دن عورتوں اور بچوں کو' تیسرے دن ریزیڈنسی کو ایک ایسی فوجی چال سے خالی کیا گیا کہ اس کے خالی کئے جانے کے بعد بھی باغی اس پر گولے برساتے رہے۔ انگریزی فوج ایک سپاہی ضائع کئے بغیر ریزیڈنسی سے دل کشا پہنچ گئی۔ جنرل ہیولاک کو تھکاوٹ' محنت اور پریشانی نے موت کی نیند سلادیا۔

سرکولن کو کان پور سے اطلاع ملی ہے وہاں باغیوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ چنانچہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۵۷ء کو وہ کان پور روانہ ہوا۔ جنرل آوٹ رم عالم باغ ہی میں رہا۔ سرکولن کے کان پور پہنچ جانے سے حالات انگریزوں کے حق میں ہوگئے۔ سرکولن نے انگریز عورتوں اور بچوں کو الہ اباد میں بھیج دیا جہاں سے وہ کلکتہ چلے گئے۔

اب سرکولن دوبارہ لکھنؤ کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں انگلستان سے

تیئس ہزار سپاہی مدراس، بمبئی اور کلکتہ میں اتر چکے تھے۔ کان پور کے ارد گرد سے باغیوں کو نکالنے کے بعد سر کولن ۱۱۔ فروری ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ کی طرف بڑھا چونکہ سر کولن کے پاس بہت بڑا توپ خانہ تھا اس لئے وہ آہستہ آہستہ لکھنؤ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ناظم محمد حسین اور بندے حسین نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ لکھنؤ میں حفاظتی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ یکم مارچ ۱۸۵۸ء کو سر کولن نے بنتارا میں لکھنؤ پر حملہ کرنے کی اسکیم تیار کی۔ سب سے پہلے وہ دریا کو پار کرنا چاہتا تھا۔ محافظوں کی کشتیوں کا پل تباہ کر دیا تھا۔ سنگین اور آہنی پلوں پر توپیں چڑھادی گئیں تھیں۔ سر کولن نے دل کشا پہنچ کر اپنی فوجوں کی صف بندی کی اور اپنی توپوں کا منہ شہر کی طرف کر دیا۔ اس کی فوج کی دائیں طرف گومتی تھا اور بائیں طرف اس کی فوج عالم باغ تک پھیلی ہوئی تھی۔ دل کشا سر کولن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ سر کولن کی فوج تیئس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

۶مارچ کو باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ ۷۔ مارچ نے لڑائی میں مزید تیزی دیکھی۔ ۹۔ مارچ کو توپوں نے شہر پر گولے برسانے شروع کئے۔ محافظوں نے شکست کھائی۔ انگریزی فوج شاہی باغ کی طرف بڑھی۔ یہاں سے انگریزوں نے قیصر باغ کی حفاظتی لائنوں پر گولے برسانے شروع کئے۔ ۱۰۔ مارچ کو انگریزی فوج نے آہنی دروازے کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا لکھنؤ کی پہلی حفاظتی لائن ٹوٹ چکی تھی۔ ۱۴۔ مارچ کو امام باڑہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اسی دن انگریزی فوج قیصر باغ میں داخل ہوئی۔ لوگوں نے شہر سے بھاگنا شروع کر دیا۔ جن محلوں میں انگریزی قبضہ ہوتا ان میں لوٹ مار ہوتی۔ اگلے دن باغی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بالائی اودھ اور روہیل کھنڈ کی طرف بھاگ گئی۔ ۱۷۔ مارچ کو شہر پر انگریزوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔ لکھنؤ انگریزی قبضہ میں آ چکا تھا لیکن باغی فوج ہنوز میدان میں تھی۔

لکھنؤ سے باغیوں کو نکل جانے کی اطلاع پر کلکتہ اور لندن میں شدید نکتہ چینی ہوئی۔ سر جیمز آوٹ رم کی جگہ مونٹ گمری کو سول کمشنر مقرر کیا گیا۔ سر جیمز آوٹ رم گورنر جنرل کی کونسل کا فوجی ممبر مقرر ہوا۔ روہیل کھنڈ میں بہادر خاں باغیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ نانا صاحب بھی لکھنؤ سے بھاگ کر بریلی پہنچ چکا تھا۔ باغیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر انھیں روہیل کھنڈی میں ناکامی ہوئی تو وہ وسطی ہندوستان کی

طرف چلے جائیں گے' اس فیصلے سے مطلع ہو کر سرکولن نے باغیوں کو روہیل کھنڈ میں محصور کرنے کی سکیم مرتب کی اور وسطی ہندوستان کے باغیوں کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بمبئی اور مدراس کی حکومتوں کو لکھ دیا۔ انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے بہادر خاں نے بریلی میں تیاریاں کرلی تھیں۔ انگریزی فوج نے چاروں طرف سے روہیل کھنڈ پر حملے کئے تھے لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اپریل ۱۸۵۸ء گزر گیا۔ ۲۔ مئی کو سرکولن' شاہ جہاں پور سے بریلی کی طرف بڑھا۔ ۷۔ مئی کو باغیوں نے شہر کو خالی کردیا۔ سرکولن کی غیر حاضری میں باغیوں نے شاہ جہاں پور کو گھیرلیا۔ بیگم اودھ' ناناصاحب اور شہزادے (فیروز شاہ) اپنے سپاہیوں سمیت شاہ جہاں پور پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں سرکولن بھی کمک لے کر آ گیا۔ باغی پھر منتشر ہو گئے۔

میرٹھ' دلی' کان پور' لکھنؤ اور بریلی کے علاوہ ہندوستان کے جن گوشوں تک بغاوت کا اثر پہنچا تھا' ان کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ اس کتاب کا ایک باب اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ مختصر طور پر چند واقعات کو پیش کیا جارہا ہے۔

اودھ اور بنگال کے درمیان دیناپور (بہار) میں بھی جولائی ۱۸۵۷ء میں دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی۔ اگست میں سارا بہار بغاوت پر آمادہ تھا۔ ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ستمبر تک مشرقی بنگال اور آسام بھی بغاوت سے متاثر ہوئے۔

چونکہ آگرہ کمپنی کے شمال مغربی صوبوں کا صدر مقام تھا اس لئے وسطی ہندوستان' بریلی' اودھ اور دوسرے مقامات سے بھاگے ہوئے انگریز وہاں پہنچتے رہے۔ پناہ گزینوں کو قلعہ میں رکھا گیا۔ آگرے میں بھی بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت میں سپاہی اور غیر سپاہی دونوں شریک تھے۔

ناگ پور میں مقیم انگریزی فوج میں دیسی سپاہیوں کی کافی تعداد تھی لیکن انگریز کمشنر نے جسارت اور ہوشیاری سے ان کے ہتھیار چھین لئے۔ جن سپاہیوں سے ہتھیار چھینے گئے تھے وہ زیادہ تر شمالی ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ مدراسی سپاہیوں نے چونکہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا اس لئے انھیں مسلح رہنے دیا۔ جون کے اختتام تک بغاوت کے سارے آثار مٹائے جا چکے تھے۔ ناگ پور کے شمالی

علاقوں میں بھی انگریز افسر دیسی سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

بندھیل کھنڈ میں بغاوت کا بہت زور تھا۔ اس بغاوت کا مرکز جھانسی میں تھا۔ ۴۔ جون ۱۸۵۷ء کو دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی اور چھاؤنی میں کئی انگریز قتل کردیے۔ بہت سے انگریزوں نے شہر کے قلعے میں پناہ لی۔ کافی مدت تک باغیوں کا مقابلہ کرنے کے بعد انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ باغیوں نے انھیں گرفتار کرکے مردوں کو ایک قطار میں کھڑا کردیا اور بچوں اور عورتوں کو دوسری قطار میں۔ پہلے مردوں کو قتل کیا گیا اور بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ آخر میں عورتوں کو بھی قتل کردیا گیا۔

اگرچہ ہلکر اور سندھیا کمپنی کی وفادار رہے، پھر بھی بغاوت ان کی ریاست تک جا پہنچی۔ ہلکر کی فوجوں نے بغاوت کی۔ اندور میں کئی انگریز قتل کردئے گئے۔ جولائی میں ہلکر کی ساری ریاست میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ سندھیا بھی انگریزوں کا وفادار رہا لیکن اس کی ریاست میں بھی بغاوت ہوئی۔ گوالیار کی ساری دیسی فوج نے بغاوت کردی لیکن جب انھیں یقین ہو گیا کہ مہاراجا ان کا شریک کار نہیں ہو سکتا تو باغی سپاہی بغاوت کے دوسرے مرکزوں کی طرف چل دیے۔

سرہیوروز کو ان علاقوں کی بغاوت کی روک تھام کے لئے بھیجا گیا۔ وہ سب پہلے جھانسی کی طرف بڑھا۔ ناناصاحب کا بھائی باغیوں کا سرغنہ تھا۔ کھلے میدانوں میں باغیوں اور انگریزوں میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ سرہیوروز نے جھانسی کا محاصرہ کرلیا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں تانتیاتوپی نے محاصرہ اٹھانے کے لئے ہلا کیا۔ وہ بڑی بہادری سے لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ جنگلوں کی طرف نکل گیا۔ جھانسی کی رانی۔ لکشمی بائی، فصیل کی دیواروں پر سے اپنی فوج کی شکست دیکھ رہی تھی۔ وہ اسی رات اپنے ہمراہیوں سمیت جھانسی سے بھاگ گئی۔ انگریزی فوج جھانسی میں داخل ہوگئی۔ لوٹ مار اور قتل عام!

تانتیاتوپی، کالپی میں اپنی فوجوں کو جمع کررہا تھا۔ آس پاس کے علاقوں سے باغی سپاہی وہاں جمع ہو رہے تھے۔ تانتیاتوپی کی فوج میں دس ہزار سپاہی شامل ہوگئے۔ تین ہزار مرہٹے اور سات ہزار مسلمان، لکشمی بائی بھی تانتیاتوپی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ دونوں نے مل کر سرہیوروز کو کالپی پہنچنے سے روکا لیکن دونوں نے شکست

کھائی۔ ہیو روز کالپی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کالپی میں انگریزوں اور باغیوں میں شدید لڑائیاں ہوئیں۔ باغیوں نے رات کی تاریکی میں شہر خالی کردیا۔ سر ہیو روز کالپی میں داخل ہوا۔ اگلے روز باغی سپاہی گوالیار میں داخل ہوئے۔ سندھیا کو گدی سے اتار دیا گیا۔ سندھیا نے آگرہ کی راہ لی۔ نانا صاحب کے پیشوا ہونے کے اعلان کو دہرایا گیا۔ باغیوں نے سندھیا کے خزانوں پر قبضہ کرلیا۔

جب سر ہیروٹ کو اطلاع ملی کہ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کرلیا تو وہ فوج لے کر سندھیا کی راجدھانی کی طرف بڑھا۔ لکشمی بائی نے اس کمک کو روز تک نہ جانے کے لئے اس پر حملہ کردیا۔ شدید لڑائی ہوئی۔ لکشمی بائی زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑی۔ تانتیا توپی نے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے لڑائی کو جاری رکھا لیکن شکست کھائی۔ تانتیا توپی آٹھ ہزار سپاہیوں کو لے کر جے پور کی طرف چل دیا۔ باغیوں کی مرکزیت ٹوٹ چلی تھی۔ ستمبر ۱۸۵۸ء کے بعد گوریلا لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ نانا صاحب نیپال میں چلا گیا۔ تانتیا توپی نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا یہاں تک کہ اس نے گرفتار ہو کر موت کی سزا پائی۔ منگل پانڈے نے جس بغاوت کو شروع کیا تھا اسے تانتیا توپی کی موت نے ختم کردیا۔

تنگ نظر مورخوں نے ۱۸۵۷ء کی تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا۔ باغی سپاہیوں کے مظالم کو تاریک ترین لفظوں میں بیان کیا گیا۔ ان مورخوں کی وقائع نگاری نے ساری انگریز قوم کے دل میں ہندوستان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جب تصویر کا صرف ایک رخ ہی سامنے ہو تو دوسرا رخ دیکھنے کے لیے ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا رخ دیکھتے ہی جذبات میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ جوش کے جذبہ سے متاثر ناظر تصویر کے پہلے رخ کو نظر انداز کردیتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تصویر سے یہی سلوک ہوتا رہا۔ دیکھنے والوں کو صرف ایک ہی رخ سے مشتعل کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ ظاہر ہے کہ جب تک اس تصویر کے دونوں رخ پیش نہ کئے جائیں اس وقت تک اس واقع کے اسباب و نتائج مرتب نہیں ہوسکتے۔ صرف ہندوستانیوں کے ظلم و ستم پیش کرنے والے مورخوں نے اپنی جماعت کی ضد پیدا کی۔ مورخوں کی اس نئی جماعت نے صرف دوسری طرف کے مظالم کو اجاگر کرنا چاہا جس سے اسباب و نتائج کی ترتیب میں وہی دقت باقی رہی۔ وقائع نگاری کی

دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ اس تصویر کے دونوں رخ پیش کئے جائیں۔ جس ہندوستانی طالب علم کو نانا صاحب کے مظالم پڑھائے جاتے ہیں اسے یہ بھی بتانا چاہئے کہ جب کرنل نیل الہ آباد سے کان پور پہنچا تو اپنے پیچھے سڑک کے دونوں کناروں کے درختوں پر ہندوستانیوں کی نعشوں کو لٹکتا ہوا چھوڑ گیا۔

میرٹھ کی فوج بغاوت نے صوبہ جات' متحدہ' دلی' کسی حد تک صوبے جات متوسط بہار میں ایک عام بغاوت کی صورت اختیار کرلی تھی۔ پنجاب کے کئی ایک مقامات میں فوجی سپاہیوں نے بغاوت کی۔ عام پنجابی اس بغاوت میں شریک نہ ہوئے۔ پنجاب کی کثیر آبادی پچھلے سو سال سے کچلی جارہی تھی۔ اس میں نہ ملکی شعور تھا اور نہ قومی بیداری۔ سکھوں کی شکست سے سپاہی منتشر ہوچکے تھے۔ ان کا پیشہ سپہ گری تھا۔ ان سپاہیوں کا انگریزی فوج میں بھرتی ہوکر دوسرے صوبوں میں جانا کسی قسم کی حیرت پیدا نہیں کرتا۔ چند سال پہلے ان صوبوں کے سپاہی بھی تو انگریزی فوج میں بھرتی ہوکر پنجاب کو شکست دے چکے تھے۔ یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت اس لئے ناکام رہی کہ پنجابی سپاہیوں نے دلی کے محاصرے میں انگریزوں کی مدد کی تاریخی واقعات کے نتائج کے اسباب کو جھٹلاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی ناکامی یقینی تھی۔ فوجیوں نے بغاوت کی۔ عوام ان کے ساتھ ہولئے۔ انگریزی دشمنی کے جذبات کو بھڑکایا گیا۔ جوش میں آکر لوگوں نے ایسے کام کئے جو انقلاب پسندوں کے شایان شان نہیں ہوتے۔ عوام کو ایک ایسے نظام کے بچانے کے لئے لڑایا جارہا تھا جو اپنے طبعی سن تک پہنچ چکا تھا۔ ان باغیوں نے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔شاید یہ بات بھی سکھوں کے لئے ناقابل قبول ہو! بوڑھا' کمزور اور شاعر بہادر شاہ بیاسی کے سن میں ہندوستانی عوام کے حقوق کے متعلق کیا اعلان کرسکتا تھا؟ اس کی ذات اور اس کے تخت سے اشاریت کا کام نہیں لیا جاسکتا۔ ہندوستان کی کون سی قوم تھی جو اس تخت پر کلھاڑے نہیں چلا چکی تھی؟ بہادر شاہ کے نام پر مغلوں' افغانوں' سکھوں' راجپوتوں' روہیلوں اور مرہٹوں کو یک جا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان سب کو اکٹھا کرنے کے لئے کسی "انسانی حقوق کی آزادی کے اعلان" کی ضرورت تھی۔ باغی سپاہی اور باغی عوام نہ انسانی حقوق سے واقف تھے اور نہ آزادی کے مفہوم سے آشنا۔

بغاوت کا نعرہ "انگریزوں کو نکال دو" تھا۔ اس لئے اس بغاوت میں تمام ایسے عناصر شریک ہو گئے جنھیں انگریزوں سے نقصان پہنچا تھا۔ ان عناصر میں کوئی ہم رنگی نہیں تھی۔ وہ سب کے سب اپنے اپنے خیال کے مطابق "ہندوستان کی آزادی" کے لئے لڑ رہے تھے۔ آزادی کے متعلق ہر پارٹی کا اپنا اپنا خیال تھا۔ یہ خیالات اگرچہ ظاہر نہیں کئے گئے تھے لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ایک مشترکہ دشمن نے مخالف اور متضاد عناصر کو یک جا تو کردیا تھا لیکن ان عناصر کے تحت الشعور اپنی اپنی عظمت اور اپنے اپنے راج کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ جب بہادر شاہ قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ گزین ہوا تو اس وقت بخت خاں نے اس سے کہا کہ وہ باغیوں کے ساتھ دلی چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا جائے تاکہ انگریزوں کے خلاف لڑائی جاری رکھی جا سکے۔ بہادر شاہ نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ بخت خاں کے ساتھ چلا جائے گا لیکن جب بہادر شاہ سے کہا گیا کہ "بخت خاں پٹھان ہے اور وہ حضور کو مروا کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے" تو بہادر شاہ نے اس کا مزید ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بغاوت کرنے والوں کے خیالات اوز مقاصد کس قدر مختلف تھے؟

ایک ہنگامی مقصد نے جن مخالف اور متضاد عناصر کو اکٹھا کردیا تھا ان کا زیادہ دیر تک ایک ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ ہندوستان وطنیت اور قومیت کے تصور سے ناآشنا تھا۔ ہندوستان جن عناصر سے عبارت تھا وہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ان مخالف عناصر کو انگریزوں سے لڑایا گیا۔ اگر یہ عناصر کامیاب بھی ہو جاتے تب بھی ان کا زیادہ دیر تک ایک ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ ان عناصر کے تصادم سے ایک طویل اور خوف ناک خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت ناکام رہی لیکن اس ناکامی نے بھی کمپنی کی حکومت ختم کردی۔ ہندوستان کمپنی کے قبضہ سے نکل کر تاج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا۔

۲۷۔ جنوری ۱۸۵۸ء کو بہادر شاہ کا مقدمہ برطانوی افسروں کی ایک عدالت میں پیش ہوا۔ طویل سماعت کے بعد بہادر شاہ کو جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ اسے رنگون میں نظربند کردیا گیا۔ قریباً" پانچ سال بعد بہادر شاہ نے رنگون میں وفات پائی۔

۱۸۵۸ء کے اختتام تک ہندوستان کے حالات پہلی صورت پر آ گئے۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ کے ایک اعلان نے ہندوستان کو کمپنی کی حکومت سے نکال کر اسے تاج برطانیہ کے ماتحت کردیا۔ یہ اعلان محض رسمی طور سے کیا گیا تھا کیوں کہ ۱۸۵۳ء کے چارٹر ایکٹ نے کمپنی کے سیاسی اقتدار کو پہلے ہی ختم کردیا تھا۔ لارڈ کیننگ جو کمپنی کے دور حکومت کا آخری گورنر جنرل تھا تاج برطانیہ کے ماتحت ہندوستان کا پہلا وائسرائے مقرر کیا گیا۔

ضمیمہ:۱

اخبار اور کتابیں

کلاؤ اور کیننگ[۱] کی درمیانی مدت میں ہندوستان کی معاشرت میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اس صدی میں مغلوں کے جن صوبے داروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کی تھیں ان میں سے چند ایک اپنا وجود برقرار رکھ سکیں۔ مغلوں کی سلطنت مٹ گئی۔ مرہٹوں نے ہندوستان کی مرکزی سلطنت کو برقرار رکھنے اور اسے زیر نگین کرنے کے لئے جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ دکن میں ٹیپو سلطان اپنی سیاسی آزادی کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ مرہٹوں کا اقتدار ختم ہوگیا۔ اودھ کی مملکت مٹ گئی۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کی قائم کردہ سلطنت پنجاب بھی اسے اسی دور میں ختم ہوگئی۔ اس دور نے اپنے پیش رو دور کی تمام علمی' ادبی اور صنعتی ترقیوں کو ختم کردیا۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں ہندوستانیوں کا زندگی کے کسی شعبے میں ترقی کرنا ناممکن تھا۔ ایک اجنبی قوم کے سیاسی تفوق نے ہندوستانی زندگی کی بنیادیں ہلادیں۔ مغلوں کے زوال کے بعد اگر ہندوستان کی کوئی قوم مرکزیت کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوجاتی تو ہندوستان بہت بڑے سیاسی اور صنعتی نقصان سے بچ جاتا لیکن ایک اجنبی قوم کے سوداگروں کی ایک جماعت نے جس کے پیش نظر محض نفع اندوزی تھی ہندوستان کے بڑے سے بڑے نقصان کو اپنے مفاد کے لئے نظرانداز کردیا۔ کمپنی کے اس سیاسی غلبے نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے کمزور کردیا۔ کمپنی' سیاسی غلبے کے عروج میں بھی نظم و نسق سے رعایا کے حقوق کی نگہداشت کا کام نہیں لے رہی تھی۔ ہندوستان کے بہت سے حصوں میں تراج کا دور دورہ تھا۔ کاشتکار کھیتی باڑی سے غافل تھا اور صناع کو بدحالی نے بے کار بنادیا تھا۔ کمپنی کے حصہ داروں کو اپنی رعایا کی تعلیم کا زیادہ خیال نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس دور

میں جن علمی کاوشوں کا آغاز ہوا وہ ابھی تک جاری ہیں۔

کمپنی کے عہد میں ہندوستانیوں کی معاشی حالت کیوں کر بہتر رہ سکتی تھی۔ ایک ایسے ملک کو جس کی برآمد، درآمد سے کئی گنا تھی، محض درآمد کے لئے مخصوص کردیا گیا۔ اس طرح ہندوستان کی معاشی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ ہندوستان کے دستکاروں نے انگلستان کی مشینوں کا حیرت انگیز طور پر مقابلہ کیا۔ وہ اس مقابلے میں جیت جاتے اگر انھیں بھی کسی قومی حکومت کے تحفظات یا مراعات حاصل ہوتے۔ کمپنی کو ہندوستان کی صنعت و حرفت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لہٰذا زوال یقینی تھا۔ زوال آیا۔ بے کاری سے جو لوگ بچ جاتے، انھیں قحط ختم کردیتا۔ قحط سے بچے ہوئے سخت جان، وباؤں کا شکار ہوجاتے۔ اس پر بھی کمپنی ہر سال اپنے حصے داروں میں زیادہ سے زیادہ منافع تقسیم کرتی۔ معیار زندگی بہت گر گیا۔ افلاس نے ادب اور آرٹ کی تخلیق کے ساتھ ستائش کا جذبہ بھی چھین لیا۔

مغلوں کے زوال سے فنون لطیفہ کو سخت نقصان پہنچا۔ فنون لطیفہ کے سرپرست مٹ چکے تھے۔ آرٹسٹ جاگیردار کی سرپرستی سے محروم ہوگیا۔ اس کے لئے کوئی دربار باقی نہ رہا۔ دہلی کے آرٹسٹوں نے حیدرآباد اور لکھنؤ کی راہ لی۔ چونکہ کمپنی کو اپنے سول ملازموں کے لئے فارسی کی تعلیم دلانا ضروری تھا اس لئے کمپنی ابتدا میں ہر سال اپنے چند ملازموں کو دوسرے ملکوں میں بھیجتی رہی لیکن آخرکار کمپنی نے اپنی آسانی کے لئے بعض فارسی مدرسے اور اشاعتی ادارے قائم کئے۔ مغلوں کے عہد حکومت میں اگرچہ دفتری زبان فارسی تھی لیکن انھوں نے دیسی زبانوں کی بھی سرپرستی کی۔ کمپنی کے عہد حکومت میں بھی فارسی کو دفتری زبان کی حیثیت حاصل رہی یہاں تک کہ انیسویں صدی کے دوسرے ثلث میں اردو نے فارسی کی جگہ لے لی۔

جنگ پلاسی سے پیشتر فارسی زبان شاہی سرپرستی سے محروم ہوچکی تھی لیکن اس کے باوجود ہندوستان بھر میں فارسی مدرسے موجود تھے۔ اس قسم کے مدرسے انگریزوں کے آنے سے پیشتر پنجاب میں بھی باقی تھے۔ بعض مقامات میں آج بھی اس قسم کے مدرسے موجود ہیں۔ ان مدرسوں میں مذہب اور ملت سے قطع نظر ہندوستانی طالب علم تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لارڈ مٹکاف کے عہد تک اس قسم کے

فارسی مدرسوں کا جال ہندوستان میں بچھا ہوا تھا۔ مغلوں نے فارسی کی ہر طرح حوصلہ افزائی لیکن کمپنی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب کمپنی نے اپنی رعایا کی تعلیمی ضروریات کا احساس کیا تو اس وقت کمپنی ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دلانے پر آمادہ ہو چکی تھی۔

ابتدا میں کمپنی کے ملازم محض تاجر تھے اس لئے ان میں سے سوائے چند ایک کے دوسروں کو فارسی' اردو یا بنگالی پڑھنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ فارسی وکیلوں اور فارسی منشیوں سے ان کام کام چل جاتا تھا لیکن جب کمپنی نے ملک گیری شروع کی اور اس کی مملکت میں اضافہ ہوا تو کمپنی کے سامنے زبان کا مسئلہ آیا۔ چنانچہ فارسی کی طرف توجہ کی گئی۔ کمپنی کے بعض ملازموں نے اس زبان پر پوری دسترس حاصل کرنے کے بعد فارسی کتابوں کے انگریزی میں ترجمے کیے۔ علم و ادب کی تاریخ میں یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔ انگریزوں کو فارسی زبان کی تعلیم دینے کے لئے وارن ہیسٹنگز نے کلکتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا لیکن یہ مدرسہ زیادہ کام زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ لارڈ ویلزلی نے کمپنی کے سول ملازموں کے لئے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ اس کالج کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو فارسی اور دیسی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دینا تھا۔ اس کالج کے لئے بہترین پروفیسر مقرر کیے گئے۔ عربی کے لئے جان بیلی' فارسی کے لئے کرک پیٹرک' فرانسیسی کے لئے گلیڈون' نیل بنجمن اور ایڈ منسٹون اور ہندوستانی کے لئے جان گلکرسٹ مقرر کیے گئے۔ ان کے علاوہ کئی ایک دوسرے مشاہیر بھی فورٹ ولیم کالج کے اسٹاف میں شامل تھے۔ فورٹ ولیم کالج ہی میں اردو نثر کو سلاست اور روانی نصیب ہوئی۔ مقفیٰ طرز تحریر کو ترک کردیا گیا۔

اردو نے خواہ شمالی ہندوستان میں جنم لیا یا وہ دکن میں پیدا ہوئی اس کی ابتدا فارسی اور دیسی زبانوں کی آمیزش سے ہوئی۔ صدیوں اس سے محض بول چال کا کام لیا گیا۔ جب یہ زبان علمی اور ادبی خیالات کے اظہار کے قابل ہو گئی تو اس میں بلا تکلف اظہار خیال ہونے لگا۔ یکساں ماحول کی وجہ سے اردو نظم و نثر نے شمال اور جنوب میں یکساں اسلوب بیان اختیار کیا۔ جنوب اور شمال کی ہم عصر اردو مقفیٰ اور مسجع تھی۔ اس اسلوب بیان میں چونکہ معانی کو الفاظ پر ترجیح دی جاتی ہے اس لئے

اردو نثر میں زیادہ مفید کام نہ ہو سکا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جدید اردو نثر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اسلوب بیان میں سادگی آگئی۔ اظہار مطلب کے لئے آسان الفاظ استعمال ہونے لگے۔ کالج کے ہندوستانی شعبہ میں میرامن، شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، میر کاظم علی جوان، نہال چند لاہوری، للو لال جی، بنسی نرائن اور دوسرے مشاہیر ادب شامل تھے۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو میں بہت سی علمی کتابیں شائع کیں۔ فورٹ ولیم کالج کے نثر نگاروں نے بہت جلد دہلی کو متاثر کیا۔ لکھنؤ بھی متاثر ہوا۔ اس کالج کے علاوہ دہلی کالج اور آگرہ کالج نے اردو زبان میں بہت سی علمی کتابیں شائع کیں۔ جدید نثر نگاری نے انشاء کو اس حد تک متاثر کیا کہ اس نے "رانی کیتکی کی کہانی" لکھی جو عربی اور فارسی کے الفاظ سے خالی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کی سرپرستی میں بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں کو چونکہ اس کالج سے کوئی منافع نہیں مل سکتا تھا اس لئے انھوں نے اسے بند کردیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فارسی کا زور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان کالکرسٹ نے ایک انگریزی ہندوستانی لغت اور ایک ہندوستانی گریمر مرتب کی۔ ہندوستانی زبان کے متعلق جان گلکرسٹ کا یہ خیال تھا کہ وہ ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور ہندوستان کے ایک وسیع حصے پر پھیلی ہوئی ہے اس لئے وہ ایسی نثر پیدا کرنا چاہتا تھا جو ہندوستان میں عام سرکاری زبان کا کام دے سکے لیکن اس زمانے میں نہ صرف ہندوستانی بلکہ دوسری صوبائی زبانوں میں بھی یہ صلاحیت موجود نہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک کو فارسی کی جگہ دی جاتی۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر میں ایک نیا اسلوب پیدا کیا۔ اردو نثر کا معیار بلند ہونا شروع ہوگیا۔ انشاء اللہ خان انشا نے عام لوگوں کی زبان کو اتنی قوت بخشی کہ اس نے دربار کی مصنوعی زبان کو مسند سے ہٹادیا۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے شاہ انگلستان کی مدح میں جو قصیدہ لکھا اس میں وہ پوڈر، گیلاس، بٹن اور بگل کے انگریزی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس کی ذہانت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بے شمار ہندی ترکیبیں ایجاد کیں۔ اردو نثر کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب قرآن شریف کا وہ اردو ترجمہ تھا جسے مولانا عبدالقادر دہلوی نے کیا۔ یہ ترجمہ ۱۸۲۲ء میں شائع ہوا۔ مشرقی بنگال میں مولوی کرامت علی نے اردو نثر میں بہت سی مذہبی اور

اصلاحی کتابیں لکھیں۔ اسی زمانے میں بنگالی نثر نے ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ وہ اگرچہ اردو نثر کے بعد میدان میں آئیں لیکن طباعت کی آسانیوں اور بنگال کے درمیانہ طبقہ کی ضرورتوں کے پیش نظر اردو سے آگے نکل گئی۔ اس زمانے میں اردو نثر کی کتابیں ٹائپ میں چھپتی تھیں لیکن اردو کی ترقی میں ٹائپ کی عدم مقبولیت سنگ گراں ثابت ہوئی۔ چنانچہ جب ۱۸۳۷ء میں دہلی میں لیتھوگرافی کا پہلا چھاپہ خانہ قائم ہوا تو بہت جلد اردو کی کتابوں کی مانگ بڑھ گئی۔ نیز اردو اخبار بھی نکلنے شروع ہوئے۔ دہلی کالج کے قیام سے اردو میں اعلیٰ درسی نصاب مرتب ہوگیا۔ بنگالی نثر کی طرح اردو نثر پر انگریزی ادب کا براہ راست اثر نہ پڑا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے پیشتر بنگالی نثر نمایاں ترقی کرچکی تھی لیکن اردو اس سے بہت پیچھے تھی۔ اردو میں لکھنے والے عام طور پر انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن بنگالی اہل قلم عام طور پر انگریزی جانتے تھے۔ غالب نے اردو میں ادبی نثر کی بنیاد رکھی۔ غالب کے خطوط میں وہ تمام خوبیاں ہیں جن سے ادبی نثر مزین ہوتی ہے۔

اس صدی میں اردو نظم نے بھی بہت سے دور دیکھے۔ اردو نظم نے اردو نثر سے پہلے اپنے لئے جگہ پیدا کرلی تھی۔ ہندوستان کے سیاسی نراج نے مایوسی اور ناامیدی پیدا کررکھی تھی۔ یاس کی اس شدت نے اردو شاعروں کو متاثر کیا۔ درباری شاعری کی داد دینے والے ختم ہورہے تھے۔ شاعروں کے پاس افسردگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ عوام جہالت اور ناامیدی کا شکار تھے۔ امراء کو بدامنی کا سامنا تھا۔ ان حالات میں شاعر جو کچھ کہہ سکتے تھے وہ ظاہر ہے۔ سودا (۱۷۱۳ء سے ۱۷۸۰ء) نے دلی کی ویرانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن وہ دلی ہی میں رہنا چاہتا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ نواب شجاع الدولہ کے دربار (فیض آباد) میں پہنچا۔ شجاع الدین کی موت کے بعد آصف الدولہ (۱۷۷۵ء۔ ۱۷۹۷ء) نے لکھنؤ کو اپنی راجدھانی بنایا۔ چنانچہ سودا بھی لکھنؤ پہنچا۔ میرزا محمد رفیع سودا کی "شہر آشوب" سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ دہلی کی فوج کے پیادے "سوڈریں سر منڈاتے نائی سے" اور "سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے" مسجدیں ویران اور عمارتیں بے آباد تھیں۔ باغوں میں پھولوں کی جگہ کمر کمر تک گھاس تھی۔ سودا کی طرح میر تقی میر (متوفی۔ ۱۸۱۰ء) بھی دلی کی تباہی اور بربادی پیش کرتا ہے۔ دلی کی بربادی کے

بعد لکھنؤ اردو کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ میر کو بھی دہلی چھوڑ کر لکھنؤ جانا پڑا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے انہیں مدعو کیا۔ لیکن بڈھے میر کے لئے لکھنؤ چھوڑنا مشکل تھا۔ سودا میں طنز ہے لیکن میر میں درد' سادگی اور جوش۔ میر نے اپنی زندگی کے جو حالات لکھے ہیں ان کے زمانے کے سیاسی اور تمدنی حالات کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ سید انشاء اللہ خاں انشا (۱۷۵۷ء - ۱۸۱۷ء) کی جدت پسندی دلی کے درباری اسلوب سے بالکل جداگانہ تھی۔ دلی میں اسے مقبولیت نہ ہو سکی۔ لکھنؤ میں انشاء نواب سعادت علی خاں (۱۷۸۹ء - ۱۸۱۴ء) کا مصاحب بن گیا لیکن شاہی عتاب نے اس کی زندگی کے آخری دنوں کو تلخ کردیا۔ انشاء کی طباعی اور ذہانت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انشاء نے دربار میں ہوتے ہوئے بھی عوام کی زبان استعمال کی۔ اردو شاعری میں عوام کی زبان استعمال کرنے میں نظیر اکبر آبادی (متوفی - ۱۸۲۰ء) انشاء سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ انشا اور نظیر ہم عصر تھے۔ نظیر کا فکر و لغت محدود نہیں۔ اس کے خیالات میں وسعت اور الفاظ میں اثر ہے۔ اس نے ہر اس موضوع پر طبع آزمائی کی جس کا تعلق عوام سے تھا۔ انیسویں صدی میں حقیقت سے گریزاں شاعری کے خلاف سب سے پہلے اکبر آباد (آگرہ) کے اسی شاعر نے بغاوت کی۔ لکھنؤ دربار کی وجہ سے اردو ادب میں مرثیہ اور ڈراما نے نمایاں ترقی کرلی۔ مرثیہ میں انیس اور دبیر ہم عصر تھے۔ "ان کی شاعری محض فصاحت و بلاغت کی نمائش نہ تھی۔ ان کا کلام محض درباری حلقوں کے لئے نہ تھا۔ انہیں ان عظیم الشان واقعات پر کامل اعتقاد جنھیں وہ مختلف پہلوؤں سے اپنے مرثیوں میں بیان کرتے تھے۔ ان کے مخاطب عالم اور عامی دونوں قسم کے لوگ تھے' جو سنجیدہ مذہبی مجالس میں جمع ہوتے تھے۔ انیس کی شہرت' شخصیت پڑھنے میں ان کا پر تاثیر آواز اور انداز جن کے باعث ان کا کلام دلوں میں اتر جاتا تھا اور ذوق شاعری جو ان کے خاندان میں موروثی تھا' ان خصوصیات کی بدولت اور ان کے ساتھ دبیر کی طباعی کی بدولت جو ان کے ہم پلہ تھے' اردو شاعری میں مرثیے کو لاجواب حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ اصحاب اپنی جولا نئے طبع کا میدان وسیع کرتے گئے حتی کہ زندگی کے جس قدر واقعات و تجربات ان کو معلوم تھے وہ سب ان کے مرثیے میں نظم ہوگئے۔ ان کے مذہبی عقائد کے باعث ان کے کلام میں خلوص کی موجودگی لازم تھی۔ قدرتی مناظر'

خانگی زندگی کے نظارے' ناموافق حالات میں شجاعت کے کارنامے' گھوڑے اور تلوار کی تعریف' ادائے فرض کے لطیف احساسات' ضمیر کی آواز' عجز و انکساری' محبت' دوستوں اور ہم جلیسوں کی وفاداری اور دیگر ہزاروں باتیں شستہ اور رواں اشعار میں' رزمیہ شاعری کی فراوانی اور شان و شوکت کے ساتھ نظم کی گئی ہیں۔ جب اس زبردست تحریک کا خاتمہ ہوگیا جس کے باعث ہنرمند اور طباع شاعر زندگی کے اس قدر وسیع اور متنوع واقعات پر زور طبع صرف کرنے لگے تھے تو مرثیہ کم تر قابلیت والوں کے ہاتھوں عامیانہ معیار پر آگیا اور اس کا اثر وسیع ادبی دنیا کی بجائے محض ایک محدود حلقے تک رہ گیا۔

امانت کے ڈرامے "اندر سبھا" نے اردو ادب میں ایک نئی طرح ڈالی۔ لیکن اس زمانے میں اردو سے کہیں زیادہ بنگالی ڈرامے کو فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے میں اگرچہ دربار لکھنؤ کی سرپرستی کے باعث وہاں علم و فن کا چراغ روشن تھا تاہم دہلی میں ابو ظفر بہادر شاہ نے شعر و شاعری کی محفل کو گرمائے رکھا۔ وہ خود ایک اچھا شاعر تھا۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق' شاہ کا استاد تھا۔ غالب ان دونوں کا ہم عصر تھا۔ لیکن فکر و فن میں اس نے اپنے لئے نئی راہیں نکالیں۔ غالب نے نظم و نثر سے اردو کو متاثر کیا۔ ذوق' غالب اور ظفر کے متعدد نمایاں ہم عصر شاعروں میں مومن بھی تھا۔ مومن ابھی تک اپنے مستحق مرتبہ سے محروم ہے۔ دہلی کا یہ حسین اور نفاست پسند شاعر درباروں سے دور رہا۔ شاید اسی سبب سے اس کے ہاں قصیدوں کی کمی ہے۔ وہ سادگی کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ مشکل پسند ہے۔ اس کا کلام فارسیت میں ڈوبا ہوا ہے۔

جس زمانے میں اردو کے محرر انگریزی کا ایک لفظ تک نہیں جانتے تھے بنگالی کے ادیب اور شاعر انگریزی ادب سے متاثر ہوکر بنگالی کے دامن کو وسیع کررہے تھے۔ جب اردو زلف و خال کو دانہ و دوام بناکر پیش کررہی تھی تب بنگالی' مسائل حیات کے حل میں مصروف تھی۔ بنگالی نے اردو سے پہلے ادبی اور تعلیمی حیثیت اختیار کرلی۔ صوبجاتی زبانوں کی وجہ سے عربی' فارسی اور سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم ایک جماعت کے لئے مخصوص ہوگئی۔ ہندوستان کی صوبہ جاتی زبانوں کی یہ تحریک یورپ کی تحریک احیاء سے ملتی جلتی ہے۔ احیاء سے پہلے یورپ کی علمی زبان لاطینی تھی۔

لیکن اس تحریک کے بعد فرانسیسی' انگریزی' جرمن' اطالوی اور دوسری زبانیں علمی حیثیت اختیار کر گئیں۔

متعدد نامور انگریز عالموں کی بدولت عربی' فارسی اور سنسکرت کی بلند مرتبہ کتابوں کے انگریزی میں ترجمے ہوئے۔ ایک انگریز کی بدولت اٹھارویں صدی کے اختتام پر ناگری اور فارسی ٹائپ ایجاد ہوا۔ اردو والوں نے ٹائپ کو ناپسند کیا۔ اردو پیچھے رہ گئی۔ بنگالیوں نے ٹائپ کو سراہا۔ بنگالی آگے نکل گئے۔ سری رام پور کے عیسائی مشنریوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بنگالی زبان کو اختیار کیا۔ انھوں نے ٹائپ میں بنگالی کتابیں چھاپنا شروع کر دیں۔ بائبل کے بنگالی ترجمہ کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان کی کئی ایک مفید کتابوں کو بنگالی میں منتقل کر کے شائع کیا۔ بنگالی نثر کی ترقی میں پروفیسر کیری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جوشومار شمین نے سری رام پور میں کاغذ کا کارخانہ قائم کیا۔ ولیم وارڈ سری رام پور کے پریس کا نگران تھا۔ ان تینوں کی سرگرمیوں سے بنگالی زبان کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ ۱۸۳۹ء میں بنگالی زبان سرکاری طور پر بنگال کی زبان تسلیم کر لی گئی۔

ولکنز نے فارسی اور اردو کا جو ٹائپ تیار کیا تھا وہ ہندوستان میں اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز میں استعمال ہونے لگا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو اور فارسی کی جو کتابیں شائع ہوئیں وہ اسی ٹائپ میں تھیں۔ ۱۸۳۷ء کے بعد اردو اور فارسی کے لئے لیتھوگرافی استعمال ہونے لگی۔ ہندوستان کی بہت سی صوبائی زبانوں نے ٹائپ ہی کو اختیار کئے رکھا۔

ہندوستان میں انگریزی اخبار نویسی کی ابتدا کلکتہ میں ہوئی۔ ۱۷۸۰ء میں جیمز آگسٹس ہکی نے کلکتہ سے انگریزی زبان میں " ہکیز بنگال گزٹ" جاری کیا۔ دو سال بعد اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کے پریس کو بھی ضبط کر لیا گیا۔ ۱۷۸۵ء میں ایک سہ ماہی رسالہ "دی ایشیاٹک مسلینی" جاری ہوا اور قریب قریب اسی زمانے میں ہفتہ وار اخبار "کلکتہ گزٹ" جاری ہوا۔ ۱۸۱۵ء میں یہ اخبار "گورنمنٹ گزٹ" بن گیا۔ گورنمنٹ گزٹ کی اخباری حیثیت ۱۸۲۲ء میں ختم ہو گئی۔ ۱۷۸۰ء میں مدراس سے اور ۱۷۸۹ء میں بمبئی سے انگریزی اخبار جاری ہوئے "سماچار درپن" بنگالی زبان کا پہلا اخبار تھا۔ اس کا پہلا پرچہ ۲۳۔ مئی ۱۸۱۸ء کو شائع ہوا۔

اس اخبار کے چلانے والے سری رام پور کے عیسائی مشنری تھے۔ اسی سال گنگا دھر بھٹاچاریہ نے "بنگال سماچار" جاری کیا۔ ۱۸۲۱ء میں راجہ رام موہن رائے نے بنگالی زبان میں ہفتہ وار اخبار "سمند کمودی" نکالا۔ ایک سال بعد رام موہن رائے نے فارسی زبان میں "مراۃ الاخبار" جاری کیا۔ یہ اخبار اس زمانے کے آزاد خیال لوگوں میں بہت مقبول ہوا۔ منشی سدا سکھ اور منی رام ٹھاکر کے اخبار "جام جہاں نما" اور "شمس الاخبار" بھی اسی زمانے میں شائع ہوئے۔ ۱۸۲۳ء میں بمبئی سے گجراتی زبان میں "بمبئی سماچار" جاری ہوا۔ ۱۸۲۳ء میں کلکتہ سے گیارہ اخبار انگریزی میں، نو بنگالی میں اور ایک فارسی میں نکلتے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں اردو صحافت کا آغاز ہوا۔ اس سال بنارس سے "خیر خواہ ہند" اور دہلی سے "سید الاخبار" جاری ہوئے۔ ایک سال بعد مولوی باقر حسین نے دلی سے اردو اخبار جاری کیا۔ اس اخبار کی نوعیت ادبی تھی۔ ان اخباروں کے علاوہ دلی سے بعض دوسرے اخبار بھی شائع ہوئے ان میں مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ ابو ظفر بہادر شاہ کا اردو اخبار بھی تھا۔ ۱۸۵۰ء میں ہر سکھ رائے نے لاہور سے "کوہ نور" جاری کیا۔ اسی سال گوجرانوالہ سے "گلزار پنجاب" اور سیالکوٹ سے "خورشید عالم" جاری ہوئے۔ اس زمانے میں طباعت اور صحافت میں لکھنؤ نے ایک نمایاں حیثیت اختیار کرلی تھی۔ ۱۸۵۰ء میں وہاں تیرہ چھاپے خانے تھے۔ دہلی کے "صادق الاخبار" (فارسی) کے اقتباسات کو ابو ظفر بہادر شاہ کے مقدمے میں پیش کیا گیا تھا۔ علمی اور تاریخی مضمونوں کے لئے بابو گوند رگھوناتھ کا "آفتاب ہند" (بنارس) اس زمانے میں بہت مقبول تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں انگریزی، بنگالی، اردو، گجراتی اور فارسی اخباروں کی تعداد بہت کافی تھی۔

۱۸۵۷ء میں اخباروں پر پابندیاں عاید کردی گئیں۔ نئے پریس ایکٹ کی رو سے حکومت اپنے پورے اختیارات استعمال کرنے لگی۔ ان پابندیوں کا ہندوستانی اخباروں پر بہت برا اثر پڑا لیکن بیس سال کے بعد ہندوستانی صحافت از سرنو ترقی کرگئی۔ ۱۸۷۸ء میں پریس پر پابندیاں لگاتے وقت ہندوستان کی صحافت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انگریزی اور دیسی زبانوں کے اخباروں میں امتیاز کیا گیا۔ سولھویں صدی کے وسط میں پرتگیزوں نے گوا میں دو پریس لگوائے تھے۔ ایک پر تگیزی نے تامل

اور ملیالم رسم خط کا ٹائپ تیار کیا۔ چنانچہ ۱۵۵۷ء میں ان میں سے ایک زبان کی پہلی کتاب ٹائپ میں چھاپی گئی۔ جس زمانے میں شمالی ہندوستان والے پریس کے تصور سے ناآشنا تھے تب جنوبی ہندوستان کے کئی شہروں میں پرتگیزوں کے ذریعے دیسی زبانوں کے پریس قائم ہو چکے تھے۔ یہ بات معلوم کرنا باقی ہے کہ اس زمانے میں پرتگیزی یا کسی دوسری زبان میں کوئی اخبار بھی نکلتا تھا یا نہیں۔ جیمز آگسٹس ہکی نے ہندوستان میں انگریزی زبان کا پہلا اخبار ۱۷۸۰ء میں کلکتہ سے جاری کیا۔ ہندوستان میں چونکہ صحافت کا آغاز حکومت کی مدح یا قصیدہ خوانی سے نہیں ہوا تھا اس لئے کمپنی کی حکمران جماعت کو شروع ہی سے اخباروں کے متعلق بدگمانی ہو گئی۔ اٹھارویں صدی میں ہندوستان کے تمام اخبار انگریزی زبان میں شائع ہوتے تھے۔ ان اخباروں کے انگریز ایڈیٹر کمپنی کی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کرتے۔ اس نکتہ چینی کے پیش نظر ۱۷۹۴ء میں سر جان شور کے نزدیک "کلکتہ کے اخباروں نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اس کا جاری رہنا بہت خطرناک ہوگا" پانچ سال بعد اخباری نکتہ چینی نے ویلزلی سے یہ کہلوایا کہ "میں بہت جلد ایڈیٹروں کی پوری جماعت کے لئے ایک قانون مرتب کرنے والا ہوں۔" ویلزلی کے مرتب کردہ پریس ایکٹ کی رو سے جب تک کوئی مقرر کردہ افسر اخبار کا معائنہ نہیں کرلیتا تھا اس وقت تک اخبار شائع نہیں ہو سکتا تھا۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو انگلستان بھیج دیا جاتا تھا۔ اس قانون کے ساتھ ہی کلکتہ میں سنسر کا محکمہ بھی قائم ہوگیا۔ اس احتساب نے کمپنی کے مالی معاملات سے متعلق خبروں کی اشاعت ممنوع کردی۔ جہازوں کی آمد و رفت، کمپنی کی سیاسی سرگرمیوں اور افسروں کے انتظامی امور سے متعلق خبریں شائع کرنا خلاف قانون قرار دیا گیا۔ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ سے گورنمنٹ گزٹ جاری کیا گیا۔ اس گزٹ کے اجرا کا مقصد ان اخباروں کے اثر کو کم کرنا تھا جو پریس ایکٹ اور سنسر کی عائد کردہ پابندیوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ۱۸۱۱ء میں اخباروں پر مزید پابندیاں عائد کی گئیں۔ لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں اخباروں کو نسبتاً" آزادی حاصل تھی ۔ اس کے حکم سے سنسرشپ کا محکمہ توڑ دیا گیا۔ ۱۸۲۳ء میں جو قانون نافذ کیا گیا اس کی رو سے حکومت سے لائسنس حاصل کئے بغیر کوئی شخص اخبار، اشتہار یا کتاب نہیں چھاپ سکتا تھا۔ چھاپہ خانہ کے لئے بھی لائسنس حاصل

کرنا ضروری ہوگیا۔ اس نئے قانون کے خلاف راجہ رام موہن رائے نے کلکتہ کی عدالت میں اپیل کی۔ چونکہ فیصلہ ان کے خلاف ہوا تھا اس لئے انھوں نے پروٹسٹ کے طور پہ "مراۃ الاخبار" بند کردیا۔ اس سلسلہ میں راجا رام موہن نے ملک معظم سے یہ اپیل کی تھی۔ ۱۸۲۵ء کے آخری دنوں میں ایک نئے قانون کے ذریعے سرکاری ملازموں کا اخباروں کی ادارت یا ملکیت سے بے تعلق رہنا ضروری تھا۔ ۱۸۳۵ء میں میکالے کے مرتب کردہ مسودہ نے قانونی صورت اختیار کرلی۔ اس قانون کی بنیاد یہ تھی کہ ہندوستان کے تمام طبقوں کو اظہار خیال کی آزادی ہونا چاہیے۔ اس قانون کے لئے سرچارلس مٹکاف کو گورنر جنرل کے عہدے سے سبک دوش ہونا پڑا کمپنی کے ایک ڈائرکٹر کے الفاظ میں "پریس کی آزادی' اس کا ناقابل معافی جرم ہے۔" سرچارلس مٹکاف کے قانون کا نتیجہ اخباروں کی تعداد کے اضافے میں ظاہر ہوا۔ سرچارلس مٹکاف کا جانشین لارڈ آکلینڈ بھی اسی قانون کا حامی تھا۔ اس قانون کی رو سے سرکاری ملازموں کو اخباروں کی ادارت یا ملکیت میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔ یہ قانون ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ اس سال اخباروں پر بہت سی پابندیاں لگائی گئیں۔

دیسی زبانوں کے احیاء کی تاریخ میں پنجاب کی پوزیشن جداگانہ تھی۔ پنجاب جہاں مختلف قوموں اور نسلوں کا مقام اتصال ہے وہاں پنجابی زبان مختلف زبانوں کا ایک آمیزہ ہے۔ مغلوں کے دور میں سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح پنجاب کی دفتری زبان بھی فارسی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آخری سالوں میں پنجاب کے مدرسوں میں فارسی اور عربی کتابوں کے علاوہ دینیات اور اخلاق کی تعلیم کے لئے پنجابی زبان کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ انیسویں صدی میں دوسری صوبائی زبانوں نے نثر میں نمایاں ترقی کی لیکن پنجابی زبان اس ترقی سے محروم رہی۔ قریباً ایک سو سال تک پنجاب داخلی بے چینیوں اور خارجی حملوں سے تباہ ہوتا رہا۔ اندرونی بے چینی اور بیرونی حملوں نے پنجابیوں کی زندگی کو پریشان کردیا تھا۔ پریشانی کے اس عالم میں کسی نئی زبان کی ترقی کے امکانات کہاں تھے۔ دفتری کام کاج تھوڑا یا بہت جو کچھ تھا اس دور میں فارسی ہی میں ہوتا رہا۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد میں دفتری اور خارجی تعلقات کی زبان فارسی ہی رہی۔ جب انگریزوں نے پنجاب کو

فتح کیا تو وہ انگریزی کے ساتھ اردو بھی لائے پنجاب کی دفتری زبان اردو بن گئی۔ وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں فارسی ادب' دہلی کی سرپرستی سے محروم ہو چکا تھا لیکن اس پر بھی فارسی علوم و فنون اس حد تک باقی تھے کہ وارن ہیسٹنگز نے خواہش کی کہ آکسفورڈ میں فارسی زبان کی تعلیم یونیورسٹی کے نصاب کا ایک جزو قرار دی جائے۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے نہ صرف سنسکرت' عربی اور فارسی کی پرانی کتابوں کا ترجمہ کیا بلکہ اس زمانہ کے کئی ایک مصنفوں کی تازہ کتابوں کا ان کی علمی حیثیت کے پیش نظر انگریزی میں ترجمہ کرایا۔ اس زمانے میں کئی ایک جدید علمی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ تفضل حسین خاں جو ۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۲ء تک کلکتہ میں آصف الدولہ کا وکیل رہا' یورپ کی بہت سی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے نیوٹن کی بعض کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ تعلیمی حیثیت سے اٹھارویں صدی ہندوستان کی تاریک صدی ہے سیاسی بے چینی اور خوف و ہراس کی آندھیوں میں مدرسوں کا چراغ کیونکر روشن ہو سکتا تھا۔ بڑی بڑی درسگاہیں شاہی سرپرستی سے محروم ہو کر معدوم ہو رہی تھیں۔ وران ہیسٹنگز نے ۱۷۸۰ء میں "کلکتہ مدرسہ" قائم کیا۔ ۱۷۹۱ء میں بنارس میں "سنسکرت کالج" قائم ہوا۔ اس کالج کا مقصد عدالتوں کے لئے پنڈت فراہم کرنا تھا۔ ایک مدت بعد اس کالج کو بنارس کالج میں مدغم کر دیا گیا۔ کمپنی کے ملازموں کی تعلیم کے لئے لارڈ ویلزلی نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں "فورٹ ولیم کالج" قائم کیا۔ مدراس اور بمبئی میں بھی اس قسم کے کالج قائم ہوئے۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں بنگال میں انگریزی زبان نے تیزی سے ترقی کی۔ صوبائی ضرورتوں نے اس دور میں بنگالی زبان کو ترقی کرنے کا موقعہ دیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں چن سرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ جس میں بنگالی کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ بنگال میں انگریزی زبان اس قدر مقبول ہو رہی تھی کہ ۱۸۱۷ء میں ہندو کالج کے نام سے ایک غیر سرکاری درسگاہ قائم ہو گئی۔ انگریزی کے علاوہ کلکتہ کے ہندو کالج میں بنگالی اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ اس کالج کی بدولت بنگالیوں میں سائنٹفک خیالات نے جگہ پائی۔ قدامت پسند طبقہ بنگال کے ان نوجوانوں کے نئے خیالات سے بہت پریشان ہوا۔ ۱۸۲۴ء میں تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان انگریزی میں نہ صرف روانی بلکہ سلیقہ سے بات چیت کر سکتے تھے۔ ۱۸۲۸ء میں دہلی کالج اور آگرہ

کالج میں قائم ہوئے۔ ان کالجوں میں بھی انگریزی پڑھنے والوں کی تعداد کافی تھی۔ چونکہ انگریزی خواں کو ملازمت حاصل کرنے میں آسانیاں تھیں اس لئے نوجوان انگریزی تعلیم پر ٹوٹ پڑے۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے ہندوستان کے صوبوں میں غیر سرکاری سکول قائم ہو رہے تھے۔ انگریزی کی مقبولیت دراصل اسے سرکاری زبان بنائے جانے کا مطالبہ تھا۔ لہٰذا سرکاری مدرسوں میں نہ صرف انگریزی پڑھائی جانے لگی بلکہ انگریزی کو مروجہ علوم و فنون کا ذریعہ تعلیم بنادیا گیا۔ انگریزی کی اس عمومیت کا آگے چل کر دیسی زبانوں کے ادب پر خوش گوار اثر پڑا۔ دیسی زبانوں کا ادب تازہ ترین افکار سے مالا مال ہونے لگا۔ ۱۸۵۴ء کے بعد ہندوستان میں نئی تعلیمی تجویز پر عمل کیا گیا۔ اس تجویز کی رو سے غیر سرکاری مدرسوں کو مالی مدد ملنا شروع ہوگئی' نیز اعلیٰ درجوں کے لئے انگریزی اور ادنیٰ درجوں کے لئے دیسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم تجویز کیا گیا۔ اسی تعلیم کی رو سے ۱۸۵۷ء میں کلکتہ' بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔

۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں انگریزی تعلیم کافی حد تک پھیل چکی تھی۔ انگریزی تعلیم کے سبب سے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے نوجوان فلسفہ' سائنس اور دوسرے علوم کے جدید تصورات سے آشنا ہوئے۔ اس آشنائی نے صوبائی زبانوں کو ترقی دی۔ اسی انگریزی خواں طبقے نے آگے چل کر ہندوستان کے سارے صوبوں میں درمیانی طبقے کی صورت اختیار کرلی۔